بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# اسلامی نظامِ حکومت

یعنی

# رسولِ عربی
صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

# کے اسلام کا نفاذ


از حضورِ پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم
کا سپاہی امیر افضل خان

بسم اللہ الرحمن الرحیم



| اشاعت اول | فروری 1996ء | تعداد ایک ہزار |
| --- | --- | --- |
| اشاعت دوم | مئی 1996ء | تعداد ایک ہزار |

مصنف اور ناشر میجر (ریٹائرڈ) امیر افضل خان 19 ذی شان کالونی۔

قاب لائنز راولپنڈی۔ فون: 583778

قیمت 75/= روپے

مصنف کا آبائی گھر سکنہ مصطفیٰ آباد، علاقہ سون سکیسر، سب تحصیل نوشہرہ

ضلع خوشاب

کتاب بذریعہ وی پی پی نہ بھیجی جائے گی۔ منی آرڈر یا بنک کمیشن کے ساتھ چیک وصول ہونے پر رجسٹرڈ پارسل کر دی جائے گی۔

صاحب توفیق قارئین۔ چند کتابیں خرید کر دوستوں کو تحفۃً دیں۔ کہ ان کو معلوم ہو کہ ہماری بیماری کیا ہے اور اس کا علاج کیا ہے۔

# عرضداشت

رب نبی محمدؐ تو مقلب القلوب ہے۔ ہماری حالت پر رحم فرما، کہ ہمیں عزت اور غیرت کی زندگی عطا فرما، کہ حضور پاکؐ کے جمال سے ہم اس خطہ کو منور اور معطر کر دیں۔ اور حضور پاکؐ کے جلال سے غیرت حاصل کر کے جہاد کو طرز زندگی کے طور پر اپنا کر عشق بلاخیز کا قافلہ سخت جان بن جائیں کہ میر عربؐ کو یہاں سے ٹھنڈی ہوائیں جائیں۔ میرے انگریزی کے خط مورخہ 19 دسمبر 95ء کی عرضداشت اور میری قلبی واردات ...... سے آپ آگاہ ہیں، اب اسلام کی شوکت کے نظارے جلد کھلا......

از حضور پاکؐ کا سپاہی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# فہرست مضامین





بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسول الکریم

# پیش لفظ

## عاجزی

رب نبی محمدؐ! مجھے آپ کو اس نام سے پکارنے میں زیادہ لطف آتا ہے کہ قرآن پاک میں آپ نے اپنے حبیبؐ کے اسم مبارک، ان کے شہر اور ان سے وابستہ کئی چیزوں کی جو قسمیں اٹھائی ہیں، ان قسموں سے رحمتہ اللعالمین کی شان کو سمجھنے میں مجھ عاجز کے دل میں اور زیادہ عاجزی پیدا ہوتی ہے اور میرے آقاؐ پر لاکھوں سلام کے الفاظ میری رگ رگ میں رس گئے ہیں۔ اس لئے آج پھر سجدہ میں جاتا ہوں اور آپ کے حبیبؐ پر لاکھوں درود و سلام بھیجتا ہوں اور سب سے پہلے ایک پرانی گزارش یاد دلاتا ہوں۔ جس کو یہاں پھر دہراتا ہوں، کہ حساب کتاب والے دن مجھے "حضور پاکؐ کے سپاہی" کے نام سے ہی پکارنا۔ کہ یہ کچھ سن کر میرے آقاؐ کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہو جائے۔ اور حضور پاکؐ کے اصحابؓ اور باقی پیارے جو ساتھ موجود ہوں، ان کی تجسس بھری نگاہیں اٹھ جائیں، کہ اچھا، دنیا میں اس نام کا بھی کوئی آدمی تھا اور جن بزرگوں کے نام لے کر ان کو روزانہ یاد کرنے کی آپ نے جو مجھے توفیق دی ہے۔ وہ تو شاید اس عاجز کو ضرور جانتے ہوں گے اور پہچان بھی لیں گے۔

## نعمتوں کا شکریہ

2 ۔ رب نبی محمدؐ! آپ نے اس دنیا کی قید کی زندگی بھی میرے لئے آسان کر دی کہ آپ نے مجھے اتنی زیادہ نعمتوں سے نوازا کہ سب ذکر کئی مضامین میں بھی ختم نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہاں قناعت، امت محمدیؐ کی محبت اور کلمہ حق کے کہنے کی جو سعادتیں آپ نے مجھے عطا کی ہیں۔ ان کا ذکر اس لئے ضروری ہے کہ ان نعمتوں کا کتاب کے نفس مضمون کے ساتھ تعلق ہے۔ بے

شک مسلمانوں کی عظمت کے جن نظاروں کا میں بچپن سے خواہاں ہوں ، اس سلسلہ میں ابھی امید کے مرحلے ہی میں ہوں ۔لیکن آپ نے قناعت عطا فرمادی " کہ اے سپاہی ! بقول میاں محمد بخش " مالی دا کم پانی دینا ۔ بھر بھر مشکاں پاوے ۔ مالک دا کم پھل پھُل لانا لاوے یا نہ لاوے " پس تو کلمہ حق اور پاکیزہ کلمہ کہتا رہ یہ تیری سعادت ہے آگے میری مرضی کہ میں نے اس دنیا کے کھیل تماشے کو اپنی مرضی سے چلانا ہے ۔میرے ہاں نہ دیر ہے نہ اندھیر ۔"

## جھولی بھردے

3 ۔ رب نبی محمدؐ ! " یہ بات بالکل درست ہے ۔ لیکن مجھ سے یہ جھولی تم نے اپنے آگے پھیلادی ہے ۔کہ اب جب سے آپ نے اپنے گھر اور اپنے حبیبؐ کے گھر بلا بھیجا۔ تو میں یہ جھولی پھیلائے پھرتا ہوں ۔اور یہ گزارش کرتا پھرتا ہوں کہ اپنی اور اپنے حبیبؐ کے نام کی لاج رکھ ، کہ غیر تو کہتے ہیں ہم تیرے ہیں ۔تو مقلب القلوب ہے ۔ہمیں آدمی کا بچہ بنادے کہ ہم حضور پاکؐ کے جمال سے اس خطہ کو منور اور معطر کردیں اور حضور پاکؐ کے جلال سے غیرت حاصل کرکے جہاد کو طرز زندگی کی طور پر اپنا کر عشق بلاخیز کا قافلہ سخت جان بن جائیں کہ شیرِ عربؐ کو یہاں سے ٹھنڈی ہوائیں جائیں ۔ " اے میرے رب ! " لوگ مجھے پاگل کہتے ہیں ۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ یہ جنون امت محمدیؐ کی عظمت کے لئے ہے ۔اس لئے گزارش یہ ہے ۔کہ مجھے ان ابو جہلوں کے سامنے شرمندہ نہ کر ۔اور اب دیر نہ کر اور اپنی شان کی جھلک جلد دکھلا دے اور میری جھولی بھردے ۔"

## اسلام کے ساتھ فراڈ

4 ۔ رب نبی محمدؐ ! " کتنی افسوسناک بات ہے کہ کئی آدمی جنہوں نے اسلام کے دانشوروں والا لبادہ اوڑھا ہوا ہے ۔وہ کہتے ہیں کہ اسلام نے حکومت کا کوئی نظام دیا ہی نہیں ۔اور بے شک یہ بات صحیح ہے کہ جو لوگ اسلامی نظام کے نفاذ کی رٹ لگا کر ایک ٹریڈ یونین بنے ہوئے ہیں کہ اسلام کے ساتھ فراڈ کرکے ٹکڑے اڑا رہے ہیں یعنی روٹی کمارہے ہیں ۔وہ آج تک اسلامی نظام کا کوئی خاکہ نہ پیش کرسکے ۔تیری بڑی مہربانی کہ آپ نے مجھ سے اتنی زیادہ بامقصد کتابیں لکھوا



دیں کہ اسلام پر جو پردے پڑے ہوئے تھے وہ اتروادیئے ۔ لیکن افسوس کہ یہ " افلاطون " میری کتابوں کو پڑھنے کی تکلیف کرنے کو تیار نہیں ۔اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجدوں میں بیٹھ کر حضور پاکؐ کے جانشین بنے بیٹھے ہیں ۔

" اب حق تو یہ تھا کہ یہ لوگ میری کتابیں پڑھتے ۔میں نے کوئی غلطی کی تھی تو اس کی تصحیح کرتے ۔اپنے علم کو " اپ ٹو ڈیٹ " کرتے ۔ لیکن افسوس کہ کسی پر اثر نہیں ہورہا ۔ میں اس اشارہ میں دینی سیاسی جماعتوں کا ذکر کر رہا ہوں ۔ جس کی تفصیل میری کتاب " پنڈورا باکس " میں ہے ۔ کہ میں نے ان کو کیا کچھ نہ سمجھایا ۔ بلکہ 1993ء میں تو یہاں تک کہہ دیا کہ آنے والے انتخابات میں وہ لوگ بری طرح مار کھائیں گے اور پھر ایسے ہی ہوا ۔اور میں نے ان کو شرم بھی دلایا کہ اس کافرانہ سیاسی نظام میں ان کے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہے گا ۔ وہ توبہ اور ندامت کریں اور اسلام کے فرزند بنیں ۔لیکن ان کے کان پر جوں تک نہ رینگی ۔ چنانچہ 8 اکتوبر 1994ء کو میں نے ان کو جو کھلا خط لکھا ، اس کی کچھ جھلکیاں اور ان جماعتوں کے بارے میرے تاثرات کتاب کے ضمیمہ " الف " پر ہیں ۔

## مسٹر پاکستان

5 ۔ رب نبی محمدؐ ! " البتہ اس زمانے کے ایک اور " افلاطون " کا ذکر ضروری ہے کہ آپ کو معلوم ہے کہ اس " مسٹر پاکستان " کو 1979ء سے جو کچھ میں لکھ چکا ہوں ۔ وہ باتیں کئی کتابوں میں نہیں سماسکتیں کہ اس آدمی کو میں نے بار بار سمجھایا کہ اپنی اخبار میں بامقصد بحث اس طرح شروع کرے ، کہ مومن کے مقاصد حیات کیا ہیں ؟ اور اس بنیادی چیز پر ہم اپنے مقاصد کی عمارت کی بنیاد باندھیں اور اپنے لئے نشان راہ تلاش کریں ۔ لیکن یہ مسٹر Know all میری باتوں کو کبھی کچھ وقعت دے دیتا تھا ۔اور کبھی ان کو لال بجھکڑ کی ٹامک ٹوئیاں بنا دیتا تھا ۔ میں نے ہر طرح سے سمجھایا کہ اس طرح غیروں کے فلسفوں کی پیروی کرکے ، ہم مومن کی فراست سے عاری ہورہے ہیں اور قوم ذلت کی زندگی سے دوچار ہے ۔اور اس نے جو اسلام اور سنجیدگی کا لبادہ اوڑھ کر قوم کا رخ گمراہی کی طرح موڑ دیا ہے ۔ تو اس کا قلع قمع ہونا چاہیئے ۔

بہر حال تیری بڑی مہربانی کہ آپ نے صورت پیدا کردی کہ اس افلاطون ( مجید نظامی ) نے
1995ء میں مصطفیٰ صادق کی اخبار کے سلسلہ میں دانشوروں کے ایک اجتماع کو خطاب کرنا
تھا، جن میں ملک کے صدر سردار فاروق لغاری بھی موجود تھے ۔ یہ مجید نظامی اٹھا ۔ ایک فقرہ
اجتماع میں مدعو ہونے کے سلسلہ میں شکریہ کے طور پر کہا اور پھر کہا " کہ وہ اس اجتماع میں
خاک تقریر کرے ۔ یہ تقریر بھینس کے آگے بین بجانے والی بات ہے "

## مجید نظامی

6 ۔ رب نبی محمدؐ ! " تیری بڑی مہربانی کہ آپ نے مجھے توفیق دی کہ میں نے اسی دن فاروق
لغاری کو کاپی دیتے مجید نظامی کو خط لکھ دیا کہ اس کو یہ کلمہ حق کہنے پر لاکھ لاکھ مبارک کہیں کہ اس
کی فراست کام کر گئی اور اجتماع میں بیٹھے تمام لوگ فاروق لغاری سمیت جنہوں نے دانشوروں
کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا ۔ وہ مجید نظامی کو " بھینسوں " کی طرح نظر آئے ۔ لیکن مجید نظامی کے پاس
اگر مومن کی فراست آجاتی تو اس کو یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ ملک کی سب سے بڑی بھینس وہ خود
ہے ۔ بلکہ ملک کے اکثر دانشوروں کو بھینس بنانے میں مجید نظامی اور اس کی اخبار نے اہم کام
کیا اور میں یہی کچھ اس کو 1979ء سے باور کرا رہا ہوں ۔ چند دن یا ماہ بعد یہی مجید نظامی کہنے لگا
کہ اخبار نویسی پیغمبری پیشہ ہے ۔ تو مجھے اس کو لکھنا پڑا کہ یہ کلمہ کفر ہے خدارا ! مجید نظامی اپنی
دانشوری کو " سنبھالا " دو ۔ لیکن میری کئی ایسی نصیحتوں والے خطوط ، وہ ردی کے ٹوکرے میں
پھینک چکا ہے ۔ کہ 8 دسمبر 1995ء ایک بے دین الطاف گوہر سے اللہ تعالیٰ کو صفر کا درجہ
دلوایا ۔ اور انجیل کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کو " حرف " بنا دیا ۔ حالانکہ حرف زیادہ سے زیادہ اللہ
تعالیٰ کی کلام کے رتبے تک پہنچ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرحمن میں اپنے بعد اور انسان کی
تخلیق سے پہلے قرآن پاک کے علم کو جاری فرمایا " کہ ایک حدیث مبارکہ میں ذکر ہے کہ اللہ
تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا ۔ اور اس کو حکم دیا کہ لکھ ۔ " تو ظاہر ہے کہ حرف یا لکھائی
ثانوی چیزیں ہیں ۔ ان کو اللہ تعالیٰ کی شان دے دینا یا اللہ کی برابری دینا کفر ہے ۔ میں نے مجید
نظامی کو یہ سب کچھ لکھا ۔ لیکن اس نے ندامت تک نہ کی ۔

## نوائے وقت

7 ۔ بہر حال اس اخبار نوائے وقت کا معاملہ بڑا عجیب و غریب ہے کہ میں اپنی کتاب
" پنڈورا باکس " میں بھی بہت کچھ لکھ چکا ہوں ۔ کہ میرے لحاظ سے اس اخبار نے پاکستان کا بھی
بہت نقصان کیا ہے ۔ لیکن اسلام کے نقصان میں تو یہ اخبار مرزا غلام کذاب اور سرسید کو بھی
پیچھے چھوڑ گیا ہے ۔ لیکن حیرانگی کی بات ہے کہ اب تک یہ اخبار دائیں بازو والوں اور " اسلام
پسندوں " کا " گاڈ فادر " بنا ہوا ہے ۔ اور 1979ء تک میں خود اس اخبار کے مداحوں میں شامل
رہا ۔ تحریک پاکستان کے زمانے میں ہم خیالی قدرتی امر تھا ، جو قائم رہی کہ 1953ء کے لاہور
کے مارشل لاء کے دوران میں نے حمید نظامی ( مجید نظامی کے بڑے بھائی ) کو فوجیوں کے عتاب
سے کئی دفعہ بچایا ۔ 64-1963ء میں جب ایوب خان نیشنل پریس ٹرسٹ بنا رہا تھا تو کچھ
" چھپے ہاتھ " ڈان ، جنگ اور نوائے وقت کی " حفاظت " کر رہے تھے ۔ تو میں صدر ہاؤس میں تھا ۔
ڈان کے " اثرات " اور جنگ کے " تھالی کے بینگن " والے رویہ سے میں آگاہ تھا ۔ لیکن نوائے
وقت کے " محافظین " کا میں " کھوج " نہ لگا سکا ۔ اور میرے سامنے ایوب خان نے حمید نظامی کو
اپنی " کشتی " میں سوار کرنے کی جو کوشش کی ، وہ بھی بے نتیجہ رہی اور ایوب خان سخت غصہ میں
تھا ۔ تو میں نے اس کو علیحدگی میں کچھ ٹھنڈا کیا کہ نوائے وقت والے " دانا دشمن " ہیں ۔ وہ ان کا
زیادہ فکر نہ کرے ۔ بہر حال 1968ء میں جب ایوب خان کے خلاف تحریک شروع ہوئی تو
نوائے وقت ہر اول میں تھا اور اپنی اخبار نوائے وقت 24 جنوری 94ء میں خود مجید نظامی
نے تسلیم کیا ہے کہ بھٹو کو پاور میں لانے میں انہوں نے اہم رول ادا کیا تھا ۔ تو بہر حال
1968ء میں اس وقت کے سیکرٹری اطلاعات الطاف گوہر نے نوائے وقت کے اشتہار بند
کرا دیئے تھے ۔ میں واپس محکمہ تعلقات عامہ میں آ چکا تھا ۔ میں نے یہ حکم نہ مانا کہ نوائے وقت
" سنجیدہ " اخبار ہے اور ہم فوجی اس کے ساتھ بگاڑ نہیں پیدا کرنا چاہتے ۔

## بھول بھلیاں

8 ۔ 1979ء میں جب میں فوج سے آخری بار ریٹائر ہوا ۔ تو میری دنیا تبدیل ہو چکی تھی ۔

میں نے چالیس سال سے زیادہ عرصہ کی اپنی نوکری کے دوران اپنے سفروں، ریاضت اور مطالعہ سے جو عملی نتائج نکالے تھے یا پاکستان کی تین جنگوں میں شرکت نے میرے لئے جو عقدے کھولے تھے اور میں نے جب ان باتوں کا کھلم کھلا اعلان کرنا چاہا۔ تو میں نے اعزازی طور پر مضامین کے سلسلہ میں اسی اخبار نوائے وقت کو چنا۔ تو میری طرف مبارک کے خطوط کا تانتا بندھ گیا۔ لیکن چند مضامین کی اشاعت کے بعد میں جب رسول عربیؑ کے اسلام۔ نشان راہ یا نظریہ جہاد کی طرف آتا، تو مجید نظامی یا مضمون کو کانٹ چھانٹ کر کے بے جان کر دیتا۔ یا اگلے مضمون کی اشاعت میں اتنی دیر کر دیتا کہ مضمون کے اصلی روح کا تسلسل ٹوٹ جاتا۔ بڑی خط و کتابت کے بعد مجھ پر عیاں ہو گیا تھا کہ نوائے وقت لوگوں کو بھول بھلیاں میں رکھنا چاہتا ہے اور قوم کی صحیح نشان راہ کی طرف کبھی رہنمائی نہ ہونے دے گا۔ میں نے جو اتنی زیادہ کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا۔ تو اس کی ایک وجہ مجید نظامی کی طرف سے مایوسی بھی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے میرے لئے یہ بہتر سبب بنا دیا۔

## تاشقند کے راز

9 - 1985ء میں اس عاجز نے فیصلہ کر لیا کہ بھٹو جو راز اپنے ساتھ قبر میں لے گیا، (یعنی تاشقند کے اعلان کے نام پر پوری قوم کو بے وقوف بنایا۔) میں ان "رازوں" کو کتابی شکل دوں۔ اسی دوران مجید نظامی نے مجھے مضامین دوبارہ شروع کرنے کا پیغام بھجوایا۔ تو میں نے اسی کتاب کے چند اقتسابات مضامین کی صورت میں مجید نظامی کو بھیجے تو وہ جلدی شائع بھی ہو گئے اور پورے ملک میں واہ واہ ہو گئی لیکن مجید نظامی نے پھر وہی کانٹ چھانٹ والا سلسلہ اور التوا والا گر اپنایا۔ تو میں نے یہ کتاب شائع کر دی اور اس کتاب کے کچھ دلچسپ اقتسابات پنڈورا باکس میں بھی ہیں۔ ان دلچسپ انکشافات کو چند لفظوں میں قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ بھٹو کے راز۔ "اے پاکستان کے لوگو! تم بہت جاہل ہو۔ تم نے لیاقت علی کی سیاست کو نہ سمجھا، کہ وہ کشمیر بھارت کے حوالے کر گیا۔ جہاد میں جمود ڈلوا گیا۔ اور ربوہ میں قادیانیوں کا مرکز بنوا گیا۔ یہ کام اپنے خاص پروردہ ممتاز دولتانہ سے کرایا کہ اسی دولتانہ اور



لیاقت کے ایک اور پروردہ زاہد حسین، لیاقت علی کے اشارے سے پنجاب کے دریاؤں کا پانی بھارت کو دے آئے۔ 1949ء کی قرار داد مقاصد سے تم لوگوں کو اللہ کا شریک بنایا اور وطن کی پوجا سکھلائی۔ 1951ء میں ایک طرف بھارت کا "مکا" دکھا کر تمہیں بے وقوف بنایا ادھر لیاقت، نہرہ سمجھوتہ پر دستخط کر آیا۔ تم جاہل قوم لیاقت کو قائد ملت یا شہید ملت کہتے ہو۔ تمہارے ساتھ جتنا فراڈ کیا جائے ٹھیک ہے کہ میرے لحاظ سے زندگی ویسے بھی فراڈ ہے۔ اسی وجہ سے اللہ اور رسولؐ کے نام پر بنائے گئے ملک کا پہلا صدر غدار میر جعفر کا پڑپوتا سکندر مرزا تھا۔ ایوب جو کالا انگریز تھا۔ وہ پکے طور پر تمہیں امریکیوں کی غلامی میں دے گیا۔ یحییٰ خان سے تمہاری جماعت اسلامی کے میاں طفیل نے یہ امید لگائی کہ وہ ملک کو اسلامی قانون دے گا۔ تو وہ میری اور غلام کذاب کے پوتے ایم ایم احمد کی مشاورت سے ملک کو دولخت کر گیا۔ اور فوج کو قربانی کا بکرا بنا کر نوے ہزار فوجیوں سے ہتھیار ڈلوا کر تمہارے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگا دیا گیا میں بھٹو نے ستمبر 1965ء میں تمہاری فوج سے لاہور کو خالی رکھا کر لاہور بھارت کے حوالے کرنے کی اس طرح تدبیر بنائی جس طرح "میرا باپ" شاہ نواز جونا گڑھ 1947ء میں بھارت کے حوالے کر گیا تھا۔ لیکن لاہور بچ گیا تو میں نے سیکورٹی کونسل میں رونے کا ڈرامہ رچایا۔ اور بھارت کے ساتھ ایک ہزار سال جنگ کرنے کا اعلان کر کے تم ساری قوم کو بے وقوف بنایا۔ تاشقند کے معاہدہ کا ڈرافٹ بھی میں نے تیار کیا تھا۔ لیکن الزام دوسروں کے سروں پر تھونپ دیا۔ ایوب خان اور موسیٰ خان میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ اگر وہ لوگ میرا کوئی راز فاش کرتے تو خود بھی ننگے ہو جاتے۔ اور تم جاہل لوگ مجھے اپنا نجات دہندہ سمجھتے ہو۔ تو میں نے مجیب الرحمن کے ساتھ مل کر "تم ادھر اور ہم ادھر" کر دیا۔ اور یحییٰ خان سے جو کچھ کرایا اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ مجھ سے البتہ ایک غلطی ہو گئی کہ میں اپنے "آقاؤں" سے بغاوت کر بیٹھا، کہ میں نے کہا کہ پاکستان کو نیوکلر بناؤں گا۔ تو انہوں نے مجھے پھانسی چڑھا دیا۔ کہ مجھے پھانسی چڑھانے والا ضیاء الحق بھی امریکیوں کا پروردہ تھا۔ لیکن جب اس کی ضرورت باقی نہ رہی تو انہوں نے اس کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ کیا میری بیٹی بے نظیر کو یہ سب باتیں معلوم نہیں؟ لیکن اس کو تخت چاہیئے اور تخت صرف امریکیوں کی مدد سے ملتا ہے۔ اس لئے نواز شریف بھی واشنگٹن کے

چکر لگاتا رہتا ہے۔"

## کتابوں کی اشاعت

10 ۔ اب میری یہ باتیں کون شائع کرتا۔ میں نے تاشقند کے اصلی راز والی کتاب بھی شائع کردی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی تو میں نے رسول عربیؐ کے اسلام پر کتاب "حضور پاکؐ کا جلال و جمال" بھی شائع کردی ہے۔ جس پر کچھ صاحبان کے تبصرے ضمیمہ "ب" پر ہیں۔ جہاد کشمیر پر کتاب لکھنے کے معاہدہ اور آصف نواز کی غداری، کہ وہ کتاب کی اشاعت میں رکاوٹ بن گیا۔ یہ لمبی کہانیاں ہیں۔ لیکن رب نبی محمدؐ نے مجھے توفیق دی کہ وہ کتاب بھی میں نے شائع کردی جس پر کچھ تبصرے ضمیمہ "ج" پر ہیں۔ اور اس عاجز نے جو اتنے سال جدوجہد جاری رکھی اس کا خلاصہ ضمیمہ "د" پر ہے۔ اور میں نے اب خطوط کے ذریعہ سے جو تبلیغ جاری رکھی ہوئی ہے کہ اے لوگو! میری کتابیں پڑھو اور اپنے لئے نشان راہ تلاش کرو، کہ عشق بلاخیز کا قافلہ سخت جان بن جاؤ۔ ایسے لوگ مجھے دینی سیاسی جماعتوں میں ہرگز نظر نہ آئے۔ بے دین جماعتوں خواہ پیپلز پارٹی ہو یا مہاجر قومی موومنٹ یا نیشنل عوامی پارٹی ان لوگوں کو میں "اسلام علیکم" کہنے کو تیار نہیں یا دینی جماعتوں میں فضل رحمن یا نوارنی کی قسم کے لوگوں کو بھی میں "اسلام علیکم" نہیں کہتا، کہ میرا ظاہر اور باطن ایک ہے۔ فاروق لغاری کو بھی اس لئے خط لکھ لیتا ہوں کہ وہ ملک کا صدر ہے اور کہہ چکا ہے کہ وہ پیپلز پارٹی میں اب شامل نہیں۔ نصیر اللہ بابر کو بھی ضرور "اسلام علیکم" کہوں گا۔ کہ ملک کے قانون کے مطابق وہ الطاف گروپ کے خلاف صحیح کاروائی کررہا ہے۔ اور اس میں یہ ہمت بھی ہے کہ اس نے کھل کر کہا کہ وہ بنیاد پرست مسلمان ہے۔ اور امریکیوں کے ڈر سے نواز شریف کو ایسا کہنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

## فوجی لیڈر

11 ۔ چنانچہ میں زیادہ خطوط تو فوج کی لیڈر شپ کو بھیجتا ہوں اور ان کو نہ صرف صاف طور پر یہ لکھتا ہوں کہ وہ اللہ کے راستے میں آئیں بلکہ جنرل عبدالوحید اور اس کے ماتحتوں کو درجنوں خطوط لکھ چکا ہوں کہ آصف نواز جو اسلام اور میرے ساتھ غداری کرگیا ہے اس کا ازالہ کرو۔



اور میں نے اپنی تینوں جنگوں خاص کر جہاد کشمیر کے سلسلہ میں سچ تلاش کرلیا ہے۔ تو میرے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا اس کے مطابق مجھے اعزازیہ یا معاوضہ دلاؤ۔ افسوس کی بات ہے کہ جنرل عبدالوحید کے کان پر جوں نہیں رینگتی اور اب اس کی ریٹائر منٹ سے پہلے 19 دسمبر95ء کو میں نے یہ معاملات بھی رب نبی محمدؐ کے سپرد کردیئے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں میرے سب خطوط پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ جنرل وحید کو کئی دفعہ سمجھایا کہ اول آصف نواز کی بدبو کی وجہ سے جو اس کی قبر اس کو باہر پھینک چکی ہے اس سے سبق سیکھو۔ دوم اس ملک کا دفاع صرف نظریہ جہاد کو اپنانے سے ہوسکتا ہے اور میں نے جو حق و سچ تلاش کئے ہیں۔ ان کا مطالعہ کرا کے اپنے لئے نشان راہ تلاش کرو۔ بلکہ اس کو 1993ء جولائی میں یہ بھی بذریعہ خط سمجھایا کہ ان کافرانہ نظاموں کو سہارا دینے میں فوج کو حصہ دار نہ بناؤ۔ یہ کافرانہ نظام اب زیادہ دیر نہ چل سکیں گے لیکن افسوس کہ فوج میں جو اچھے لوگ اکٹھے ہیں۔ ان کی صحیح رہنمائی نہیں ہورہی۔ خدا کرے اب جنرل جہانگیر کرامت ان معاملات کو سمجھنے کی کوشش کرے۔

## نواز شریف

12 ۔ فوج کے بعد اگر اچھے لوگ کہیں موجود ہیں تو وہ مسلم لیگ نواز گروپ میں ہیں۔ گو نواز شریف از خود بڑے عامیانہ ذہن کا مالک ہے۔ لیکن حالات نے اس کو ان لوگوں کا سربراہ بنادیا ہے کہ کافی لوگ بھٹو اور اس کے خاندان یا پیپلز پارٹی کی لوٹ و مار سے نالاں ہیں۔ اور نواز شریف ملک کے ساتھ غداری نہ کرے گا کہ بنیادی طور پر اس کا تعلق مذہبی خاندان سے ہے اور اس کو بھی میں خط لکھتا رہتا ہوں اور ایک ایسا خط میں نے 13 اکتوبر95ء کو لکھا اور کاپی نوائے وقت کو بھیج دی تو یہ خط 4 نومبر کو نوائے وقت میں شائع ہوگیا۔ اور اس کو ضمیمہ "ر" پر دیا جارہا ہے کہ اس خط کے بعد نواز شریف کی طرف سے مجھے گزارش کی گئی ہے کہ میں اسلامی نظام کا خاکہ نوائے وقت میں شائع کراؤں کہ لوگ بھی اس سے استفادہ کریں۔ میرا خیال ہے، اور آنے والے واقعات اور جائزے اس کے ثبوت میں جاتے ہیں، کہ شاید نواز شریف نے خط پڑھا ہی نہ ہو۔ اور یہ کچھ مجید نظامی، نواز شریف کے ساتھ زبانی بات کرکے یا "بھروسے" کے طور

پر خود کر رہا ہو کہ وہ تمام دائیں بازو والوں اور نواز مسلم لیگ کا "گاڈ فادر" بنا ہوا ہے ۔ اور ان
بے چاروں کو صحیح اسلام کی طرف نہیں آنے دیتا ۔

## الطاف گوہر

13 ۔ میں اب بہت بوڑھا ہو چکا ہوں ۔ اور میں سب باتیں حوالوں کے ساتھ اپنی کتابوں کا
حصہ بنا چکا ہوں ، کہ لوگ وہ کتابیں پڑھ کر اس زمانے کی ضرورت کے لئے خود قرآن پاک اور
سنت نبویؐ میں میرے بیان شدہ خاکوں کے تحت نشان راہ تلاش کریں ۔ چند مضامین میں یا
دس ، بارہ مضامین میں بھی ، اسلامی نظام حکومت اور اس کے تقاضوں کو نہیں سمجھا جا سکتا ۔
لیکن مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ یہ مجید نظامی کی شرارت ہے ۔ کہ میجر امیر افضل ، مضمون نہ بھیج
سکے گا اور اگلی دفعہ وہ مجھے خوب لتاڑیں گے ۔ 5 نومبر کو ہی اس کو کچھ افسوس ہوا ، کہ وہ اس خط
سے الطاف گوہر کی ایسی تیسی کرا بیٹھا تھا ، تو ساتھ وضاحت کر دی کہ الطاف گوہر جواب دے ۔
تو میں نے 7 نومبر کو ہی مجید نظامی کو خط لکھ دیا کہ اللہ کرے الطاف گوہر جواب دے ، تو میں
باقی کسر بھی نکال دوں گا ۔ اب قارئین خود اندازہ لگالیں کہ جو کچھ الطاف گوہر کے بارے شائع
ہوا ۔ اگر وہ اس سلسلہ میں ندامت نہیں کرتا یا اپنے دفاع میں کچھ نہیں کہتا تو ایسے بے کردار کو
مجید نظامی " فاضل اور محترم " کالم نگار کے القاب کیوں دے رہا ہے ۔ بلکہ میں پہلے بیان کر آیا
ہوں کہ مجید نظامی اس آدمی کی مدد سے اور زیادہ کفر پھیلا کر قوم کو گمراہ کرنے کے سلسلہ کو دسمبر
95ء میں بھی جاری کئے ہوئے ہے ۔

## مایوسی

14 ۔ اس عاجز نے البتہ 30 صفحات کا اسلامی نظام کا خاکہ مجید نظامی کو 12 نومبر 95ء کو
ہی بھیج دیا تھا ۔ اور ساتھ لکھا کہ اس خاکہ کی وضاحت میں اسلامی فلسفہ حیات ، صراط مستقیم ،
باطل فلسفوں کے اثرات اور جہاد وغیرہ کے تقاضوں کے سلسلہ میں مضامین تیار ہو رہے ہیں اور
جیسے مجید نظامی یہ مضامین شائع کرنے لگے گا تو دوسرے اس کو پہنچنا شروع ہو جائیں گے ۔ اب
ان مضامین کو قاری بہتر طور پر میری کتاب سے سمجھ سکتے ہیں ، کہ میں نے ہر نظریہ کو قرآن پاک



اور سنت کے حوالہ سے پیش کیا ہے ۔ اور ہر واقعہ کو اس کے نتائج اور اثرات سے واضح کیا ہے ۔
پھر بھی میں اپنے کام کو حرف آخر نہیں کہتا اور لوگوں کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ ان تحقیقوں کو
آگے بڑھائیں ۔ مجید نظامی نے ایسی چپ سادھی ہے کہ یاد دہانیوں کے باوجود ۔ نہ خط کا جواب
دیتا ہے اور نہ مضمون شائع کرتا ہے ۔ ادھر مسلم لیگ میں یہ عاجز راجہ ظفر الحق اور مشاہد حسین
کو تمام خطوط کی کاپیاں دے رہا ہے کہ وہ لوگ یا تو مجید نظامی کو مجبور کریں کہ وہ مضمون شائع
کرے یا ان مضامین کو کہیں اور شائع کرایا جائے تو یہ لوگ بھی خاموش ہیں ۔ ظاہر ہے کہ یا تو
نواز شریف کا شروع میں مجید نظامی نے نام استعمال کیا ۔ یا نواز شریف وغیرہ بھی صرف اسلام کا
نام استعمال کر رہے ہیں ۔ اور مجھے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ہاتف غیبی سے مجھے صدا مل رہی ہے
" کہ اے سپاہی ۔ رب نبی محمدؐ کی خواہش ہے کہ یہ کام بھی تیری قلم اور ہاتھوں سے نکلے اور اس
سلسلہ میں ایک کتاب شائع کر دو ۔ بے شک تیرے پاس ذرائع یا پیسے نہیں ۔ لیکن تم قناعت
مانگتے ہو ۔ تو رب نبی محمدؐ تمہیں صرف اتنا کچھ دیتا ہے کہ خرچ پورا کرتے رہو ۔ یہ خرچ بھی وہ
کہیں سے پورا کر دے گا ۔"

قارئین! تو یہ ہے اس کتاب کی اشاعت کا پس منظر ۔ البتہ نوائے وقت کے فراڈ پر میں
نے 1989ء میں بھی ایک اشتہار شائع کیا تھا ۔ اور قوم جب تک ان اخباروں اور لکھنے والوں
کا محاسبہ نہیں کرتی ۔ یہ ملک ٹھیک نہیں ہو سکتا ۔ یہ لوگ قوم کے ساتھ فراڈ کر رہے ہیں ۔ اور
معمولی آدمی ارب پتی ہو گئے ہیں ۔ زاہد ملک اور الطاف قریشی دو نام مثال کے طور پر پیش کئے
جاتے ہیں ۔

## طاغوت سے کفر

15 ۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک کی سورۃ بقرۃ کی آیات نمبر 256 اور 257 میں اس پہلو کی
وضاحت کرتا ہے ۔ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور طاغوت کے ساتھ کفر کرتے ہیں
ان کو اللہ تعالیٰ اندھیروں سے روشنی کی طرف لاتا ہے ۔ اب جو لوگ بے دین آدمیوں کو بے
دین نہیں کہتے وہ اندھیروں میں رہیں گے کہ قاضی حسین احمد ۔ اور فضل الرحمن ، بے نظیر سے

ملاقات کے لئے پہنچ جاتے ہیں ۔ہمدرد والا حکیم سعید امریکہ کے "ایجنٹ" زاہد ملک کو شام ہمدرد میں بلا کر اس سے تقریر کراتا ہے ، اور وہ کہتا ہے کہ ہمیں اسرائیل کو تسلیم کرلینا چاہیئے ۔ یہ دو اڑھائی سال پہلے کی بات ہے ۔وہاں میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور زاہد ملک اور حکیم سعید کو میں نے جو کھری کھری سنائیں ۔ سارے لوگ خاموشی سے سنتے رہے اور افسوس کہ اس حکیم سعید کا محاسبہ نہیں کیا جاتا۔" یہ اسلام پسندہ "سعید ۔ ایک "دریدئے" احمد فراز کو بھی شام ہمدرد میں بلاتا ہے ۔جوش ملیح آبادی کی برسی پر ایک دفعہ ضیاء الحق نے بھی پیغام بھیجا ۔ میں نے خط لکھا کہ اگلی دفعہ ابوجہل کی برسی کا بندوست بھی ہوجائے ۔ جب جوش مرا تو اس وقت صلاح الدین مرحوم جسارت کا ایڈیٹر تھا ۔ آٹھ کالم کی خبر تھی ۔ حفیظ جالندھری نے بہتر پیغام دیا ۔ کہ کاش جوش چند روز اور زندہ رہتا ۔ اور توبہ کرکے مرتا ۔ اسی طرح حفیظ جالندھری فوت ہوا تو جسارت نے اندر والے صفحہ پر ایک کالم میں خبر دی ۔ میں نے صلاح الدین کو شرمندہ کیا کہ انہی دنوں وہ ٹی وی پر لیاقت علی کی برسی پر اس کو خراج تحسین پیش کرنے والوں میں شامل ہوا تھا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ صلاح الدین پر میری باتوں کے اثرات ہوئے ۔ اور مہاجروں والی تنگ نظری اس نے چھوڑ دی اور صرف مسلمان بن گیا ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو شہادت نصیب کر دی ہے ۔

## کلمہ حق

16 ۔ جنگ کا خلیل الرحمن اور ہم آزادی سے پہلے دہلی میں سائیکل پر گزارا کرتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بڑی دولت نصیب کی ۔ میں نے ایک دفعہ کہا کہ اللہ کے راستے پر آؤ کہنے لگا ۔ بڑا مشکل ہے یہ دوکانداری ہے ۔ حلال و حرام دونوں چیزیں بیچتا ہوں ۔ زیادہ لوگ حرام خریدنے کی طرف مائل ہیں ۔ ظہور عالم شہید نے نوائے وقت کو چھوڑ دیا کہ وہ کلمہ حق لکھے گا ۔ مجید نظامی نے اس کو کہا کہ یہ کام نہ چلے گا ، یہاں منافقت تک کرنا پڑتی ہے ۔ اور اگر کام نہ چلے تو جس وقت چاہو واپس آجاؤ ۔ نوائے وقت کے دروازے کھلے ہیں ۔ ظہور عالم کا کام نہ چلا ۔ لیکن کلمہ حق کے پرچار پر قائم رہا ۔ لوگ مجھے کہتے ہیں کہ میں اخباروں میں مضامین کیوں نہیں لکھتا ۔ کون



میرے مضامین شائع کرے گا ۔ اور یہ کچھ میں نے لکھا ہے ۔ اس کو کونسی اخبار شائع کرے گی ۔ ہمارا مسئلہ اخبار نویس یا صحافی نہیں ۔ وہ بے چارے سب کچھ لکھنے کو تیار ہیں ۔ یہ اخباروں کے مالک ہیں ۔ جو اب ارب پتی بن چکے ہیں ۔ غریب آدمی اور سچ لکھنے والے کی اخبار کو یہ لوگ نہیں چلنے دیتے ۔ یہ لوگ سرمایہ داروں اور جاگیرداروں سے زیادہ خطرناک ہیں ۔ اور ان میں سے اکثر اسلام کے دشمن ہیں ۔

## رب نبی محمدؐ

17 ۔ رب نبی محمدؐ! تیری بڑی مہربانی کہ آپ نے مجھ سے کلمہ حق لکھا کر کتابوں کی کتابیں بھروا دیں ۔ لیکن ان کے اثرات بھی ان مادی آنکھوں سے دکھلا ۔ بے شک آپ نے بڑی چکی چلائی اور مجھے "حجت" کے طور پر استعمال کیا ۔ اور جو کچھ مجھ سے کسی کو کہلوایا ۔ اس کو پورا کیا ۔ لیکن یہ منفی اثرات تھے ، مانا کہ معاملات "لا" یعنی "نہیں" سے شروع ہوتے ہیں ۔ اب "الا اللہ" یعنی مثبت مرحلوں کے نظارے بھی دکھا ۔ اور مجھے لوگوں کے سامنے شرمندہ نہ کر ۔ میری جھولی پھر پھیل گئی ہے اور ایک ہی دعا کو پھر پھر دہراتا ہوں ۔

## رب نبی محمدؐ

18 رب نبی محمدؐ! تو مقلب القلوب ہے ۔ ہماری حالت پر رحم فرما ، کہ ہمیں عزت اور غیرت کی زندگی واپس دے کہ حضور پاکؐ کے جمال سے ہم اس خطہ کو منور اور معطر کردیں اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلال سے غیرت حاصل کرکے جہاد کو طرز زندگی کے طور پر اپنا کر عشق بلاخیز کا قافلہ سخت جان بن جائیں کہ میرِ عربؐ کو یہاں سے ٹھنڈی ہوائیں جائیں ۔

## رب نبی محمدؐ

19 ۔ آپ کو میری انگریزی خط مورخہ 19 دسمبر 95ء کی عرضداشت کی کاپیاں بنوا کر میں ملک کے صدر اور فوجی جرنلوں کو بھیج چکا ہوں ...... اس سلسلہ میں میری قلب کی واردات سے آپ آگاہ ہیں ...... اور میں نے اپنی کمزوری اور "محدودیت" کا ذکر کر بھی دیا تھا ......

از تیرے حبیب کا سپاہی

# اسلامی نظام حکومت کا خاکہ

## کچھ وضاحتیں

اسلامی نظام حکومت ایک بہت وسیع مضمون ہے۔ لیکن بد قسمتی سے اس سلسلہ میں پوری قوم پچھلے 48 سالوں سے بھول بھلیوں میں سرگرداں ہے۔ اول تو اسلام کے سلسلہ میں میرے سمیت ہم پوری قوم ان اندھوں کی طرح ہیں جنہوں نے جو کچھ ہاتھی کو ٹٹول کر تصور باندھا، اسی کو ہاتھی سمجھا۔ اور گو رسول عربیؐ کے اسلام پر پردے تو بنو امیہ اور بنو عباسیہ کے زمانے سے پڑنے شروع ہو گئے تھے۔ لیکن اب تو ہمارا اسلام اتنا زیادہ زنگ آلود ہو چکا ہے۔ کہ علامہ اقبالؒ بھی پکار اٹھے "اسلام ہے محبوس! مسلمان ہے آزاد" ہمارے دوغلے پن، پر تضاد، مہمل، بے مقصد اور بغیر کسی ترجیحات کی تحریروں اور بیانات کو پڑھ کر انسان اپنا سر پیٹ لیتا ہے۔ لیکن سب سے بھیانک بات یہ ہے کہ غیروں کی کافرانہ اور باطل نظریات کو ہم نے ایسے اسلامی لبادے پہنا دیئے ہیں کہ حق و باطل میں تمیز کرنی مشکل ہو گئی ہے۔

2 ۔ مثال کے طور پر اسلام یا صراط مستقیم یعنی سیدھا راستہ ہو سکتا ہے یا انقلاب یعنی پیچھے مڑنا اور اوندھے منہ گرنا ہو سکتا ہے۔ قرآن پاک میں کسی جگہ اسلام کو انقلاب نہیں کہا گیا۔ بلکہ سو دفعہ سے زیادہ جگہوں پر اسلام کو صراط مستقیم کہا گیا ہے۔ لیکن روس اور فرانس کے مادی انقلابوں کی نقل میں ہم "اسلامی انقلابوں" کے نعرے بلند کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ سورۃ اعراف میں فرماتا ہے۔ کہ میں نے انسان کو بلندیوں کی طرف لے جانا چاہا۔ لیکن وہ گھس گیا زمین یا مادیت میں اور پیروی کی خواہش اپنی کی پس مثال اس کی مانند کتے کے ہے۔ اگر بوجھ رکھے اوپر اس کے تو زبان لٹکالے۔ نہ بوجھ ہو تو بھی زبان لٹکائے۔

علاوہ ازیں حاکیت یا اللہ تعالیٰ کی ہو سکتی ہے یا لوگوں کی۔ دونوں کی حاکیت نہیں ہو سکتی۔ لیکن ہم سب قوم خلیفتہ اللہ بنے پھرتے ہیں۔ حالانکہ احکام السلطانیہ میں علامہ



الموردی اور فتویٰ الکبریٰ میں امام ابن تیتمیہ نے خلیفتہ اللہ بننے والوں پر کفر کے فتویٰ لگائے۔ تب ہی مغل بادشاہ اکبر پر کفر کا فتویٰ لگا، کہ جناب صدیق اکبرؓ تو اپنے آپ کو خلیفتہ الرسولؐ کہتے تھے کہ دین مکمل ہو چکا ہے اور خلیفتہ اللہ صرف نبی ہوتا ہے۔

3 ۔ ہماری بد قسمتی کہ ہم نے جنگ احد کو بھی جمہوریت کے تابع کر دیا، کہ نعوذ باللہ حضور پاکؐ لوگوں کی رائے سے مجبور ہو کر مدینہ منورہ کے باہر لڑنے پر تیار ہو گئے تھے۔ حالانکہ قرآن پاک کی سورۃ عمران کی آیت نمبر121 کے مطابق باہر لڑنے اور اچانک دشمن کے بازو پر احد کی گھاٹی میں نمودار ہو جانے کی ساری تجویز حضور پاکؐ کی اپنی تھی اور جب میں نے اپنی کتاب جلال مصطفیٰ میں یہ سارا تجزیہ پیش کیا تو پیر کرم شاہ الازہری جیسے عظیم عالم نے تسلیم کیا کہ اس سلسلہ میں ان کی پرانی سب غلط فہمیاں اور تصورات درہم برہم ہو گئے۔ پیر صاحب چونکہ عالم باعمل ہیں تو دل زندہ نے اپنی غلطی تسلیم کی لیکن باقی عالموں کا یہ حال ہے کہ جو کچھ کہہ دیں اس کو قرآن پاک کی آیات مبارکہ کے برابر سمجھتے ہیں۔ لیکن زیادہ خرابی ان عالموں کے پیروکاروں اور پیروں کے "مریدوں" کی ہے۔ کہ وہ اپنے ان رہنماؤں یا "اماموں" کی ہر بات کو حدیث مبارکہ کے برابر سمجھتے ہیں اور اپنے ان بزرگوں کو حضور پاکؐ کی نبوت میں "شرکت" دینے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ بلکہ علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ کو بھی حضور پاکؐ کی نبوت میں شرکت دی جا رہی ہے۔ کہ ترکوں کی نقل میں جس طرح انہوں نے کمال ترکی کو اتاترک (ترکوں کا باپ) بنا دیا۔ ہم نے قائد اعظمؒ کو قوم کا باپ بنا دیا ہے اور فاطمہ جناح کا مادر ملت یعنی ام المومنین۔ یہی نہیں حضور پاکؐ کی بجائے ہم نے سرسید کو دو قومی نظریہ کا بانی بنا دیا ہے (نعوذ باللہ)

### آمریت یا جمہوریت

4 ۔ معاملہ یہاں ختم نہیں ہوتا۔ قرآن پاک میں سورۃ عمران اور سورۃ شوریٰ صرف دو جگہوں پر مشورے کا ذکر ہے۔ دونوں آیات مبارکہ واقعاتی ہیں اور سبق یہ ہے، کہ امر کو جاری کرنے کے طریق کار میں مشورہ کر لیا کرو۔ اس کو یار لوگوں نے جمہوریت بنا دیا۔ حالانکہ جمہوریت

قبل مسیح سے یونان میں جاری تھی اور اس کافرانہ طرز کی مخالفت میں سقراط کو زہر کا پیالہ پینا پڑا۔اور حضور پاکؐ کی بعثت سے پہلے مکہ مکرمہ میں یا عرب قبائل میں قبائلی جمہوریت کے تحت حکومت چلاتے تھے۔مکہ مکرمہ میں قبائلی نمائندگی تھی۔یونانی فلسفہ کا ایک ماہر عمرو بن ھشام، دانائی کا باپ (ابوالحکم) مانا جاتا تھا۔آج کل ہم اس کو ابو جہل (جہالت کے باپ) کے طور پر جانتے ہیں کہ ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰؐ نے اللہ کی حاکمیت یا آمریت کو جاری کرادیا۔اللہ تعالیٰ کے اسما میں آمر کا لفظ بھی ہے اور حضور پاکؐ کے اسما میں بھی۔ مسلمانوں کا حاکم بھی "اولی الامر" ہوتا ہے کہ جمہوریت کا لفظ نہ حدیث مبارکہ میں ہے نہ قرآن پاک میں ہے۔کہ اسلام اللہ کی آمریت ہے۔لیکن ہمارے ملک میں اب آمریت ایک گالی ہے اور جمہوریت ہمارے ایمان کا حصہ بن چکی ہے۔تو گرہ بھنور کی کیسے کھلے۔براہ ایوب، یحییٰ یا بھٹو اور ضیاء کی آمریت کا کہ ہم اسلام کے فلسفہ حیات سے بھی بے خبر ہو گئے۔

## آزادی، فکر

5 ۔ اب ذرا آزادی کی طرف آئیں، کہ اس دلفریب نعرہ میں بڑی کشش اور لبھاؤ ہے۔اور ہم اپنی خام فکروں کے تحت حیوانیت کی طرف بڑھ رہے ہیں۔مسلمان اللہ تعالیٰ کا محکوم ہے۔وہ شیطان کی طرح آزاد نہیں۔ام المومنین جویریہ کا نام برہ (آزاد) تھا۔حضور پاکؐ نے نام تبدیل کر دیا۔اس آزادی نے ہمیں گروہ بندی اور فرقہ داری دی یا بپھرے ہوئے طالب علم یا سیاسی غنڈے جو اپنی بسیں اور عمارتیں جلاتے پھرتے ہیں۔اسلام کسی سیاسی گروہ بندی کی اجازت بھی نہیں دیتا۔میں یہ معاملہ شرعی عدالت میں بھی لے گیا۔جنہوں نے 1992ء کے بعد ہمارا مقدمہ دبا کر رکھا ہوا ہے۔اور دینی سیاسی جماعتوں کے سربراہوں کو میں متعدد خط لکھ چکا ہوں کہ اسلام کے فلسفہ حیات سے بے خبر یہ لوگ قرآن پاک کے احکام کی نافرمانی کر رہے ہیں۔میں اس سلسلہ میں اپنا لمبا چوڑا خط (ضمیمہ الف) اس مضمون سے پہلے مجید نظامی کو بھیج چکا ہوں، کہ وہ شائع کرے تاکہ قوم کو معلوم ہو، کہ یہ لوگ جو اپنے آپ کو حضور پاکؐ کا جانشین سمجھتے ہیں وہ خود اسلام سے نابلد ہیں۔نہ آزادی کے وقت قوم کی رہنمائی کر سکے نہ اب کچھ کر رہے ہیں۔



لفظ سیاست ہی غیر اسلامی ہے، جس کا نہ ذکر قرآن پاک میں ہے نہ حدیث مبارکہ میں، تو پھر یہ علماء اس کافرانہ سیاسی نظام میں حصہ کیوں لے رہے ہیں، اور کیا اس کافرانہ سیاسی نظام کے تحت اسلام نافذ ہو سکتا ہے وغیرہ؟

## اول اور آخر مسلمان

6 ۔ تحریک پاکستان کے وقت ہم نے یہ نعرہ لگایا کہ ہم اول بھی مسلمان ہیں، آخر بھی مسلمان اور اس کے سوا کچھ بھی نہیں۔اور پاکستان ایک خطہ ہوگا۔اب ہم جغرافیائی نیشنلزم کے تحت پاکستانی بن گئے ہیں۔اور بندے ماترم کا ترجمہ کر کے پاک سرزمین شاد باد کو اپنا قومی ترانہ بنا دیا۔اور ہندوؤں کی طرح وطن کی پوجا شروع کر دی ہے۔حالانکہ علامہ اقبالؒ سختی سے وطن کے بت کی پوجا سے منع فرما گئے۔تو نتیجہ بھی دیکھ لیا۔بنگال سرزمین تو شاد باد ہو گئی۔یہاں کیا بنتا ہے، کہ "قومیتوں" کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔لیکن افسوسناک بات یہ ہے، کہ جو لوگ اللہ اور رسولؐ کی راہ میں شہید ہوتے ہیں۔ان کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ مادر وطن پر قربان ہو گئے ہیں۔(نعوذ باللہ) شہادت صرف اللہ کے راستے میں ہوتی ہے۔

## سرسید اور غلام کذاب

7 ۔ صبح و شام ہم لارڈ میکالے کو کوستے ہیں، کہ ہمیں غلط نظام تعلیم دے گیا۔لیکن ادھر اس کے غلام اعظم سرسید کے نام پر یونیورسٹیاں بن رہی ہیں۔حالانکہ یہ عاجز 1993ء کے شروع میں سپریم کورٹ کے سامنے ثبوت پیش کر چکا ہے کہ سرسید اور غلام کذاب دونوں کو ایک ہی جگہ سے ایک جیسی ہدایات ملتی تھیں اور اس موازنہ کا اختصار اب میری کتاب جہاد کشمیر کا ایک ضمیمہ ہے۔اور سرسید زیادہ خطرناک ہے کہ اس کی سازش ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے۔انگریزی تعلیم کی اجازت تو شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی دے گئے تھے۔اور ہم سب نے انگریزی اداروں میں تعلیم حاصل کی۔لیکن ان اداروں کی پوجا کرنے کی ضرورت تو نہیں۔اور درس نظامیہ والے بھی سلجوق حکومت کی ضرورت کے لئے قاضی اور کاردار پیدا کرتے تھے۔اسلام کی ضرورت تو خانقاہی نظام کچھ پوری کرتا رہا۔جہاں سے شاید آخری مجاہدین امام شاملؒ اور مہدی سوڈانیؒ

وغیرہ نے تربیت حاصل کی۔ وہاں بھی بعد میں اکثر مقامات پر "ڈبے پیروں" کا راج ہو گیا۔ تو کیا اب یہ ضروری نہیں کہ قرآنی تعلیم کے طریقوں کو ڈھونڈ نکالیں کہ حضور پاکؐ کی رحلت کے بعد جو چالیس کتابیں لکھی گئیں ان کا نام ہی مغازی (فلسفہ جنگ) تھا۔ یہ سیرت اور احادیث یا فقہ کے الفاظ تو سو سال بعد سننے گئے۔ اس کی تفصیل پانچویں باب میں ہے۔

## جھوٹا نبی

8 ۔ ہم نے اس خطہ میں جھوٹے نبی کی نبوت کی پروان چڑھنے دیا۔ تو قادیان کے گرد کے سو میل تک علاقوں میں اللہ تعالیٰ اور رسول پاکؐ کے ناموں کی صدا آنی بند ہو گئی۔ اور ہم ستر ہزار نوجوان عورتیں سکھوں اور ہندوؤں کے ہاتھوں میں چھوڑ آئے۔ لیکن فوج کی حفاظت کے نیچے سو، سو ٹرکوں کو تین بار قادیان بھیج کر جھوٹے نبی کے مرکز کو لاہور لایا گیا۔ اور قائداعظم کی وفات کے چار دن بعد ربوہ کی زمین کوڑیوں کے بھاؤ۔ قادیانیوں کو دے کر وہاں جھوٹے نبی کا مرکز بنایا گیا۔ پھر یہاں اسلام کا نفاذ کیسے ہو سکتا ہے؟ آئین کے تحت صدر اور وزیراعظم جو قسم کھاتے ہیں کہ وہ ختم نبوت میں یقین رکھتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کے ساتھ فراڈ ہے اگر ملک کا سربراہ ختم نبوت میں یقین رکھتا ہے تو اس ملک میں جھوٹے نبی کا مرکز کیسے رہ سکتا ہے؟

## اسلام کے دشمن

9 ۔ انگریز اور اینگلو امریکن بلاک اسلام کے ازلی دشمن ہیں۔ انہوں نے مسلم اکثریت کی فیروزپور کی دو تحصیلیں۔ امرتسر کی دو تحصیلیں۔ جالندھر کی ایک تحصیل اور گورداسپور کی تین تحصیلیں وغیرہ بھارت کو دے دیں۔ گلگت و گردو نواح کی لیز ختم ہونے کے بعد وہ ہمارے علاقے ہونے تھے۔ وہ مہاراجہ کشمیر کو دے دیئے۔ ہمیں جو انگریز نوکر دیئے گئے وہ سب ماؤنٹ بیٹن کے "چیندہ" تھے۔ اور ایک ایک نے ہمارے ساتھ جو غداری کی یا ہمیں غلط راستے پر لگا گئے یہ پوری کتاب کا مضمون ہے، کہ آخر میں ہمیں لولا لنگڑا کشمیر دیا۔ ہماری فوج کو بھونڈے طور پر استعمال کیا۔ سری نگر کو فتح کرنے کی کوئی تجویز نہ تھی۔ قبائلی لشکروں کو بے وقوف بنایا گیا، کہ مہورا بجلی گھر پر قبضہ کر کے سری نگر میں "اندھیرا گھپ" کرنا تھا۔ کہ مہاراجہ فرار



کر کے جموں پہنچ جائے اور ریاست کے بھارت میں شامل کرنے پر دستخط کر دے۔

## جہاد میں جمود

10 ۔ جموں کی حفاظت سیالکوٹ کا ہمارا ڈپٹی کمشنر غلام کذاب کا پوتا ایم ایم احمد اور کرنل ہوبرٹ، گورنر مودی اور جنرل میسروی کے ہدایات پر کر رہے تھے۔ کہ سرحد پر کرفیو لگا دیا گیا۔ مجاہدین کو وہ رائفلیں دی ہی نہ، جو اکبر خان نے ان کے لئے بھیجیں۔ اور سب مجاہدین کو روپو چکر میں "سگریگیٹ" کر دیا گیا۔ اکبر خان کو جموں کے علاقے میں قبائلی مجاہدین کے استعمال کی اجازت نہ دی۔ قائداعظم کا فوج کے استعمال کا حکم نہ مانا گیا۔ اس کے باوجود پانچ ایسے مواقع آئے کہ جہاد کی برکت سے ہم کشمیر میں بھارتی فوجی مشینری کو ایسا تہس نہس کرنے کے قابل تھے کہ وہ حیدر آباد پر حملے کا نام نہ لیتے۔ دو تہائی کشمیر آزاد ہو گیا تھا۔ لیکن کیا کیا غداریاں ہوئیں یا کوتاہیاں کرائی گئیں ۔ کہ آتش بازی کے ڈرامے کے بعد ۳۱ دسمبر ۱۹۴۸ء کو فائر بندی کر دی۔ جہاد میں جمود ڈالا گیا۔ اور ہمیں ایک لنگڑا لولا آزاد کشمیر دے کر ایک ہزار لمبی فائر بندی لائن پر بٹھا دیا گیا ہے۔ جہاں ٹھک ٹھک جاری ہے اور اینگلو امریکن بلاک والے اپنا کنڈم فوجی سامان ہمیں بیچ رہے ہیں۔ ہم جاہل قوم کشمیر حاصل کرنے کے لئے ان ملکوں میں وفد بھیجتے ہیں جو وہاں عیاشی یا تجارت کے لئے جاتے ہیں۔ ضمیمہ "ج" سے بھی استفادہ کریں جہاں کوتاہیوں کی مزید تفصیل ہے۔

## سازشیں

11 ۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ ستمبر 65 کی جنگ بھی اسی سازش کی کڑی تھی۔ اول تو لاہور کو خالی رکھ کر ہمیں بھارت کے سامنے گھٹنے ٹکوانے تھے۔ وہ نہ ہو سکا تو بھارت کو یہ کچھ باور کرا دیا گیا، کہ پاکستان مغرب کی طرف سے دہلی کی طرف پیش قدمی کر کے، مشرقی پاکستان کا بالواسطہ Indirect دفاع نہیں کر سکتا۔ تو 1971ء میں ہمیں دولخت کر دیا گیا۔ اور نوے ہزار فوجیوں سے ہتھیار ڈلوا کر کے ہماری ہزار سال کی شاندار تاریخ کو سیاہ کر دیا۔ یہ کچھ ہم نے جہاد کے فلسفہ کی بجائے مغربی طرز دفاع کے تحت کیا۔ اور سبق اب بھی نہیں سیکھ رہے۔ اس

کافرانہ دفاعی نظام سے ہم موجودہ پاکستان کا بچاؤ نہیں کر سکتے ہیں ۔ جو ہمیں ایسی ذلت کی
زندگیاں سے دوچار کرا رہے ہیں ۔ ان کی نشاندہی ضروری ہے ۔ اور جب تک اہل مغرب کی اس
"کھیپ" سے ہم چھٹکارا حاصل نہیں کرتے ۔ ہم اسلامی نظام کے نفاذ کی بات کو بھول جائیں ۔
کہ یہ لوگ ہمیں صحیح اسلام کی طرف نہ جانے دیں گے ۔ شاہ نعمت اللہ ولی بھی اپنی پیشگوئیوں
میں مسلمانوں کے ان رہنماؤں کا ذکر کر گئے ہیں کہ درپردہ یہ لوگ مسلمانوں کے دشمنوں کے
ساتھی ہوں گے ۔ اس سے پہلے احمد نام کے دو آدمیوں کا بھی شاہ صاحب ذکر کرتے ہیں کہ وہ
اپنی تفاسیر لکھ کر مسلمانوں کو گمراہ کریں گے ۔ ظاہر ہے کہ یہ اشارہ سرسید اور غلام کذاب کی
طرف ہے ۔ تو ہم لوگوں کو ان کے پیروکاروں سے چھٹکارا حاصل کرنا ہوگا ۔ تفصیل میری
کتابوں پنڈورا باکس اور جہاد کشمیر میں بھی ہے ۔

## کوتاہیاں

12 ۔ انتہائی رنج و افسوس کی بات یہ ہے کہ ملک کے کسی دانشور نے آج تک ان بنیادی
کوتاہیوں کی تحقیق نہیں کی ۔ اور اخباروں اور رسالوں میں ہرگز بامقصد مضامین نہیں لکھے
جاتے ۔ اور ثانوی مسائل پر فضول بحث پر وقت ضائع کیا جاتا ہے ۔ (اشفاق صاحب کی طرح
"ملا میرا بھی ہیرو" ہے ، کہ اس کی وجہ سے اسلام کے ساتھ کچھ وابستگی قائم ہے ۔ لیکن وہ بے چارہ
اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد میں رہتا ہے ۔ وہ شریعت کے نفاذ کے سلسلہ میں شور مچاتا ہے ۔ اس کو
شاید معلوم نہیں کہ فتاویٰ عالمگیری کے تحت شریعت تو بہادر شاہ ظفر کے زمانے تک نافذ تھی ،
لیکن اسلامی نظام نہ چل رہا تھا ۔ تو ہم ذلت سے دوچار ہوئے ۔ اسلامی نظام ایک طرز زندگی ہے
کہ اسلام ایک دین ہے ۔ لیکن ہمارا مولوی اس کے خدوخال سے ناواقف ہے ۔ اور اسی پہلو پر
میں نے قلم اٹھایا ہے جس کو میں تحقیق کی بسم اللہ کہتا ہوں ۔ اور میرا کہا کہ حرف آخر ہرگز نہیں ۔
آج تک ہم نے جتنے آئین بنائے ہیں وہ غیر اسلامی ہیں ۔ اور ایک طرح سے ہم نے قرآن پاک کی
نافرمانی کی ہے ۔

قرارداد مقاصد 1949ء ایک مہمل دستاویز ہے ۔ اس کو آجکل ہم 1973ء کے آئین



کا دیباچہ یا سرخیل مانتے ہیں ۔ یہ کچھ سپریم کورٹ میں زیر بحث آیا ۔ اور نسیم حسن شاہ کو اس کام
پر لگایا گیا کہ وہ تحقیق کرے کہ ایسا کرنے سے آئین پر کیا اثرات ہوں گے ۔ تو ان کے ججوں کے
Panel نے رپورٹ دی کہ اس قرارداد کو اگر آئین 1973ء کا سرخیل مانا جائے ، تو
1973ء کا سارا آئین تبدیل کرنا پڑے گا ۔ جب معاملہ چیف جسٹس افضل ظلہ کے سامنے
پیش ہوا ۔ تو انہوں نے فیصلہ دیا کہ آئین 73 کو چلنے دو ۔ اس قرارداد میں اللہ کی حاکمیت کو
اسلام کا "تڑکا" سمجھا جائے ۔ جب کبھی ضرورت پڑے اس کی "خوشبو" سونگھ لی اور کام چلاؤ ۔
(فاعتبروا یا اولی الابصار ۔ یہ ہے ہمارا اللہ اور رسولؐ کے ساتھ فراڈ)

## سؤر پر تکبیر

13 ۔ میں شرعی عدالت اور سپریم کورٹ دونوں میں قادیانیوں کے مقدمات کے سلسلہ میں
پیش ہو چکا ہوں ۔ جس طرح وہاں آدھا تیتر و بیٹر کام چل رہا تھا ۔ میں نے اپنا سر پیٹ لیا ۔ دونوں
عدالتوں کو اپنی رائے سے آگاہ کیا ۔ اور ایک دفعہ تو کلمہ حق کہہ کر میں نے عدالت کو مخمصے میں
ڈال دیا ۔ لیکن یہ لمبی کہانیاں ہیں ۔ دراصل لارڈ میکالے کے اس رومن قانون کے تحت شرعی
عدالت بنانا اسلام کے ساتھ بہت بڑا مذاق ہے ۔ اور اسلامی نظریاتی کونسل نے آج تک ادھیلے کا
کام نہیں کیا نہ وہ کر سکتی ہے ۔ اس رومن قانون یا قانون شہادت کو اسلامی رنگ دینا بالکل
اس طرح ہے جس طرح سؤر پر تکبیر پڑھ کر ، اس کا گلا کاٹ لیا جائے ، اور کہہ دیا جائے کہ وہ حلال
ہے ۔ مولویوں کے بائیس نکاتہ ایک اچھی کوشش ہے ۔ لیکن اسلامی نظام کے نفاذ کے بعد فقہ کی
وضاحت میں یہ نکتے حدود تعین کرنے میں صرف کچھ مدد دے سکتے ہیں ۔ لیکن ان سے بہتر مدد تو
میثاق مدینہ میں موجود ہے ۔ لیکن زیادہ افسوسناک جون 1983ء کی دستوری سفارشات ہیں
جو جسٹس تنزیل الرحمن کی سربراہی میں اور ظفر انصاری کی کوشش سے اسلامی نظریاتی کونسل
نے دیں ۔ کہ اگرچہ قرآن پاک کے مطابق مسلمان کا ہر عمل اللہ کے لئے ہے یہاں عوام کو
اللہ کا شریک بنا دیا گیا ۔ اور مختصر الفاظ میں سب عالموں نے یہاں سؤر پر تکبیر پڑھی ۔ اور اختلافی
نوٹ پڑھ کر اور ہنسی آئی ، خاص کر مفتی سیاح الدین کا کاخیل کا نوٹ ، ایک مہمل بیان ہے ۔

## لا کے بعد الا اللہ

14 ۔ قارئین! اب تک اس عاجز نے بھی صرف منفی پہلوؤں پر بحث کی ہے لیکن گھبرائیں نہیں معاملات ہمیشہ "لا" سے شروع ہوتے ہیں ۔ اب "الا اللہ" کی باری ہے کہ میں جب تک مثبت اور تعمیری فلسفہ سوچ نہیں لیتا تو میں دوسروں کی بات پر کبھی تنقید نہیں کرتا ۔ میں خود ماڈرن اسلام کے چکر میں رہا ۔ جمہوریت کا اپنا ایمان سمجھتا رہا ۔ اور باقی لوگوں کی طرح ان خیالات کا حامی رہا کہ یہی مغربی نظام ٹھیک ہیں ۔ کشمیر 1948ء کے جہاد کے وقت کچھ شک تو پڑا ۔ اور جب جہاد کو جموز دیا گیا تو پروٹیسٹ بھی کیا ۔ دنیاوی نقصانات بھی اٹھائے ۔ اور ستمبر 1965ء تک ، کئی دفعہ اوپر والوں کے ساتھ لے دے ہوئی ۔ کہ نہ ہم آنے والے حالات کی صحیح پیش بینی کر رہے ہیں نہ صحیح طور پر آنے والی جنگوں کے لئے تیاری ہو رہی تھی ۔ لیکن ستمبر 65 کی جنگ نے سب پردے کھول دیئے ۔ کہ ہم ساری قوم بونوں کی طرح ہیں ۔ یا ابن الوقت اور بے کردار لوگ زندگی کو فراڈ سمجھتے ہیں ۔ اور بڑے بڑے لیڈروں یا کمانڈروں نے اپنی شخصیتوں کے گرد جو قلعے تعمیر کئے ہوئے تھے ان سب کی بنیاد ریت پر ہے ۔ اب میرا عہدہ بڑا چھوٹا تھا ۔ اور چھوٹا منہ اور یہ بڑی بات ، قوم کو کیسے باور کراتا کہ سیاسی اور عسکری طور ہم ایک دیوالیہ قوم ہیں ۔ اور ہمارے سارے رہنما عامیانہ ذہن سے بھی نیچی سطح کا ذہن رکھتے ہیں ۔ یا چند ایک کو (بددانا) لوگوں میں شمار کر سکتے ہیں ۔

## ام الکتاب

15 ۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی ، کہ تمام علوم یعنی اصغر و اکبر قرآن پاک میں موجود ہیں ۔ ہم نے غیروں سے کچھ بھی حاصل نہیں کرنا ۔ وہ حدیث مبارکہ ، کہ علم سیکھنے کے لئے چین جاؤ ۔ یہ بڑی ضعیف حدیث معلوم ہوتی ہے کہ صحاح ستہ کی کسی کتاب میں اس کا ذکر نہیں ۔ بلکہ ایک اور ثقہ حدیث مبارکہ اس کو رد کرتی ہے کہ جناب فاروقؓ توریت پڑھ رہے تھے تو جناب صدیقؓ نے ان سے یہ کتاب لے لی ، کہ ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰؐ کے چہرے کا رنگ مبارک تبدیل ہو رہا تھا ۔ کہ اب ہمارے پاس سب ہدایات بہتر اور ستھرے الفاظ میں



قرآن پاک کے ذریعہ سے آچکی ہے ۔ پہلے علوم کچھ زنگ آلود ہو گئے ہیں ۔ علاوہ ازیں ایمان کا ایک درجہ ہے کہ سب علوم مومن کے سامنے آکر ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں کہ ہم سے استفادہ کرو ۔ اور اس واقعہ کو صحیح سمجھو کہ اس اصول کے تحت جناب فاروقؓ نے سکندریہ اور مدائن کی لائبریریاں جلوا دیں ۔ اور آثار قدیمہ یا باطل تہذیبوں اور پرانی تاریخوں میں ہمارے لئے کوئی سبق نہیں کہ تبوک کی مہم پر جاتے جب صحابہ کرامؓ قوم ثمود کے علاقے سے گزرے ، تو وہاں حضور پاکؐ نے مختصر قیام تو دور کی بات ہے ، رکنے کی اجازت بھی نہ دی ۔ اسلام ، تاریخ کے بامقصد مطالعہ کی اجازت دیتا ہے ، کہ ذکر تمثیلی اور سبق آموز ہوتا ہے ، کہ تم ہڑپہ ، ٹیکسلا اور مہاجنداڑو کی باطل تہذیبوں کے چکر میں نہ پڑو اور علامہ اقبالؒ بھی ابوالہول کے اسرار قدیم اور دگر گوں طنبعیت کے بعد شمشیر محمدؐ اور چوب کلیم علیہ کے ترانے پڑھتے رہے وغیرہ ۔ چنانچہ اس ستمبر 65 کی جنگ کے بعد اس عاجز نے فوج کے "بڑوں" کو بہت سمجھایا ، حتیٰ کہ 1970ء کے ستمبر کے مہینے میں بھرے ایوب ہال میں یحییٰ خان اور اس کے حواریوں کو بہت سمجھایا کہ شراب کی بوتلوں کو توڑ دو ۔ اللہ کی فوج بنو ۔ ورنہ یحییٰ خان ملک کے ٹکڑے کرنے پر صدارت کرے گا اور فوج کا چھاتہ پاش پاش ہو جائے گا ۔ بھٹو کو جو کچھ دسمبر 1971ء اور فروری 1972ء میں کہا کہ یزید بن معاویہ بھی یہی شراب ہی پیتا تھا یا بھٹو کا کیا "مقدر" ہے یہ لمبی کہانیاں ہیں ۔ ایک دفعہ فوج کو چھوڑ بھی دیا ، کہ زندگی بے عزتی والی ہے ۔ دوبارہ زبردستی وردی پہنا دی گئی کہ کوئی سیاستدان مجھ سے "رہنمائی" نہ حاصل کر لے ۔ لیکن مجھے اللہ تعالیٰ نے توفیق دی کہ 1979ء میں فوج سے آخری ریٹائرمنٹ کے بعد جنرل احسان الحق ڈار مرحوم سے مل کر مشہور جرمن جنگی ماہر کلاسوٹز کی آٹھ کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا ۔ لیکن ساتھ یہ بھی ثابت کیا کہ یہ سب کچھ اور اس سے بہتر فلسفہ جنگ ہمارے اپنے پاس قرآن پاک اور حضور پاکؐ کی سنت میں موجود ہے ۔ پھر مثبت اور تعمیری طور پر حضور پاکؐ کی جنگ کی حکمت عملی اور تدبیرات پر کتاب "جلال مصطفیٰؐ" لکھی کہ ہمارے لئے سب نشان راہ حضور پاکؐ کے عملوں میں موجود ہیں ۔ خلفاء راشدین کے سلسلہ میں ایسی چار کتابیں لکھنے کے لئے ، کہ وہ چلتا پھرتا اسلام تھے جہاں کوئی تفرقہ نہ تھا ، جی ایچ کیو سے ایک معائنہ کیا ۔

## چھپے ہاتھ

16 ۔ اس کام کی تکمیل سے پہلے ہی چھپے ہاتھوں نے جنرل ڈار مرحوم کو فوج سے بھی سبکدوش کرا دیا ۔ اور ان کتابوں کی اشاعت میں جو روڑے اٹکائے گئے اور مجھے جو ذہنی اذیتیں دی گئیں ، یہ ایک کتاب کا مضمون ہے ۔ لیکن ہم نے حوصلہ نہ ہارا ۔ یہ کتابیں بھی شائع ہو گئیں اور 1983ء میں جنرل ڈار کی وفات سے پہلے ہم نے وہ کتاب بھی تیار کر لی ، کہ رسول عربیؐ کا اسلام کیا ہے اور اس کا نفاذ کیسے ہو ۔ لیکن مشیت ایزدی نے اشاعت کو روکے رکھا ، کہ دس سال اس کتاب پر نظرثانی کرتے رہو ، کہ جنرل ڈار مرحوم مجھے اس " میدان " میں اکیلا چھوڑ گئے تھے ۔ بہرحال اسی دوران 1985ء میں اس عاجز نے اپنے عسکری اور سیاسی المیہ پر کتاب " تاشقند کے اصلی راز اور قادیانیوں کی سازشیں " بھی شائع کر دی کہ بھٹو یہ " راز " قبر میں اپنے ساتھ لے گیا تھا ۔

## کتاب جہاد کشمیر

17 ۔ 1990ء میں فوج نے میرے ساتھ معاہدہ کیا ، کہ میں جہاد کشمیر 48 - 1947 پر دو جلدوں کی ایک بامقصد ، تحقیقی کتاب لکھوں جو وہ شائع کریں گے اور مجھے میرا اعزازیہ کتاب کے مسودہ کے تیار ہونے کے ایک ماہ بعد آدھا اور چھ ماہ بعد پورا ادا کر دیا جائے گا ۔ میں نے یہ کام اکتوبر 1991ء میں مقررہ میعاد سے پہلے مکمل کر لیا ۔ اور اس سلسلہ میں میرے ساتھ جو کچھ جنرل آصف نواز اور اس کے حواریوں نے کیا ، اس کی کچھ جھلکیاں نوائے وقت کے میرے 4 نومبر کے خط میں آ چکی ہیں ، کہ معاہدہ پر دستخط کرنے والا میجر جنرل ریاض اللہ مجھے اس " میدان " مین اکیلا چھوڑتے ہوئے دو ماہ پہلے وفات پا چکا تھا ۔ جنرل ڈار مرحوم کی وفات کے بعد میرے لئے یہ دوسرا بڑا المیہ تھا ۔ اور جو کچھ میرے ساتھ ہوا ، اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ کچھ برداشت کرنے کی جو توفیق دی اس کی لاکھ لاکھ مہربانی ۔ بات صرف اتنی تھی کہ سید شبیر حسین جس نے بعد میں اس کتاب کا اختصار کر کے انگریزی ترجمہ کرنا تھا ، اس نے 13 اکتوبر 1991ء کے پاکستان ٹائمز میں کتاب پر پیشگی تبصرہ کر دیا ، کہ مصنف نے نہ صرف اپنی تمام کوتاہیوں اور غداریوں کا کھوج



نکال لیا ہے بلکہ اینگلو امریکن بلاک کی اس سازش کو بھی طشت ازبام کر دیا ہے جو وہ جنوب مشرقی ایشیا کے مسلمانوں کے خلاف کب سے کر رہے ہیں اور یہ عمل اب بھی جاری ہے ۔ اب آصف نواز جو میرے بیٹوں کی طرح تھا ۔ تین پشتوں سے خاندانی دوستی تھی ، اس نے میرے خلاف ہر اوچھا ہتھیار استعمال کیا ۔ اور جب اس کے ہر وار کی مجھے اللہ تعالیٰ نے مقابلہ کرنے کی توفیق دی ، تو آخر اپنے ایک ماتحت میجر جنرل معین الدین حیدر سے مجھے میری " مزدوری " کے طور پر طریقہ کے ساتھ مجھے دو لاکھ روپے کی پیشکش کرا دی ، کہ میں کتاب کی اشاعت سے دستبردار ہو جاؤں ۔ اللہ تعالیٰ نے میری رہنمائی کی اور میں نے سچ پر پردے ڈالنے سے انکار کر دیا کہ میں اللہ تعالیٰ اور رسول پاکؐ کا چور نہیں بن سکتا ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اگر آصف نواز کی قبر کھلوا کر اس کی بدبو کو فضاء میں اس طرح پھیلا دیا کہ وہاں لوگ کھڑے نہ ہو سکتے تھے ۔ تو اس میں ایک تنبیہ بھی تھی ۔

## اللہ کی رحمت

18 ۔ اب اللہ تعالیٰ نے میری رہنمائی کی " کہ تمھارے پاس جو تھوڑے سے پیسے ہیں ان سے اپنی قوم کی اللہ تعالیٰ اور رسول پاکؐ کے ساتھ پچھلے 46 سالوں کی غداری کا پنڈورا باکس کھول دو ۔ " اور جون 1993ء میں اس عاجز نے یہ کتاب شائع کر دی ، جس کے دو ماہ بعد اضافوں کے ساتھ اس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہو گیا اور تیسرے ایڈیشن کی تیاری ہے ۔ کتاب اپنے جدامجد حضرت علیؓ کو منسوب کی ، جو علم کے شہر کا دروازہ ہیں ۔ اور ابلیس کو شیطان کہا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آ گئی ، کہ قرآن پاک کی سورۃ بقرہ کی آیات مبارکہ 256 اور 257 کے مطابق شیطان یا طاغوت سے کفر کرنے والوں کو اللہ تعالےٰ اندھیروں سے روشنی کی طرف لے آتا ہے ۔ کتاب " حضور پاکؐ کا جلال و جمال " جس پر دس سال سے نظرثانی ہو رہی تھی ، کہ رسول عربیؐ کا اسلام کیا ہے اللہ تعالیٰ نے توفیق دے دی کہ وہ شائع کرو ۔ اور کشمیر کے جہاد والی کتاب نئے سرے سے لکھ کر ایک جلد میں شائع کرو ۔ اور یہ دونوں ضخیم کتابیں شائع ہو گئی ہیں ، بلکہ ایک مختصر کتاب " شان حبیبؐ ۔ نگاہ رب العالمین " بھی شائع ہو گئی ۔ جس میں اللہ تعالےٰ نے اپنے

حبیبؐ کی شان میں جو قرآن پاک میں تقریباً 250 آیات مبارکہ اتاریں ان پر تبصرہ کے ساتھ ترجمہ ہے ۔ساتھ ہی ایک اور کتاب "روز قیامت اور حیات بعد الموت" شائع ہونے والی ہے ۔ اسلامی فلسفہ حیات میں میری دلچسپی نے میرا رابطہ ، ملک کے ایک عظیم سائنس دان محمد بشیر محمود سے بندھوا دیا ہے ۔جو انگریزی میں ایسی کتابیں شائع کر چکے ہیں ۔اور ہم دونوں مل کر نہ صرف انسان کی تخلیق ۔مسافر کے راستے اور چہرہ مبارک کی طرف رواں دواں ہونے کے پہلو کو زیر بحث لا رہے ہیں بلکہ پوری کائنات کی تخلیق ۔ارتقاء اور ایک دفعہ اون دھنی کی طرح اڑ جانے ۔ دوبارہ تخلیق وغیرہ کی سائنسی پہلو اور قرآن پاک کی انکشافات کو شیر و شکر کرنے کے بعد قرآن پاک کی عظمت کہ سائنس ابھی بہت پیچھے ہے پر بھی تبصرے کر رہے ہیں ۔میں یہاں یہ بھی واضح کر دوں کہ میں تاریخ عالم ، سیاسی فلسفوں اور عسکری تاریخ وغیرہ کا بھی طالبعلم ہوں ۔ یونانی فلسفہ ، ہندو مائیتھالوجی ، تاؤازم ، کمیونزم وغیرہ ، غیروں کے نظریات کی بھی مجھے شدوبد ہے یہ سب کچھ پڑھنے کے بعد مجھ پر اسلام کی بڑائی اور حضور پاکؐ کی عظمت اور شان اور کھل کر واضح ہو گئی اور میں پکار اٹھا "سارا جگ سوہنا بھلا ماہی نالوں تھلے تھلے ۔"

## دعوت عام

19 ۔ اب یہ عاجز بے حساب پہلوؤں کی تحقیق کر کے اپنی کتابوں کا حصہ بنا چکا ہے تب ہی نواز شریف اور باقی لوگوں کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ میری کتابیں پڑھ کر اپنے لئے نشان راہ تلاش کریں ۔ یہ میری تجارت ہرگز نہیں ۔خرچ نکالنے کیلئے ، کہ دوسرا ایڈیشن شائع کر سکوں مارکیٹ کے مقابلہ میں 3\1 قیمت پر خود کتابیں بیچتا ہوں ۔کئی سالوں سے پیسے اکٹھے کر رہا تھا جو مشکل سے ہزاروں تک پہنچے اور کام شروع کر دیا ۔اللہ تعالی نے ایسی برکت دی کہ ان کتابوں پر دو لاکھ سے زیادہ خرچ کر چکا ہوں ۔صرف خطوط اور ڈاک پر ہزاروں روپے خرچ ہوتے ہیں یہ پیسے کہاں سے آرہے ہیں ، میں خود حیران ہوں کہ نہ میں خیرات لیتا ہوں ۔اور نہ چندہ اکٹھا کرتا ہوں ۔جو لوگ متاثر ہو کر کتابوں کی قیمت مارکیٹ ریٹس ۔کے حساب سے بھیج دیتے ہیں ، ان کو مزید کتابیں بھیج دیتا ہوں اور بک سیلرز کے کمیشن سے ، بچا ہوا ہوں ، کہ خود دفتری



بھی ہوں چپڑاسی بھی اور لائبریرین بھی ، کلرک بھی اور ڈسپیچر بھی ۔اور جب کسی کتاب کی اشاعت کا ارادہ کرتا ہوں ۔اللہ تعالی ذرائع پیدا کر دیتا ہے ۔اور کتابوں کی فروخت بھی جاری ہے ۔ بلکہ خلفاء راشدین والی کتابوں کے سلسلہ میں لوگ دوسرے ایڈیشن کے لئے زور دے رہے ہیں ۔کہ یہ ساری کتابیں بک چکی ہیں ۔تاشقند کے راز والی کتاب کی بھی بیس عدد کتابیں باقی رہ گئی ہیں ۔

میں نے سارا پس منظر پیش کر دیا کہ ہم ساتھ ساتھ چلیں اور لوگ میری کتابوں سے استفادہ کریں اور مجید نظامی نے پہلے بھی مضامین لکھنے کیلئے کہا ، لیکن میری عمر ، اب زیادہ مضامین لکھنے کی اجازت نہیں دیتی ۔اور میں اب اپنی تحقیقوں کا اختصار بڑی مشکل سے پیش کر رہا ہوں کہ یہ ایک ادھوری کوشش ہے ۔چونکہ نواز شریف اور مجید نظامی لکھتے ہیں کہ میں ان کو مایوس نہ کرونگا ۔تو اب "لا" کے بعد "الااللہ" کی طرف آتا ہوں ۔اس پس منظر کے بغیر آپ اسلامی نظام حکومت کی باتوں کو نہ سمجھ سکیں گے ۔

20 ۔ اسلامی نظام حکومت کے بارے ، اب قارئین کو یہ شک ہرگز نہ رہنا چاہیئے کہ اس نظام کی عمارت کو غیروں کے باطل ڈھانچوں پر کھڑا کیا جا سکتا ہے ۔یہ اسلامی فلسفہ حیات یا نظریہ حیات کے تابع ہے ۔لیکن یہ سب ہماری نظروں سے اوجھل ہے اور یہ از خود بڑا مضمون ہے ۔ اس سلسلہ میں قران پاک کی مدد سے میں نے جو نچوڑ تیار کیا ۔اس کے بارے جنرل ڈار مرحوم لکھ گئے ہیں کہ یہ نظریہ حیات کا بیان عملی نقطہ ونظر سے کسی داستان پارینہ کے سایہ کے طور پر نہیں بلکہ روزمرہ کی سائنسی اور تکنیکی تصادم کو مدنظر رکھ کر ان کے خیال کے مطابق پہلی دفعہ پیش کیا جا رہا ہے ۔اب یہ مضمون از خود دوسرے باب میں پیش کیا جا رہا ہے کہ غیروں کے فلسفہ حیات سے موازنہ بھی کرنا ہوگا ۔یہی چیز اخلاقی فلسفہ یا مادی ذرائع کے لئے فلسفہ یا سیاسی فلسفہ کو لاگو ہے وغیرہ ۔لیکن میں نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ وضاحتیں بعد میں ، ہوتی رہیں گی ۔اب نظام حکومت کا خاکہ پیش کر دیا جائے ۔

## نظام حکومت

21 ۔ یہ عاجز جس نتیجہ پر پہنچا ہے وہ یہ ہے کہ صرف حکومت ہی ساری قوم کو منظم کر کے

زندگی کے ہر شعبہ کو اسلامی فلسفہ حیات کے تابع کر سکتی ہے تاکہ مومن کا مقصود حیات اس کو حاصل ہو سکے ۔ اسلئے اسلامی نظام حکومت کا ایک ڈھانچہ یا اجمالی خاکہ ایک چارٹ کی شکل میں دیا جا رہا ہے اور اس قسم کے مضامین میں اس چارٹ میں دیئے گئے ہر پہلو اور مد کی مختصر وضاحت پر اکتفا کیا جائے گا ۔ اور سوالوں کے جوابات بعد میں دیئے جا سکتے ہیں ۔ اور یہاں ہی ایک سوال ہو جائے گا کہ موجودہ حکومت ایک سیکولر ( بے دین ) نظام کی دعویدار ہے ۔ وہ یہ کام کیسے کرے گی ؟ اس سوال کے جوابات میرے اگلے بیانات میں قارئین کو ملتے رہیں گے اور پورا جواب مضمونوں کے اختتام میں ہو گا ۔ یہاں پر صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنے کو بہت بڑا جہاد اسلئے مانا گیا کہ وہاں جان ہتھیلی پر ہوتی ہے اور سورۃ صف کے مطابق دردناک عذاب سے بچنے کیلئے جہاد صرف جان اور مال سے ہی ہو سکتا ہے ۔ یہ لسانی جہاد اور قلمی جہاد کی اصطلاحوں کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ۔ یہ جہاد کو بے جان کرنے کی سازشیں ہیں ۔ کلمہ حق میں بڑی طاقتیں ہیں ۔ قرآن پاک کی سورۃ ابراہیم میں اس کو کلمہ طیبہ کا نام دے کر اس کو شجرہ طیبہ سے متشابہ قرار دیا گیا کہ اس کی جڑ زمین میں محکم ہوتی ہے اور ڈالیاں آسمان کے بیچ ۔ علامہ اقبالؒ نے اس کلمہ کے گیت گائے تو ہم اللہ اور رسولؐ کے نام پر ایک ملک بنانے کو تیار ہو گئے ۔ ہم نے کہا پاکستان کا مطلب لا الٰہ الا اللہ ۔ تو دو طاقتوں سے مقابلہ کر کے ایک ملک حاصل کر لیا ۔ ستمبر 1970 میں اس عاجز نے یحییٰ خان کے سامنے کلمہ حق کا اعلان کیا تو اس پر کپکپی طاری ہو گئی ۔ اگر چند افسر میرا ساتھ دیتے تو اس ملک کی تاریخ تبدیل ہو جاتی ۔ فروری 1972 میں اس عاجز نے ذوالفقار بھٹو کے سامنے کلمہ حق کا اعلان کیا اور صرف دو تین افسران نے میرا ساتھ دیا ، تو بھٹو تھتھانے لگا اور بعد میں مجھ سے کچھ معذرت کی اور اس میں کافی تبدیلی آئی کہ اس کو معلوم ہو گیا کہ پاکستانی فوج میں صرف یحییٰ ، اختر ملک اور گل حسن جیسے شرابی نہیں ۔ فوج کو ریڑھ کی ہڈی مذہبی لوگ ہیں ۔ ستمبر 1965 ۔ میں جب ہمارے بڑے افسر جھوٹی کہانیاں لکھ کر اپنے تمغوں کے سفارشات تیار کر رہے تھے اور ہمیں بالکل بھول گئے تو ہماری دو کمپنیوں نے جن کے پاس بارود ختم ہو گیا " ۔ نعرہ تکبیر کی مدد سے بھارتی حملوں کو پسپا کر دیا اور لاہور بچ گیا تب ہی علامہ اقبالؒ ، ملا کی اذان اور مجاہد کی اذان کے



فرق کا اعلان فرما گئے ہیں ۔

## اسلامی نظام حکومت کا خاکہ

22 ۔ آسانی کے لئے یاد رہے ، کہ محمود غزنویؒ نے اس نظریہ حیات کو ایک فقرہ میں بیان فرمایا کہ روز قیامت ، میں بت شکن کے طور پر پکارا جانا چاہوں گا ۔ یعنی ساری بات اس پر ختم ہوتی ہے کہ آخرت میں اللہ کو کیا جواب دیں گے ۔ سلطان ٹیپو نے بھی ایک فقرہ میں سب کچھ کہہ دیا کہ شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سال کی زندگی سے بہتر ہے ۔ یعنی بات ہی غیرت اور عزت والی زندگی کی ہے ۔ نہ کہ ہماری طرح کہ ستر ہزار عورتیں کفار کے پاس چھوڑیں ۔ نوے ہزار فوجیوں سے ہتھیار ڈلوائے ۔ کشمیر اور بھارت میں مسلمانوں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے لیکن شرم ہمیں نہیں آتی ۔ " حمیت نام ہے جس کا گئی " مسلمان " کے گھر سے افسوس صد افسوس

## اسلامی فلسفہ حیات

23 ۔ حکومت اور زندگی کے تمام شعبوں کو اس فلسفہ حیات کے تابع کرنا ہو گا ۔ یہی ہمارے نظام حکومت کا سرخیل بھی ہے ۔ اور دیباچہ بھی ۔ یعنی تمہید اور پیش لفظ بھی ۔ یہ وسیع مضمون اب دوسرے باب میں پیش کیا جا رہا ہے ۔ کہ ہم کون ہیں کہاں سے آئے ہیں ، انسان کے مقاصد حیات کیا ہیں ، وہ کہاں جا رہا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے اس ساری تخلیق کے مقاصد کیا ہیں ، زندگی اور موت کیا ہیں اور ہمہ گیر قیامت اور حیات بعد الموت یا حساب کتاب کے مرحلوں کے لئے انفرادی اور اجتماعی طور پر کیسی تیاری کی ضرورت ہے ۔ ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰؐ کا اس کائنات میں کیا مقام ہے ۔ اور یہ قافلہ حق کس طرح صراط مستقیم پر رواں دواں ہے ۔ باطل فلسفے اور گمراہی کیا ہے اور نہ صرف ان کی نشاندہی کی جائے گی ۔ بلکہ اس سلسلہ میں اپنی غلط فہمیوں سے بھی پردے اتارے جائیں گے ۔ اس نظریہ حیات کے آگے تین فلسفے دکھائے گئے ہیں ۔ اخلاقی فلسفہ یا معاشرتی فلسفہ یعنی فقہ کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے ۔ اور فرقہ بندی سے ہٹ کر اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے تحت پہلے اس کو چند الفاظ میں بیان کرنا

ہوگا۔ پھر حکومت کے عدلیہ کو جیسا کہ چارٹ میں بتایا گیا ہے، اس فقہ کے ماتحت کر کے قوم یا
اللہ کی فوج کو انصاف مہیا کرنا ہوگا۔ یہ بھی کافی لمبا مضمون ہے۔ جس میں ایک طرف ہمارے
مولویوں کے تیار کردہ 22 نکات سے مدد لی جائے گی۔ اور یہی نظام شریعت ہے جس سلسلہ
میں ہمارے مولوی صاحبان اعلان کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ساتھ قوم کو منظم کرنے کے لئے
میثاق مدینہ سے مدد لی جائے گی، جس کو ہمارا مولوی بھول چکا ہے۔ اور ہماری تاریخ کی کتابوں
میں خانہ پری کے لئے پانچ چھ شقوں کا ذکر ہے۔ اس عاجز نے اس قرطاس کی 33 شقوں کو
تفصیل کے ساتھ ڈھونڈ کر اپنی کتاب "حضور پاکؐ کے جلال و جمال" کا حصہ بھی بنایا ہے اور
ان کو لاگو کرنے کے طریقِ کار پر بھی بحث کی ہے۔ علاوہ ازیں پوری قوم کو قرآن پاک کی سورۃ
مائدہ اور سورۃ مجادلہ میں جو حزب اللہ (اللہ کی فوج) بنانے کے احکام ہیں۔ اس سلسلہ میں کچھ
وضاحتیں آگے آتی ہیں، اسی طرح اسلامی فلسفہ دفاع یا جہاد کے تقاضوں کو پانچویں اور چھٹے
ابواب میں بیان کیا جا رہا ہے۔

## مادی ذرائع کے لئے فلسفہ

24 ۔ دوسرا فلسفہ انہی اصولوں کے تحت تمام مادی ذرائع کے لئے بنانا ہوگا اور حکومت کو اس
پر عمل کرنا ہوگا۔ اس کی جھلکیاں ساتویں باب میں ہیں۔ یہ کافی محنت طلب کام ہے اور ماہرین
کو اس پر کام کرنا ہوگا۔ قارئین نوٹ کریں کہ یہاں لفظ "مادی فلسفہ" نہیں لکھا گیا۔ کہ غیروں
اور ہم میں فرق یہ ہے کہ وہ مادیت کی غلامی کرتے ہیں وہ جنت ارضی کے چکر میں ہیں۔ اور ہم
نے بھی ان کی نقل میں فلاحی مملکت کی اصطلاح گھڑ لی ہے۔ اور مادی بتوں کے پجاری بن گئے
ہیں۔ اسلام کے لحاظ سے انسان، حیوانوں کے زمرہ میں نہیں آتا۔ اور نہ وہ دابتہ الارض یعنی
زمین کا کیڑا ہے۔ اور نہ ترقی یافتہ بوزنہ ہے۔ اسلام کے لحاظ سے انسان کائنات کا مرکز ہے اور
اس کائنات میں سب کچھ اس کی غلامی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ مادیت میں گھس نہیں جاتا،
بلکہ مادیت کو اپنا غلام بناتا ہے۔ حضور پاکؐ کو بھی کفار مکہ کہتے تھے کہ ان کے ملک میں بھی
ملک شام اور ملک عراق کی طرح نہریں اور دریا ہونا چاہئیں تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ قریش نازل



فرمائی کہ "اطعمھم من جوع" کہ بھوک کے لئے روزی وہ دیتا ہے۔ کفار مکہ اور باقی عرب جب
مسلمان ہو گئے تو چند سالوں میں اللہ تعالیٰ نے وہاں رزق کے ڈھیر لگا دیئے۔ علامہ اقبالؒ بھی کہہ
گئے ہیں "کہ زوال بندہ مومن بے زری سے نہیں، سبب کچھ اور ہیں۔" تخلیق اور اس دنیا کے
ذرائع کائنات کی تسخیر کے لئے یہ عاجز بشیر محمود جن کا مشہور سائنسدان کے طور پر ذکر ہو چکا ہے
ان سے مل کر کافی تحقیق کر چکا ہے اور ماہرین ان انکشافات سے مدد لے سکتے ہیں۔ تو یہاں
صرف اصولوں کا ذکر کر دیا ہے۔ باقی باتیں بعد میں زیر بحث لائی جا سکتی ہیں، اور کچھ جھلکیاں
ساتویں باب میں ہیں۔

## سیاسی فلسفہ

25 ۔ تیسرا سیاسی فلسفہ ہے جس کو ہم نے نظریہ جہاد یا نظام مصطفیٰ وغیرہ کے نام بھی دیئے
ہیں۔ یہی چیز اہم ہے اور بنیادی چیز ہے۔ گزارش ہو چکی ہے کہ لفظ سیاست کی اسلام میں کوئی
گنجائش نہیں۔ اس کا ذکر نہ قرآن پاک میں ہے نہ احادیث مبارکہ میں۔ اور عربی کا ایک مقولہ
ہے کہ قتل ہو سیاست، کہ اس نے گھروں کے گھر تباہ کر دیئے۔ میں یہاں حکمتیہ فلسفہ کے لفظ
استعمال کر سکتا تھا۔ لیکن میں نے اس کے متبادل صحیح اسلامی اصطلاحیں استعمال کیں، کہ ہمارا
حکومت چلانے کا فلسفہ وہ ہے جو سنت نبوی کے تحت ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰؐ نے مدینہ
منورہ میں رائج فرما کر دنیا پر احسان فرمایا اور اس کا نام "نظام مصطفیٰؐ" ہو سکتا ہے یا نظریہ جہاد
جو ہمارے لئے طرز زندگی ہے۔ لیکن مجبوری کے تحت فی الحال میں عارضی طور پر "سیاسی فلسفہ"
کی اصطلاح کو اس لئے استعمال کر رہا ہوں کہ قارئین معاملات کو آسانی سے سمجھ سکیں۔ ہماری
بد قسمتی یہ ہے کہ ہم ہر روز اخباروں میں شور کرتے رہتے ہیں کہ پاکستان چونکہ ایک سیاسی عمل
کی پیداوار ہے۔ اس لئے اس کو سیاست کے تحت ہی چلانا چاہیئے۔ اور ہمارے ذہنوں کو ماؤف
کرنے کی یہی بڑی سازش ہے۔ ہم نے آج تک یہ تو سوچا ہی نہیں کہ پاکستان کی جنگ آئینی یا
سیاسی اس لئے تھی کہ غالب طاقت یعنی انگریز کسی اور "کھیل" کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہ

تھا۔ میں نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ اور اب میں نے یہ سارا تجزیہ اپنی کتاب جہاد کشمیر میں پیش کر دیا ہے، کہ انگریزوں کو علامہ مشرقی اور خاکسار بھی ناپسند تھے اور اسلام کی سوجھ بوجھ رکھنے والے لوگ بھی۔ وہ لندن کے تعلیم یافتہ محمد علی جناح اور ہم انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کے ساتھ گزارہ کرنے کو تیار تھے۔ اور آج بھی ہم ان کے زیر اثر ہیں۔ اس سیاست نے ہمیں کیا دیا؟ لنگڑا لولا پاکستان۔ 70 ہزار نوجوان عورتیں کفار کے پاس چھوڑیں۔ اور بھیڑ بکریوں کی طرح قربانی دی۔ کہ ہم نے مردانہ وار لہو دے کر یہ ملک لہو سے نہ خریدا، تو یہ بادشاہی ہمارے لئے تنگ بن گئی۔ قائد اعظم کبھی سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ اس سیاست نے مسلمانوں کو اتنا بے جان کر دیا ہے۔ والٹن کیمپ میں لٹے پٹے مہاجرین کو انہوں نے دیکھا تو وہ سکتے میں آگئے۔ لاشوں سے بھری ریل گاڑی دیکھ کر ان کے قدم لڑکھڑا گئے۔ ہم نے قائد کو مایوس کیا۔ ان کی حکم عدولی کی۔ اور بقول الٰہی بخش ان کے زندہ رہنے کی خواہش ختم ہو چکی تھی۔ آپ لوگ میری کتابیں پڑھیں جہاں یہ سب باتیں حوالوں اور ثبوتوں کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔

## لادین سیاست

26 ۔ سیاست کی ایک بات بھی اسلامی نہیں۔ وعدہ توڑنا، خربازاری، رشوت کہ اپنے لوگوں کو نوکریاں دلائیں۔ قرضے معاف کرانا، ترقی کے نام پر سرکاری فنڈز کو خورد برد کرنا۔ سب اجازتیں ہیں۔ بلوچستان اسمبلی کے آدھے ممبر وزیر ہیں۔ صدر کی بے معنی اور بے مقصد تقریر اور اسمبلی کے اس سلسلہ کے اجلاسوں پر فضول بحث مباحثہ پر جو کچھ خرچ ہو رہا ہے۔ اس خرچ کو ختم کر دیتے، تو پٹرول کی یہ قیمت نہ بڑھانا پڑتی۔ اور ہم تو مجبوری کے تحت اس لادین سیاست کے تحت گزارہ کر رہے ہیں۔ جو لوگ اعلان کرتے ہیں کہ اس ملک میں وہ لوگ سیکولر (بے دین) نظام جاری کریں گے۔ قرآن پاک نے ان لوگوں کو صابی کا نام دیا ہے۔ اور مرنے کے بعد جب ان سے سوال پوچھا جائے گا کہ تمہارا دین کیا ہے؟ تو ان کا جواب وہی ہوگا۔ جو کچھ اعلان کر رہے ہیں یعنی بے دین۔ تو کیا ایسے لوگوں کے جنازے اور قرآن خوانی کا تردد کرنا



چاہیئے؟ یہ معاملات بعد میں تفصیل سے زیر بحث آئیں گے۔ یہاں ہم عارضی طور پر اپنے لئے بھی سیاسی فلسفہ کی اصطلاح استعمال کر رہے ہیں۔ تو ہمیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ہر قوم یا ملک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے تمام زندگی کے شعبوں کو اپنے سیاسی فلسفہ کے تابع کریں۔ موجودہ سیاسی سائنس (political science) کے مضمون میں جو سیاسی فلسفے پڑھائے جاتے ہیں ان میں کیمونزم، سوشلزم، امپیریلزم اور نازی ازم وغیرہ کئی فلسفے پڑھائے جاتے ہیں۔ ان مغربی دانشوروں نے بھی تسلیم کیا ہے کہ اسلام از خود ایک سیاسی فلسفہ ہے۔ کہ یہ خالی مذہب نہیں بلکہ دین ہے۔ مذاہب میں سے صرف ہندو ازم کچھ معاشرتی ضروریات پوری کرتا ہے اور شاید اس زمانے کے لئے وہ طریقہ موزوں تھا، کہ مختلف عقائد کے لوگوں کو اجتماعی طور پر گروہوں میں بانٹ کر منوسمرتی نے ایک طرز زندگی کی نشاندہی کی اور ہندوؤں کی کتاب گیتا میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ لیکن یہ باتیں آج کل کے زمانے کے لئے موزوں نہیں اور آئے دن ہندو اپنی طرز زندگی میں تبدیلی لا رہے ہیں۔ اسلام البتہ نہ قدیم ہے اور نہ جدید۔ یہ عقائد کی وحدت یعنی ایک اللہ اور ایک رسولؐ پر ایمان کے ذریعے ایک دوسرے کے ساتھ دلوں کو جوڑ دینے کا حکم دیتا ہے۔ پھر اس دنیا میں اپنے عقیدے اور غیرت کی حفاظت کے لئے اجتماعی طریق کار وضع کرتا ہے۔ (خذوا حذرکم) یعنی اپنی حفاظت آپ کرو۔ اور آگے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تحت حدود یا حلال وحرام کا تعین کرتا ہے۔ ساتھ ہی واضح کر دیا جاتا ہے کہ یہ دنیا ایک قید خانہ ہے اور ہم یہاں امتحان کے لئے آئے ہیں۔ یہ امتحان جلدی جلدی پاس کر کے جب موت کا دروازہ کھل جائے، تو وہاں اس طرح داخل ہوں کہ ہم مومن یعنی ایمان والے ہوں تاکہ ہماری طاقتیں ستر گنا بڑھ جائیں اور آگے جنت نظر آ رہی ہو۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ضروری بات یہ ہے کہ چند لفظوں میں مومن کے مقصد حیات کی وضاحت ہو جائے تاکہ آگے ہم ساتھ ساتھ چلیں۔

## مومن کا مقصد حیات

27 ۔ از روئے قرآن مومن اللہ تعالیٰ کی فوج کا ایک سپاہی ہے اور یہ سپاہی کوئی برائے نام

سپاہی نہیں بلکہ کسی فوج کے ایک بہترین سپاہی سے بھی افضل تر سپاہی ہے ۔ " سمعنا و اطعنا "
یعنی ہم نے سنا اور ہم نے مانا اس کا طرہ امتیاز ہے اور وہ اپنی فوج ( یعنی امت ) کے احکامات
بلاچون وچراں مانتا ہے ۔ وہ صحیح معنوں میں قلب سلیم رکھتا ہے اور مقام تسلیم پر ہمیشہ کھڑا رہتا
ہے ۔ وہ اپنے نفس کی تربیت کرتا ہے ، تاکہ میدان جنگ میں ثابت قدم رہے ۔ مومن چونکہ
دنیا میں قتال فی سبیل اللہ کے لئے آیا ہے اور جنگ میں ثابت قدمی ہی اس کا امتحان ہے ، لہذا
اس امتحان کے لئے وہ ہمہ وقت تیار رہتا ہے ۔ ارشاد خداوندی ہے ۔ " تحقیق اللہ نے خرید لی ہیں
مسلمانوں سے جانیں ان کی اور مال ان کے بدلے اس کے کہ واسطے ان کے ہے جنت ۔ جنگ
کرتے ہیں بیچ راہ اللہ کے ۔ پس قتل کئے جاتے ہیں ۔ " اب جو سیاسی نظام ہمیں جہاد میں شرکت
کی بجائے آپس میں تفرقہ کی باتیں سکھلاتا ہے ۔ وہ غیر اسلامی ہے کیونکہ تبوک کی مہم کے بعد ۹
ہجری میں سورۃ توبہ کی آیت ۱۲۲ نازل ہوئی ۔ وہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیتی ہے ۔ الفاظ یہ
ہیں " پس کیوں نہ نکلے ( جہاد کے لئے ) ہر فرقے سے ان میں ایک جماعت تو کہ دین کی سمجھ بوجھ
حاصل کریں ۔ تاکہ ڈرا دیں اپنی قوم کو جب پھر جاویں طرف ان کی ، شاید کہ وہ بچیں ۔ " اس
آیت میں فن جہاد یا نظام جہاد کے لئے " تفقہ فی الدین " کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں ۔ یعنی
اصلی فقہ یا دین کی سوجھ بوجھ نظام جہاد کی سمجھ ہے ۔ اور جناب سلیمان ندویؒ نے سیرۃ النبی میں
صبر ، استقامت ، ایثار ، ہمت پر جو کئی ابواب لکھے ہیں وہ بھی دراصل نظریہ جہاد کی تیاری کی
بنیادی باتیں ہیں ۔ اور جناب ندویؒ غلامی کی وجہ سے جہاد کا کھل کر پرچار نہ کر سکے ۔ اسلام میں
سخت ربط وضبط کے احکام ہیں اور اسلام میں ان جلسے جلوسوں کا کوئی تصور نہیں ، جو ہم غیروں کی
نقل میں کرتے ہیں ۔ کسی کو خوش آمدید بھی کہنا ہو ۔ تو نہایت ربط وضبط کے ساتھ صفیں
باندھ کر اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے ۔ اور اپنے جہاد بالنفس اور
وحدت فکر سے اجتماعی وحدت عمل کا مظاہرہ کیا جاتا ہے ۔ چنانچہ اس سلسلہ میں وحدت فکر و
وحدت عمل پر بھی کچھ کہنے کی اجازت ہو ۔

## وحدت فکر وحدت عمل

28 ۔ غیروں کا تمام تر فلسفہ آزادی فکر اور آزادی عمل سے شروع ہوتا ہے اور ہمارا فلسفہ



وحدت فکر وحدت عمل ہے ، لیکن افسوس کہ ہمارے اکثر علمائے دین اس پہلو کو سمجھنے کی
کوشش نہیں کرتے ۔

آہ ! اس راز سے واقف ہے نہ ملا نہ فقیہہ وحدت افکار کی بے وحدت کردار ہے خام ( اقبالؒ )

یہ باتیں لکھنے میں یہی ایک بڑا مقصد ہے کہ ہم اپنی فکری وحدت کو ایک کریں اور پھر اس پر
عمل کریں ۔ قرون اولیٰ میں ایک عیسائی دانشور سپین کے مسلمانوں کی فکری وحدت سے بہت
متاثر ہوا ، اور اسلامی دنیا کے سفر میں قیرواں ، فسطاط سے ہوتا ہوا مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پہنچا ،
اور جو سوال کرتا تھا ، اس کے ایک جیسے جواب پاتا تھا ۔ تو خانہ کعبہ میں آکر مسلمان ہو گیا ۔
لیکن افسوس ہماری حالت یہ ہے ، کسی ایک دن کی اخبار اٹھا کر دیکھ لیں ۔ وہاں پر بھانت
بھانت کی بولیاں ہوں گی اور کئی لوگ ہمارے نظریہ حیات کو بھی پاش پاش کر رہے ہوں گے
ہر مسجد سے الگ الگ آواز آ رہی ہے اور تفرقہ ہمارا اوڑھنا بچھونا بن گیا ہے ۔ قرآن مجید کی سورۃ
ذاریت میں ایسی بھانت بھانت بولیاں بولنے والوں اور خراصوں کے قتل کرنے کا حکم ہے ۔
چنانچہ اس عاجز نے ہمیشہ عملی اسلام لکھا کہ انشاء اللہ خیالات یا بیانات میں تضاد نہ ہوگا ۔ اور
جس نتیجہ پر ہم پہنچے ہیں ۔ وہ یہ ہے کہ حاکم وقت اور لوگوں کو بھاری ذمہ داریاں یاد دلائی جا رہی
ہیں کہ وہ تفرقہ والی باتوں کو چھوڑ کر عملی اسلام پر " فقہ وحدت " یا " فقہ عسکریت " کے تحت متحد
ہو کر اللہ تعالیٰ کے سپاہی ( حزب اللہ ) بن جائیں ۔ ایسا کرنے کے لئے ہمیں اپنے تمام تر زندگی
کے شعبوں کو اسلامی فلسفہ حیات کے تابع کرنا ہوگا ۔ اور اس سلسلہ میں ہمیں اپنی پرانی تاریخ پر
ایک نظر ڈالنا ہوگا کہ وہاں ہمارے لئے کیا مثالیں موجود ہیں ۔

## تاریخی پہلو

29 ۔ حضور پاکؐ کی مدنی زندگی میں جو کچھ ہوا ، وہ کسی نظام حکومت کے تحت ہوا ۔ اور آگے
حاکم وقت یا لوگوں کی کاروائیوں کے کیا اثرات ہوئے ۔ موٹے طور پر پہلے دو خلفاء راشدینؓ کے
زمانے میں اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے پہلے آٹھ سالوں میں ہر طرح سے اور ہر پہلو میں
کامیابی نصیب ہوئی ۔ حاکم وقت جو " اولی الامر " تھے ۔ انہوں نے حکومت صحیح اسلامی اصولوں

کے تحت کی، لوگوں نے ہر طرح سے ان کے ساتھ تعاون کیا تو وہ اسلام کا سنہری دور قرار پایا۔
حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری دو سالوں میں حاکم وقت نے تو اسی طرح اپنی ذمہ داری نبھائی، لیکن لوگوں نے آزادی فکر اور آزادی عمل اختیار کر کے فتنہ فساد برپا کر دیا، تو تمام فتوحات رک گئیں۔ یہ سب کچھ جانشینی کے لئے ایک سیاسی اندرونی سازش کی وجہ سے ہوا۔ کہ ایک ہی وقت میں تین صوبوں سے شرپسند مدینہ منورہ پہنچ گئے اور چوتھے صوبے کی فوج مدینہ منورہ سے شمال میں آکر "تماشہ بین" کے طور پر بیٹھی رہی اور تب دمشق واپس گئی جب حضرت عثمانؓ شہید ہوگئے۔ حضرت علیؓ کافی باتوں سے آگاہ تھے۔ لیکن کھل کر صرف ظاہری باتوں پر تبصرہ فرماتے تھے۔ انہیں گزارش کی گئی کہ وہ مدینہ منورہ کو چھوڑ دیں، ورنہ اگر حضرت عثمانؓ شہید ہوگئے تو سب الزام ان پر آئے گا۔ آپ مسکرائے اور فرمایا "اگر وہ آج سے چھ ماہ پہلے مدینہ منورہ چھوڑ جاتے تو پھر بھی "الزام" ان ہی پر آتا۔" آپ کو دنیاوی حکمرانی کی کوئی خواہش نہ تھی۔ اور اسلام کے مرکز پر بھی حضرت عثمانؓ کی شہادت کی وجہ سے سخت چوٹ پڑی، تو حضرت علیؓ نے مجبوری کے تحت خلافت سنبھالی، کہ مرکز کو سہارا دینا ضروری ہوگیا تھا لیکن فتنہ وفساد والوں کی سازش گہری تھی، حب دنیا بھی آگئی، خودغرضی اور مطلب پرستی کا دور دورہ ہوگیا، تو اندرونی خلفشار اور خانہ جنگی شروع ہوگئی اور قوم میں کئی "افلاطون" پیدا ہوگئے

## گہری سازش

30 ۔ ذرا اندازہ لگائیں کہ سیاسی سازش کتنی گہری تھی، کہ جناب علیؓ کے پھپھی زاد اور عشرہ مبشرہ میں شامل، جناب زبیرؓ اور عشرہ مبشرہ میں شامل جناب طلحہؓ اور ام المومنین جناب عائشہؓ، جناب علیؓ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ حضرت علیؓ، جب ان پر حقیقت کو واضح کرتے ہیں اور جناب طلحہؓ جنگ سے کنارہ کش ہوتے ہیں تو ان پر ان کے اپنے لشکر سے ایک زہر آلود تیر پھینکا جاتا ہے۔ جناب زبیرؓ کو ایک آدمی انعام کے لالچ میں شہید کر دیتے ہیں۔ اور سازشی، جو دونوں لشکروں میں موجود تھے۔ وہ رات کے اندھیرے میں جنگ شروع کر دیتے ہیں جس کو ہماری تاریخ میں جنگ جمل کہا جاتا ہے۔ پھر اس جانشینی کی سیاست نے امت مسلمہ کو جنگ



صفین سے دوچار کیا۔ شکست سے بچنے کے لئے سیاست کے طور پر قرآن پاک نیزوں پر اٹھائے گئے۔ ثالثوں اور حکماء کی سیاست اپنائی گئی۔ لیکن اس سب نے ہمیں کیا دیا؟ آزاد فکر خارجی پیدا ہوئے۔ جنہوں نے سب بڑے رہنماؤں کو ختم کرنے کی قسم کھائی۔ لیکن ان کے ہاتھوں شہادت صرف جناب علیؓ کے حصے میں آئی، جو حق پر تھے اور دونوں "سیاستدان" بچ گئے۔
جناب امام حسنؑ نے جب دنیا کو لات ماری اور خلافت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا تو قوم میں پھر وحدت شروع ہوگئی اور مرکزیت بھی مل گئی۔ آئندہ بیس سال اسلام کی تاریخ کا شاندار دور تھا کہ ہم وسط ایشیاء سے لے کر بحیرہ اوقیانوس تک پہنچ گئے۔ قسطنطنیہ کے دروازے کھٹکھٹائے، بحیرہ روم کو اپنی جھیل بنالیا اور سسلی و کریٹ پر بھی حملہ آور ہوتے رہے۔ یہ آبرو اور عزت صرف حاکم وقت کی وجہ سے تو نہ ملی، بلکہ یہ تو خلفاء راشدین کے زمانے کی حکمت عملیوں کے ثمرات تھے۔ اس سیاست کی وجہ سے تو ایک۔ فاسق وفاجر آگیا، جو ہماری تاریخ میں یزید کے نام سے موسوم ہے۔ پھر وہی حب دنیا، عیاشی، بے فکری اور باطل فلسفوں کی پیروی شروع ہوگئی۔ لیکن نواسہ رسولؐ نے حق کے راستے کی نشاندہی کرتے ہوئے اپنے سارے کنبے اور رفقاء کی قربانی دے دی جو قرآن پاک کے الفاظ میں ذبح عظیم کے طور پر بیان ہے اور حق کے راستے یعنی صراط مستقیم کی نشاندہی بھی ہے۔ جمہوری لحاظ سے تو اکثریت یزید کے ساتھ تھی۔ چنانچہ ہماری تاریخ ہر قسم کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ اور بڑے بڑے "اولی الامر" پیدا ہوئے، جنہوں نے غیرت کی زندگی گزارنے کے سلسلہ میں ہماری رہنمائی کی اور ایسا نظام حکومت جاری وساری کیا جس کو بلاشبہ ہم نظام جہاد یا نظام مصطفیٰ کہہ سکتے ہیں۔ افسوس ہمارے ایک عالم، عبدالستار نیازی کہتے ہیں، کہ اسلام میں سیاسی پارٹیوں کا وجود ہے جیسے جناب طلحہؓ اور زبیرؓ کی پارٹیاں یہ صاحب نتائج پر غور نہیں کرتے۔

31 ۔ جو لوگ کہتے ہیں، کہ اسلام عملی نظریہ نہیں اور صرف خلفاء راشدین کے زمانے میں اس پر عمل ہو سکا۔ یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ یہ عالم خلق ہے۔ جہاں ہم امتحان کے لئے وارد ہوئے ہیں تاکہ عالم امر میں داخل ہونے کی تیاری کریں۔ یہاں حق اور باطل کی ٹکر جاری رہنا ہے۔ اور یہاں وہ تفصیل نہیں دی جاسکتی جس سے میری کتابیں بھری پڑی ہیں کہ میں نے لفظ لفظ کسی

مقصد کے تحت لکھا ہے، کہ اس ساری تخلیق میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کچھ مقاصد ہیں اور اسلام کے عظیم فرزند ہر زمانے میں ظاہر ہوتے رہے۔

## نشانِ راہ

32 ۔ تاریخ کے اس بامقصد مطالعہ کے بعد، جہاں پر ہم نے صرف عمل لکھا اور عمل تلاش کیا تو اب ضرورت اس امر کی ہے کہ چودہ سو سال میں جو پہلی دفعہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے نام پر ایک ملک قائم ہوا ہے تو اس کے لئے کوئی ایسا نظام حکومت تلاش کیا جائے جہاں حاکم وقت اور لوگوں کی ذمہ داری کی نشاندہی بھی کر دی جائے، مضمون بہت مشکل ہے اور پوری کتاب کا مضمون ہے۔ اور ہم صرف جھلکیاں دے رہے ہیں۔ اور ہماری موجودہ حالت دراصل باطل فلسفے کے اصول اور تلمیحات کو اپنا لینے کی وجہ سے ہے، کہ پچھلے دو سو سالوں کی غلامی اور کچھ پہلی غلطیوں کی وجہ سے ہم ان باطل چیزوں کو اسلامی اصول سمجھنے لگ گئے ہیں۔ حضرت عمرؓ ہمیں تنبیہ کر گئے تھے کہ "خبردار جو باطل کو نہیں سمجھتا وہ اسلام کو پاش پاش کر دے گا۔" اور یہی، ہمارا عظیم المیہ ہے۔ میں نے مضمون کے شروع میں اس پہلو کی کچھ نشاندہی کی ہے۔ اور کچھ باتیں اپنے اپنے عنوان کے تحت آگے آ رہی ہیں۔ لیکن اسلامی فلسفہ حیات کو دوسرے باب میں بیان کرنے کے بعد چوتھا باب ان باطل فلسفوں اور گمراہی پر ہوگا، جو بد قسمتی سے آج کل کچھ لوگوں کے ایمان کا حصہ بن گئے ہیں۔

## نظام حکومت کی وضاحت

33 ۔ اسلام دین فطرت ہے۔ قرآن پاک عملی طور پر فوجی زبان میں ہے، کہ زیادہ زور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر ہے۔ سنت رسولؐ میں بے شمار عملی مثالیں موجود ہیں، اور اس عاجز کی خلفاء راشدین کی کتابوں میں حضور پاکؐ کے عظیم رفقاء کے عمل ہیں۔ یعنی ہمارے پاس سب کچھ موجود ہے لیکن ان باتوں کا خلاصہ کہیں سے نہیں مل رہا، کہ نظام حکومت کو چند لفظوں میں کسی عالم یا بزرگ کے الفاظ میں بیان کریں۔ گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی میں امام غزالیؒ نے حاکم وقت کی ذمہ داریوں پر بہت کچھ لکھا اور پندرھویں صدی میں ابن



خلدون نے اسلام کے سیاسی فلسفہ کی کچھ نشاندہی کی۔ لیکن یہ چیزیں بھی اب "قدیم" کے زمرے میں آتی ہیں۔ پرانے فقہوں کے بارے میں پہلے گزارش ہو چکی ہے کہ ہمارے علماء نے بڑے کام کئے لیکن اب ضرورت اس امر کی ہے کہ کہیں سے فقہ وحدت یا "فقہ عسکریت" تلاش کریں کہ پہلے ہم پاکستان میں پوری قوم کو اللہ کی فوج بنا دیں اور پھر ساری امت کو ایک کر دیں۔ اس سلسلہ میں انیسویں صدی میں ہمارے دانشوروں میں جمال الدین افغانیؒ کے خیالات سے مدد مل سکتی ہے اور اس صدی میں علامہ اقبالؒ اور سید قطب شہیدؒ کی کتابوں سے یا ابوالحسن ندوی کی چند کتابوں سے یہ مدد مل سکتی ہے کہ مغربی خیالات نے ہمیں کیا کیا نقصان پہنچائے ہیں۔ چنانچہ اس عاجز کی تحقیق کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں اسلامی نظام حکومت کے لئے تمام تر مغربی طریقوں یعنی پارلیمانی نظام، صدارتی نظام وغیرہ کی اصطلاحوں کو ختم کر کے نظام مصطفیٰ کے لفظ کو استعمال کرنا ہو گا جو ہمارا ۱۹۷۷ء کا نعرہ تھا۔

## نظام مصطفیٰ

34 ۔ بے شک نظام مصطفیٰ کی تمام باتوں پر یہاں تبصرہ کرنا مشکل ہے کہ ایسا کام کرنے کیلئے ایک "اولی الامر" کی ضرورت ہے جو قرآن پاک کے مطابق اطیعوا اللہ واطیعوا الرسولؐ ہو اور مجلس مشاورت کی مدد کے ساتھ ایسے ہی شخص نے اسلام کو زندگی کے ہر شعبہ میں نافذ کرنا ہو گا یہ شخص کہاں سے آئے گا؟ اس کا جواب مشکل نہیں۔ جو سربراہ مملکت موجود ہو اسی کو امیر پاکستان اور "اولی الامر" بننے کی دعوت دی جائے گی اور اگر وہ یہ نہ مانے یا "اطیعو اللہ واطیعو الرسولؐ" نہ ہو تو پھر کسی اور کو تلاش کرنا ہو گا اور آئندہ جانشینی کیسے ہو اس میں ایک طریقہ جناب صدیق اکبرؓ نے اختیار کیا، جس کا ذکر میری خلفاء راشدین کی دوسری کتاب میں ہے کہ اپنا جانشین منتخب کر دیا۔ دوسرا طریقہ جناب فاروقؓ اور جناب علیؓ نے کیا کہ معاملات مجلس مشاورت پر چھوڑ دیئے، اور بے شک جناب عثمانؓ کو کچھ کرنے کی مہلت نہ ملی۔ ان مثالوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم "اولی الامر" اور اس کی جانشینی کے معاملات کی کچھ اور زیادہ تفصیل میں جا سکتے ہیں کہ جانشین پہلے حاکم کا رشتہ دار نہ ہو اور اس کو مقرر کر کے مجلس مشاورت یا قوم

سے منظوری لی جائے وغیرہ اور قوم سے منظوری لینے کے کئی طریقے ہیں اگر ایک امریکی شہری معین قریشی کو ہمارا سربراہ بنایا جاسکتا ہے یا ایک فوجی آمر آکر ملک سنبھال لیتا ہے ۔ تو کیا ہم ایک آدمی کو اپنا سربراہ نہیں بنا سکتے ؟ یہ معاملات اتنے مشکل نہیں ۔ اصلی بات یہ ہے کہ ہمیں یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ اسلام کیا ہے اور اس اسلام کو کیسے جاری وساری کیا جائے ۔ فی الحال ہمیں باقی غلط اور باطل یا غیر اسلامی اصطلاحوں یا طور طریقوں سے چھٹکارا حاصل کرنا ہوگا کہ :۔

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے ( اقبالؒ ) میرعرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

بلاشبہ ہماری منزل نظام مصطفیٰ ہے ۔ ہم نے چودہ سو سال میں پہلی دفعہ اللہ اور رسولؐ کے نام پر ملک بنایا ہے ۔ اور اسی وجہ سے یہ عاجز اپنے نظام حکومت کو نظام مصطفیٰ کا نام دے چکا ہے کہ اگر کوئی شخص حضور پاکؐ کی ذات کو زیر بحث لاکر ہمارے اندر سے حضور پاکؐ کے جلال وجمال کو نکالنا چاہتا ہے وہ ہم میں سے نہیں کہ ہمارے ہی وطن سے حضور پاکؐ کو ٹھنڈی ہوا نے جانا ہے، تو اب ہم وضاحت کریں گے کہ نظام مصطفیٰ کیا ہے ۔ جس کو یہاں جاری کرنا ہے ایک جنگ سے واپس آتے وقت حضور پاکؐ نے امن کے زمانے کو جہاد اکبر کا نام دیا اور جنگ کو جہاد اصغر، تو ظاہر ہوا کہ مومن امن کے زمانے میں ہر وقت جہاد میں مصروف رہتا ہے اور یہی نظام مصطفیٰ ہے اور یہی نظام جہاد ہے ۔ جنگ لڑنے کے فلسفہ کو جہاد اصغر یا اسلامی فلسفہ دفاع کہہ سکتے ہیں جس سلسلہ میں پانچویں باب سے میں کافی تفصیل ہے ۔ اب غیروں کو اگر لفظ جہاد سے چڑ ہے تو اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں بلکہ ہمارے لئے یہ ایک طرز زندگی ہے کہ امن کے زمانے میں جہاد کا نظام اپنا کر ہم اپنے آپ کو غیروں کے ڈاکہ سے محفوظ رکھتے ہیں ۔ تو ثابت ہوا کہ ہمارا سیاسی فلسفہ یا نظام حکومت، نظام مصطفیٰ ہے جس کو ہم نظریہ جہاد بھی کہہ سکتے ہیں ۔

## جہاد کے بارے نا سمجھی

35 ۔ بدقسمتی سے ہمارے دانشور اور علماء بھی نظریہ جہاد سے ناواقف ہیں ۔ سید سلیمان ندویؒ صاحب نے اسلام کی بڑی خدمت کی لیکن ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ آپ کی چھ کتابوں میں نظریہ جہاد پر کل چار صفحے ہیں ۔ شاید انگریزوں کا ڈر تھا کہ علامہ شبلیؒ بھی تو یہ کہہ جاتے ہیں " کہ حضور پاکؐ کے زمانے کی کہانی جنگ کی کہانی ہے کہ لڑائی عبادت بن گئی " لیکن ساتھ دبی



زبان میں جنگ سے گریز کی لوری بھی دے جاتے ہیں کہ جہاد کو بظاہر ایک ظالمانہ عمل لکھ گئے اس میں علامہ شبلیؒ کی تنقیص ہر گز مقصود نہیں ، کہ انہوں نے انگریزوں کی وفاداری کے حق میں بھی لکھا اور ان پر کفر کے فتوے بھی لگے ۔ لیکن راقم از خود انگریزوں کے زمانے میں " کرائے کا سپاہی " رہ چکا ہے ۔ اور یہ ندامت والی باتیں ہیں ۔ لیکن افسوسناک المیہ مودودی صاحب کی کتاب " جہاد فی الاسلام " ہے ۔ یہ کتاب اسلام کے ساتھ بہت بڑا مذاق ہے ۔ مودودی صاحب کی " مدافعانہ دفاع " اور " مصلحانہ دفاع " کی اصطلاحوں کے ہم معنی الفاظ کا جرمن جنگی ماہر کلاسیوٹز نے جو مذاق اڑایا ہے ۔ اس پر بھرپور تبصرہ میں نے ان کی کتابوں کے اپنے ترجمہ میں کر دیا تھا کہ دفاع میں ہمیشہ جارحانہ انداز کا مظاہرہ ہونا چاہیئے ۔ لیکن مودودی صاحب نے تلوار کو جو اسلام سے الگ کیا، تو ان کو شاید علامہ اقبالؒ کی یہ پھبتی بھی یاد نہ رہی ۔ " فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر " مودودی صاحب کے ہر بیان پر علامہ اقبالؒ کا موزوں شعر موجود ہے ۔ مثلاً " بے چارے کے حق میں ہے یہی سب سے بڑا ظلم ۔ برے پر اگر فاش کریں قاعدہ شر " یا سرور جو حق وباطل کی کارزار میں ہے، تو حرب وضرب سے بے گانہ ہو تو کیا کہنے ۔ ایک دفعہ ارادہ بھی ہوا کہ مودودی صاحب کی اس کتاب کے لفظ پران شعروں کے ساتھ تبصرہ کر دوں ۔ لیکن کس کس بات پر تبصرہ کرتا ۔ تفہیم کی تاریخی غلطیوں اور متن سے ہٹ کر اپنے یعنی مودودی صاحب کے عقائد کے پرچار پر ۔ البتہ جہاد کشمیر ۱۹۴۸ء پر مودودی صاحب کے فتویٰ اور وضاحت دونوں کو پہلے ان کے الفاظ میں اپنی کتاب جہاد کشمیر میں لکھا پھر تبصرہ کیا، کہ مودودی صاحب نے ہمیں تین گروہوں میں بانٹ کر امت واحدہ کے فلسفہ کو پاش پاش کر دیا اور اول سورۃ انعام کی آیت 160 کی خلاف ورزی کی اور سورۃ نسا کی آیت نمبر 75 کا بھی خیال نہ کیا، جہاں ناتوانوں کی مدد میں لڑنے کا سخت حکم ہے ، بلکہ اسلامی تاریخ کو نہ سمجھنے کا مظاہرہ کیا ۔ بہر حال غلام کذاب اور سرسید کی طرح ہمارے اکثر عالم قوم کو جنگ سے ڈراتے رہتے ہیں اور سیالکوٹ کے ایک مولوی چراغ علی نے تو فلسفہ جہاد کو جدوجہد کا نام دے کر پوری قوم کو بے جان کر دیا ۔ انگریزوں نے اس مردود کو نظام حیدر آباد سے نواب اعظم یار جنگ کا خطاب دلوایا ۔ حالانکہ اس کے لئے بہتر خطاب " فرار جنگ " تھا ۔ (خدارا ڈاکٹر طفیل وغیرہ جیسے نیم علم

یافتہ ناقدوں کی طرح ان صاحب کو بہادر یار جنگ نہ سمجھ لینا) اور یہ بھی نہ سمجھ لینا کہ ہر فوجی فلسفہ جہاد یا جنگ کے تقاضوں کو سمجھتا ہے" میں نے اے میر سپہ تیری سپہ دیکھی ہے ۔ قل ہو اللہ کی شمشیر سے خالی ہے نیام " کے الفاظ ایوب اور یحییٰ کے لئے بڑے موزوں ہیں ۔ کلاسیوٹز کہتا ہے، کہ جو آدمی جنگ کو بھیانک بنا کر قوم کو ڈراتا ہے وہ قوم کا دشمن ہے ۔ ہماری ناسمجھی اس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ جب مسلمانوں پر کسی جگہ ظلم ہو رہا ہوتا ہے تو ہمارے علماء فتویٰ دے دیتے ہیں کہ فلاں جگہ جہاد واجب ہو گیا ہے، جہاد نہ کسی فتویٰ کے تابع ہے نہ محتاج ہے بلکہ یہ ایک طرز زندگی اور فرض ہے ۔ البتہ کفایہ کو کچھ لوگ غلط معنی پہنا کر جہاد سے گریز کر جاتے ہیں ۔ فرض کفایہ، جہاد بالسیف پر لاگو ہے کہ کسی حکمت عملی کے تحت صرف کچھ لوگوں کو جنگ یا لڑائی کے لئے بھیجا جاتا ہے لیکن جہاد کی تیاری ہر مسلمان پر فرض ہے تاکہ ضرورت کے وقت وہ جہاد میں شرکت کر سکے کہ مومن کے مقصد حیات میں جہاد کے بیچ شرکت کو اولین حیثیت حاصل ہے ۔ اس میں کسی بحث کی کوئی گنجائش نہیں ۔ اور مومن کے رہنما کے بارے میں علامہ اقبالؒ واضح کر گئے ہیں: ۔

وہی زمانے کا امام برحق — جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رخ دوست — زندگی تیرے لئے اور دشوار کرے

## بحث برائے بحث

36 ۔ مغربی نظاموں کی اسمبلیوں میں چونکہ حزب اقتدار اور حزب اختلاف ضروری ہے تو اکثر بحث صرف بحث کے لئے کی جاتی ہے کہ حزب اختلاف کے لئے ضروری ہے کہ وہ حزب اقتدار کی مخالفت کریں ۔ اس وجہ سے کئی فضول الفاظ جیسے سپیکر، تحریک، تحریک التوا، حق استحقاق، نکتہ استحقاق وغیرہ ہمارے اوپر چھا گئے ہیں ۔ اول تو اسلام میں اکثریت اور اقلیت کا کوئی تصور نہیں کہ وہاں اللہ تعالیٰ کا حکم چلتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اکثریت کو گمراہ کہا ہے اور اگر خلیفہ اول کے زمانے میں لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو بحث نہ کی گئی بلکہ فوجی کاروائی کی گئی ۔ مدینہ منورہ میں اکثریت کا حساب لگاتے تو زیادہ لوگ جناب سعدؓ بن عبادہ کو ووٹ دیتے اور ابوبکر صدیقؓ خلیفہ نہ بنتے، اسلام اہل الرائے اور اسلام کے لحاظ سے موزونیت کو ترجیح دیتا ہے ۔



لوگ کیا کہیں گے، اس سلسلے میں یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کیا کہتے ہیں ۔ اس کی آمریت کو جاری کرنے کے طریق کار کی سفارشات کے لئے مجلس مشاورت البتہ ہوتی ہے ۔ لیکن اس میں وہ لوگ ہوتے ہیں جو اسلامی فلسفہ حیات کو سمجھیں اور اپنے اعمال کو اس فلسفہ کے تابع کریں ۔ اور لوگوں کی شرکت اس طرح ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی فوج بن جاتے ہیں نہ کہ خر بازاری کی پیداوار لوٹے جو آجکل ہمارے حکمران ہیں ۔

## مشاورت

37 ۔ اسلام میں حزب اختلاف یا حزب اقتدار کا الگ الگ کوئی تصور نہیں اور نہ ہی سیاسی گروہ بندی یا کسی فرقہ بندی کا تصور ہے ۔ پوری قوم ایک بنیان المرصوص ہوتی ہے، اور حکومت اسلامی فلسفہ حیات یعنی قرآن پاک اور حضور پاکؐ کی سنت کے تحت چلائی جاتی ہے ۔ اسلام طبقاتی یا گروہی نمائندگی کا کوئی تصور نہیں دیتا ۔ وہاں مشاورت کے لئے کئی قسم کے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے ۔ اول ان لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے جو اسلام کے فلسفہ حیات اور اصولوں کو سمجھیں کہ وہ صحیح مشورے دے سکیں کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے ۔ دوم ایسے ہنر مند لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے جو زراعت، مالیات، تجارت، بیرونی تعلقات، دفاع، تعلیم وغیرہ کے سلسلہ میں مشورہ دیں ۔ لیکن یہ اصول بھی اسلامی فلسفہ حیات کے تابع ہوتے ہیں ۔ سوم ایسے ماہرین یا علاقے کے آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے جو کسی خاص علاقے سے وابستہ خاص اور الگ قسم کے ماحول کے بارے واقف ہوں اور علاقائی اثرات کا مطالعہ کر کے وہاں کی بہتری کے لئے مشورہ دے سکیں ۔ قوم نے ایسے لوگوں کو بھی تلاش کرنا ہو گا کہ اسلام میں خود آگے بڑھ کر اپنے آپ کو نمائندگی کے لئے پیش نہیں کیا جاتا ۔ مشیروں کو تلاش کیا جاتا ہے ۔ یا تربیت دے کر مشیر خود بنائے جاتے ہیں ۔ ضیاء الحق جو میرے چھوٹے بھائیوں کی طرح تھا، اس کو مجلس شوریٰ بنانے کا، مشورہ اس عاجز نے بھی دیا تھا ۔ اور شروع شروع میں میرا نام بھی اس لسٹ کے اوپر والے لوگوں میں تھا ۔ لیکن مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ سارا کام غلط طریقے پر کیا جارہا ہے ۔ کہ علاقائی بنیادوں پر انتخاب کی بجائے "چناؤ" کیا جارہا ہے ۔ اور تعداد بھی اسمبلیوں کے

ممبروں کے برابر رکھی جارہی ہے۔ خیر انتخاب کے مقابلہ میں بہتر لوگ اس مجلس میں آئے۔ اور
قومی معاملات پر اچھی بحث ہوتی رہی۔ شاہ بلیغ الدین یا راجہ افسر کی قسم کے لوگ یہ بھی سمجھتے
تھے کہ اسلام میں جمہوریت نہیں۔ بہر حال مجھے یار لوگوں نے ممبر نہ بننے دیا کہ یہ آدمی کہیں
کوئی بھونچال نہ لائے۔ لیکن یہ سب کچھ ایک لاحصل مشق ثابت ہو گئی۔ اور اب بھی سب سے
بڑا مشکل مسئلہ یہی ہے۔ ایسے مخلص لوگوں کو تلاش کرنا مشکل کام ہے۔ لیکن تعداد کا معاملہ
اور مشکل ہے۔ بہر حال فی الحال یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تعداد محدود ہونا چاہیئے۔ اور ان لوگوں کو
executive یعنی کام چلانے یا حکم چلانے کی ذمہ داری ہرگز نہ دی جائے۔ یہ لوگ
watch dog کا کام بھی کریں اور قومی معاملات کو پرکھیں، زیر بحث لائیں۔ اور
سفارشات دیں۔ کام سرکاری نوکروں یا سول سروسز کو چلانا ہوگا۔ بہر حال ایسے مشیروں کے
چند نام میرے ذہن میں ہیں۔ بعد میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ اور مشیروں کی مدد سے مشیر مقرر کئے
جاسکتے ہیں اور باشعور لوگوں سے مشورہ کر کے ایسے لوگ ڈھونڈے جاسکتے ہیں۔ جو دیانتدار
ہوں۔

## ایگزیکٹو

38 ۔ سول سروسز ہمارے پاس موجود ہیں۔ وزیر جن کو ہم عوام کے نمائندہ کہتے ہیں۔ وہ
بھائی بندی، رشوت ستانی، اور اپنی پارٹی کے لوگوں کے مفاد کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے۔
ویسے بھی سب معاملات سیکرٹری چلاتے ہیں۔ جو کافی نوکری اور تجربہ کے ساتھ وہاں پہنچتے ہیں۔
بدقسمتی سے آج کل وہاں پر کافی زیادہ "کالے انگریز" اکٹھے ہو گئے ہیں۔ ہم نے اس محکمہ کو
ریفارم کر کے سب کام ان لوگوں کے ذریعہ سے چلانا ہوگا۔ اول ان لوگوں کو "مسلمان" بنانا
ہوگا، کہ یہ لوگ سب کچھ اسلامی فلسفہ حیات کے تحت کریں۔ دوم ان کی عسکری تربیت کی
ضرورت ہے کہ انہی لوگوں کی مدد سے پوری قوم کو اللہ کی فوج بنانا ہوگا۔ اس کے علاوہ وقتاً
فوقتاً کافی فوجی افسران کو سول سروسز کے اکثر عہدوں پر لانا ہوگا اور قوم میں زیادہ سے زیادہ
لوگوں کو فوجی افسر بنانا ہوگا، کہ جنگ کی صورت میں کافی تربیت یافتہ لوگ ہمارے پاس



موجود ہوں۔ ویسے پوری قوم کی فوجی تربیت کا معاملہ آگے زیر بحث آئے گا۔ لیکن ہمیں معلوم
ہونا چاہیئے کہ سرکاری اداروں یا حکومت کے دوسرے اداروں میں کم از کم پندرہ سولہ لاکھ تنخواہ
دار لوگ موجود ہیں۔ ان سب کو عام فوجی تربیت کے علاوہ خصوصی فوجی تربیت بھی دینا ہوگی
تاکہ ضرورت پڑنے پر ان لوگوں میں سے کم از کم آدھے لوگ فوج کے شانہ بشانہ باقاعدہ جنگ
میں حصہ لے سکیں۔ اس سلسلہ میں ان لوگوں کو منظم کرنے کی پوری تجاویز میری کتابوں میں
موجود ہیں اور ان مضامین میں اس تفصیل میں نہیں جایا جاسکتا۔ لیکن وضاحتی مضامین لکھے
جاسکتے ہیں۔

## عدلیہ

39 ۔ عدلیہ کے سلسلہ میں بھی تفصیل میں نہیں جایا جاسکتا۔ اور اسلام کے قاضیوں کا طریقہ
انیسویں صدی تک یہاں رائج رہا۔ ان لوگوں کو بھی ایگزیکٹو سے بالکل الگ ہونا چاہیئے۔ اور
ملک کے سربراہ کو بھی اسلامی عدالت میں طلب کیا جاسکتا ہے۔ احتساب اور انصاف اسلام کے
ستون ہیں۔ لیکن اس موجودہ رومن قانون کو اسلامی قانون میں تبدیل نہیں کیا جاسکتا کہ یہاں
قانون شہادت جھوٹ کا پلندہ ہے اور ہر شق اتنی مہمل ہے کہ جو مرضی ہو اس کا معنی نکال لیا
جائے۔ علاوہ ازیں لارڈ میکالے نے جو پینل کوڈ بنایا تھا۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کو ایک
ہی لاٹھی سے ہانکا جاتا رہا۔ مجرم یا ملزم کو سرکار کا داماد تسلیم کیا جاتا ہے۔ جھوٹ کی کوئی سزا
نہیں ملتی۔ تمام گواہیاں جھوٹی ہوتی ہیں۔

## مزید وضاحت

40 ۔ عدلیہ کا کام کون لوگ چلائیں گے۔ ہمارے پاس بے شمار جج نوکری کر رہے ہیں۔ اگر
یہ لوگ اسلامی فلسفہ حیات اور اسلامی فقہ پر عبور حاصل کر لیں۔ تو یہی لوگ قوم کو اسلامی
انصاف مہیا کر سکتے ہیں۔ مجھے قادیانی کے مقدمہ اور اسلم بیگ کے ہتک کے مقدمہ کے وقت
شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کی کاروائی دیکھنے اور بحث میں شامل ہونے کا موقع ملا۔ تو میں
اپنا سر پیٹ کر رہ گیا۔ کہ ملک کے اتنے زیادہ پڑھے لکھے لوگ کس طرح بے مقصد بحث اور

غیروں کے کافرانہ قوانین کے حوالوں میں الجھ کر اپنا وقت صائع کرتے ہیں ۔ اسلام میں اول تو جھگڑے اور مقدمے کم ہوجاتے ہیں اور معاملات محلہ اور گاؤں کی مسجدوں میں طے کرلئے جاتے ہیں ۔ اور ہر آدمی سچ بولتا ہے تو وقت کا ضیاع نہیں ہوتا ۔ بہر حال ان مضامین میں سب خرابیوں پر یا ان کے حل پر بحث نہیں کی جاسکتی ۔ البتہ ترجیحات کے طور پر چند باتوں یعنی تعلیم، ذرائع ابلاغ اور قومی معاملات پر کچھ تبصرے ضروری ہیں ۔

## تعلیم

41 ۔ ہمارے ملک میں شور اٹھتا رہتا ہے ، کہ ہماری سب مصیبت کم علمی کی وجہ سے ہے لیکن اگر مجھ سے پوچھا جائے تو بات یہ ہے " کہ پڑھے لکھے بیچ رہے ہیں ایمان " سب رشوت ستانی اور بد دیانتیاں یہ پڑھے لکھے لوگ کر رہے ہیں ۔ تعلیم کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ۔ لیکن کونسی تعلیم اور کیسی تعلیم ؟ مولوی صاحبان اپنے آپ کو ممبر کا وارث اور حضور پاکؐ کا جانشین کہتے ہیں ۔ لیکن نہ آزادی سے پہلے نہ آزادی کے بعد یہ لوگ قوم کو رہنمائی دے سکے ۔ اور علامہ اقبالؒ نے پہلے ہی کہہ دیا کہ یہ بے چارہ دو رکعت کا امام ، قوم کی امامت کے قابل نہیں ۔ اس لئے جو لوگ اسلامی نظام کے نفاذ سے اس لئے ڈرتے ہیں کہ ملک کی باگ وڈور ان علماء یا مولویوں کے ہاتھوں میں چلی جائے گی ۔ وہ تسلی رکھیں ۔ لفظ مولانا ہی شرک ہے کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی استعمال ہوا ۔ اور اسلام میں پادریوں یا برہمنوں کی طرح کسی الگ " مولویوں " کی گروہ بندی کی اجازت نہیں ۔ تب ہی جمعیت العلماء ہند ، پاکستان بنانے کے " گناہ " میں شریک نہ ہوسکی ۔ اور اب ان لوگوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھنے کے بعد یا جمعیت العلماء پاکستان یا جماعت اسلامی وغیرہ والے ، اپنے درسوں سے نہ قوم کے رہنما پیدا کرسکتے ہیں نہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا ماہر اور نہ ہی ایسے لوگ جو انتظامی معاملات کو چلاسکیں ۔ یہ کام وہی لوگ کر رہے ہیں جو لارڈ میکالے کے تعلیمی نظام کے تحت ہماری حکومت کے تعلیمی ادارے پیدا کر رہے ہیں ۔ لارڈ میکالے کا غلام اعظم سر سید 1890ء میں اپنے ایک دوست کو ایک خط میں تسلیم کرتا ہے ، کہ مغربی طرز تعلیم ہمیں بدکردار بنارہی ہے ۔ بہر حال تعلیم کے سلسلہ میں بہت



لمبی چوڑی وضاحتوں کی ضرورت ہے ۔ لیکن اختصار سے یہ کہنا چاہیئے کہ اسلام کے لحاظ سے تعلیم کا بڑا مقصد یہ ہے ، کہ آدمی مسلمان کے طور پر اور دین دار زندگی گزارے کہ روز قیامت میں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دے گا ۔ اسلام ، وفاق اور فیڈریشن جیسی باتوں میں یقین نہیں رکھتا کہ صوبائی یا علاقائی خود مختاری ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی بسم اللہ ہوتی ہے ۔ اس لئے اسلام میں ایک ملک اور ایک قوم کے حکومت کے ادارے کو مرکزی حکومت کہا جاتا ہے اور تمام تعلیمی پالیسی اس مرکز کو بنانا چاہیئے اور یہی لوگ سلیبس اور مضامین وکتابوں کا فیصلہ کریں گے ۔ البتہ سکول اور کالجوں کو چلانے کا کام صوبوں کے سپرد کیا جاسکتا ہے ۔ تعلیم کا پہلا مرحلہ بنیادی تعلیم کہلاتا ہے ۔ اور ہر فرد کو یہ تعلیم دینا لازمی قرار پائے ۔ جس کو مڈل یا میٹرک کے سٹینڈرڈ کے برابر تصور کیا جاسکتا ہے کہ ہر آدمی کو اتنی بنیادی تعلیم دی جائے ، کہ وہ اپنے کردار کی تعمیر کرسکے ۔ روزمرہ کے کام چلاسکے وغیرہ ۔ اور اس کے بعد ہر بچے کی ذہن اور قابلیت کو پرکھ کر اس کو خصوصی تعلیم اس فن کی دی جائے ۔ جس طرف وہ مائل ہو ۔ ہر آدمی ڈاکٹر یا انجنیئر نہیں بن سکتا اور نہ سائنس دان ۔ اول حکومت کو اپنی ضرورت کی تجویز بنانی ہوگی ، کہ کس مد میں کتنے ماہرین کی ضرورت ہوگی ۔ اور زمانے کے مطابق ترقی یافتہ سکول اور کالجوں کا جال بچھانا ہوگا ۔ صاحب حیثیت لوگ اپنی اولاد کو اپنی مرضی کے مطابق تعلیم دے سکتے ہیں ۔ اصل معاملہ ان غربا کے ہونہار بچوں کا ہے جن کو وہ لوگ تعلیم نہیں دے سکتے ۔ حکومت کو ان ہونہار بچوں کی تلاش کرکے ان کے talent کے مطابق ان کو تعلیم دینا ہوگی ، تاکہ ملک اور قوم ان ذہین لوگوں کی خدمات کا فائدہ اٹھاسکے ۔ بہر حال تعلیمی سفارشات یا ریفارمز ایک بہت بڑا مضمون ہے اور تعلیمی اداروں کے تمام تر سلیبس کو اسلامی فلسفہ حیات کے اصولوں کے تابع کرنا ہوگا ۔ یہ انگریزوں کی جادو ناتھ سرکار سے لکھائی گئی تاریخ جہاں محمود غزنویؒ جیسے عظیم مجاہد کے جہاد کو لوٹ و مار کے حملے کہے گئے ۔ یہ باطل تہذیبوں کی پوجا ۔ یہ تاریخ کے محقق احمد حسن دانی کے مطابق مارگلہ کے ہر پتھر کا پوتر ہونا ، یہ باطل مدنیت کے علوم ، یہ شکسپیئر کے ڈرامے ، یا فحاشی والے ادب ، ان سب کی اسلام میں کوئی وقعت نہیں ۔ ہم نے ان سکولوں سے مجاہد تیار کرنے ہوں گے ، کہ نماز و روزہ کی پابندی کے علاوہ ان کو بنیادی فن سپہ گری کی تربیت بھی دینا ہوگی

لیکن اس کتاب کے بیانات میں صرف اشارے کئے جاسکتے ہیں ۔ گو میرے کئی دوست اس سلسلہ میں کافی کام کر چکے ہیں ۔اور ان سے مدد لی جاسکتی ہے ۔

## لسانی وحدت

42 ۔ ہماری بڑی بد قسمتی یہ ہے، کہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے ہمیں پہلے دو زبانوں یعنی اردو اور انگریزی میں مہارت حاصل کرنا پڑتی ہے کہ اپنے گھروں میں ہم پنجابی، پشتو، سندھی یا بلوچی زبانیں بولتے ہیں ۔اس کے علاوہ دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے یا روحانی اور عقائدی ضرورت کے تحت عربی زبان کی واقفیت بھی ضروری ہے ۔ حضرت عمرؓ کے حکم پر اہل مصر کی خدمت پر دھیان دیں کہ انہوں نے عربی کو اپنا کر بحیرہ اوقیانوس تک پہنچا دیا ۔اگر مشرق میں بھی ایسا ہوتا، تو آج دنیا بھر کے مسلمانوں میں کم از کم لسانی وحدت تو ہوتی ۔بہر حال ابھی بھی وقت ہے اور بہتر ہوگا کہ قومی زبان کے طور پر ہم عربی زبان کو اپنالیں اور پھر نتیجہ دیکھیں کہ ساری امت میں کیسے وحدت پیدا ہوتی ہے ۔ حضور پاک کا فرمان ہے: "پسند کرو عربی کو کہ اہل جنت کی زبان ہے ۔قرآن پاک کی زبان ہے ۔اور میری زبان ہے ۔" اس آخری فقرہ پر قربان، یہ ہم عجمیوں کے لئے ہے اور موجودہ ذرائع ابلاغ کی مدد سے عربی زبان اپنانے میں زیادہ دیر نہ لگے گی ۔بہر حال اگر قوم ایسا نہ کرسکے ۔تو انگریزی سے جلد چھٹکارا حاصل کیا جائے کہ اس زبان کو اپنانے کی وجہ سے ہم اہل مغرب سے اتنے مرعوب ہو چکے ہیں کہ مجبوراً ہمیں ہر کام میں ان کی نقالی کرنا پڑتی ہے یعنی ان کے پیچھے چلتے ہیں ۔عربی زبان اپنانے کے بعد اہل پاکستان بارش کا پہلا قطرہ بن جائیں گے اور اس کے بعد تمام اسلامی ممالک ہماری پیروی کریں گے جس سے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے اس امت پر وہ اثرات ہوں گے کہ ہمیں صرف جھولی پھیلانا ہوگی ۔ یہ کام ہمارے ذرائع ابلاغ کی مدد سے انجام دینا ہوگا کہ دراصل یہ ذرائع بھی قوم کو ایک قسم کی "تعلیم" ہی دے رہے ہیں ۔ویسے یہ اشارہ ہے اس سلسلہ میں پوری سفارشات پر کئی مضامین لکھنے کی ضرورت ہے ۔



## ذرائع ابلاغ

43 ۔ ذرائع ابلاغ نے ملے جلے ادب، فلسفہ اور ثقافت سے قومی معاملات کو گڈمڈ کر کے رکھ دیا ہے ۔بہر حال جب قوم کا سیاسی فلسفہ واضح نہ ہو، قومی مقاصد آنکھوں سے اوجھل ہوں تو پھر مقاصد حاصل کرنے کے لئے حکمت عملی بھی نہیں بنائی جاتی یا ہوتی ۔اس عاجز نے قوم کے سیاسی فلسفہ اور دوسرے باب میں اسلامی نظریہ حیات کا خلاصہ جو پیش کیا، تو ہمارے ذرائع ابلاغ کو بھی ان اصولوں کے تابع کرنا ہوگا ۔تاکہ اسلامی ادب اور اسلامی ثقافت کا پرچار ہو اور اس سلسلہ کی وسیع تر ہدایات ایک الگ کتاب کا مضمون ہیں اور یہ سب کچھ قومی معاملات کی وزارت یا مد کو کرنا ہوگا ۔البتہ ہماری ثقافت کو سورۃ فتح کے آخری رکوع میں خوب تر واضح کیا گیا ہے ۔اور اس ضرورت کو ان اصولوں کے تابع کرنا ہوگا ۔فی الحال ہم نے ثقافت کے معاملات کو گڈمڈ کر دیا ہے ۔

## قومی معاملات

44 ۔ چارٹ میں قومی معاملات کی مد کو ایک طرف حکومت کا شعبہ دکھایا گیا دوسری طرف اسے عدلیہ کے ذریعے سے اخلاقی فلسفہ (morality) سے انصاف کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے ۔وزارت مذہبی امور کے الفاظ صحیح نہیں ۔اسلام صرف مذہب نہیں، دین بھی ہے ۔اور ہم ایک قوم ہیں ۔اس لئے ہمیں ایک ایسے ادارے کی ضرورت ہے جو قوم کی، قومی معاملات میں رہنمائی کرے ۔اس لئے اسلامی نظریاتی کونسل اور اسلام کے سلسلہ میں بنائے گئے تمام تحقیقی اداروں یا تاریخی اداروں کو اس ادارے میں ضم کرنا ہوگا ۔کہ آج کل یہ لوگ نہ کسی مقصد کے تحت کام کر رہے ہیں ۔نہ ان کا چارٹر آف ڈیوٹی صحیح ہے ۔اور اس میں ان کا زیادہ قصور نہیں کہ ہم جس دوغلے پن، پر تضاد رویوں یا مہمل احکام سے دوچار ہیں اس کا ذکر کتاب کے شروع میں ہو چکا ہے اور عظیم صوفی مفکر شاہ نعمت اللہ ولی اس زمانے کے بارے فرما گئے ہیں ۔

بے تاج باوشاہاں شاہی کنند ناداں اجرا کنند فرمان فی الحلہ بیہلانہ

بہر حال اس ادارے نے قوم اور حکومت کی ہر معاملہ میں رہنمائی کرنا ہوگی اور اس کو وزارت

نیشنل گائیڈنس بھی کہ سکتے ہیں ۔ کہ نظام حکومت کے ان بیان شدہ اصولوں یا بعد میں اسلامی نظریہ حیات صراط مستقیم ، باطل فلسفوں اور نظام جہاد کے ابواب کی باتوں کو مدنظر رکھتے قوم اور حکومت کی رہنمائی کرنا ہوتی ۔ اور اولین فرصت میں قرآن پاک کے تمام ترجموں اور تفسیروں کو پرکھنا ہوگا کہ وہاں کم علم علماء نے اپنے انگل پچو جو ترجمے کئے ہیں ان کی نشاندہی بھی کرنا ہوگی ۔ یہاں ایک مثال کافی ہے ۔ کچھ مترجم رب اللعالمین کا ترجمہ تو صحیح طور پر عالموں کا رب کرتے ہیں لیکن جب رحمتہ اللعالمین کا ترجمہ کرتے ہیں تو ۔ (ترجمہ) "لوگوں کے لئے رحمت" کرتے ہیں ۔ یہ کم علمی کی وجہ سے بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے عاجزی کی وجہ سے صحیح ترجمہ کرگئے ہوں اور چونکہ کائنات کا ان کو تصور نہیں تو عالموں کے زمان و مکان کو بھی نہیں سمجھتے اور نہ یہ سمجھتے ہوں گے کہ رحمت کی پودوں اور پتھروں کو بھی ضرورت ہوتی ہے ۔ لیکن افسوس کہ یہ نہ سوچا ہوگا کہ اس طرح حضور پاکؐ کی شان کو وہ کم کررہے ہیں کہ آپؐ کو وہ صرف لوگوں تک محدود کررہے ہیں ۔ ہمارے ہاں ایک بڑی بدقسمتی ہے کہ کچھ مسلکوں کے عالم حضور پاکؐ کو صرف مذہب یا عقائد کے معاملات تک "محدود" کرتے ہیں ۔ اسلام ، دین ہے ۔ جس میں مذہب اور دنیا ۔ یا پوری کائنات شامل ہے ۔ اس لئے ہم دوسرے باب میں اس سلسلہ میں حضور پاکؐ کی شان کو بیان کریں گے ، کہ یہ بے ادبی بھی ہوسکتی ہے اور ایسے لوگ اس سازش کی کڑی بھی ہوسکتے ہیں جن کے بارے علامہ اقبال لکھ گئے ۔ "وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا ۔ روح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو" ایسے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو بھی "بے خبر" بنادیا کہ سورۃ عمران کی آیت 142 کا یہ ترجمہ کیا "ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں" حالانکہ صحیح ترجمہ یہ تھا" کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو امتحان میں نہیں ڈالا" ایسے لوگوں نے سورۃ فتح کی آیت نمبر1 اور 2 کے ترجمے ایسے الفاظ میں کئے کہ حضور پاکؐ بھی معصوم نہیں ۔ اور جن الفاظ کے ترجمے سعودی حکومت نے بھی fault یا غلطی کیا ۔ یہ لوگ سیدھے طور پر "گناہ" کا لفظ استعمال کرتے ہیں ۔ قرآن پاک کے حاشیوں یا تفسیروں یا تفہیموں میں جو کچھ ان لوگوں نے لکھا ہے اس کو پڑھ کر رونا آتا ہے ۔ کہ ایسے "کم علم" لوگ اس میدان میں کیوں کودگئے ۔ ویسے یہ لوگ کچھ مسلکوں کے سرتاج ہیں ۔ میرے ایک



دوست کرنل شیخ عبدالروف ، اس سلسلہ میں ان غلطیوں کے بارے میں بہت تحقیق کرچکے ہیں جن کے کام سے استفادہ کیا جاسکتا ہے ۔ وہ خود اپنی حد تک اپنی تحقیق کے پہلوؤں کو پھیلا بھی رہے ہیں ۔

## تحقیقات کے تانے بانے

45 ۔ اگلی ضرورت یہ ہے کہ تمام احادیث مبارکہ کی صحاح ستہ کی کتابوں ، مسند احمد اور موطا امام مالکؒ کے اکٹھا کیا جائے ۔ اور جو بیانات قرآن پاک کے بیانات کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتے ، یا ایک حدیث مبارکہ کو کوئی اور حدیث مبارکہ رد کرتی ہے ۔ ان کو الگ کیا جائے ۔ باقی تمام احادیث مبارکہ کو ایک کتاب میں اکٹھا کیا جائے ، کہ کونسی احادیث مبارکہ پر مکمل اتفاق ہے ، اور کونسی پر کتنا اتفاق ہے ۔ بلکہ ایک ہی حدیث مبارکہ کئی راوی مختلف طرز سے جو بیان کرتے ہیں وہاں بیانات کی روح تلاش کی جائے ۔ بدقسمتی سے ہم نے جو مقام محدثین کو دیا ہے ۔ وہ مورخین کو نہیں دیا ۔ حالانکہ مورخین نے چلتا پھرتا اسلام لکھا ۔ اور ابن اسحق ، واقدی اور ابن سعد کی تاریخوں کے بیانات کو بھی احادیث مبارکہ کے ساتھ شیرو شکر کیا جائے ۔ میں نے اس سلسلہ میں اپنی سات کتابوں میں کافی کام کیا ہے لیکن یہ کچھ اکیلے آدمی کے بس کی بات نہیں ۔ اب میری تحقیقات کو کمپیوٹروں کی مدد سے آگے بڑھایا جاسکتا ہے یہی کچھ ساری تاریخ کو لاگو ہے ۔ اور خاص کر پاکستان کے 48 سالوں میں ہم نے لوگوں کو گمراہ کیا ہے ۔ وہ ان غداریوں سے بے خبر ہیں کہ جہاد کشمیر 48-1947 میں کیا کچھ نہ ہوا کہ جو بہادری سے لڑے ، ان کو جیل میں ڈال دیا گیا ۔ اور جنہوں نے غداری کی ان کو بہادری کے تمغے دیئے گئے ۔ ستمبر 65 کی جنگ ایک سازش تھی کہ اتنے جھوٹ بولے گئے جن کا حساب نہیں کیا جاسکتا ۔ 1971ء کی جنگ ایک ڈرامہ بھی تھا اور ڈراپ سین کہ جو سازش 1948ء میں شروع کی گئی اس کو تکمیل تک پہنچادیا گیا ۔ راقم اس سلسلہ میں تین کتابیں لکھ چکا ہے ۔ اور بات کو آگے بڑھایا جاسکتا ہے کہ جھوٹی باتوں کا قلع قمع ہو ۔ کہ پوری قوم اس سلسلہ میں اندھیرے میں ہے ۔

46 - علاوہ ازیں اس ادارے کو بے حساب کام کرنے ہوں گے۔ حق، باطل کی الگ الگ نشاندہی کر کے قوم میں وحدت فکر پیدا کی جانا ہوگی، کہ صحیح اصطلاح صحیح اور محدود معنوں میں استعمال ہو، اور بھانت بھانت کی بولیاں ختم ہوں۔ یہی لوگ اتحاد کے لئے ہدایات لکھیں گے تاکہ جلد انصاف کی طرح بھی ڈالی جائے۔ بہرحال یہ لمبا چوڑا کام ہے جو ماہرین کو کرنا ہوگا اور مجلس شوریٰ سے مدد لینا ہوگی۔ ہم اس سلسلہ میں تفصیل میں نہ جائیں گے سوائے اس کے کہ اس وزارت یا مد کی ہدایت کے تحت صوبائی حکومتوں کو، پوری قوم کو اللہ کی فوج بنانا ہوگا۔ اور ان لوگوں ہی نے وہ خطبات لکھنے ہوں گے کہ مسجدوں کے ذریعہ سے قوم میں وحدت فکر پیدا کی جائے۔

## اللہ کی فوج (حزب اللہ)

47 - اللہ کی فوج (حزب اللہ)، قرآن پاک نے ہمیں حزب اللہ کے پیارے نام سے موسوم کیا ہے۔ خدا کرے کہ ہم اللہ کی فوج بن جائیں۔ چارٹ میں محلہ یا گاؤں کی مسجد سے لے کر اوپر قومی معاملات تک یہ سیڑھی بنادی گئی ہے۔ ہر آدمی کا ہر سطح پر امیر ہوگا اور ہر فرد کے بارے اس کے امیر سے بھی ایسی پرسش ہوگی جیسے فوج میں ہر آدمی کے بارے میں اس کے اوپر والوں سے پرسش ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں حضور پاک کا فرمان بھی یاد رکھیں "کہ جب تم دو فرد بھی ہو ایک کو اپنا امیر بنالو"۔ اسلام کے لحاظ سے اگر کسی قتل یا جرم کا سراغ نہ مل سکے، تو اس محلہ یا گاؤں پر ذمہ داری ڈال دی جاتی ہے۔ جہاں ایسا جرم ہوا ہو کہ وہ لوگ مجرم کو تلاش کریں یا نقصان کا ازالہ کریں یا دیت وغیرہ دی جائے۔ اسلام میں جو فرقہ بندی کا سلسلہ شروع ہوا اس کا اس عاجز نے تاریخی وواقعاتی اور نظریاتی طور پر بھرپور مطالعہ کیا ہے۔ خاص کر اسلام کی پہلی تین صدیوں کا۔ اس میں سب سے پہلے آزاد خیال خارجیوں نے فضول بحث شروع کی کہ امیر کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن خود ہی اس کی نفی کردی۔ ان کی مخالفت میں جب لوگوں نے کہا کہ حضرت علیؓ حق پر ہیں تو ان کو علیؓ کا گروہ۔ شعیان علیؓ کہا گیا۔ لیکن اسی دوران کچھ سازشی لوگ



بھی اسلام میں داخل ہو گئے تھے جنہوں نے شوشہ چھوڑا کہ اصحاب ثلاثہؓ نے بھی حضرت علیؓ کے ساتھ انصاف نہ کیا تو کچھ لوگوں نے اصحاب ثلاثہؓ کو بھی امیر معاویہ کی "صف" میں شامل کر دیا تو رد عمل کے طور پر کچھ لوگوں نے امیر معاویہ کے حضرت علیؓ کی "برابری" دے دی۔ اور ان کے علاوہ عمرو بن عاص اور مغیرہ بن شعبہ، جس نے امیر معاویہ کو یزید کو خلافت کے لئے نامزد کرنے کا مشورہ دیا، ان سب کو اسلام کے عظیم سیاستدان بنا دیا اور آج کل بھی اس سلسلے میں بڑے مضامین لکھے جاتے ہیں۔ کسی نے یہ تو سوچا بھی نہ، کہ حضرت علیؓ نے اصحابہ ثلاثہؓ کے ساتھ محبت ظاہر کرنے کے لئے اپنے بیٹوں کے نام ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ رکھے جن میں سے ابو بکرؓ اور عثمانؓ جنگ کربلا میں شہید ہوئے اور نہ یہ سوچا کہ اسلام میں سیاست کی اجازت نہیں۔ بہرحال ایسے شوشے چھوڑے گئے اور ایسی غلط احادیث گھڑی گئیں کہ جناب ابو طالبؓ کے اسلام پر بھی شک کیا گیا۔ لیکن راوی حضرت ابو سعید خذریؓ انصار کو بنایا گیا۔ جنہوں نے جناب ابو طالبؓ کو دیکھا ہی نہ تھا یا حضرت مسیبؓ کو، جن کی حضرت ابو طالبؓ کی وفات کے وقت عمر دو سال تھی۔ اس سیاست کے تحت کیا کچھ نہ ہوا، کہ یونانی فلسفہ سے اثر لے کر خارجیوں کے جانشین معتزلہ پیدا ہوئے جنہوں نے قرآن پاک کے مخلوق اور غیر مخلوق کی بحث اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو عقلی پہلوؤں سے پرکھنے کے لئے کیا کچھ نہ کیا کہ جواب میں باطنیہ سامنے آئے۔ اور قرآن پاک کے اپنے مرضی کے معنوں کو قرآن پاک کے پوشیدہ معنوں کا نام دیا۔ بہرحال ہمارے پاس اب اتنا مواد موجود ہے کہ تحقیق کر کے ہم سب فرقہ بندی کو رد کر سکتے ہیں اور ہم صرف مسلمان ہیں اور اللہ کی فوج بننے کے لئے یا حزب رسولؐ بننے کے لئے ہمیں فرقہ بندی سے توبہ کرنا ہوگا۔

## فقہی گروہ بندی

48 - جہاں تک فقہی گروہوں کا تعلق ہے اس کا تو وجود ہی نہیں۔ امام حنبلؒ، امام شافعیؒ کے شاگرد تھے جو امام مالکؒ کے شاگرد تھے۔ پھر یہ تین فقہوں کے امام کیسے بنے؟ امام حنبلؒ، امام ابو یوسفؒ کے شاگرد بھی تھے جو امام اعظمؒ کے شاگرد تھے جنہوں نے امام جعفر صادقؒ، امام حمادؒ

اور امام شعبیؒ اور کئی بزرگوں کی شاگردی کی۔ امام اعظمؒ کا حنفی فقہ مدون بھی امام ابو یوسفؒ اور
ان کے شاگرد امام محمدؒ نے کیا۔ اور اس زمانے میں صرف وہی فقہ مدون ہوا تھا۔ اور امام
جعفر صادقؒ کے پوتے امام رضاؒ بھی اسی فقہ سے استفادہ فرماتے تھے۔ امام حنبلؒ کی وفات سے
سو سال بعد تک کسی الگ فقہ کا نام کسی کتاب میں نظر نہیں آتا۔ امام اعظم یعنی ابو حنیفہ عرب
نہ تھے اور عجمیوں کے زمرہ میں آتے تھے۔ تو عباسی حکومت جب کچھ کمزور ہوئی تو کچھ عرب
دانشوروں نے رشک یا حسد کے طور پر امام مالکؒ کے کچھ فتاویٰ کو آگے کر کے مالکی فقہ کی بنیاد
ڈالی۔ سب معاملات کا جواب ان بیانات میں نہ ملا تو آگے شافعیؒ اور حنبلیؒ فقہ جنم لیتے رہے۔ پھر
یہ فقہی گروہ بندی کیوں کی جائے اور اس کی کیا ضرورت ہے یا مقلد اور غیر مقلد کے چکر میں
کیوں پڑیں۔ یا اہل حدیث کیوں بنیں۔ صرف مسلمان بنیں۔

49 ۔ اگر مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں ہم اکٹھی نماز پڑھتے ہیں، تو یہاں پر الگ الگ فرقوں کی
مسجدیں کیوں ہیں ؟ تو امت واحدہ کے تصور کو اجاگر کرنے کے لئے ہمیں سب تفرقے ختم
کرنے ہوں گے۔ اور حکومت کو رہنمائی کے لئے ایسے خطبے تیار کرنا ہوں گے کہ ہمارے بیچ
وحدت فکر پیدا ہو۔ اس سلسلہ میں کچھ باتیں بعد میں زیادہ واضح ہوں گی اور تفصیلی ہدایات پر
بھی مضامین لکھے جاسکتے ہیں۔

## بنیادی حقوق

50 ۔ مغربی طریقوں میں فرد کو آزاد مان لینے کے بعد جن بنیادی حقوق کا لوگوں کے سلسلہ
میں بہت چرچا کیا جاتا ہے وہ زبانی جمع تفریق ہے۔ خیر کئی روایات کو اپنا کر اہل مغرب نے اس
سلسلہ میں کافی کام کیا ہے، لیکن اب نتیجہ مادر پدر آزادی کی صورت میں نکل رہا ہے۔ لوگ ہپی
اور بے لگام ہو رہے ہیں۔ معاشرے کے بندھن ٹوٹ رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اسلام نے فرائض
پر زیادہ زور دیا۔ لیکن جہاں فرائض نہ ہوں تو یہ حالت ہوتی ہے۔

صلہ فرنگ سے آیا ہے سوریا کے لئے ے و خمار و ہجوم زنان بازاری ( اقبالؒ )



## ذمہ داریاں

51 ۔ اسلام میں حقوق اس طرح پورے کئے جاتے ہیں کہ حاکم وقت سے لے کر ایک ادنیٰ
آدمی کو ہر سطح پر امارت کے ذریعے سے اوپر "اولی الامر" تک گانٹھ دیا جاتا ہے۔ یعنی حضور پاکؐ
کا فرمان ہے کہ اگر تم دو ہو تو پھر بھی ایک کو اپنا امیر مقرر کر دو اور ہر آدمی کی ذاتی یا عہدہ کے
لحاظ سے ذمہ داریاں یا فرائض مقرر ہوتے ہیں۔ وہ جب ان ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہیں تو
سب لوگوں کو ان کے بنیادی حقوق بالواسطہ طور پر بھی مل جاتے ہیں کہ کوئی کسی کے حقوق
پر ڈاکہ نہیں مار سکتا۔ حکومت وقت ہر انسان سے اس کی ذمہ داریاں اور فرائض پوری کراتی
ہے اسلام برابر کے مواقع اور معاشی انصاف کا علمبردار ہے۔ لیکن برابری ناممکن ہے کہ ہر
انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک جیسے اوصاف عطا نہیں کئے۔ اس لئے اسلامی مساوات کو اس طرح
غلط نہ سمجھ لیا جائے کہ ایک ڈاکٹر اور ایک چوکیدار کو برابر، برابر تنخواہ ملے گی۔ علاوہ ازیں اسلام
انسان کو مادر پدر آزادی کی اجازت نہیں دیتا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ ڈکٹیٹر شپ ہے
اسلام میں کلمہ حق کہنے کی جتنی اجازت ہے، وہ کسی اور نظام میں ہرگز نہیں اور ہر فرد اللہ کی فوج
کا ایک باعزت فرد ہوتا ہے اور اس طرح اس کی حکومت میں شمولیت ہوتی ہے۔ نہ اس طرح کہ
ووٹ کی پرچی پر کسی لوٹے یا گڈوی پر نشان لگا کر وہ "سرخرو" ہو جائے، کہ بعد میں وہ ممبر لوگوں
کو اپنی شکل تک نہیں دکھاتا۔

## پیشہ ور افواج

52 ۔ خاکہ میں پیشہ ور افواج کو بھی دکھایا گیا ہے۔ اسلامی فلسفہ دفاع کے تحت ان کی بھی
ضرورت ہے۔ جس سلسلہ میں تفصیل پانچویں اور چھٹے ابواب میں ہے۔ یہاں اتنا باور کرا دیا
جائے کہ ان پیشہ ور افواج کی بنیاد ایسی قوم میں باندھی جاتی ہے جو اللہ کی فوج ہوتی ہے۔ اور
اس وقت افواج کہ جو ذمہ داری یا Role ہے اس میں سے آدھے سے زیادہ اس اللہ کی فوج کی
ذمہ داری ہو جائے گی اور دفاع پر خرچ موجودہ خرچ کے آدھے سے بھی کم ہو جائے گا۔ جس بچت
کو ملک کی مادی ترقی کی مدوں پر لگایا جائے گا۔ اور اپنے مادی ذرائع کو ترجیحاتی طور پر چارٹ میں

پیشہ ور افواج کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے کہ ہمیں سب ضروریات اپنے ملک میں تیار کرنا چاہئیں اور یہ نا ممکن نہیں ۔ فوج اور سول کے اس رابطے سے پورے ملک کو اندرونی استحکام نصیب ہوگا۔

## اندرونی معاملات اور مادی ذرائع

53 ۔ مادی ذرائع کی موٹی موٹی مدوں کی خاکہ پر نشاندہی کر دی گئی اور اس سلسلہ میں اسلامی نظریہ حیات کے تحت ایک فلسفہ وضع کرنے کی ضرورت ہے جو کام ماہرین کریں گے ۔ لیکن اگر قوم چاہے تو یہ عاجز اس کا خاکہ بھی مضمونوں کی صورت میں پیش کر سکتا ہے ۔ بہر حال اندرونی معاملات کے لئے ترجیحی طور پر ایک وزارت کی ضرورت ہوگی جو ملک میں امن وامان اور استحکام کی ذمہ دار ہوگی ۔ جس کے پاس مخبری اور امن نافذ کرنے والے محکمے ہوں گے ۔ لیکن اس طرح نہ ، جو ہم انگریزوں کی نقالی کر رہے ہیں ۔ نہ ہمیں اتنی پولیس کی ضرورت ہے اور نہ اتنی مخبری کی ربط وضبط سے باندھی ہوئی قوم کا زیادہ کام ہر سطح پر امیر کرتے ہیں ۔ اور اس سلسلہ میں بھی ماہرین کو تفصیلی سفارشات میں جانا ہوگا ۔ پولیس کے ذریعہ سے امن وامان برقرار رکھنا یا فوج کو بلا کر اس کے حوالے علاقے کر دینا یہ اسلامی فلسفہ حیات کی نفی ہے ۔ جس طرح امن وامان ، پولیس اور کسٹم یا چونگیوں پر کروڑوں روپے خرچ کئے جا رہے ہیں ۔ اسلام میں یہ کام چند آدمی کرتے ہیں ۔ صوبائی حکومتوں اور مرکزی حکومتوں میں ذمہ داریاں کیسے بانٹی جائیں گی ۔ کوسٹل گارڈ ، رینجرز ، سکاؤٹس اور سب شعبوں کے سلسلہ میں نئے سرے سے ذمہ داریاں تعین کرنا ہوں گی ۔

## خارجہ پالیسی

54 ۔ خارجہ پالیسی پر جان بوجھ کر کچھ نہیں کہا گیا ہے ، اور چارٹ پر لکھ دیا گیا ہے کہ خارجہ پالیسی اس کی ہوتی ہے جس کا گھر ٹھیک ہو اور قومی مقاصد کے سلسلہ میں وحدت فکر ہو ۔ اور صحیح قسم کے مسلمان باہر جا کر ہماری نمائندگی کریں نہ کہ " بھنگریز " ۔ یہ بڑا وسیع مضمون ہے ۔



ایک سازش کے تحت جس کو میں نے اپنی کتاب جہاد کشمیر میں بے نقاب کیا ہے ۔ ظفر اللہ کو ہمارا پہلا وزیر خارجہ بنایا گیا ، کہ وہ اس وزارت اور ہمارے باہر کے مشنوں کو قادیانیوں ، چھپے قادیانیوں ، امریکن کے پروردہ لوگوں اور بے کردار و ، ابن الوقت لوگوں سے بھر دیا گیا ہے ۔ قانون اور طریق وکار ایسے بنائے گئے ہیں کہ صحیح قسم کا مسلمان بھی وہاں جا کر نمک کی کان میں نمک ہو جاتا ہے ۔ غیر انہی لوگوں کی مدد سے ڈگڈگی بجا کر ہمیں تگڑم ناچ نچا رہے ہیں ۔ میرے پاس اس سلسلہ میں بے شمار مواد موجود ہے ۔ اور مختصر الفاظ میں پورے ڈھانچہ کو تبدیل کرنا ہوگا ۔

## غیروں کے ڈھانچے

55 ۔ اوپر بیان شدہ وضاحتوں کو پڑھ کر قارئین میرے ساتھ متفق ہوں گے کہ ہم جو غیروں کے باطل فلسفہ والے ڈھانچوں پر اسلام کی عمارت کھڑا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ۔ یہ غلط طریقہ ہے ۔ کہ سؤر پر تکبیر پڑھیں تو وہ حلال نہیں ہو جاتا ۔

## اجتہاد تجسس اور تحقیق

56 ۔ تو کیا اسلام کی عمارت کی بنیاد باندھنے کے لئے اجتہاد کی ضرورت ہے ؟ ۔ یہ عاجز اس چکر میں نہیں پڑنا چاہتا کہ اجتہاد کے دروازے کھلے ہیں یا بند ہو گئے ہیں ۔ اسلام نہ "جدید" ہے اور نہ "قدیم" اس میں سب کچھ موجود ہے ۔ جہاں اسلامی فلسفہ حیات کی نفی نہ ہو تو ایسے ہی معاملات میں اجتہاد کی اجازت ہے ۔ اس عاجز کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اسلام کو ایسی ضروریات کے تحت ہر زمانے کے لئے موزوں بنایا ہے اور ایسا اجتہاد اسلام کے اصولوں یا اوامر ونواہی کی مدد سے کیا جاتا ہے لیکن اجتہاد کی شرط یہ ہے کہ اجتہاد وہ کرائے یا اس چیز کے سلسلے میں کرایا جائے جس کی جہاں ضرورت ہے ۔ اور پھر اس اجتہاد سے حاصل شدہ اصولوں اور نتائج کو بھی نافذ کیا جا سکے ۔ ورنہ بحث برائے بحث سے صرف تفرقہ ہی پیدا ہوتا ہے ۔ اور مجھے آج تک کوئی ایک مسئلہ نظر نہ

آیا جس کا حل قرآن پاک اور سنت نبویؐ میں موجود نہ ہو ۔اسی وجہ سے میں نے ساتھ تجسس
اور تحقیق کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے، کہ ہمیں الفاظ کے چکروں سے نکلنا چاہیئے ۔اور ہم آسانی سے
اجتہاد کی بجائے یہ الفاظ استعمال کر سکتے ہیں ۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کہ یہ کون صاحب تھے
جنہوں نے اجتہاد کا دروازہ بند کیا اور کس زمانے میں کیا؟ کیا اس زمانے میں لوگ کائنات اور
زمان ومکان کے ان عقدوں کو سمجھتے تھے جو اب ظاہر ہو رہے ہیں؟ ابن عربیؒ نے بارھویں صدی
عیسوی میں یہ عقدے کھولے تو ان پر ہمارے اپنوں نے کفر کے فتویٰ لگائے ۔لیکن آج یورپ
اور امریکہ میں ان کی کتابوں پر تحقیق ہو رہی ہے ۔اور جو انکشافات وہ کر گئے وہ سب کچھ عقلی
طور پر بھی حق ثابت ہو رہے ہیں ۔میں نے اس سلسلہ میں دوسرے باب میں قرآن پاک کے
حوالے سے کچھ عقدے کھولے ہیں ۔لیکن ایک سائنس دان بشیر محمود کے ساتھ مل کر ہم کچھ
کتابیں بھی شائع کر رہے ہیں ۔اور یہ سب کچھ بھی تحقیقات کے زمرہ میں آتا ہے ۔خدارا! یہ پہلو
سمجھیں کہ سب کچھ ہمارے اپنے پاس موجود ہے ۔کم علم لوگوں کی باتوں کو خاطر میں نہ لائیں ۔
وہ تو اپنے غلط فتویٰ کو بھی قرآن پاک کے احکام کے برابر سمجھتے ہیں ۔اور حقیقت میں یہ فتویٰ
صرف ایک رائے ہوتی ہے ۔ہزاروں ایسے فتویٰ بعد میں غلط ثابت ہوئے ۔ تجسس اور تحقیق
جاری رہنی چاہیئے ۔پانچویں باب میں بھی اس سلسلہ میں بہت کچھ لکھ دیا گیا ہے ۔

## صراط مستقیم

58 ۔ اس عاجز نے صراط مستقیم کی نشاندہی کر دی ہے کہ پیچھے مڑنے یا انقلاب والی کوئی
بات نہیں ۔قرآن پاک میں سو سے زیادہ جگہوں پر اسلام کو صراط مستقیم کہا گیا ۔سورۃ فاتحہ اور
سورۃ فتح میں اس لفظ پر خاص کر زور دیا گیا ۔تو آیئے ہم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں اور انقلاب کے
چکروں سے نکل جائیں ۔یعنی باطل فلسفوں اور گمراہی سے بچ جائیں ۔ کتنی افسوس کی بات ہے
کہ جماعت اسلامی، طاہر قادری اور ڈاکٹر اسرار، اسلامی انقلاب کے نعرے بلند کر رہے ہیں ۔اور
وہ اس بنیادی پہلو کو بھی نہیں سمجھتے کہ روز ازل سے اللہ تعالیٰ نے سب نفوس سے حق کے راستے



پر چلنے کا وعدہ لے کر خوش قسمت لوگوں کو قافلہ حق کے طور پر صراط مستقیم پر رواں دواں کر دیا
اور حضرت آدمؑ سے لے کر ہر نبیؑ اسی صراط مستقیم کی نشاندہی فرماتا رہا ۔اور تب ہی قرآن پاک
کی سورۃ فاتحہ میں ہم اس راستہ پر چلنے کی دعا مانگتے ہیں ۔اور حضور پاکؐ نے مدینہ منورہ کے ایک
خطبہ میں فرمایا، کہ زمانے کا تسلسل ٹوٹ گیا تھا، تو نبی آخر الزمان مبعوث ہوئے کہ زمانہ کو
تسلسل دے دیں ۔اور خطبہ حجتہ الوداع میں فرمایا کہ زمانہ اپنی اصلی حالت پر آ گیا ہے ۔لوگوں
نے اس فقرے کے معنی ہی تبدیل کر دیئے ۔حالانکہ اس وقت بھی صاحب نظر صحابہ کرامؓ پھوٹ
پھوٹ کر رو پڑے کہ ان پر واضح ہو گیا تھا کہ رحمتہ اللعالمینؐ آنکھوں سے اوجھل ہونے والے
ہیں کہ صراط مستقیم پر قافلہ حق اجتماعی طور پر رواں دواں ہو گیا ہے اور چند سال بعد دنیا کو اپنی
لپیٹ میں لے لیا ۔اس سے پہلے جب ہمارے آقاؐ نے باہر والے ملکوں کے سربراہوں کو خطوط
لکھے تو شاہ نجاشی جو مسلمان ہو چکے تھے ۔ان کو ایک مخصوص فقرہ بھی لکھا جو کسی اور کو نہ لکھا ۔
وہ فقرہ یہ تھا ۔" ان سب پر سلام ہو جو صراط مستقیم پر چلتے ہیں " دراصل یہ سلام ان سلاموں کے
جواب میں بھی ہے کہ قافلہ حق ازل سے ابد کی طرف رواں دواں ہو کر اور صراط مستقیم پر چلتے
ہوئے حضور پاکؐ پر سلام بھیجتے ہوئے، گزرتے جا رہے ہیں کہ سورۃ واقعہ کی آیت نمبر 91 میں
ہے " پس سلامتی ہے تجھ کو داہنی طرف والوں سے " اور سورۃ کے شروع میں ان دائیں والوں کی
جو شان بیان کی ہے اس کی تفسیر پر کئی مضامین لکھے جا سکتے ہیں ۔ہماری بد قسمتی کہ ہم عاجزی
کے ساتھ مقام مصطفیٰؐ کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے ۔چند اہل محبت کو چھوڑ کر باقی لوگوں
کے اخباروں میں جب میں حضور پاکؐ کے بارے مضامین پڑھتا ہوں یا اس زمانے کی سیرت کی
کتابیں پڑھتا ہوں ۔یا کچھ تفسیروں اور قرآن پاک کی معانی کا ذکر کر چکا ہوں، تو میں اپنا سر پیٹ
لیتا ہوں کہ یہ کم علم لوگ یہ نہیں سوچتے کہ جناب صدیق اکبرؓ عاجزی کے ساتھ رو پڑتے تھے کہ
ان کے پاس حضور پاکؐ کی شان کو بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں ۔اور اس زمانے کے ایک
عظیم عالم پیر مہر علی شاہ کو " کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا " نے کہاں پہنچا دیا ۔یہ عاجز تو رب العالمین
کو بھی اپنے آقا حضرت محمد مصطفیٰؐ کی وساطت سے پہچانتا ہے ۔

## عرضداشت

59 ۔ رب نبی محمدؐ، کہ آپ نے اپنے حبیبؐ کو فرمایا: "کہ تیرے رب کی قسم" میں آپ کو وہ قسم یاد دلا کر سجدہ میں جاتا ہوں اور پھر سجدہ سے اٹھ کر جھولی پھیلاتا ہوں کہ مجھے جو اپنے حبیبؐ کی امت کے لئے یہ محبت عطا کی ہے تو میری جھولی بھر دے اور ہمیں آدمی کا بچہ بنا دے کہ ہم تیرے حبیبؐ کے جمال سے اس خطہ کو منور اور معطر کردیں ۔ اور جلال سے غیرت حاصل کرکے جہاد کو طرز زندگی کے طور پر اپنا لیں کہ میر عربؐ کو یہاں سے ٹھنڈی ہوائیں جائیں کہ عشق بلاخیز کے قافلہ سخت جان کی بنیاد بندھ جائے ۔

## منظم قوم

60 ۔ یہ سب بڑے وسیع مضامین ہیں اور کئی متعلقہ یا متفرق باتیں رہ بھی گئی ہیں ۔ لیکن ان تمام ترسفارشات کے تحت اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے سب سے اولین ضرورت منظم قوم کی ہے ۔ پہلے پوری قوم کو منظم طریقے کے ساتھ ربط و ضبط میں باندھنا ہوگا کہ وحدت فکر پیدا کرکے عمل میں وحدت پیدا کرنا ہوگی ۔ ہر سطح یعنی محلہ، گاؤں، تھانہ، تحصیل و ضلع کی سطحوں پر امیر مقرر کرنے ہوں گے تو تب "اولی الامر" مجلس مشاورت یا مجلس اعلیٰ کی مدد سے نظام اسلام نافذ کرسکے گا تاکہ لوگ اور حکومت کے کارندے اپنی ذمہ داریاں پوری کریں ۔ کہ ساری قوم کو احکام الہیٰ کا پابند کرنا ہوگا ۔

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکام الہیٰ کا ہے پابند (اقبالؒ)

**قارئین! پچاس سالوں سے ہم جھوٹ بول رہے ہیں اور منافقت کر رہے ہیں کیا توبہ اور ندامت کا وقت نہیں آیا۔ تو پھر یہ کتابیں خرید کر دوستوں کو تحفتاً دیں۔**



# اسلامی فلسفہ حیات کا عملی نقطہ نظر

## کچھ وضاحتیں

1 ۔ اسلامی نظام حکومت کے مضامین میں ہر طرح سے قرآن پاک اور سنت نبویؐ کے تحت واضح کردیا گیا ہے کہ سورۃ انعام کی آیت نمبر 160 میں جہاں فرقہ بندی کو غیر اسلامی عمل قرار دیا گیا ہے اس سے اگلی آیت مبارکہ میں بھلائی یعنی نیک اعمال کا اجر دس گنا قرار دیا گیا ہے اور برائی کے بدلے برائی کی تنبیہ بھی کی گئی ۔ اور پھر دین اسلام کو صراط مستقیم کا نام دیا گیا اور پھر فرمایا، ہماری زندگی، موت، عبادتیں، حتیٰ کہ نمازیں وغیرہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں ۔ اور ان نو آیات مبارکہ میں اسلامی فلسفہ حیات کی جھلکی اس طرح دی، جیسے دریا کو کوزے میں بند کردیا گیا ہو ۔ ویسے قرآن پاک اپنی تفسیر آپ ہے، تو اس عاجز نے اسی قرآن پاک کی متعدد آیات مبارکہ اور ساتھ سنت نبوی کی مدد سے یہ مضامین اس لئے لکھے ہیں کہ میرے سامنے مقصد اپنے لئے نشان راہ تلاش کرنا ہے، کہ قافلہ حق کے صراط مستقیم پر رواں دواں ہونے کے طریقے بھی کچھ معلوم ہوجائیں ۔ یعنی یہ عاجز ماضی کو زمانہ حال کی ضرورتوں کے مطابق بیان کر رہا ہے تاکہ مستقبل کے لئے نشان راہ تلاش کریں ۔ اور اپنے اندر ایسا وحدت فکر اور وحدت عمل پیدا کریں، کہ حزب اللہ اور حزب رسولؐ بن جائیں ۔ بہرحال اس زمانے میں شاید اس سلسلے میں یہ اس قسم کی پہلی کوشش ہو ۔ تو اس عاجز کے بیانات، جائزے اور تبصرے کچھ قارئین کو نرالے نظر آئیں گے ۔ چونکہ ہم نے نظام حکومت کی تمام مدوں کو اسلامی فلسفہ حیات کے تابع کردیا ہے، تو اس فلسفہ حیات کے تحت عملی زندگی گزارنے کے لئے اسلامی فلسفہ حیات کے عملی نقطہ نظر کا بیان ضروری تھا ۔ اب اسلامی فلسفہ حیات کیا ہے؟ یہ سب ہماری نظروں سے اوجھل ہوتا جاتا ہے ۔ کسی بڑے سے بڑے دانشور کو بلا کر پوچھ لیں ۔ اول وہ اس فلسفہ کو صحیح بیان ہی نہ کرسکے

گا۔ یا بات کو کچھ ایسا گڈمڈ کردے گا کہ بیچ میں باطل اور غیروں کے فلسفے آجائیں گے۔ انسان کیا ہے کہاں سے آیا ہے؟ اور کہاں جارہا ہے؟ یا اس دنیا کی کیا حقیقت ہے؟ یہ ایسے سوالات ہیں کہ آج اہل مغرب یا سوشلسٹ دانشور بھی اس سلسلہ میں حیران و پریشان اور سرگرداں پھر رہے ہیں۔ ان کی سوچیں تضاد سے بھری پڑی ہیں، اور ان کو زندگی بے مقصد نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم کتابوں کے ذریعہ سے ان دانشوروں اور سائنس دانوں کو متوجہ کر رہے ہیں کہ جہاں تک وہ پہنچے ہیں اس سے آگے بھی ہمارے قرآن پاک میں ان کے لئے رہنمائی موجود ہے اور سائنس جس طرح آہستہ آہستہ اپنی غلطیوں کو سمجھ کر، قرآن پاک کے انکشافات کے قریب پہنچ جارہی ہے، اس کی کچھ جھلکیاں بھی جگہ جگہ دیں گے۔ کہ کبھی وہ لوگ اس دنیا یا کائنات کو دائمی سمجھتے رہے۔ لیکن اب یہاں تک پہنچ گئے ہیں کہ جو قرآن پاک میں ذکر ہے کہ سب کچھ اون دھنی ہوئی کی طرح اڑ جائے گا۔ تو ان کے مطابق بھی کائنات کی طاقت کے مثبت ذرے بھی وقت کے ساتھ اپنی موت آپ مرجائیں گے۔ سب ٹھوس چیزیں یعنی آدھے جلے انگارے یا پتھروں کے ٹکڑے جو اپنے فلکی اجرام سے الگ ہوچکے ہوں گے وہ بھی راکھ کے ذروں کی طرح بکھر جائیں گے وغیرہ۔

## غیروں کی مایوسی

2 ۔ لیکن یہاں تک پہنچنے کے بعد اس زمانے کا مشہور سائنسدان جیمز ٹرفل کہتا ہے۔ "کہ خاتمہ کے ان مناظر تک پہنچنے کے بعد سائنسدان اور دانشوروں دونوں کے لئے خاموشی کے بغیر چارہ نہیں۔ کہ اگلی صورت کے لئے کوئی الفاظ نہیں ملتے۔ نوبل انعام یافتہ سٹیون وینبرگ اپنی ایک کتاب کا اختتام اس طرح کرتا ہے۔ "اس کائنات کے تمام معاملات جتنے زیادہ قابل فہم نظر آتے ہیں تو ساتھ ہی اتنے مہمل یا نافہم بھی ہیں" جیمز ٹرفل صاحب مایوس ہو کر یہاں تک پہنچ جاتے ہیں۔ "اگر کروڑوں اور اربوں سالوں کے لئے مستقبل میں کائنات میں کوئی زندگی نہ ہو کوئی فہم و ادراک نہ ہو، کوئی انسانیت کی جدوجہد کی یادیں نہ ہوں تو پھر اس ساری موجودگی (یا ہونے) میں کیا مقصد یا کیا نکتہ ہے۔؟"



## حشر و نشر

3 ۔ ان غیروں کی تمام ترمایوسیوں کے احساسات اس وجہ سے ہیں کہ یہ لوگ حشر و نشر میں یقین نہیں رکھتے۔ یا ان میں سے کچھ لوگوں نے اسی دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ رکھا ہے۔ لیکن مومن جانتا ہے کہ یہ خاتمہ ہمیشہ کے لئے نہیں، بلکہ قیامت اور اس کے بعد حشر و نشر تو دراصل ایک بہت بڑی دنیا کا آغاز ہے، یا عالم امر کی بسم اللہ ہے۔ کچھ فلاسفروں نے بھی تسلیم کیا ہے، کہ ہم بہتر عالموں سے اس عالم میں امتحان دینے کے بعد پھر بہتر عالموں میں چلے جائیں گے۔ نیوٹن جیسے سائنسدان نے بھی موت کے وقت جب نئے عالم یا عالم برزخ کا نظارہ کیا تو پکار اٹھا۔ "حسین و جمیل۔ بہت حسین و جمیل" اسلام نے مومنوں کے لئے ان کے مقاصد زندگی اس دنیا کی حقیقت اور ازل و آخر کی تمام ترباتوں کو کھل کر بیان کیا ہے۔ قرآن پاک، احادیث مبارکہ تفاسیر، صحابہ کرامؓ کے اعمال اور بزرگوں کے اقوال میں سب کچھ موجود ہے۔ اور آج سے پچاس سال پہلے نماز کے سبق کے ساتھ ہمیں ایمان کی شرائط و صفات، رکن اور حقائق پڑھائے جاتے تھے جس میں اس دنیا کی حقیقت اور ہمارے مقاصد زندگی کا ذکر ہوتا تھا۔ کہ ہمارا ان سب باتوں پر ایمان ہو، تو تب ہم مسلمان کہلا سکتے ہیں۔ اور یہ باتیں زبانی یاد کرانے کے بعد نماز پڑھنے کی اجازت دی جاتی تھی۔ مختلف چھوٹی چھوٹی کتابوں میں یہ ذکر موجود تھے، لیکن وقت آیا کہ ہم نے ان کتابوں کا مذاق اڑانا شروع کر دیا اور یہ کتابیں ناپید ہو گئیں۔ ہم نے کچھ انگریزی اور کچھ اسلامی علموں کو آپس میں ملا جلا کر اپنے فلسفہ حیات کو بھی آدھا تیتر اور آدھا بٹیر کر دیا ہے یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے۔ چنانچہ ان مضامین میں اپنے فلسفہ حیات کے مختلف پہلوؤں کے، غیروں کے خیالات کے ساتھ موازنے بھی کئے جائیں گے، تاکہ ہم فرق سمجھ سکیں۔ اس لئے سب سے پہلے غیروں کے فلسفہ حیات کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

## غیروں کے فلسفہ حیات

4 ۔ غیروں کے فلسفہ حیات میں یونانی فلسفہ اور ہندوانہ فلسفہ ایک دوسرے کے ساتھ بہت ملتے جلتے ہیں۔ ہندوؤں کے لئے یہ دھرتی پوتر اور پاک ہے اور ان کی ماں ہے۔ اور یہی سب کچھ

ہے ۔ موجودہ جغرافیائی نیشنلزم کے باپ بھی لوگ ہیں، جہاں وطن کی پوجا کی جاتی ہے ۔ بندے
ماترم کا گیت اسی پوجا کا ترانہ ہے ۔ جس کی پوجا سے ہم نے آزادی سے پہلے انکار کر دیا تھا کہ
تحریک شروع کر کے اللہ اور رسولؐ کے نام پر ایک ملک بنائیں گے کہ ہمارا ترانہ لاالہ الااللہ
محمدالرسول اللہ ہو گا ۔ لیکن غیروں اور ہندوؤں کی نقل میں ان بندے ماترم کے الفاظ کا فارسی
میں ترجمہ کر کے ہم بھی پاک سرزمین کو شاد باد کر رہے ہیں اور گزارش ہو چکی ہے کہ بنگلہ
سرزمین "شاد باد" ہو گئی ۔ یہ خطہ شاید "سایہ ذوالجلال" کی وجہ سے بچا ہوا ہے ۔ تو بات ہو رہی
تھی ہندوؤں کے فلسفہ حیات کی ۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے رہبروں کے ذریعہ سے صحیح علوم
پہنچائے ہوں گے ۔ اور یہاں کے لوگ بھی کسی زمانے میں صحیح فلسفہ حیات کے پیروکار رہے
ہوں گے، کہ بعد میں ان کے عقائد ایسے زنگ آلود ہو گئے کہ رامائن و مہابھارت افسانوی
کتابیں نظر آتی ہیں ۔ آسان زندگی، معتدل آب و ہوا، بے پناہ اناج اگانے والی زمینیں بھی موجود
تھیں ۔ اور ہل چلانے کے لئے بیل، ساتھ ہی بیل کی ماں یا بیٹی یا بیوی گائے خوب دودھ دے
رہی تھی ۔ تو یہاں کے لوگوں نے ان کو ضرورت مہیا کرنے والوں یعنی گائے اور زمین کی پوجا
شروع کر دی اور مادیت میں ایسے گھسے کہ ذلیل ترین زندگی گزاری ۔ دنیا کی تاریخ میں کسی چیز
میں نام نہ پیدا کر سکے سوائے حساب دانی کے، کہ اپنی خودغرضی کے لئے اسی ایک مضمون میں
مہارت حاصل کی ۔ بہرحال ہندوؤں نے جو گندی ذہنیتوں کا مظاہرہ کیا ۔ تو اس سلسلہ میں یہ
عاجز بہت کچھ لکھ چکا ہے ۔ لیکن اب کچھ انکشافات ہو رہے ہیں، کہ ممکن ہے وید بھی آسمانی صحیفہ
ہوں کہ رگ وید میں اللہ تعالیٰ کا ذکر جن الفاظ میں ہے یا اتھرو وید میں حضور پاکؐ کا، تو یہ کتابیں
الہامی کتابیں بھی ہو سکتی ہیں ۔ کہ ہندوؤں کے مندر قبلہ رخ ہیں ۔ پرمیشور (ایک اللہ) کو جہاں
سجدہ کرتے تھے اب مادی بتوں اور افسانوی دیوتوں، کو وہاں "متھا" ٹیکتے ہیں ۔

## ہندوانہ فلسفہ حیات

5 ۔ ہندوؤں نے جو موت و حیات کے لئے آواگون کا فلسفہ اپنا لیا ہے ۔ ویدوں میں اس کا ذکر
نہیں ہے ۔ اور سناتن دھرم کا معنی بھی صراط مستقیم ہے ۔ بہرحال ہندوؤں نے آواگون کے چکر



میں پڑ کر مرنے کے بعد آدمی کو دوسری مخلوق یعنی حیوانات میں تبدیل کر دیا اور جب گناہوں
سے چھٹکارا ملے گا، تو آدمی سورگ میں جائے گا، جو اسی دنیا پر ہو گی اور یہ بھی ایک قسم کا جنت اور
دوزخ کا تصور ہے ۔ اور حیات بعد الموت کے یہ لوگ بھی قائل ہیں ۔ لیکن انسانیت کے اشرف
المخلوقات والے پہلو سے ہٹ کر یہ لوگ بھی انسان کو حیوانوں کے زمرہ میں لے گئے ۔
اور کائنات کا تصور بھی ان کو نہ تھا، تو اسی دنیا کو سب کچھ سمجھنے لگے ۔ جنت یعنی سورگ اسی دنیا پر
بنالی ۔ اور دوزخ کی بجائے گناہوں کی سزا جانور کے طور پر مل گئی ۔ مرنے کے فوراً بعد حساب و
کتاب اور حشر و نشر کو ایک کر دیا ۔ اور ہمہ گیر قیامت یا نئی تخلیق کو باتوں سے بہت دور چلے
گئے ۔ اس لئے قرآن پاک کی سورۃ اعراف کے "اخلد الارض" زمین میں اور خواہشات میں مکمل
طور پر گھس جانے کی بات کا یہ لوگ نمونہ ہیں ۔ سود خوری، خودغرضی، دھوکا فریب، افسانوی
عقائد سب برائیوں نے ان کو آ کر گھیر لیا، کہ صحیح فلسفہ حیات سے بے خبر ہو گئے ۔ اجتماعی زندگی
کے لئے منوسمرتی نے "بھگوت گیتا" کتاب میں بیان شدہ طریقوں کے تحت ہندوؤں کو گروہوں
میں بانٹ دیا ۔ جس کو ذات و پات کہا جاتا ہے ۔ شاید اس زمانے کے لئے یہ طریقہ مناسب تھا کہ
کچھ چلتا رہا اور بعد میں نیچی ذات والوں کے لئے زندگی دوبھر ہو گئی کہ برابری تو خیر ویسے بھی
مشکل تھی ۔ ہندوؤں کے حساب سے برابر مواقع بھی دور کی بات ہے ۔ نیچی ذات والوں کے لئے
کوئی موقع ہوتا ہی نہیں ۔ ان خطوں میں اسلام جب پہنچا تو اس وقت تک ہم خود گروہ بندیوں کا
شکار ہو گئے تھے ۔ صرف صوبہ سندھ اور سرحد یا بلوچستان کے کچھ علاقوں میں جلدی پہنچا تو ان
اثرات سے پنجاب کے لوگ مسلمان ہو گئے ۔ بری طرح پٹے ہوئے نیچی ذات کے کچھ بنگالی بھی
مسلمان ہو گئے ۔ بہرحال جو فلسفہ حیات اور طریق و کار ہندوؤں نے اپنایا ہوا ہے ۔ وہ مراعات
یافتہ برہمنوں یا کھتریوں کی وجہ سے چل رہا ہے ۔ جنہوں نے اپنے جھوٹے اور افسانوی عقائد پر
بھی پردے ڈالے ہوئے ہیں ۔ ورنہ ان کے طریق کار کو انسانوں کے فلسفہ و حیات میں شامل
نہیں کیا جا سکتا ۔ انسان کی ایسی ذلت کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا ۔

## اہل کتاب کی گمراہی

6 ۔ یہودی اور عیسائی اہل کتاب ہیں ۔ اور سب نبیوں نے ایک جیسا فلسفہ حیات پیش کیا ۔ لیکن علوم کے چکروں میں پڑ کر یہ لوگ بھی یونانی فلسفہ حیات کے پیروکار بن بیٹھے ہیں ۔ یونانی فلسفہ تمام یورپ پر چھایا ہوا ہے اور عیسائیت یا مذہب ہر آدمی کا نجی معاملہ بن چکا ہے ۔ یونانی فلسفہ کے لحاظ سے انیسویں صدی تک یہ خیال عام تھا کہ ایٹم یا ذرہ ٹوٹ نہیں سکتا اور یہ دنیا ایک پکی اور دائمی چیز ہے ۔ مرنے کے بعد کچھ عرصہ کے لئے آدمی "ساکن" ہو جاتا ہے اور پھر جب آدمی دوبارہ زندہ ہو گا تو یہی دنیا ہوگی اور اس پر جنت اور دوزخ بھی ہوں گے ۔ بہر حال غیروں کے اس فلسفہ کے لحاظ سے یہ دنیا و جہاں ایک حادثہ کے طور پر وجود میں آئے ۔ پہلے دھواں تھا یا کاربن پھر اس کاربن سے پانی اور ٹھوس چیزوں نے الگ الگ ہونا شروع کر دیا اور چاروں چیزوں کی ملاوٹ یعنی ہوا، پانی، آگ اور مٹی وغیرہ سے مخلوق یا حیوان پیدا ہونا شروع ہوئے اور چار عنصر دنیا پر چھا گئے ۔ آدمی بھی حیوان یا بندر تھا اور اس کی موجودہ صورت اس کی ایک "ترقی پذیر" حالت ہے ۔ یعنی انسان بھی دابتہ الارض یا زمین کا کیڑا ہے اور وہ بھی حیوانات میں شامل ہے ۔ بوزنہ کا لفظ اس کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ بد قسمتی سے مغربی علوم کے اثرات کے تحت ہمارے کچھ لوگوں نے اس فلسفہ کی پیروی شروع کر دی ہے ۔ یا ان فلسفوں کو اسلامی فلسفہ میں ملا کر انسان کو حیوانات میں شامل کر دیا ہے ۔ اور اس دنیا کے چکر میں ایسے پڑے ہیں کہ جنت ارضی یا فلاحی مملکت کے نعروں سے ہماری فضائیں گونج رہی ہیں ۔ حضور پاک ؐ کی یہ حدیث مبارکہ بھی [illegible] ہیں کہ الدنیا سجن المومن، یعنی یہ دنیا تو مومن کے لئے قید خانہ ہے ۔ یہاں ہم امتحان کے لئے وارد ہوئے ہیں ۔ جلد چھٹی ہو تو بہتر ہے کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اگر سچے ہو تو موت کی تمنا کرو ۔ نہ خودکشی کی اجازت ہے کہ امتحان سے فرار اختیار کیا جائے ۔ نہ زمین میں داخل ہونے اور خواہشات کی پیروی میں نہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بھول جانے کی اجازت ہے ۔ اس لئے آگے چل کر ہم اسلامی فلسفہ حیات کو خوب وسعت سے بیان کریں گے کہ ہمیں غیروں والی تنگ نظری سے بچنا چاہیئے ۔ اور ہمارا نظام حکومت ہمارے فلسفہ حیات کے اصولوں کے تابع ہونا چاہیئے ۔



## نامکمل جائزے

7 ۔ یہ سائنسدان اور یونانی فلسفے والے انیسویں صدی تک قرآن پاک کی اس بات کو تسلیم نہ کرتے تھے، کہ یہ سب کچھ اون دھنی ہوئی کی طرح اڑ جائے گا کہ وہ کہتے تھے ایٹم ٹوٹ نہیں سکتا اور یہ ٹھوس زمین دائمی ہے تو آئے دن ان لوگوں کی تھیوریاں تبدیل ہوتی رہتی ہیں چنانچہ پہلے اہل یونان کی سوچ کے مطابق کہ یہ کائنات ہمیشہ سے موجود ہے اس نظریہ کو موجودہ تھیوری کے مطابق "سٹڈی سٹیٹ یونیورس" یعنی "پکے حالات کی کائنات" کہا جاتا ہے ۔ اسکو فریڈ ھول نے لازمی شرط کے طور پر پیش کیا ۔ بعد میں اس نظریہ کو جارج گامو، کی زیادہ وسیع اور وزنی تھیوری نے رد کر دیا کہ ان کے مطابق کائنات کی ابتدا یا آغاز تھا ۔ اور یہ ایک دھماکے، کے بعد شروع ہوئی اور اس دھماکے کو سائنس کی زبان میں "بگ بینگ" یعنی بڑا دھماکہ کہا جاتا ہے تو سائنس نے بھی تخلیق کائنات اسکی ارتقاء اور پھر ایک دفعہ ختم ہونے کے سلسلہ میں کافی عقدے کھولے ہیں ۔ پس یاد رکھنے والی بات یہ ہے، کہ یہ جائزے نامکمل ہوتے ہیں جیسے پہلے یہ لوگ یہ بھی نہ مانتے تھے کہ سورج حرکت کرتا ہے اور ہمارے قرآن پاک کے اس بیان کو غلط کہتے تھے کہ سب اجرام فلکی حرکت کر رہے ہیں اب یہ سب کچھ ماننے کے علاوہ پوری کائنات کے حرکت پذیر ہونے کو مان گئے ہیں کہ ہمارے قرآن پاک کی سورۃ رحمن کے مطابق اللہ تعالیٰ ہر روز ایک نئی شان میں ہوتا ہے کہ اپنی تمام تخلیقوں کو حرکت میں رکھتا ہے ۔ اور شان میں معراج ہے یا عروج ہو رہا ہے ۔

## یونانی فلسفہ حیات

8 ۔ ان وضاحتوں کے بعد یہ ضروری ہے کہ یونانی فلسفہ پر کچھ تبصرہ کیا جائے کہ ہمارے لوگ اس سے مرعوب کیوں ہیں، کہ غیروں پر تو یہ فلسفہ چھا چکا ہے ۔ اس میں غلطی ہماری اپنی ہے، کہ اسلام کی وسعتوں کی گہرائیوں میں جانے کی بجائے ہم نے ان علوم، خاص کر روحانی علوم کو محدود کر دیا ۔ کچھ "ڈبے پیر" آ گئے ۔ کچھ کاہل لوگ اسلام میں داخل ہو گئے ۔ دوسری طرف جن لوگوں نے عقلیات کا لبادہ اوڑھا، یعنی معتزلہ قسم کے لوگ، تو وہ یہ بات بھول گئے کہ

طبعیات یعنی طبعی عمل ، الہیات یعنی امرالہی کے تابع ہے اور عقل کی ایک حد ہے کہ علامہ اقبالؒ بھی فرما گئے :۔

عقل گو آستاں سے دور نہیں اس کی تقدیر میں حضور نہیں
دل بینا بھی کر خدا سے طلب آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

## مسلمان فلاسفر

9 ۔ یہی وجہ تھی کہ ہمارے فلاسفروں میں سے جب کچھ نے یونانی فلسفہ سے استفادہ شروع کیا، تو کچھ لوگوں نے اس بات کو ناپسند کیا اور خاص کر ابن سینا، خود بھی ڈرا ہوا تھا کہ محمود غزنویؒ نے جب اس کو بلا بھیجا، تو نہ آیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کو ڈر تھا کہ کہیں وہ قتل نہ کر دیا جائے ۔ دوسری طرف کچھ مسلمانوں نے ان کی بڑی قدر کی اور یونانی فلسفہ سے مرعوب بھی ہو گئے فرابی ، ابن رشد وغیرہ سب یونانی فلسفہ سے مرعوب رہے ۔ یعنی افسوس کہ درمیانی راستہ نہ تلاش کیا گیا۔ خالص اسلامی فلاسفروں میں سے علماء ظاہر، امام غزالیؒ سے بھی ناراض ہو گئے کہ انہوں نے فقر کیوں اختیار کیا اور ان کی کتاب "منقذ فی الضلال" کو کچھ لوگوں نے پسند نہ کیا اور ابن عربیؒ پر تو کفر کے فتویٰ بھی لگے ۔ علاج تو سیدھا تھا، کہ غیروں کے تجسس اور تحقیقوں کو پرکھا جاتا اور خود بھی تجسس اور تحقیق کو جاری رکھا جاتا لیکن سب اسباق اور نتائج کو قران پاک اور احادیث مبارکہ کے بیانات کے تابع کیا جاتا۔ لیکن اپنی کم علمیوں کو چھپانے کیلئے ہم نے اجتہاد کے دروازے بھی بند کر دیئے اور جب کسی بات کا جواب نہ آیا، تو الگ مسلک کا سہارا لے کر اسلام میں مزید فرقہ بندی کی راہ نکالی۔

## علوم کا سرچشمہ

10 ۔ سب علوم کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ، اور ہندوؤں کے بارے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ ان کی بنیادی کتابیں شاید الہامی ہوں ۔ اسی طرح یونانی فلسفہ میں افلاطون کو جو استاد دانا سمجھا جاتا ہے ۔ ممکن ہے وہ اور ان کے استاد سقراط بھی نبی ہوں اور بعد میں یہ فلسفہ بھی زنگ آلود ہو گیا ہو ۔ لیکن اہل یورپ نے پچھلی دو تین صدیوں سے اس یونانی فلسفہ کے تجسس اور تحقیق کو اپنی



اوج عطا کر دی کہ اسلام کے ساتھ ان کو چڑھی اور ہم خود اپنی تحقیقوں کو جمود دے چکے تھے اور مغلوبہ قوم بن چکے تھے اور کوئی ہم سے کیا تاثر لیتا۔ بہر حال افلاطون کے نظریات پر ہمارے اس زمانے کے دانشور المنڈ مودی کے جو تبصرے ہمارے پاس پہنچے ہیں یا ہم خود نے جو مطالعے کئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا نظریہ بالکل اسلامی فلسفہ حیات سے مطابقت رکھتا ہے ۔ اسلئے چند باتیں یہاں ہی عرض کی جاتی ہیں ۔ وہ موت کے بعد حیات اور جاری زندگی کا قائل تھا ۔ وہ اس مادہ جسم کو یہ بلندیاں نہ دیتا تھا، جو غیروں نے دے رکھی ہیں اور وہ اس بات کا قائل تھا کہ روحانی نفس کی رفتار یا مشاہدات ان بندھنوں سے مبرا ہیں ۔ جب وہ اس مادی جسم سے خواب میں الگ ہو گا یا موت کے بعد ، تو طاقت میں اضافہ ہوتا ہے ۔ وہ یہاں تک جاتا ہے کہ انسانی جسم میں داخل ہونے کے بعد یہ روحانی نفس کے پاس جو اونچا ادراک تھا، وہ اس کو بھول جاتا ہے اور موت دراصل جاگ جانے اور پرانی یادیں واپس آنے کا دوسرا نام ہے یعنی وہ قران پاک کی سورۃ "ق" کی آیت نمبر22 کے مطابق بات کر رہا ہے" کہ موت کے بعد بصارت تیز ہو جاتی ہے ۔" یا حضور پاکؐ نے جو فرمایا" کہ موت مومن کو تحفہ کے طور پر پیش کی جاتی ہے اور موت کے بعد مومن کی طاقتیں ستر گنا بڑھ جاتی ہیں ۔" وہ اپنے استاد سقراط کے حوالے سے جو حقائق بیان کرتا ہے ان سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ دنیاوی مادی جسم، نفس انسانی کے لئے ایک قید خانہ ہے کہ جب جمہوریت کی ایسی تیسی کرنے کیلئے سقراط کو زہر کا پیالہ پینے کی سزا دی گئی تو اس نے خوشی سے زہر کا پیالہ پی لیا۔ یہاں ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیؐ کا فرمان بھی یہی ہے کہ "الدنیا سجن المومن" ۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ دین حنیف کے پیروکار تھے ۔

## یونانی فلاسفر

11 ۔ ہمارے دل میں یونانی فلاسفروں کے بے دین ہونے کا معاملہ اس طرح شروع ہوا کہ افلاطون کا شاگرد، ارسطو تھا ۔ جو سکندر یونانی کا اتالیق تھا اور ہمارے پاس یہ بات پہنچی کہ سکندر دیوی ۔ دیوتا کو پوجتا تھا ۔ ادھر بچپن میں سن رکھا تھا، کہ یہی سکندر یونانی ہی ذوالقرنین تھا اور بعد میں امام غزالیؒ کے حوالے سے بھی پڑھا، کہ یہی سکندر یونانی ہی ذوالقرنین تھا ۔ لیکن

دیوی، دیوتاؤں کی وجہ سے اس بات پر شک ہی رہا اور ایسا کچھ میں نے اپنی کتاب " حضور پاکؐ کے جلال و جمال " میں بھی لکھا۔ لیکن چند ماہ ہوئے چینی زبان میں ایک کتاب جس کا ترجمہ انگریزی میں بھی ہو گیا ہے اس نے کچھ حیران کر دیا۔ اس میں دنیا کے سو مشہور خطوط شائع ہوئے ہیں۔ جن میں ایک خط اورنگ زیب عالمگیر کا بھی ہے جو انہوں نے اپنے استاد کو لکھا تھا۔ ہنری ہشتم، فرائیڈ وغیرہ دنیا کے کئی مشہور لوگوں کے خطوط ہیں۔ اور سکندر یونانی اور دارا ایرانی کی بھی خط و کتابت ہے جس میں دارا تو سکندر کو چھوکرا کا نام دیتا ہے۔ لیکن سکندر اپنے آپ کو ذوالقرنین کہہ کر جو کچھ لکھتا ہے وہ الفاظ اس خط کے متشابہ ہیں جو ہمارے ایرانی محاذ کے سپہ سالار حضرت مثنیٰؓ بن حارث نے حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں یزدجرد شاہ ایران کو لکھا۔ کہ یزدجرد کا خط، دارا کے خط کا متشابہ ہے اور سکندر یونانی کے خط کے لفظ لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دین حنیف کا پیروکار ہے۔ اور بعد میں یونانی جب خود دین حنیف سے دور ہوتے گئے تو سکندر کو بھی بے دین بنا دیا۔ (واللہ اعلم)۔

## کائنات کی تخلیق در تخلیق

12 - بہرحال اس سارے تجزیہ اور کہانی لکھنے میں میرے سامنے یہی مقصد تھا، کہ سب علوم کے سرچشمہ اللہ کی ذات نے رہبروں کے ذریعہ سے ہم تک بھلائی یعنی خیر کے علوم پہنچائے۔ شیطان کو بھی صحیح علم پڑھائے گئے۔ لیکن وہ نافرمانی کر کے شر کا سرغنہ بن گیا۔ وہ بھی اپنے آپ کو بڑا عالم کہتا ہے خاص کر کے توحید کے بارے تو وہ کہتا ہے کہ اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا کہ اس کا امتحان تھا اور یہ حکم نہ مان کر وہ امتحان سے پاس ہو گیا ہے۔ اور اب شر کا سرغنہ بن کر وہ فخر سے لوگوں کو گمراہی کی طرف دھکیلتا رہتا ہے اور روز قیامت تک اس کو اللہ تعالیٰ نے ایسی اجازت دی ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ہمارے امتحان کے لئے خیر اور شر کو پہچاننے کے لئے مواقع تقدیر پیدا کر رہا ہے۔ اس لئے خواہ ہندو ہوں یا یونانی وہ اپنے علوم کو شیطان کی شر کی وجہ سے زنگ آلود کر چکے ہیں۔ اور ان فلسفوں کے تحت اپنے اپنے ملکوں کی پوجا ہو رہی ہے کہ میری ماں دھرتی یا مادر وطن جیسے الفاظ لوگوں کے عقیدہ کا حصہ بن چکے ہیں۔ صد افسوس ہم نے بھی مادر



وطن کا لفظ اپنا لیا ہے۔ اشتراکیت نے تو مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کے تصور کو ہی ختم کر دیا اور انسان و حیوان میں فرق ختم کر دیا۔ جزا اور سزا والا پہلو بھی ختم ہے۔ اور یہی دنیا سب کچھ ہے چین و جاپان میں بھی تاؤازم یا شنتوازم وغیرہ کے عقیدوں کے تحت ارواح کے ساتھ تعلقات پیدا کر کے اچھے روحوں سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔ جیسے ہم سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ سے اس سیدھے راستے کی استدعا کرتے ہیں کہ ہمیں وہ اس راستے پر چلائے جہاں اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ لوگ چلتے ہیں۔ لیکن برا ہو مادیت کا کہ یہ ہر جگہ چھا گئی ہے۔ لیکن حیرانگی کی بات ہے کہ اب سائنس نے بھی ثابت کر دیا ہے، کہ یہ کائنات کا معاملہ اربوں سالوں کا ہے۔ اور تخلیق در تخلیق کا سلسلہ جاری ہے لیکن کوئی نہیں سوچتا کہ اس دنیاوی زندگی کے ساٹھ ستر سالوں کو اتنی اہمیت کیوں دی جائے۔ کہ ہم مکمل طور پر اس زمین یا مادیت میں گھس جائیں۔ ہم نظام حکومت کے مضامین کے سلسلہ میں واضح کر چکے ہیں کہ حضور پاکؐ نے توریت سے استفادہ کو بھی پسند نہ فرمایا۔ اب قرآن پاک اتر چکا ہے۔ اور سب اصغر و اکبر علوم کا اس میں ذکر ہے تو اس کی مدد سے ہم اسلامی فلسفہ حیات پر تبصرہ کریں گے۔ کہ آیئے یہ سمجھیں کہ ہمارے اس دنیا میں آنے کے مقاصد کیا تھے۔

## اسلام کا نظریہ حیات

13 - اسلام کے لحاظ سے یہ دنیا اس کائنات میں ایک ادنیٰ حیثیت رکھتی ہے، اور وقت آنے پر اون دھنی ہوئی کی طرح اڑ جائے گی۔ یہ سب کچھ انسان کے کاروان حیات کی گزرگاہیں ہیں، اور انسان کو اس کائنات میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اسلام، انسان کو حیوانات کے زمرہ میں رکھنے کے حق میں نہیں، کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ یعنی وہ جن اور ملائکہ سے بھی افضل ہے۔ تو اس انسان کو اس دنیا تک محدود کرنا غیر اسلامی نظریہ ہے۔ ہاں البتہ اسلام ایک دین ہے اور اجتماعی نظریہ ہے، کہ کاروان حیات منزل بہ منزل رواں دواں رہے۔ کہ ایک حدیث قدسی میں تخلیق کائنات کا مقصد اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں۔ پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔ " گویا کائنات کا

مقصود انسان ہے اور انسان کا مقصود معرفت الٰہی ہے ۔ یا یہ کہیں کہ حسن ازل نے اپنے جمال کو بے نقاب کرنا چاہا تو اس نے اس امر کو پسند کیا کہ اسے دیکھا جائے اور پہچانا جائے تو اس نے کاروان حیات جاری فرما دیا ۔ اپنا عارف تیار کیا کہ اسے اپنے تک پہنچنے کے لے دور دراز کے راستے پر ڈال دیا ۔ یہی صراط مستقیم یعنی سیدھا راستہ ہے جس کو تیسرے باب میں مزید تفصیل سے بیان کیا جائے گا ۔ گو راستے کے ارد گرد کچھ غلیظ اور دل لبھانے والی چیزیں بھی ڈال دیں ، تاکہ امتحان ذرا صحیح قسم کا ہو ۔ بہر حال انسان اور خاص کر مومن اس منزل یا صراط مستقیم پر رواں دواں ہے ۔ تخلیق کائنات کے سلسلہ میں اب سائنس بھی اسلامی نظریہ کے نزدیک پہنچ گئی ہے ۔ کہ پہلے بے حساب انرجی ( طاقت ہی طاقت ) تھی جس سے ایک بہت بڑا دھماکہ ہوا یعنی ( چھپے خزانہ نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں ) اس دھماکے سے ذرات اور مادے پیدا ہوئے جنہوں نے اکٹھے ہو کر ٹھوس اور پانی وغیرہ کی شکل اختیار کر لی اور اپنی طاقت سے لٹو کی طرح گھماؤ شروع ہوا اور پوری کائنات اور ہر اجرام فلکی حرکت میں ہے ( یعنی سب اجرام فضا میں تیر رہے ہیں ) اس حرکت کی وجہ سے پھیلاؤ بھی ہے ۔ لیکن ایک وقت ٹھہراؤ آجائے گا ۔ اور پھر سکڑنے کا عمل شروع ہوگا ۔ اور اس دنیا یا سورج یا شمسی نظام کے بارے کئی وضاحتیں پیش کیں کہ آخر ایک وقت کسی نہ کسی عمل سے سب کچھ معدوم ہو جائے گا ۔ یہ تمام باتیں اتنی وسعت اور منطق و دلیل کے ساتھ بیان کی گئیں کہ قرآن پاک کے انکشافات کے ساتھ ان دریافتوں کو آسانی سے شیرو شکر کیا جاسکتا ہے ۔ یہی نہیں یہ لوگ اب انسان کو بھی ہماری طرح ایک چھوٹی سی کائنات ماننے لگے ہیں ۔ ہمارے اس عقیدہ کے بھی نزدیک پہنچ گئے کہ بنیادی چیز الہیات ہیں ۔ یا ادراک و فہم و فراست ہے کہ سب واقعات جو رونما ہوتے ہیں پہلے انسان ان کو سوچتا ہے یعنی تمام عمل یا واقعات پہلے ذہن یا ادراک میں شکل وصورت اختیار کرتے ہیں اور وہاں سے ان کو ظاہر یا طبعیاتی صورت میں تبدیل کیا جاتا ہے ۔ یعنی کائنات میں بھی جو کچھ ہو رہا ہے کوئی ذہن یا طاقت ان کو شکل وصورت دے رہی ہے ۔ اور اب ان میں سے کچھ لوگ اس کو عظیم طاقت یا Supreme Power کہتے ہیں ۔ کاش ہم مسلمانوں کے دانشور ، ان آدھے راستے تک پہنچے ہوئے دانشوروں کو یہ باور کرا سکتے کہ یہ عظیم طاقت وہی ہے جس نے پیغمبروں کے ذریعہ سے



ہماری رہنمائی کی اور اب آخری پیغمبرؐ کے ذریعہ سے ام الکتاب قرآن پاک نازل ہو چکا ہے جس میں سب چھوٹے اور بڑے علوم موجود ہیں ۔ کیا ہمارا مولوی یا دینی سیاسی جماعتوں کے رہنما یہ کام کر سکتے ہیں ؟ کہ ہم نے جو رٹ لگائی ہوئی ہے کہ پندرھویں ہجری یا اکیسویں صدی مسلمانوں کی صدیاں ہیں ۔ تو صحیح قسم کے دانشوروں کو آگے بڑھنا ہوگا ۔ کہ یہ وسیع مضامین ہیں ۔ اور ہم نے دنیا کے لئے صراط مستقیم کی نشاندہی کرنا ہوگی ۔ ہم اپنے فلسفہ حیات کے مضمون میں کارواں حق کے صراط مستقیم پر رواں دواں ہونے کی طرف واپس آتے ہیں کہ کچھ عقدے حل ہوں ۔

## کاروان حق

14 ۔ منزل عشق کے یہ مسافر ازل سے چل کر ابد کی طرف رواں دواں ہیں ۔ ان کے پیچھے یا آگے کوئی زمانی و مکانی حد نہیں ہے ۔ وہ خدائے ذی المعارج ، یعنی سیڑھیوں یا منزلوں والے اللہ تعالیٰ کی طرف زینہ بہ زینہ بڑھ رہے ہیں ۔ ان کا مقصود صرف اللہ تعالیٰ کا "چہرہ مبارک" ہے کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے چہرہ مبارک کے علاوہ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے ( کل شئی ھالک الا وجہہ ) اس کاروان محبت کو زمین کی تاریکیوں سے نکال کر سطح زمین پر لایا جاتا ہے جہاں اسے عالم بالا کی گزرگاہوں کے لئے تیار کیا جاتا ہے ۔ عام طور پر ہم جیسے گنہ گاروں کے لئے یہ گزرگاہیں موت کے بعد کھولی جاتی ہیں ۔ لیکن کچھ اللہ تعالیٰ کے پیارے اس زندگی میں بھی عالم امر کی گزرگاہوں سے کسی قدر واقف ہو جاتے ہیں ۔ علامہ اقبالؒ نے ان راستوں کا نقشہ اپنی ایک نظم میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ کھینچا ہے جس کے دو شعر یہاں وضاحت کے لئے لکھے جاتے ہیں ۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں — ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

اس روز شب میں الجھ کر نہ رہ جا — کہ تیرے زمان و مکان اور بھی ہیں

## منزلیں

15 ۔ یہ مسافر جو فرش سے عرش کی طرف رواں دواں ہیں ، وہ سات آسمانوں سے گزر کر ہی

میدان قیامت میں قدم رکھیں گے اور یہ مقامات یا آسمان وغیرہ ویسے نہیں پیدا کئے گئے ۔ ان کے پیدا کرنے میں یہی مقاصد ہیں ۔ ربنا ماخلقت ھذا باطلا، یعنی یہ سب کچھ ایسے ہی باطل یا بے مقصد طور پر تو پیدا نہیں کر دیا گیا اور قرآن پاک میں اس کی مزید وضاحت بھی ہے ۔ " کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے سات آسمان و زمین اور ان کے مثل بنائے اور ان میں امر جاری فرما دیا ۔ "

یہ زمین جس پر اب ہم بستے ہیں اور اس پر یہ ستاروں والا آسمان جس کے حدود و حساب موجودہ سائنس کی بصیرت سے فی الحال باہر ہیں ۔ یہ انسانی سفر کا ایک چھوٹا سا حصہ ہیں حالانکہ یہ آسمان جو ہمیں نظر آتا ہے اس کا نزدیک ترین ستارہ بھی زمین سے کئ نوری سالوں (Light Years) کی مسافت پر مانا جاتا ہے ۔ ہم خلفاء راشدین کی تیسری کتاب میں بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ان فاصلوں کی مسافت کا بیان " زمان " کے الفاظ میں فرمایا اور نوری سال کا مطلب یہ ہے کہ روشنی ایک سال میں اتنا فاصلہ طے کرتی ہے ۔ یعنی طول کو " زمان " کے حساب سے نوری سالوں میں بیان کیا جاتا ہے ۔ بہر حال انسان جتنی بڑی دوربین تیار کرتا ہے اسے مزید ستارے دکھائی دینے لگتے ہیں ۔ اور یہ ماننا پڑے گا کہ اس زمانے میں ان سائنس دانوں اور فلکیات کے ماہرین نے کائنات کے تمام معاملات کا بڑا گہرا مطالعہ کیا ہے ۔ انرجی ( طاقت ) کی پیدائش کے علاوہ جوڑے جوڑے ( یعنی نر و مادہ یا مثبت و منفی اشیا ) مادہ کی پیدائش اور ٹھوس شکل میں مادوں کا اکٹھا ہونا، کہ برداشت سے باہر طاقت کا اکٹھا ہونا جس سے بہت بڑا دھماکہ ہوا ۔ جس سے بہت زیادہ دباؤ اور بے حد گرمائش پیدا ہوئی ۔ پھر کثیف مادوں کی تخلیق جس میں دھواں بھی تھا ۔ آگے ہر قسم کے عناصر پیدا ہونے کا عمل کہ کائنات پھیلتی ہے اور چکر لگاتی ہے ۔ فضا دھواں دھار ہو جاتی ہے ۔ کائنات کا پھیلاؤ استحکام اختیار کر لیتا ہے ۔ مادہ کا انجمادی عمل شروع ہو جاتا ہے ۔ مجسم فلکیات کی پیدائش اور وہ سسٹم کا حصہ بن جاتے ہیں وغیرہ اور گھماؤ اور پھیلاؤ کا عمل جاری رہتا ہے ۔ اس سلسلہ میں ان فلکیات کو ماہروں نے اجرام فلکی یعنی ستاروں وغیرہ ۔ شمسی نظاموں ، کہکشاں اور تاروں کے جھرمٹوں اور شہاب ثاقبوں وغیرہ کے مطالعے کئے ہیں ۔ وہ بہت وسیع مضامین ہیں کہ ایسی حرکتیں ہو رہی ہیں کہ تاروں کے کئ جھرمٹ حرکت کرتے کرتے ایسے گہرے سیاہ گڑھوں میں غائب ہو جاتے ہیں کہ اس



سلسلہ میں یہ لوگ صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ وہ جتنا زیادہ مشاہدہ کرتے ہیں ، تو اس " دنیاوی " آسمان کی دوری میں اضافہ ہوتا جاتا ہے ۔ حالانکہ یہ تمام ستارے پہلے آسمان پر ہیں کہ ارشاد ربانی ہے "" کہ دنیا کے آسمان کو چراغوں سے مزین کیا گیا ہے " اس کے بعد دوسرے آسمان کے محیط میں یہ چھوٹی سی زمین تیرتی پھر رہی ہے ۔

شاید کہ زمین ہے یہ سی اور جہان کی　　　تو جس کو سمجھتا ہے فلک اپنے جہاں کا ( اقبالؒ )

## سفر جاری ہے

16 ۔ خدا جانے ان سات آسمانوں کی وسعتوں میں کاروان حیات کے کتنے قافلے سرگرداں پھر رہے ہیں اور یوم الحساب کے منتظر ہیں ۔ یہ صرف اس زمین کی بات نہیں ہے بلکہ ہمارا سارا شمسی نظام اس پہلے آسمان کا ایک معمولی جزو یا حصہ ہے کیونکہ شمسی نظام کے ستاروں کی مسافت کے بارے میں جو کئ نوری سال ہے، ہم بے خبر ہیں ۔ اس لئے چاند تک پہنچ جانے والے ہم نالائقوں کے سامنے بے شک ڈینگیں مار سکتے ہیں لیکن وہ ابھی اللہ تعالیٰ کے نظام کے بال برابر حصہ تک نہیں پہنچے ۔

تو معنی والنجم نہ سمجھا تو عجب کیا　　　ہے تیرا مدو جزر ابھی چاند کا محتاج ( اقبالؒ )

یہ سارا بازار اور اس کے ساز و سامان، ان مسافروں کے لئے تیار کئے گئے ہیں جو ان میں سے گزر رہے ہیں اور رخ دوست ( چہرہ مبارک ) کی طرف بڑھ رہے ہیں ۔ اس لئے ان بازاروں کی رعنائیاں اور دلچسپیاں مومن کو زیادہ متوجہ نہیں کر سکتیں کیونکہ ان کا مقصود بازار سے بہت آگے ہے اور مقصود وہ ہستی ہے جسے لامکاں میں رونق افروز بتایا جاتا ہے ۔ اس لئے مومن کے ہر عمل اس کے مقصود کے حصول کے سلسلہ میں ہونا چاہیئے ۔ دراصل کائنات کی کہانی قلم کی کہانی ہے ۔ وہ سب کچھ جو اللہ تعالیٰ نے متعین کیا ہے وہ قلم کے مغز میں ہے کہ ہمارے آقاؐ نے فرمایا " اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس کو حکم دیا کہ " لکھ " ۔ قلم نے عرض کی " کہ وہ کیا کچھ لکھے " ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا " وہ سب امر جو اس نے جاری فرمایا کہ انصاف کے دن تک کیا کچھ واقعات ظہور پذید ہوں گے " قرآن پاک کی سورۃ رحمٰن میں خلق الانسان ۔ یعنی انسان کی تخلیق سے الرحمٰن کے بعد علم القرآن کا ذکر فرمایا، تو ہمارے پاس تمام علوم قرآن پاک

میں موجود ہیں، کہ ہم دنیا کے وارث ہیں اور دنیا کو تمام علوم ہم نے پڑھائے تھے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ہمارے لئے واضح کردیا ہے" جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ تمام تمہارے تابع فرمان کیا گیا ہے۔" تو ظاہر ہوا کہ اس محفل میں انسان کو ایک کلیدی حیثیت حاصل ہے اور یہ سارا بازار صرف اسی کے لئے سجایا گیا ہے:۔

نہ تو زمین کے لئے نہ آسمان تیرے لئے    جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

## دنیا کی حقیقت

17 ۔ یہ عالم کون ومکان بے شک عارضی چیز ہے اور جب یہ قافلہ حیات اس میں سے گزر جائے گا، تو اسے لپیٹ لیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " یہ تمام آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے نہیں پیدا کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور ایک مقرر وقت کے لئے" پھر آگے اللہ تعالیٰ مزید وضاحت کرتا ہے " جب صور پھونکا جائے گا تو ایک ہی پھونک کے ساتھ زمین اور اس کے پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کردیا جائے گا۔" اس طرح کی آیات ربانی کا ذکر قرآن پاک میں بار بار کیا گیا ہے تاکہ ہم پر واضح ہو جائے کہ یہ آسمان اور زمین فانی چیزیں ہیں جو انسان کے استعمال کے لئے بچھائی گئی ہیں۔ یہ مقامات کسی مستقبل رہائش کی جگہ نہیں ہیں، کہ ایک مقررہ وقت پر ان کی لپیٹ لیا جائے گا۔ لیکن اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان ایک مستقل چیز ہے اور وہ کائنات کا مرکز ہے۔

## کاروان کے پڑاؤ

18 ۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی قافلہ کی گزرگاہوں کو تیار کرنے کے بعد اس پر کچھ پڑاؤ بھی مقرر فرمائے اور قرآن پاک میں ہے " کہ وہی ہے جس نے موت وحیات کو پیدا فرمایا تاکہ تمہارا امتحان لیا جائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے۔" اس آیات ربانی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ زندگی اور موت دونوں میں ہمارے لئے امتحان ہیں کہ ہمیں عملی پرچے حل کرنے پڑتے ہیں اور مرنے کے بعد کچھ سیدھے سوال پوچھے جائیں گے۔ تو موت بھی ایک امتحان گاہ ہے یا ہمارے لئے پڑاؤ ہے۔ قرآن پاک میں ہے " پھر کیوں کر اللہ تعالیٰ سے کفر کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے



پس تمہیں زندہ کیا، پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا پھر تم اس کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔" اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک موت ہمارے لئے واقع ہو چکی ہے یعنی اس گزرگاہ پر زندگی اور موت کے پڑاؤ دو مرتبہ آتے ہیں۔ روز ازل یا عالم ارواح سے نکل کر انسان نے سب سے پہلے موت کے میدان میں قدم رکھا اور اب اس میدان سے نکل کر انسان باری باری حیات دنیا میں قدم رکھ رہے ہیں۔ یہاں سے چلتے چلتے دوسرے عالم میں داخل ہوں گے اور سوالوں کا پرچہ حل کرنے کے بعد پھر حیات دوامی میں داخل ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹیں گے۔

## روز ازل یا عالم ارواح

19 ۔ اس حالت کی مزید وضاحت یہ ہے کہ روز ازل جب اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو اپنے روبرو کھڑا کیا تو پوچھا " الست بربکم ؟" (کیا میں تمہارا رب نہیں ؟) تو ہم نے جواب میں کہا (قالو ابلیٰ) ہاں کیوں نہیں۔ یا ہاں۔ چنانچہ ان سوالات اور جوابات کے ساتھ ہم عالم موت کے امتحان گاہ میں داخل ہوئے جس میں الست بربکم کی صدائیں سنتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرتے رہے۔ انسانی سفر کی یہ ابتدائی منزلیں ہمارے شعور کی نگاہوں سے اوجھل ہیں، لیکن ثبوت کے طور پر ہمارے لئے قرآن پاک کے الفاظ الست بربکم کافی ہیں۔ ہاں البتہ موجودہ زمانے میں علم نفسیات کے حوالے سے اس سلسلہ میں کچھ عملی دلائل بھی دیئے جاسکتے ہیں۔ علم نفسیات کے ماہرین اب وہاں تک پہنچ چکے ہیں کہ انسان کے لاشعور میں اس کے اجداد کے تمام تجربات محفوظ رہتے ہیں۔ اس سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ نفس انسانی عالم شہود میں ظاہر ہونے سے پہلے مادہ کی تاریکیوں میں اس دنیا میں موجود رہتا ہے اور جب اس دنیا میں وہ موجودہ صورت اختیار کرتا ہے تو اس میں روح پھونک دی جاتی ہے تاکہ اس کا تعلق عالم امر کے ساتھ قائم کیا جائے یا پیدا ہو جائے چنانچہ عالم خلق میں ظاہر ہونے کے بعد یہ مسافر اپنی گزرگاہ یا صراط پر چل پڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ رہبروں کے ذریعے اس کے لئے صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایات بھیج دیتا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن پاک میں فرمایا"

جو میری ہدایات پر عمل کریں گے انہیں کوئی خوف نہ ہوگا۔" ساتھ ہی عالم امر کی باتوں کو

جذب کرنے یا وہاں پر داخل ہونے کے لئے وہاں سے بھی کچھ مل گیا یا عطا ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "کہ بس میں نے پھونک دیا اس میں روح اپنی سے "اور پھر روح کے بارے میں فرمایا "کہ روح امر ربی سے ہے "ان دونوں آیات سے استفادہ کرنے کے بعد انسان کو عالم خلق اور عالم امر کے بارے میں کچھ کچھ سمجھ آجانی چاہیے۔ دراصل اللہ تعالیٰ اس جہاں میں ہمیں عالم امر میں داخلہ کے لئے تیار کر رہا ہے۔

## عالم خلق اور عالم امر

20 ۔ اب ذرا سوچیں کہ جب سے ہم اس عالم خلق میں داخل ہوئے ہیں، امتحان شروع ہے ہم سے دو سوال اکثر پوچھے جاتے ہیں "من ربک "اور "ما دینک " تمہارا رب کون ہے اور تمہارا دین کون سا ہے ؟ یہ عملی سوالات ہیں اور اس زندگی میں اپنے عملوں سے ہم ان کا جواب دے رہے ہیں۔ کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کو مانتے ہی نہیں اور کچھ لوگ اس دنیا اور مادی چیزوں کو اپنا رب سمجھ بیٹھے ہیں۔ یعنی کچھ لوگوں کا دین بھی یہی دنیا ہے اور وہ اسی دنیا کو جنت ارضی بنانے کی تگ ودو میں لگے ہوئے ہیں مسلمانوں کو چھوڑ کر ساری دنیا اسی چکر میں پڑی ہوئی ہے اور ہم پر بھی اس کے اثرات پڑ رہے ہیں۔ صحیح بخاری کے مطابق مرنے کے بعد جو تین سوال پوچھے جائیں گے وہ دراصل عملی طور پر اسی زندگی میں پوچھے جا رہے ہیں۔ اور خاص کر دوسرا سوال کہ " تمہارا دین کیا ہے ؟ "کا ہمارا وہی جواب ہو گا جو ہم عملی طور پر کر رہے ہیں ۔ چنانچہ جو لوگ کہتے ہیں کہ پاکستان ایک معاشی یا مادی ضرورت تھی اور یہاں پر بے دین (Secular) نظام ہونا چاہیے وہ مرنے کے بعد [illegible] یہی جواب دیں گے کہ وہ بے دین ہیں۔ تو پھر ان کے جنازہ یا مرنے کے بعد قرآن خوانی کا تردد کیوں کیا جائے۔ یہی کچھ میں نے فرینڈز کے ایک سیمنار میں ۱۹۹۳ء میں موجودہ وزیر خارجہ اور اس وقت نواز شریف کی حکومت میں ایک وزیر آصف احمد علی کو منہ پر کہا۔ اور اخباروں میں یہ کچھ شائع ہوا۔ چنانچہ جو لوگ اسلام کا دین کے طور پر نفاذ نہیں چاہتے، تو وہ لوگ اسلام کو دین بھی نہیں مانتے تو وہ مسلمانوں کے زمرے سے خارج ہیں۔ (قارئین اپنے بارے خود فیصلہ کریں)



## اہم مسائل

21 ۔ یہ بڑی افسوسناک بات ہے کہ قوم نے اجتماعی طور پر اس مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ اخبارات ایسے بیانات سے بھری پڑی ہوتی ہیں کہ اسلام مکمل دین ہے اور بھرپور نظریہ حیات ہے وغیرہ۔ لیکن کوئی یہ نہیں بتاتا کہ دین اسلام ہے کیا؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ہمیں پوری طرح اسلام میں داخل ہونے کے احکام دیئے۔ (سورۃ بقرۃ ۔ ۲۰۸) یہ اپنی مرضی کے اسلام کی اجازت نہیں۔ اگر دین مکمل ہے تو اس کا کوئی نظام بھی ہو گا۔ پھر ہم نے غیروں کے سیاسی، عسکری، معاشی، عدلی، دفتری، تعلیمی نظاموں کو کیوں اپنایا ہوا ہے۔ تو اسلام کے ساتھ یہ فراڈ ختم ہونا چاہئیے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہماری ساری قوم مومن کی فراست سے عاری ہو چکی ہے، تو میں نے قلم اٹھا کر ان کافرانہ نظاموں کو باطل نظامات ثابت کیا ہے۔ اور اسلامی نظاموں کی نشاندہی کر رہا ہوں۔ لیکن یہ حرف آخر نہیں۔ اگر میں نے کوئی غلطی کی ہے، تو مجھے قرآن پاک اور سنت کے حوالے سے درست کیا جائے۔ دوسرا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ علامہ اقبالؒ نے جو کہا کہ " عجب نہیں کہ خدا تک تیری رسائی ہے۔ تیری نگاہ سے پوشیدہ ہے آدمی کا مقام " ہم نے یہ بات غیروں کو سمجھانی تھی۔ الٹا ہم مغلوبہ قوم بن کر بھکاری بن گئے ہیں۔ ہمارے آقاؐ نے فرمایا " کہ جس نے پہچانا اپنے نفس کو اس نے پہچانا خدا کو " اب نفس کیا ہے ؟ روح کیا ہے ؟ بدن کیا ہے قلب یا ذہن و ادراک کیا ہیں ؟ جب تک ان چیزوں کو الگ الگ خانوں میں نہ بانٹیں تو انسانی شخصیت کی پیچیدگیاں ہمیں سمجھ نہیں آسکتیں کہ انسان از خود ایک چھوٹی سی کائنات ہے، کہ یہ اللہ تعالیٰ کا عارف ہے کہ ہمارے آقاؐ کے نور نے احمد کے طور پر اس دنیا میں آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی۔ حق و باطل کو سمجھا۔ کیونکہ قران پاک کی آیات نمبر 256 اور 257 میں بالکل واضح ہے کہ کفر کو کفر کہنے کے بعد ہی انسان کو اللہ تعالیٰ اندھیروں سے روشنی کی طرف لاتا ہے اسلئے ہمیں یہ بھی سمجھنا ہو گا ہے کہ انسان کیا ہے اور اس کا مقام کیا ہے ؟ کہ غیروں کی طرح وہ حیوانوں کے زمرہ میں نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق قران پاک کے الفاظ کے مطابق فی احسن تقویم یعنی بہترین صورت میں کی ہے۔ اور ہمیں کچھ مرحلوں کو

سمجھنا چاہیئے اور کچھ باتیں آگے آتی ہیں کہ ہم نے دنیا کو یہ کچھ سمجھانا تھا۔ اور باطل کو باطل کہنا تھا لیکن میں جب یہ باتیں لکھتا ہوں تو کوئی اخبار میرے مضامین شائع کرنے کو تیار نہیں۔

## انسانی نفس

22 ۔ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے حسن کو بے نقاب کیا، تو انسانی نفوس کی تخلیق کی۔ جن کے بارے "الست بربکم" کا ذکر ہو چکا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے ایک طرح کا حکم دیا ہے کہ مجھے پہچانو۔ اور پھر ہمارے ہی نفوس کو ہمارے نفوس پر گواہ کیا۔ تو ظاہر ہے کہ انسان نفس ہے اور قرآن پاک میں ہر جگہ انسان کو نفس کہا گیا ہے اور قرآن پاک میں انسانی نفس کی چار صورتوں، یعنی امارہ ۔( برائی ) لوامہ اور ملہمہ ( ملامت ) اور مطمئنہ ( صحیح صورت ) کا بھی ذکر ہے ۔ ادھر سائنس کے لحاظ سے نفس ایک انرجی یا طاقت ہے ۔ روز ازل ہمارے نفس نے "الست بربکم" کی صدا سنی ۔ اور ہم اسکو عالم ارواح بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی روح یعنی امر ربی ہمارے اندر پھونک کر ہم سے یہ وعدہ لیا۔ اور اس وقت ہم نے روحانی جسم پہنا ہوا تھا۔ نہ کہ یہ خاکی یا مادی بدن ۔ روح کے بارے میں قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ زیادہ وضاحت نہیں کرتا کہ ہمارا شعور، وہاں تک نہیں پہنچتا۔ پس چونکہ روح ۔ امر ربی ہے اور اچھائی ہی اچھائی ہے اور جو ہم اچھا کام کرتے ہیں وہ اس روح کے اثر کیوجہ سے ہوتا ہے۔

## نفس اور روح

23 ۔ بہرحال اس کے بعد یہ روح ہمارے نفس سے الگ ہو گیا۔ تو ہماری ایک طرح سے موت واقع ہو گئی ۔ یا ہم پردے میں چلے گئے یا آباواجداد کی پشتوں میں سفر کرتے رہے ۔ لیکن نفس جو انرجی ہے ۔ اس کو بھی اصلی موت تو نہیں ہوتی کہ وہ یعنی انرجی معدوم نہیں ہو سکتی ۔ تو باری باری جب ماں کے رحم میں لوتھڑے میں ہمارا نفس داخل ہوا، تو امام غزالیؒ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے کسی مرحلہ پر اس میں، اپنی روح بھی پھونک دی اور اس دنیا میں ہمارا روحانی نفس اس خاکی یا مادی بدن کے ساتھ وارد ہوا، اور اس مادیت میں شیطان کی شر بھی ہمارے خون میں داخل ہو گئی ۔ اب ہمارے نفس کا جو قلب ہے یا دماغ ہے یا جو اس کا ذہن یا ادراک بنتا ہے اس



پر ایک طرف روح کے اثرات ہوتے ہیں جو خیر ہی خیر ہے یعنی بھلائی کی طرف رہنمائی ہوتی ہے اور دوسری طرف مادیت سے شیطانی اثرات ہوتے ہیں اور ہم خواہشات کے غلام بن جاتے ہیں ۔ تو انسانیت کی سب سے بڑی خدمت اس کو دوزخ کی آگ سے بچانا ہے، کہ یہ زندگی تو چند روزہ ہے ۔ انسان کے لئے اس کے مقام کی نشاندہی ہی ضروری ہے کہ اس کو اپنی پیدائش کے مقاصد سے آگاہی ہو ۔ اسی وجہ سے اسلام کے دین ہونے اور اس کی ضروریات یا مومن کے مقصود حیات پر ہم بھرپور بحث جاری کئے ہوئے ہیں ۔ اس لئے حق تو یہ ہے کہ ہر روز اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کریں " کہ اے رب! تیری بڑی مہربانی ہے کہ تو نے ہمیں اپنے حبیب حضور پاک محمد مصطفیٰؐ کے دین پر پیدا کیا اور انہوںؐ نے ہمارے لئے تیرے راستے کی نشاندہی کی ۔ پس ہم صرف تیری غلامی کریں گے اور لگا ہم کو سیدھے راستے پر ۔" ( اھدنا صراط المستقیم ) آمین ۔ ثم ۔ آمین

## حضور پاکؐ کی ذات

24 ۔ بہرحال عالم خلق کے یہ دو سوال، عالم امر میں بھی ہمارے ساتھ رہیں گے لیکن تیسرا سوال بھی ہے جس کو اگر سوال عشق کا نام دیں تو زیادہ بہتر ہو گا ۔ اس سوال کا تعلق ہر روح سے ہے اور یہ سوال مرنے کے فوراً بعد پوچھا جائے گا ۔ اس سوال کا تعلق زینت کون و مکان، فخر انسانیت، مولائے کل حضور پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات و صفات کے ساتھ ہے ۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضور پاکؐ سامنے نظر آئیں گے اور سوال ہو گا "ماتقول فی ھذا الرجل" یعنی اس شخص کے بارے میں تم کیا کہتے ہو ؟ انسانی شخصیت کی تکمیل اس آخری سوال کے صحیح جواب میں مضمر ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ نظام حکومت کے مضامین میں ہم نے حضور پاکؐ کی غلامی کا اکثر ذکر کیا کہ سب کچھ اس سے حاصل ہو سکتا ہے ۔ دراصل بات ہی ساری مقام مصطفیٰؐ کو سمجھنے کی ہے ۔ اور اس سلسلہ میں جتنی عاجزی کی جائے اور اپنے بشری پیمانوں کو لگام دی جائے تو بہتر ہوتا ہے ۔ اس صدی کے عظیم عالم پیر مہر علی شاہ کی ایک فقرہ کی عاجزی " کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا " نے ان کو کہاں پہنچا دیا ۔ اور سمجھنے والی بات یہ بھی ہے کہ

حضور پاکؐ نے اس دنیاوی زندگی میں بشر کی صورت میں پہلے چالیس سال تجسس میں گزارے اور جب اپنے نفس کو پہچان لیا یعنی خدا کی پہچان ہو گئی تو نبوت کا مرحلہ شروع ہوا۔ اور معراج کے وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو زمان و مکان پر حاوی کر دیا۔ اس کے بعد مدینہ منورہ میں اجتماعی دین کی بنیاد بندھی اور جب زمانے کو تسلسل مل گیا اور زمانہ اپنی اصل حالت پر آگیا۔ یعنی دین کی تکمیل ہو گئی تو آپؐ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ ہم لوگ تو اپنے نفس کو نہیں سمجھتے۔ ہم نبوت کے مقام کو کیا سمجھیں گے کہ فضول بحثوں میں الجھے ہیں کہ آپؐ یہ تھے اور یہ کچھ کر سکتے تھے اور یہ کچھ نہ کر سکتے تھے۔ خدا کے بندو۔ تم سے ایسے سوال کون پوچھے گا؟ ادب ملحوظ رکھو اور ایک دنیاوی مثال کافی ہے کہ ایک سپاہی جب جنرل بن جاتا ہے تو اس کو سپاہی کی بجائے جنرل کے نام سے خطاب کیا جاتا ہے۔ آپ لوگ بشری پیمانوں کو اپنے پاس رکھیں کہ جس کسی نے مقام مصطفیؐ کے سلسلہ میں عاجزی کی وہی مراد پا گیا۔ مسلمانوں کے اکثر مکاتب فکر اس پر اتفاق کرتے ہیں کہ وہ خاک جس نے حضور پاکؐ سے مس کیا عرش بریں سے افضل ہے۔ اس سلسلہ میں عرت بخاری فرماتے ہیں۔

ادب گا ہست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ با یزید ایں جا

## حضور پاکؐ حاضر و ناظر ہیں

25 ۔ مہاجر مکیؒ نے پیر مہر علی شاہؒ کو کہا کہ وہ حدیث پاک سے حضور پاکؐ کے حاضر و ناظر ہونے کو ثابت کریں، تو پیر مہر علی شاہؒ نے اسی بیان شدہ حدیث مبارکہ کا حوالہ دیا کہ حضور پاکؐ ہر وقت ہر جگہ موجود ہیں کہ ہر مرنے والے کو نظر آرہے ہیں تو مہاجر مکیؒ عش عش کر اٹھے، کہ انہوں نے یہ حدیث مبارکہ سینکڑوں مرتبہ پڑھی لیکن ان معنیٰ تک نہ پہنچ سکے۔ اور آپ نے پیر مہر علی شاہؒ کو مبارک دی، تو پیر صاحب نے فرمایا کہ ابن عربیؒ فتوحات مکیہ میں ایسی ہی تفسیر کر گئے ہیں۔ بہر حال یہ عشق اور محبت کی باتیں ہیں اور جناب ابن عربیؒ اور پیر مہر علی شاہؒ جیسے خوش قسمت لوگوں کو جلد سمجھ آجاتی ہیں۔ علم والوں کو ذرا دیر سے سمجھ آتی ہیں۔ البتہ مہاجر مکیؒ کی قسمت کھل گئی اور عاجز قارئین کو بھی یہ عطا مبارک ہو۔ اب سائنس نے بھی یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہر مخلوق ہر وقت ہر جگہ موجود ہو سکتی ہے۔ اور نفس ایک انرجی یا طاقت



ہے جو معدوم نہیں ہوتی۔

عشق کی تیغ جگر دار اڑائی کس نے
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی (اقبال)

## تیسرا سوال

26 ۔ لہذا یہ تیسرا سوال منزل کے ایک ایسے پڑاؤ پر پوچھا جائے گا جو نازک ترین ہے۔ اور دعا کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ہوش و حواس قائم رکھے کہ ہم اپنے آقاؐ کو پہچان سکیں۔ کیونکہ اس پڑاؤ پر صحیح حالت میں پہنچنے کے لئے ایک زمانہ درکار ہے۔ جو لوگ کارواں محبت میں شامل ہونے کی صحیح تیاری اس عالم خلق میں حضور پاکؐ کی غلامی اپنانے سے کر لیں گے ان کے لئے اس پڑاؤ پر اور قیامت کے روز آسانی ہو گی کیونکہ جب پورا انسانی قافلہ میدان حشر میں اترے گا تو ہر شخص اپنے امام کے ساتھ کھڑا ہو گا۔ دودھ کا دودھ اور پانی الگ ہو جائے گا۔ اور آسانی ان کے لئے ہو گی جو زندگی میں ایسا سوچیں۔

بے تاب ہو رہا ہوں فراق رسولؐ میں
اک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام
جاتا ہوں حضور رسالتؐ پناہ میں
لے جاؤں گا خوشی سے اگر ہو کوئی پیام

(علامہ اقبالؒ کی زبان میں جنگ یرموک کے شہید کے آخری لمحے)

## جناب ابوذر غفاریؓ کا تجسس

لیکن یہاں پر عظیم صحابیؓ اور عاشق رسولؐ جناب ابوذر غفاریؓ کے سلسلہ میں ایک واقعہ بیان کرنا ضروری ہے۔ ایک دن جناب ابوذرؓ نے حضور پاکؐ کے سامنے عرض کی یا رسول اللہؐ ہم لوگ آپؐ کے بتائے ہوئے احکامات پر تو پورے نہیں اترتے لیکن آپؐ سے محبت ضرور کرتے ہیں کہ آپؐ کے دیدار سے آنکھیں ٹھنڈی کر لیتے ہیں اب اللہ تعالیٰ جانے ہماری کوتاہیوں اور کمزوریوں کی وجہ سے ہمیں روز قیامت کہاں رکھا جائے گا۔" حضور پاکؐ نے فرمایا "اے ابوذرؓ! قیامت کے روز تمہارا حشر اس کے ساتھ ہو گا جس کے ساتھ تم محبت کرتے ہو۔ (اور اس بات کو تین دفعہ مکرر ارشاد فرمایا) یہ سنتے ہی سیدنا ابوذر غفاریؓ اٹھے اور حضور پاکؐ کے ساتھ لپٹ گئے اور ساتھ ہی کہتے جاتے تھے۔" حضورؐ میں آپؐ کے ساتھ محبت

کرتا ہوں، میں آپؐ کے ساتھ محبت کرتا ہوں، میں آپؐ کے ساتھ محبت کرتا ہوں۔" اور معلوم نہیں کتنی بار یہ کلام دہرائی۔

قارئین! حضور پاکؐ کے جمال کے چشمے اب بھی جاری وساری ہیں اگر ہم عاجز تصور میں حضور پاکؐ کے قدموں سے لپٹ جائیں، تو ہمارے اندر سے اتھاہ محبت کا دریا امڈ آئے گا جو اس دنیا میں بھی ہمارے لئے پاکیزگی کا باعث ہوگا اور آخرت کی تیاری بھی ہو جائے گی علامہ مرحوم اس کی یوں وضاحت فرماتے ہیں۔

تو غنی از ہر دو عالم. من فقیر روز محشر عذر ہائے من پذیر
کر تو می بینی حسابم ناگزیر از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

یعنی تو دونوں جہانوں کا خداوند ہے میرے گناہوں کا حساب لینے سے مجھے ہی شرمندگی ہوگی لیکن اگر یہ ناگزیر ہے تو میرے آقا محمد مصطفیٰؐ سے چھپا کر حساب لیجئے گا۔ علامہ مرحوم کی یہ ایک ادا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بغیر حساب کے بخش دے۔ ورنہ وہ کونسی جگہ ہوگی جو حضور پاکؐ کی نگاہ سے چھپی ہوگی۔

## روز قیامت یا میدان حشر

27 ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "جب آسمان پھٹ جائے اور جب تارے جھڑ جائیں اور جب قبروں کو کھولا جائے" ظاہر ہے کہ یہ قیامت کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس روز انسانی قافلہ ارض و سموات سے فارغ ہو کر آگے میدان حشر میں داخل ہوگا۔ اب ذرا اس پہلو پر دھیان دیں کہ [illegible] کے کھولے جانے اور آسمان کے پھٹنے کو اکٹھا ایک نسبت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے یعنی جہاں قبر کے کھولنے کا ذکر ہے تو اس سے آگے عالم غیب یا عالم امر شروع ہوتا ہے۔ اور ان مقامات سے نکل کہ انسان روز حساب کی طرف بڑھے گا۔ عالم خلق میں انسان کی ایک قبر ہے لیکن سب انسانوں کی قبریں نہیں ہوتیں۔ کسی کو جلا دیا جاتا ہے اور کسی کو سمندر میں پھینک دیا جاتا ہے وغیرہ۔ پھر یہ کونسی قبر ہوگی جس کو کھولا جائے گا؟ ہمارے ہاں کچھ لوگوں نے عالم خلق کی قبر کا ذکر کیا ہے کہ ادھر ہی بادش ہوگی اور انہی قبروں میں انسان کی ہڈیوں پر مٹی چڑھے گی یا انسان کے جسمانی اجزاء کو ادھر ادھر سے اکٹھا کیا جائے گا۔ ہم اس بحث کی تفصیل میں نہیں



جانا چاہتے لیکن ہم نے کچھ بزرگوں کی کتابوں میں پڑھا ہے۔ اس کے لحاظ سے قبر ایک استعارہ ہے اور عالم برزخ کا دنیاوی نام ہے۔ ہم مسلمان ادب کے ساتھ اپنے مرنے والوں کے جسد خاکی کو ایک مقام میں دفن کر دیتے ہیں۔ قبر کا تقدس اس وجہ سے ہے کہ انسان کا جسد اس زمین کو شرف بخشتا ہے اور بزرگوں کے ایسے نشان اور قبریں مقدس ہیں۔ طبقات ابن سعد کے مطابق حضور پاکؐ جب اپنے بیٹے ابراہیمؑ کو دفن فرما رہے تھے تو اوپر سے قبر کی مٹی ٹھیک کرائی اور فرمایا یہ ہماری آنکھوں کے لئے ٹھنڈک ہے ورنہ مرنے والے کو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا" اس ایک فقرہ سے قبروں کے بارے میں تمام اختلافات ختم ہو جاتے ہیں، کہ پس وہ ہمارے آنکھوں کے لئے ٹھنڈک ہیں لیکن اس کی حقیقت باقی نہیں رہ جاتی۔ ہم آگے چل کر جسم اور روحانی جسم کے موضوع کے تحت اس پہلو کو اور واضح کریں گے لیکن یہاں پر یہ باور کرانا ضروری ہے کہ ہماری قبروں پر حاضری سے عالم برزخ کی یاد آجاتی ہے۔ بزرگوں کے نیک اعمال یاد آتے ہیں اور اس دنیا کی حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ یہ فانی جہاں ہے اس سے نیک عمل کرنے کی ترغیب ملتی ہے اور قبروں پر جا کر فاتحہ پڑھتے ہیں۔ فاتحہ بھی جنازہ کی طرح بخشش کے لئے ایک دعا ہے۔ اور اس میں ہمارا اپنا فائدہ ہے۔ اسلام میں قبر پرستی یا بتوں کی طرح ڈالیاں چڑھانے کی کوئی سند نہیں۔ پس ادب کی جگہ ہے اور قبر پر حاضری کا فرمان خود حضور پاکؐ دے گئے لیکن قبر کی پوجا کی اجازت نہیں۔ امت میں اس سلسلہ میں اختلافات اس گنہ گار کی سمجھ سے باہر ہیں۔ حضور پاکؐ نے دو ٹوک الفاظ میں، اگر ایک طرف قبر کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک سے موسوم کیا ہے۔ تو دوسری طرف قبر کی پوجا سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ [illegible] سلسلہ میں دعا مانگنے والی بات وضاحت چاہتی ہے۔

## اللہ کی رحمت

28 ۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ہر آدمی اپنے اعمال کے حساب سے بخشش کا حق دار ہوگا۔ مجھ عاجز کا ذاتی رائے ہے جو غلط بھی ہو سکتی ہے کہ بات ساری اللہ تعالیٰ کی رحمت والی ہے کہ جناب علیؓ کا فرمان ہے کہ ایک لاکھ آدمیوں کے بارے اعلان کیا جائے کہ سب کی بخشش ہوگی

سوائے ایک کے تو ان کو اتنا ڈر ہوگا وہ اکیلے ایک نہ بخشے جائیں گے۔ ادھر ایک لاکھ کے بارے میں یہ کہا جائے، کہ سب کی پکڑ ہوگی۔ صرف ایک آدمی کی بخشش ہوگی تو ان کو امید ہوگی کہ وہ ایک حضرت علیؓ ہوں گے۔ بہر حال کچھ لوگ جو قل کی رسم بھی ادا نہیں کرتے۔ اور برسی کو شرک قرار دیتے ہیں۔ ان کو اس سے روکا نہیں جاسکتا۔ لیکن ان مواقع پر چونکہ بخشش کی دعا مانگی جاتی ہے۔ ان باتوں کو شرک یا بدعت نہیں کہہ سکتے، کہ قرآن پاک کی سورۃ مومن کی آیات نمبر 7 اور 8 کے مطابق جو لوگ ایمان والوں یا مومنوں کیلئے بخشش کی دعائیں مانگتے ہیں۔ ان کو خوشخبری ہو۔ اور ہمہ گیر قیامت کے قائم ہونے میں ابھی بڑا وقت ہے۔ تو بخشش کی دعاؤں کے سلسلہ کو جاری رہنا چاہیے اس میں ہمارا فائدہ بھی ہے۔ کہ نفسیاتی طور پر ہم پر واضح ہوتا رہتا ہے کہ بخشش کی ضرورت ہے۔ چلو اچھے عمل کر لیں اور جو وقت ان دعاؤں میں گزرتا ہے یا اللہ کی یاد میں گزرتا ہے وہی ہمارا سرمایہ یا زادراہ ہے۔ جس کی تفصیل آگے آتی ہے

## قیامت کی اقسام

29 ۔ قرآن پاک اس کائنات کی ایک اثر آفرین اور محرک توضیح پیش کرتے ہوئے تخلیق اور اس کی دہرائی کے سلسلہ کو شروع ہی سے ایک تواتر کے طور پر پیش کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شروع بھی کرتا ہے اور اسے واپس بھی لے لیتا ہے۔ یعنی چیز کو بناتا بھی ہے اور اس کو اپنے پاس واپس بھی لے لیتا ہے۔ اس کاروائی میں بعض دفعہ متزلزل واقعات بھی رونما ہوتے ہیں اور فطرت کی [illegible] میں کچھ پہلے سے طے شدہ تبدیلیاں بھی واقع ہوتی ہیں۔ قیامت انہی تبدیلیوں میں سے ایک ہے۔ اور اس کو ہم چار حصوں میں بانٹ سکتے ہیں۔ اول چھوٹے یا معمولی واقعات کہ جب ایک انسان مر گیا تو یہ تبدیلی اس کیلئے قیامت ہے۔ دوم کرہ ارض میں کسی جگہ کوئی ابتلا آنا۔ یا کائنات کے کسی اجرام فلکی کا ختم ہو جانا۔ تو وہاں قیامت صغریٰ ہو گئی۔ سوم ہمہ گیر قیامت۔ یعنی ساری کائنات کا اون دھنی ہوئی کی طرح سے اڑ جانا۔ ان تینوں صورتوں کے بارے میں سائنسدانوں نے بڑے صحیح جائزے پیش کئے ہیں کہ ہم پہلے جو کائنات کے پھیلاؤ کے بعد ٹھہراؤ کا ذکر کر آئے ہیں، تو ٹھہراؤ کے بعد سکڑنے یا بھینچے جانے کے جو عمل شروع ہوں گے



اور اجرام فلکیوں میں جو ٹکراؤ پیدا ہوگا۔ ان سب باتوں کے سلسلہ میں محمد بشیر محمود "روز قیامت اور حیات بعد الموت" پر ایک بہت بڑی کتاب انگریزی میں لکھ چکے ہیں۔ جس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اور غیر ملکی زبانوں میں ترجمے ہو گئے ہیں۔ اردو میں ترجمہ کی سعادت اس عاجز کو نصیب ہوئی ہے، کہ انہوں نے سائنسی علوم اور قرآن پاک کے انکشافات کو شیر وشکر کر دیا ہے۔ بہر حال سائنس صرف یہاں تک پہنچی ہے لیکن ہمارا قرآن پاک ایک چوتھی صورت کو بھی واضح کرتا ہے جس کو ہم حشر و نشر اور حیات بعد الموت کہتے ہیں۔ سائنسدان ابھی وہاں تک نہیں پہنچے حالانکہ وہ مانتے ہیں کہ انرجی معدوم نہیں ہوتی تو شاید وہ کبھی سمجھ جائیں گے کہ نفس جو انرجی ہے وہ معدوم نہ ہوگا۔ بلکہ بہتر صورت اختیار کرے گا۔ ہم ان قیامتوں کے بعد اگلی حالت کو عالم امر یا عالم الغیب کہتے ہیں اور موجودہ حالت کو عالم خلق یا عالم شہادت۔ تو انسانی سفروں کو اس فضا میں سمجھنے کیلئے ہم ان عالموں کی کچھ مزید وضاحت کرتے ہیں۔

## مادی دنیا یا عالم خلق کی حیثیت

30 ۔ چنانچہ ہماری یہ مادی دنیا یا عالم خلق، عالم امر کے مقابلے میں اس قدر تنگ و تاریک ہے جتنا بچے کے لئے ماں کا رحم۔ یعنی عالم امر کو عالم خلق سے وہی نسبت ہے جو عالم خلق کو کسی بچے کے رحم میں ہونے سے ہے۔ ماں کے رحم میں جب بچہ تیرتا ہے تو اسکو وہ جگہ بڑی وسیع نظر آتی ہے۔ بہر حال ہم یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ یہ عالم شہادت یا مادی دنیا، عالم غیب یا عالم امر کے مقابلہ میں ایک رائی کے دانے کے برابر ہے۔ شیخ اکبر، جناب محی الدین ابن عربیؒ لکھتے ہیں کہ ہمارا مادی جہاں، عالم غیب کے سمندر میں گویا ایک قطرے کے برابر ہے۔ [illegible]ذی روی میں ایک روایت ہے، کہ حضور پاکؐ ایک مسلمان کا جنازہ پڑھنے اور دفنانے کے بعد جب گھر تشریف لائے تو ام المومنین جناب عائشہ صدیقہؓ آپؐ کی پیشوائی کے لئے آگے بڑھیں، تو حضور پاکؐ کی دستار مبارک پر کچھ بوندیں دیکھ کر حیران ہوئیں، کہ باہر موسم صاف تھا۔ حضور پاکؐ نے جناب عائشہؓ کی حیرانگی دیکھی تو بات کو بھانپ گئے کہ جناب عائشہؓ نے اپنا سر حضور پاکؐ کی ایک چادر سے ڈھانپ رکھا تھا کہ ان کو عالم غیب یا برزخ کی بوندیں بھی نظر

آگئیں ۔ چنانچہ حضور پاکؐ نے فرمایا " اے عائشہؓ عالم غیب میں بھی زمین آسمان ، چاند اور ستارے ہیں ، اور وہاں بارشیں بھی ہوتی ہیں ۔ البتہ انہیں بجز اولیائے کاملین کے اور کوئی نہیں دیکھ سکتا ۔ اس حدیث مبارکہ میں اتنی باتیں پنہاں ہیں کہ اس پہلو پر کئی مضامین لکھے جاسکتے ہیں لیکن ہم صرف دو باتوں پر اکتفا کریں گے کہ وہ مومن کتنا خوش قسمت تھا جس کو ہمارے آقاؐ نے اپنے ہاتھوں دنیاوی قبر میں دفن کیا لیکن پھر اسکے ساتھ عالم برزخ تک بھی گئے جس کی بارش کی بوندیں جناب عائشہؓ کو بھی نظر آگئیں ۔ دوم ایسے واقعات سے حضور پاکؐ اپنی امت کے لئے کئی عقدے کھول رہے تھے اور ان باتوں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ انسان کی اگلی منزل ایک بہتر جہاں کی صورت میں ہوگی ۔

عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا　　　　اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام (اقبالؒ)

## مختلف پڑاؤں کی وضاحت

31 ۔ اول موت پھر زندگی ۔ پھر موت اور اس کے بعد حیات جاودانی ۔ یہ انسان سفر کے چار بڑے پڑاؤ تصور کئے جاسکتے ہیں ۔ جن کی گزرگاہ کائنات میں کچھ اس طرح سے تعین ہے ۔ اول موت کا تعلق خالصتاً زمین کی تاریکیوں کے ساتھ ہے ۔ جس میں نظام ربوبیت یا عالم خلق ، نفس انسانی کو اس کے اجداد کی پشتوں میں پرورش کرتا رہتا ہے ۔ بہرحال مادہ کی تاریکیوں یا خالص عالم خلق سے نکل کر جب انسان حیات دنیا میں قدم رکھتا ہے تو یہاں عالم خلق اور عالم امر کے اختلاط کی وجہ سے اس کے مادی جسم کے ساتھ اس میں روح بھی پھونک دی جاتی ہے ۔ دوسرا عالم موت جس میں مرنے کے بعد انسان گامزن ہوتا ہے ، ساتوں آسمانوں پر مشتمل ہے ، اور اسی لئے معراج کی رات تمام انبیاء علیہ السلام کو وہاں پر ہی حضور پاکؐ نے اپنی ملاقات سے نوازا ۔ دوسری زندگی یعنی حیات جاودانی کا ظہور زمین و آسمان سے آگے ہوگا جب کہ اس کائنات کو لپیٹ لیا جائے گا ، اور نئے میدان بچھائے جائیں گے ۔

## زمان و مکان

32 ۔ یہ افلاک جن سے ہم گزر رہے ہیں ، صرف عرض کی حیثیت رکھتے ہیں اور مکان یعنی



Space کے نام سے پکارے جاتے ہیں ۔ اس عرض کے ساتھ طول بھی ہے جسے زمان (Time) یا مسافت کہتے ہیں ۔ ایک طرف کی وسعتیں ہیں ، تو دوسری طرف زمان کی لامتناہیوں سے انسانی سفر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کس قدر طویل ہے ۔ البتہ زمان و مکان کا مسئلہ بہت مشکل اور پیچیدہ ہے اور خالی طول و عرض کے الفاظ کے استعمال سے بیان مکمل نہیں ہوتا کہ دنیاوی زبان میں ہمارے پاس نہ ایسے الفاظ ہیں کہ ہم اس مسئلہ کی گہرائی میں جائیں ۔ اب تو سائنس دان بھی یہاں تک پہنچ گئے ہیں کہ زمان و مکان اور ادراک وہ تین چیزیں ہیں جو اس کائنات کے چلنے یا طریق و کار کے ستون کے طور پر کام کر رہی ہیں ۔ لیکن ہمارا اللہ تو قرآن پاک کے ذریعہ سے یہ سب کچھ ہم پر واضح کر چکا ہے ۔ سورۃ حدید کی تیسری آیت مبارکہ کے مطابق " وہی (اللہ ذات پاک) اول بھی ہے اور آخر بھی ہے ۔ " (یعنی وہ خود وقت اور زمانہ ہے) ۔ وہی ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے ۔ (یعنی وہ ہر جگہ ہے مکان بھی ہے اور لامکان میں رونق افروز بتایا جاتا ہے) اور وہ ہر چیز کو مکمل طور پر جانتا ہے (یعنی سب ادراک اسی کے پاس ہیں) اور ہم اس حدیث قدسی کا شروع میں ذکر کر چکے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ چھپا ہوا خزانہ تھا ۔ اس نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں ۔ تو اس کائنات کی تخلیق کی ۔ مجھے ایک مسلک والوں کی یہ رائے پڑھ کر بڑا دکھ ہوا ۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ چھپے ہوئے خزانہ والی حدیث کمزور یا ضعیف ہے ۔ ان بے چارے لوگوں کو کائنات کی وسعتوں کی خبر نہیں ۔ نہ سائنس کی دریافتوں کی سوجھ بوجھ ہے کہ ان احادیث مبارکہ کو قرآن پاک کے تابع کر کے سمجھیں ۔ اور اسی وجہ سے اس مسلک والے حضور پاکؐ کے تمام عالموں کیلئے رحمت ہونے کی بات کو بھی نہیں سمجھتے کہ آپؐ کو صرف لوگوں تک محدود کر دیا ۔ (نعوذ باللہ)

## مرحلے اور وسعتیں

33 ۔ زمان و مکان کو البتہ ہم صرف اتنا سمجھتے ہیں کہ زمان کے لحاظ سے عالم ارواح ، عالم خلق یا شہادت اور عالم غیب یا امر تین مرحلے ہیں ۔ لیکن عالم ارواح سے پہلے ۔ PRE-UNIVERSE یعنی کائنات کی تخلیق سے پہلے کے بارے کچھ فقرا خاص کر پیر مہر علی

شاہ نے فرمایا کہ "اے تاں کل دی گل ہے" یعنی کہ اللہ تعالیٰ نے جو کن فیکون کا حکم دیا یہ اتنی پرانی بات نہیں اس سے پہلے بھی بہت کچھ تھا۔ لیکن میں اس "میدان" میں زیادہ غوطے نہ لگاؤں گا۔ البتہ عالم ارواح اور عالم خلق کے درمیان۔ ہمارے نفوس جو آباواجداد کی پشتوں میں رہے یا برزخ میں یہ بھی زمان کا ایک مرحلہ ہے۔ موت جس کو عالم خلق اور عالم امر کے درمیان دروازہ کہا جاتا ہے، اس کے بعد قیامت تک یا حشرونشر تک ہمارے نفوس جو برزخ میں رہیں گے، وہ بھی زمان کا ایک مرحلہ ہے کہ مادی جسم کا ذکر بعد میں آئے گا کہ وہ ادھر ہی اس دنیا میں رہ جائے گا۔ اس کے علاوہ حشرونشر کے بعد جنت دوزخ میں رہائش، بہت بڑے مرحلے ہیں کہ ایک وقت آئے گا کہ دوزخ کے دروازے بھی کھٹکھٹائیں گے۔ تو زمان کا معاملہ لامتناہی ہے۔ مکان کے لحاظ سے ہمارے اس کوہ ارض کے علاوہ ہمارے اس شمسی نظام میں عطارد، مریخ، زحل وغیرہ کئی اجرام فلکی ہیں۔ اور پھر لاکھوں کروڑوں شمسی نظام ہیں۔ اور کہکشاں یا ملکی وے یا سیاہ گڑھے۔ اللہ تعالیٰ کی کائنات کا اندازہ لگانا ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔ البتہ آگے چل کر قرآن پاک کے الفاظ سے ہم یہ بھی واضح کریں گے کہ وقت محض ایک پیمانہ ہے جس کے ذریعے کائنات کی وسعتوں کا بیان کیا جاسکتا ہے یا ان کو کچھ ناپا جاسکتا ہے۔ اس کی مزید وضاحت جناب علی کرم اللہ وجہ کے قول سے بھی آگے آتی ہے کہ یہ سفر کتنا لمبا ہے۔ چنانچہ زمان و مکان کا مضمون بہت وسیع ہے اور یہاں صرف یہ باور کرانا مقصود ہے کہ ہمیں بھی غیروں کی طرح اپنے آپ کو اس دنیا میں محدود نہیں کرنا چاہیئے، بلکہ ہماری نگاہ پوری کائنات پر ہونی چاہیئے اور [illegible] کی وسعتوں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ میں یوں فرماتا ہے۔ "تدبر کرتا ہے امر کا آسمان سے زمین کی طرف۔ اور چڑھ جاتا ہے طرف اس کی وہ امر ایک دن میں کہ جس کی مقدار تمہارے گنتی کے مطابق ایک ہزار برس ہے" اس طرح وقت یا زمان کی مقدار کے سلسلہ میں قرآن پاک میں ایک اور جگہ الفاظ ہیں "ملائکہ اور روح اس کی طرف عروج کرتے ہیں ایک دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔" اب اندازہ لگائیں کہ ایک ہزار برس کی مقدار کا دن عالم امر کے متعلق ہے جو اس عالم دنیا کے بعد انسان کی اگلی منزل ہے اور اس سے بھی اعلیٰ تر جہاں میں ایک دن ہماری گنتی کے حساب سے پچاس ہزار برس کے برابر ہے



بارھویں صدی عیسوی میں جناب ابن عربیؒ نے زمان و مکان پر بہت کچھ لکھا ہے۔ کہ یہ اوقات ہمارے لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے تو ماضی اور مستقبل بھی نہیں۔ سب کچھ زمانہ حال ہے کہ وہ اول بھی ہے آخر بھی۔ پھر اپنے کچھ مشاہدات بھی لکھے۔ تو ان پر کفر کے فتوے کئی صدیوں تک لگتے رہے اور یہ فتوے لگانے والے کوئی معمولی آدمی نہ تھے۔ آج بھی کئی مسلکوں کے امام ہیں۔ اور انہوں نے کچھ اچھی باتیں بھی کیں۔ کئی بدعتوں کو بھی دور کیا۔ لیکن ابن عربیؒ کے مقابلہ میں "بونے" تھے۔ تو اس عاجز نے تمام مشہور علماء فقرا کو ان کے زمانے کی تاریخی اور سیاسی واقعات کے تحت مطالعہ کیا اور میں سب کی عزت کرتا ہوں لیکن بعض کے ساتھ "مخدوتیں" وابستہ تھیں۔ لیکن جو عاشق رسولؐ تھے وہ روشن ضمیر بھی تھے۔ اس لئے سب کے بیانات سے اس عاجز نے عطر کشید کر کے اپنی کتابوں میں اکٹھا کر دیا ہے۔ اور اسی کو میں نے فقہ وحدت یا فقہ عسکریت کا نام دیا ہے کہ ہم دنیا کے وارث ہیں اور ہمارے آقاؐ نیو ورلڈ آڈر کی بنیاد باندھ گئے۔ افسوس کی غیر سب کچھ کر رہے ہیں اور انہوں نے اس مادی دنیا سے نکل کر اب ان زمان و مکان کے معاملات کو کچھ سمجھنا شروع کر دیا ہے اور جناب ابن عربیؒ کی کتابوں پر روس اور امریکہ میں تحقیق ہو رہی ہے لیکن ہمارے ہاں کچھ لوگ اسی دنیا کو سب کچھ سمجھ بیٹھے ہیں، کہ مرنے کے بعد آدمی اسی جہاں میں رہ جاتا ہے یا محدود مٹی میں سلا دیا جاتا ہے۔ ایسے لوگ سخت غلط فہمی میں ہیں۔ کائنات کا یہ طول و عرض کسی اور مخلوق کے لئے نہیں بنایا گیا بلکہ یہ تمام راستے انسان کے لئے ہیں اور موت پر قصہ ختم نہیں ہو جاتا بلکہ صحیح معنوں میں سفر تو موت کے بعد شروع ہوتا ہے۔

## مسافر کے سفر کے راستوں کی وضاحت

34۔ اب انسان نے جن راستوں پر سفر کرنا ہے تو ہم معلوم کرتے ہیں کہ مکان کی وسعتوں کو طے کرنے کیلئے اس کو کون سے وسائل مہیا کئے گئے ہیں چنانچہ اس مادی جسم کی پرورش کے لئے انسان کو چند مادی طاقتیں عطا کی گئی ہیں۔ ایک فوجی سپاہی کی پیدل رفتار، عام طور پر تین میل فی گھنٹہ ہوتی ہے اور اس چھوٹی سی زمین پر بھی اس رفتار کے ساتھ انسان کا دائرہ عمل

ایک محدود سے خطہ ارضی پر ہو سکتا ہے۔ شاید انفرادی ضرورتوں کے لئے یہی رفتار کافی سمجھی گئی مگر زندگی نے جب اجتماعی شکل و صورت اختیار کی تو اس کے لئے تیز رفتار سواریوں کا وسیلہ ضروری ہو گیا۔ انسان نے آج اس دنیا کے فاصلوں کو طے کرنے کیلئے آواز سے بھی تیز اڑنے والے ہوائی جہاز بنائے ہیں جنہوں نے زمین کی وسعتوں کو سکیڑ دیا ہے۔ مگر زمین کے دائرے سے باہر یہ جہاز کارآمد ثابت نہیں ہو سکتے۔ آگے چل کر شاید انسان راکٹوں کے ذریعے تمام نظام شمسی کو اپنے دائرہ عمل میں لے آئے، مگر اس سے آگے بڑھنا مادی جسم کے ساتھ کچھ ناممکن ہے نزدیک ترین ستارہ کئی نوری سالوں کے فاصلے پر ہے اور اگر برقی رفتار کے جہاز بھی بن جائیں تو بھی نزدیک ترین ستارہ تک بمشکل کئی نوری سالوں میں رسائی ہو سکے گی۔ بہرحال قرآن پاک کی سورۃ رحمٰن میں اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ جن اور انسان مل کر بھی ان موجودہ حالتوں میں کائنات کی کسی ایک حد تک جا سکتے ہیں۔ مفسرین یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک وقت انسان اور جنوں میں رابطہ ہو جائے گا اور دونوں مل کر کائنات کی تسخیر کی کوشش کریں گے۔ جنوں کا پورا بدن انرجی ہے۔ لیکن کامیابی پھر بھی ایک حد تک ہو گی۔ ان آسمانی فاصلوں کو طے کرنے کے لئے روحانی رفتار کی ضرورت پڑتی ہے۔ جہاں روح ایک دن میں آسمان سے زمین اور پھر زمین سے پلٹ کر آسمان میں پہنچ سکتی ہے۔ مگر وہ دن ہمارے حساب کتاب کے مطابق ایک ہزار برس کے برابر ہے۔ لہٰذا اس زندگی میں اگر کوئی اپنی روحانی طاقتوں کو بیدار کر لیتا ہے اور اس رفتار سے عالم بالا کی سیر کی کوشش کرے تو وہ ایک محدود دائرے تک ضرور پہنچ جائے گا۔ لیکن پورے سموات کا چکر لگانے کے لئے ہمارے حساب سے کم از کم ایک ہزار برس درکار ہوں گے۔ لیکن ان رفتاروں سے بڑھ کر ایک اور رفتار بھی ہے جس کی بدولت پلک جھپکنے میں فرش سے عرش تک چکر لگایا جا سکتا ہے۔

عشق کی ایک جست نے کر دیا قصہ تمام — اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں (اقبالؒ)

علامہ مرحوم نے ہمارے لئے اس سفر کے عقدہ کو حل کر دیا کہ ایسی رفتار حضور پاکؐ کے عشق اور غلامی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ حضور پاکؐ کا عشق دنیا و مافیہا اور عقبیٰ و مافیہا سے بے نیاز بنا کر سیدھا تماشائے ذات کے مقام پر پہنچا دیتا ہے۔ حضور پاکؐ کے صحابہ کرامؓ آپؐ



کے عشق سے سرشار دنیا و مافیہا سے اکثر بے خبر ہو جاتے تھے۔ پس بشری تقاضوں کے تحت اللہ تعالیٰ نے ان کو حضور پاکؐ کے جمال کے نظارہ کو برداشت کرنے کی طاقت دے دی تھی۔ ورنہ یہ کوئی آسان بات نہ تھی۔ بعد کے زمانے کے اولیاء اللہ بھی ان باتوں کو سمجھتے تھے۔ اور کچھ اشارے بھی کر گئے ہیں۔ پشتو کے مشہور شاعر رحمٰن بابا کچھ اس طرح فرماتے ہیں۔

پہ یو قدم پہ عرش پورے راسی — مالیدلے دے رفتار دروېشانو

(یعنی ایک قدم سے عرش پر پہنچتے ہیں۔ میں نے درویشوں کی یہ رفتار دیکھی ہے)

## موت کیا ہے

35 ۔ اسلامی نظریہ کائنات اور اس میں سے گزرنے والے مسافر کے سلسلہ میں اوپر بیان کئے گئے پس منظر میں اب ہم موت کا کسی قدر تفصیل کے ساتھ جائزہ لیتے ہیں۔ موت وہ چیز ہے جس سے فرار ناممکن ہے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے ایک دہریہ بھی انکار نہیں کر سکتا کیونکہ چاروں طرف ہر لمحہ اس کا ظہور ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ "ہر نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے"۔ اور اس وجہ سے ہر نفس کو موت کا پابند کر دیا گیا ہے۔

36 ۔ **غیروں کا نظریہ موت:** موت کے بارے میں غیر اسلامی نظریات کافی حد تک پریشان خیالی پیدا کرتے ہیں۔ عام طور پر مسلمان ان خیالات سے متاثر تو نہیں ہوتے لیکن کچھ وضاحتیں ضروری ہیں۔ ہندو مت اور بدھ مت کے پیروکار آواگون کے قائل ہیں جس کے مطابق روحیں اپنی جزا و سزا بھگتنے کے لئے بار بار مختلف صورتوں میں اس زمین پر آتی رہتی ہیں۔ کبھی انسان کے بہتر یا بدتر روپ میں اور کبھی جانور کے روپ میں۔ اس فلسفہ کے لحاظ سے بھی سفر تو جاری ہے اور شاید جاری سفر کے صحیح فلسفہ کو اہل ہند نے اپنی عقل لڑا کر محدود یا گھٹیا کر دیا۔ بہرحال مسلمان آواگون کے فلسفہ سے متاثر نہ ہوئے۔ البتہ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد عبداللہ بن سبا نے ایک شوشہ چھوڑا، کہ حضرت علیؓ ہی دابۃ الارض ہیں۔ اور ان کے ساتھ انصاف نہیں ہوا۔ اس لئے وہ زمین سے باہر نکلیں گے اور دوبارہ دنیا میں حق کی حکومت قائم کریں گے۔ لیکن قرآن پاک میں دابۃ الارض اچھے معنی میں نہیں استعمال ہوا اور وہ ایک جانور کا ذکر ہے جو بھانت بھانت کی بولیاں بولے گا۔ یہ ایک استعارہ یا اشارہ بھی ہو سکتا ہے کہ

آجکل باطل فلسفہ کے دانشوروں نے انسان کو بھی ترقی پسند بوزنہ بنا دیا ہے اور یہ "ترقی پسند" مادیت کے چکر میں بھانت بھانت کی بولیاں بول رہا ہے اور واقعی مادیت کا یا زمین کا کیڑا ہے۔ اس لئے دابۃ الارض یہ "ترقی پسند" ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں نے اس زمانے میں بھی عبداللہ بن سبا کو منہ نہ لگایا اور یہ ماڈرن مسلمان اور ترقی پسند یا باطل فلسفوں کے پیروکار بھی اسلام کی روح کو نہیں سمجھتے۔

موت کا دوسرا نظریہ مادہ پرستوں کا پیش کردہ ہے۔ یہ لوگ دہریئے ہیں اور خدا کی ذات اور روح کے منکر ہیں۔ سوشلسٹ ممالک کے علاوہ اور بھی کافی لوگ اس نظریہ کے قائل ہیں کہ حیات بعد الموت کی کسی صورت میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ایسے لوگ دنیا میں کافی تعداد میں موجود ہیں اور ان کو اس زمانے میں بڑی دنیاوی کامیابیاں بھی نصیب ہوتیں ہیں۔ اس وجہ سے اہل اسلام میں ایک گروہ پیدا ہو گیا ہے۔ جو ان سے متاثر ہے۔ گو ایسے لوگ کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کے وجود سے انکار نہیں کرتے مگر حیات بعد الموت کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہ لوگ قیامت جزا و سزا اور جنت و دوزخ کو بھی استعارے سمجھتے ہیں اور سر سید احمد ان میں شامل ہے اور کہہ دیتے ہیں "اے جہان وڈا مٹھا اگلا کسے نہ ڈٹھا" یعنی یہ جہان بہت میٹھا ہے اور اگلا جہان کسی نے نہیں دیکھا۔ ایسے لوگ بڑے خطرناک ہیں۔ یہی لوگ جنت ارضی کے باپ ہیں۔ ان کے ہر بیان اور عمل پر کڑی نظر رکھنی چاہیئے۔ اسلامی معاشرہ میں یہ لوگ ناسور کی طرح ہیں۔ اور آج ہمارے نوے فی صد لوگ جنہوں نے "دانشوری" کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے ان کا تعلق اس گروہ کے ساتھ ہے۔ کہ جنت ارضی کے چکر میں ہیں۔ یا کم علمی ہے۔ کتنی افسوسناک بات ہے کہ سر سید کے عقائد کے جانتے ہوئے لوگوں نے اس کو سر کا تاج بنایا ہوا ہے۔ میرے لحاظ سے سر سید یا ابو جہل کی طرح ہے یا عبداللہ بن ابی منافق کی طرح ہے۔

## موت کے نظریئے

37 ۔ موت کا تیسرا نظریہ جو دراصل یونانی فلسفہ کی پیداوار ہے اور اب یہودی یا نصرانی لوگوں میں بھی پھیل چکا ہے، کہ مرنے کے بعد انسان کو آخری آرامگاہ میں سلا دیا جاتا ہے اور



قیامت تک انسان وہاں ہی سوتا رہتا ہے۔ روز محشر انسان کو جب اٹھایا جائے گا تو اچھے یا برے اعمال کی وجہ سے جنت یا دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ بد قسمتی سے مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ بھی نصرانیوں کی پیروی کرتے ہوئے اس نظریہ سے متاثر ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ مرنے کے بعد اس جہان دنیا کی قبر کو سب کچھ سمجھنے لگ گئے ہیں اور قبروں پر لکھا ہوتا ہے "فلاں کی آخری آرام گاہ" یہ لوگ عالم برزخ میں انسانی طاقتوں کے ستر گنا بڑھ جانے کے حضور پاکؐ کے فرمان یا عالم برزخ کی وسعت یا معراج کے موقع پر حضور پاکؐ کے مشاہدات والی باتوں کو کچھ بھول گئے ہیں۔ اس میں نقصان یہ ہے کہ پہلے دو نظریوں کی طرح یہ نظریہ بھی "مقامی" ہوتا ہے اور اسلام کے فلسفہ حرکت یا سفر جاری اور صراط مستقیم پر رواں دواں رہنے والی باتوں کی نفی ہو جاتی ہے۔ یہودی اور نصرانی بھی اس غلطی کا شکار اس لئے ہوئے کہ غیروں کے فلسفوں سے اثر لے لیا۔ ورنہ صحیح بخاری کے مطابق تمام پیغمبر ایک دین پر ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ تمام نبیوں نے تو فلسفہ موت و حیات صحیح طور پر اس طرح واضح کیا جس طرح اسلام یا دین فطرت میں بیان ہے کہ ایک مسافر کی حیثیت سے انسان نے بلندیوں کی طرف پرواز کرنا ہوتا ہے اور قرآن پاک کے لحاظ سے حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کی تعلیم کا نام بھی منطق الطیر ہے یعنی پرواز کی بات ہے۔ اس لئے جب تک ہم غیروں کے فلسفہ حیات و موت سے نجات حاصل نہیں کرتے ہمیں اسلام کا نظریہ حیات و موت سمجھ نہ آئے گا۔

## اسلام کا نظریہ موت

38 ۔ اسلام کے لحاظ سے انسان ایک مسافر ہے اور وہ ازل سے ابد کی طرف سفر کر رہا ہے۔ وہ کسی مقام پر رکتا نہیں بلکہ ہمیشہ بڑھے چلا جاتا ہے۔ پڑاؤ کا ذکر جو کیا گیا ہے وہ کوئی پکا قیام نہیں بلکہ منزل کا لفظ استعمال کر کے وہ پڑاؤ ایک "سستانے" والی جگہ بن جاتی ہے تو مرنا انسان کا خاتمہ نہیں، نقل مکانی ہے جس کے مطابق وہ ایک ادنیٰ مقام سے اٹھ کر تکمیل شخصیت کے لئے ایک اعلیٰ مقام میں منتقل ہو جاتا ہے۔ حضور پاکؐ کا فرمان ہے "کہ اولیاء اللہ نہیں مرتے" مگر ایک اور روایت ہے جس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ "اسلام غربت سے اٹھا

اور پروان چڑھا۔ عنقریب غریبوں کی طرف پلٹ جائے گا اور آخری زمانے میں غریبوں کے ذریعے ہی ایک مرتبہ پھر غلبہ حاصل کرے گا" عربی میں غریب، مسافر کو کہتے ہیں اور اس روایت میں کارواں کا ذکر بھی ہے اور علامہ اقبالؒ بھی ہر زمانہ میں کسی قافلہ یا کارواں کا ذکر کرتے ہیں۔ تو یہ مسافر رواں دواں ہے اور موت سے ہماری ہلاکت ہر گز نہیں ہوتی۔

کشادر دل سمجھتے ہیں اس کو ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں ( اقبالؒ )

## موت اور نیند میں مماثلت

39 ۔ قرآن پاک میں ہے "اللہ قبض کرتا ہے نفس کو موت کے وقت اور جو نہیں مرتے ان کو نیند میں۔ پس جن پر موت قضیٰ ہوئی اسے روک لیتا ہے اور دوسروں کو ایک مقررہ وقت تک بھیج دیتا ہے، تحقیق اس میں سوچنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔" یہ آیت ربانی ہمیں بتاتی ہے کہ موت اور نیند میں بہت کچھ مماثلت ہے۔ نیند کے دوران انسانی ہستی ( نفس ) اس جسم سے الگ ہو کر بھی بدستور قائم رہتی ہے اور وہ عالم بالا اور عالم دنیا کی سیر کرتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جاگ اٹھنے کے بعد ہمیں اکثر باتیں بھول جاتی ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ خواب میں نفس انسانی اس جسد خاکی کو چارپائی پر چھوڑ کر کسی اور جسم، کے ساتھ زمان و مکان میں غوطے لگاتا ہے اور خوابی یا روحانی جسم میں حواس خمسہ پوری طرح کام کرتے ہیں۔ اور یہ خوابی جسم خوشی یا غم ہر چیز کو محسوس کرتا ہے۔ چنانچہ نیند کو سمجھنے کے بعد ہم موت کو بھی سمجھ سکتے ہیں کہ نیند کو موت کا بھائی کہا گیا ہے "النوم اخ الموت" نیند اور موت دونوں میں اللہ تعالیٰ نفس کو قبض کرتا ہے اور دونوں میں انسانی ہستی اپنی جگہ پر قائم رہتی ہے۔

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے ( اقبالؒ )

## جسم کی حقیقت

40 ۔ یہ جسم خاکی یا جسم یا بدن جس پر بیٹھ کر مسافر حیات سفر کر رہا ہے اور جس کے ختم ہونے کا غم اسے کھائے جا رہا ہے اصل میں کوئی مستقل حیثیت نہیں رکھتا۔ البتہ یہاں پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ جسم، نفس، بدن، روح، قلب اور دل وغیرہ کے الفاظ جو انسان کے



وجود کے لئے استعمال ہوتے ہیں ان کو بزرگوں نے اپنے خیالات یا تصورات کے لحاظ سے استعمال کیا ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ہماری مختلف حالتوں کے لئے نفس کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جو ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ یعنی انسانی جسم ایک گاڑی ہے اور روحانی نفس اس پر سوار ہو کر اس کو چلا رہا ہے۔ گیارھویں صدی عیسوی کے مشہور مسلمان دانشور، عالم دین اور فلاسفر امام غزالیؒ انسانی نفس اور انسانی زندگی کے فرق کی یہ وضاحت کرتے ہیں کہ زندگی تو مختلف عناصر کے باہمی ملاوٹ اور کیمیائی رد عملوں کا شاخسانہ ہے۔ لیکن انسانی نفس تو ایک "توانائی والا عنصر" ہے جو زندگی سے الگ ہے۔ اور یہ انسانی شخصیت کو متعین کرتا ہے۔ اور یہ نفس تو ضروری طور پر "خود" یا "ذات" ہے جو جسم کے مادی عنصر سے مختلف یا الگ و تھلگ ہے کہ مادر رحم میں جو نطفہ قرار پکڑنے کے بعد خون کے لتھڑے سے انسانی شکل اختیار کرتا ہے تو مادر رحم کی ان ارتقائی منزلوں کے دوران اللہ تعالیٰ اس نفس کو ہونے والے بچے کے جسم میں ودیعت کر دیتا ہے۔ تو یہ نفس کوئی ساکن عنصر نہیں۔ بلکہ اثر آفرین ایک زندہ شے یا حقیقت ہے جو وقت کے دھارے کے ساتھ اپنی مرضی سے ارتقائی منزلیں طے کرتا رہتا ہے۔

## موت کے بعد

41 ۔ انسانی جسم دراصل ایک پنگورا یا سواری یا گاڑی ہے۔ جس میں رہتے ہوئے انسانی نفس پیدائش کے بعد یعنی دنیا میں ظاہر ہونے کے بعد بھی ارتقائی منزلیں طے کرتا رہتا ہے۔ اور اس دنیاوی زندگی میں اس نفس کے لئے معراج یا عروج بھی ہے اور تنزل یعنی گراوٹ بھی ہے۔ لیکن انسانی جسم کے معدوم ہو جانے یعنی موت کے بعد نفس میں مزید ارتقا کی قابلیت ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن سفر جاری ہے۔ تو پھر اسی سفر پر وہ اسی حالت میں آگے چلتا رہے گا۔ جو کچھ دنیاوی زندگی میں حاصل کر لیا تھا۔ اور یہ سفر بڑا ہی دراز ہے اور حضرت علیؓ کے جس بیان کا پہلے ذکر ہو چکا ہے اس کی ہم آخر میں مزید وضاحت کریں گے۔ یعنی موت کے بعد اپنے اعمال کے طریقہ کار یا راستے کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اور ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیؐ نے فرمایا کہ

آخرت میں بدلہ کا انحصار ہماری زندگی یا نفس کی اس روحانی حالت کے مطابق ہوگا۔ جس حالت میں ہم موت میں ہوں گے۔ وہ سب کچھ بہت اچھا ہوتا ہے جس کا خاتمہ اچھا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ہر نماز کے بعد ہم اپنے نیک خاتمہ کی دعا کرتے ہیں۔ اس لئے بہت بہتر ہے کہ ابھی ندامت کر کے صراط مستقیم پر واپس آجائیں اور جیسا کہ نظام حکومت والے مضامین میں باور کرایا گیا ہے کہ انقلابوں یعنی پیچھے مڑنے یا گمراہی کے چکروں میں نہ پڑیں۔ اس پر عمل کریں جو ہمارے آقاؐ فرما گئے۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ہمارے آقاؐ نے فرمایا۔ یہ جہان دنیا پیچھے کی طرف جارہی ہے اور آخرت یا عالم امر آگے بڑھ رہے ہیں۔ دونوں کی اولادیں ہیں۔ اور تم آخرت کی اولاد بنو۔ اس دنیا میں (برا یا بھلا) عمل ہے۔ لیکن حساب کتاب نہیں۔ آخرت میں حساب کتاب ہے۔ لیکن عمل کا وقت گزر چکا ہوگا۔ اور کچھ بزرگ یہ بھی کہہ گئے ہیں کہ یہاں جو کچھ بہت سستا حاصل ہو سکتا ہے۔ وہاں لاکھوں گنا قیمت سے بھی حاصل نہ ہو سکے گا۔ آؤ! اس دنیاوی زندگی کو اللہ کی آمریت کے مطابق ڈھالیں اور دوزخ کی آگ سے بچیں۔

## مادی جسم

42 ۔ حالانکہ یہ زندگی چند روزہ ہے۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے جو ہمارے مادی جسم کی تخلیق کی ہے، اس کا مطالعہ کر کے سائنس دان حیران ہو جاتے ہیں۔ زندگی مختلف ذروں (ایٹم) کے الگ [illegible] کیمیائی اتصال یا ترتیب کے نتیجہ کا مظہر ہے۔ بدن کا ایک زندہ خلیہ بناوٹ میں ایک عجوبہ و مرکبات اور تصنع کا ایک شاہکار ہے۔ اور ان خلیوں میں جو اور چھوٹے چھوٹے ریزے ہوتے ہیں وہ بہت طاقتور خوردبین سے بھی مشکل سے نظر آتے ہیں۔ لیکن حیرانگی کی بات یہ ہے، کہ ان میں سے ہر ایک ریزہ از خود اپنے اندر اس انسان کی پوری شخصیت کو ودیعت کئے ہوئے ہوتا ہے لیکن یہ سب کچھ روحانی نفس کی وجہ سے ہے۔ مادی جسم کی اپنی کوئی حقیقت نہیں کہ لحظہ ولحظہ وہ کچھ نہ کچھ بدلتا رہتا ہے۔ ہر لمحہ اس میں جو خون پیدا ہوتا ہے، وہ خون ایک سو بیس دن بعد باری باری گل سڑ جاتا ہے۔ یعنی خون کی عمر ایک سو بیس دن یا اس سے کچھ کم ہے اور خون کے



خلیوں سے جو جسم بنتا ہے وہ بھی روزانہ اس حساب سے کچھ نہ کچھ ادھر جاتا ہے یا ختم ہو جاتا ہے اور دس سال کے عرصہ میں ہڈیوں سمیت پورا بدن تبدیل ہو چکا ہوتا ہے۔ اس معاملہ کو سوچا جائے تو مادی دنیا اور مادی جسم کی حقیقت سمجھ میں آجاتی ہے کہ یہ بڑی "وقتی" چیزیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اللہ تعالیٰ نے اگایا، تم کو زمین سے ایک قسم کا اگانا پھر لوٹاتا ہے تمہیں اس میں اور نکالتا ہے، ایک قسم کا نکالنا" گویا یہ زمین میں لوٹانے اور نکلنے والا معاملہ موت تک جاری رہتا ہے اور مرنے پر جسم کی آخری کھیپ کو اس طرح زمین کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ خواہ قبر ہو یا کسی اور جگہ ذرہ ذرہ ہو جائے تو اس دنیاوی سوار یا سواری (بدن) کے ساتھ محبت بڑی وقتی قسم کی ہونی چاہیئے۔

## روحانی جسم

43 ۔ چنانچہ اس موجودہ جسم کے علاوہ ہم اس دنیا میں ایک اور جسم بھی رکھتے ہیں جس کو ہم خوابی یا روحانی جسم کا نام دے چکے ہیں۔ اس جسم کا تعلق عالم بالا کے ساتھ ہے۔ وہ چند لمحوں میں زمین کے گرد گھوم کر آسمان کی بلندیوں کی سیر کر کے واپس آجاتا ہے۔ موت کے وقت یہی روحانی بدن اپنا عارضی تعلق اس دنیا سے ختم کر دیتا ہے۔ اگر مرے ہوئے اپنی آواز کو سنا سکتے تو عزیز و اقارب کو ماتم کرنے سے ضرور منع کرتے۔

## مومن کو موت کا تحفہ

44 ۔ حضور پاکؐ نے اس دنیا کو قید خانہ کا نام دیا کہ موت کے بعد مومن آزاد ہو جاتا ہے۔ اس دنیا میں صرف شیطان آزاد ہے اور اسلام کسی مادر پدر آزادی کی اجازت نہیں دیتا۔ تو موت کے بعد مومن اس طرح آزاد ہوتا ہے کہ اس کی طاقتیں ستر گنا بڑھ جاتی ہیں۔ دراصل ستر گنا بھی ایک اصطلاح ہے جس کے معنی بہت اور بہت زیادہ کے ہیں۔ حضور پاکؐ نے مزید فرمایا کہ موت مومن کو تحفہ کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔

نشان مرد مومن با تو گویم — چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

## شہادت .

45 ۔ شہید کے سلسلے میں البتہ ہمارے دانشور اور عالم کافی کچھ لکھ چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے ، کہ ایک یہ پہلو قوم کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوا ۔ اس لئے ہم شہادت کے فلسفہ کو اور زیادہ بیان نہ کریں گے ۔ کہ اس وسیع مضمون کو میں اپنی کتاب " حضور پاکؐ جلال وجمال " میں تفصیل سے بیان کر چکا ہوں ۔ ہاں البتہ چند غلط باتوں کی طرف قارئین کی توجہ دلائیں گے شہید وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑ کر شہادت حاصل کرے ، اپنی بسوں اور لاریوں یا عمارتوں کو آگ لگانے والوں یا فتنہ وفساد کرنے والوں میں سے جو مرجائیں انہیں شہید نہیں کہا جاسکتا اور شہادت کے سلسلہ میں کسی کو شہید وطن کہنے یا اپنا آج ہمارے کل پر قربان کرنے والی اصطلاحوں کی اسلام میں کوئی جگہ نہیں ۔ اور افسوسناک بات ہے کہ یہ کیونزم کی اصطلاح لاہور کے مشرق میں ان شہیدوں کی یادگاروں سے پہلے ایک بورڈ پر لگی ہوئی ہے ۔ جو ستمبر 65 میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان ہوگئے ۔ مولوی عبدالمجید سالک کا کا یہ شعر کہ شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے ۔ وہ بھی لفظی لحاظ سے غیر اسلامی ہے کہ شہادت کو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ منسوب کیا جائے ۔ غیروں سے اثر لینے والے ادیبوں سے گزارش ہے کہ وہ خدارا اسلام میں اپنے باطل گھوڑے نہ دوڑائیں ۔ شہادت صرف اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کی راہ میں ملتی ہے بشرطیکہ اس میں عشق صادق ، اخلاص اور حسن نیت موجود ہوں ۔ راقم اپنی تمام کتابوں میں یہ پہلو واضح کر چکا ہے کہ حضور پاکؐ کی تربیت یافتہ رفقاءؓ کے زمانے میں جو فتوحات حاصل ہوئیں ۔ وہ اس وجہ سے ہوئیں کہ مسلمانوں نے اس قسم کے فلسفہ حیات کو اپنایا لیکن یہاں پر ایک اور پہلو کی وضاحت کی بھی ضرورت ہے کہ ہم اہل مغرب اور کئی دوسرے مفکر آج ان سوالات میں الجھے ہوئے ہیں کہ وہ کیا ہیں ؟ کہاں سے آئے ہیں ؟ اور کہاں جائیں گے ؟ اس لئے بھی یہ ضروری ہے کہ ان لوگوں کی طرح پریشان ہونے کی بجائے ہم یہ چیز سمجھیں کہ " میں کیا ہوں ؟ " کہ حضور پاکؐ نے فرمایا کہ " جس نے پہچانا اپنے نفس کو اس نے پہچانا اپنے رب کو " ۔



## میں کیا ہوں ؟

46 ۔ جب ہم عقلی اعتبار سے اپنی ذات کا مشاہدہ کرتے ہیں تو اس میں ہمیں کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جس پر تصور ٹھہر سکے اور جسے کہا جائے کہ یہ میری ذات ہے ۔ باوجود اس کے کہ احساس ذات (Self) ایک حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں ۔ بہرحال انسانی ذات کے بغیر عشق ووجدان کو بھی نہیں سمجھا جاسکتا ۔ مشہور مغربی مفکر ڈیکارٹ نے کہا تھا " چونکہ میں فکر کرتا ہوں اسلئے میں ہوں " لیکن حکیم الامت نے فرمایا " چونکہ میں عشق کرتا ہوں اس واسطے ہوں " یہ عشق نہ صرف زندگی میں استحکام پیدا کرتا ہے بلکہ موت کے بعد بھی " زندگی " کی ضمانت دیتا ہے ۔ زمانہ اس کا غلام ہے کیونکہ وہ زمانے سے بالاتر ہے اور روح کا حقیقی جوہر ہے صاحب عشق " سمانہ سکا دو عالم میں مرد آفاقی " کے مصداق زمین وآسمان ، حشر ونشر ، حتیٰ کہ جنت اور دوزخ کو بھی اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے کوئے یار کیطرف گامزن ہے ۔ زمانے کے تھپڑ اس کے قدموں میں لغزش پیدا نہیں کر سکے کیونکہ وہ اپنے سینہ میں ایک سیلاب لئے پھرتا ہے ۔

مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ   عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو   عشق خود ایک سیل ہے ، سیل کو لیتا ہے تھام (اقبالؒ)

آگے چل کر ہم عملی طور پر واضح کریں گے ، کہ شخصیت میں جب تک عشق کا ظہور نہ ہو ، انسان اس دنیا میں بھی اور عالم امر میں بھی حیران وسرگرداں رہتا ہے اور اپنی ہستی یا ذات کو نہیں پہچان سکتا ۔ جہاں عشق کا ظہور ہو جائے وہاں سب نقاب اٹھ جاتے ہیں ۔ حضور پاکؐ کے رفقاءؓ نے کس طرح اپنی جانیں قربان کیں اور میدان جنگ میں ان کو کیسا لطف آتا تھا ۔ اور آج بھی ایسا ہوسکتا ہے ۔

سرور جو حق و باطل کا کارزار میں ، ہے   تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہیے (اقبالؒ)

## غلامان محمدؐ

47 ۔ راقم خود ایسا نظارہ دیکھ چکا ہے کہ میرے ساتھیوں اور ماتحتوں نے تھرتھراتے ہوئے آسمان سے گرجتے ہوئے جہازوں ، لہراتی ہوئی زمین پر بے پناہ بمباری اور دشمن کی ٹڈی دل فوج

کے حملہ پر حملہ کا جواب نعرہ تکبیر اور نعرہ حیدری سے دیا۔ جو کچھ میرے ساتھیوں نے کیا یہ عشق
کے بغیر ناممکن تھا اور یہ ان کو اس لئے نصیب ہوا کہ وہ حضور پاکؐ کی محبت سے لبریز میدان
جنگ میں اترے تھے اور اپنے عشق کا امتحان دے کر آج لاہور کی ایک گمنام جگہ پر ایک شہید گنج
میں دفن ہیں۔ اس زمانے میں قوم سے یہ قربانی پوشیدہ رکھی گئی اور لاہور یا کسی اور جگہ کسی
سڑک کو بھی ان شہدا کے ناموں سے منسوب نہ ہونے دیا۔ بے شک لاہور کو بچانے والے ان
شہدا کی جزا اللہ کے ہاں ہے۔ ان کی شہادت کے دو سال بعد قوم کو ان کے بارے میں بتایا گیا۔
بڑی مشکل سے میں ان میں سے چند کو ستارہ جرأت دلوا سکا۔ لیکن اس عظیم قربانی پر میں نے
ایک مسودہ لکھا۔ جس کی ہزاروں کاپیاں بنوا کر حاضر نوکری والوں اور پنشروں میں بانٹ دی
اور 1967ء میں اعلان کر دیا کہ اخباروں میں ان قربانیوں کے ذکر کی اجازت دی جائے۔ ورنہ
قوم کو جو ستمبر 65 کی جنگ کے بارے میں جھوٹ مار کر بے وقوف بنایا گیا ہے۔ میں یہ سب
پردے اتار دوں گا اور اب تو میں نے جھوٹوں سے پردے اتارنے شروع کئے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ
شہدا میرے پاس بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں۔ ان کی سترہ دن کمانڈ کر کے یا ان کی صحبت میں رہتے
ہوئے اللہ تعالیٰ نے میرے قلب و نظر سے کچھ ناپاکی کو ہٹا دیا ہے کہ اب زمانے کے حوادث سے
پردے ہٹا رہا ہوں اور کلمہ حق لکھ رہا ہوں۔

## تصور کا دوسرا رخ

لیکن افسوس کہ دنیا کی محبت، عالم اسلام پر ایک جنون کی طرح سوار ہے اور
مسلمانوں کی روح کا ذرہ ذرہ دنیاوی مفادات میں گھس گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں مسلمانوں
نے موت سے ڈرنا شروع کر دیا ہے۔ اصل میں یہ سازش بنو امیہ کے زمانے سے شروع ہو گئی
تھی۔ یزید بن معاویہ کا بیٹا خالد جس کو مروان نے خلیفہ نہ بننے دیا پہلا مسلمان فلسفی بھی کہا جاتا
ہے۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں میں ایسے گروہ نہ تھے کہ فلاسفر کون ہے اور ادیب کون ہے۔
اسلام میں شرط ہی حضور پاکؐ کا عشق اور غلامی تھی۔ تاہم غیروں سے اثر لیتے ہوئے ان فلاسفر



قسم کے لوگوں نے مسلمانوں کو زندگی سے محبت کرنا سکھایا اور موت سے نفرت کا درس دیا۔
اس میں حکمران طبقے کا بھی ہاتھ تھا کہ "وہ فاقہ کش جو موت سے نہیں ڈرتا اس کے اندر سے روح
محمدؐ نکال دی جائے" اس سب کاروائی کا نتیجہ بعد میں سقوط بغداد اور صلیبیوں کی یلغار کی صورت
میں نکلا کہ ایک منگول نے چالیس چالیس آدمیوں کو ذبح کر دیا بلکہ حکم دیا کہ اس کے تلوار
لانے تک وہ لیٹے رہیں اور چالیس میں سے ایک دو افراد نے فرار اختیار کیا ورنہ سب ڈر سے لیٹے
رہے اور بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر دیئے گئے۔ ہمیں ان واقعات سے سبق سیکھنا چاہیئے کہ اسلام
غیرت کی زندگی کا درس دیتا ہے اور بھیڑ بکری کی طرح مرنا غیر اسلامی ہے۔ حیات دنیا کی حرص
اور موت سے فرار کے اثرات ہر زمانے میں ہم پر پڑتے رہے اور ہر عقیدہ جو موت سے نفرت کا
باعث بنتا ہے وہ غیر فطری بھی ہے اور غیر اسلامی بھی۔ اس خیال خام کو اپنے دل سے نکال دیں
کہ حیات انسانی کا مقصود صرف یہی چند روزہ زندگی ہے اور اس کا انجام صرف لحد کی تاریکی ہے
خواہ اس میں قیامت تک سونا ہو یا بعد تک۔ ایک مسافر الی اللہ کی شایان شان نہیں ہے کہ وہ
قیامت تک زمین کی تاریکیوں میں سویا رہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی دنیاوی زندگی کے
آخری ایام میں اکثر آہ بھر کر فرمایا کرتے تھے "سفر دراز ہے اور زاد راہ کم" یہ کون سے طویل سفر
کی طرف اشارہ تھا؟ حالانکہ دنیاوی سفر تو آپؓ ختم کرنے والے تھے۔ بلاشبہ یہ اسی سفر کا ذکر تھا
جس پر انسانی قافلہ آگے ہی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ ان مضامین کا ایک بڑا مقصد علم کے شہر
کے دروازے اور میرے جد امجد نے ایک فقرہ میں دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔

## اختتام

49۔ اسلامی فلسفہ حیات کا مضمون بہت وسیع ہے۔ دراصل ساری بات ہی یہی ہے کہ
زندگی کس طرح گزاری جائے۔ ہم نے اس کا مختصر سا جائزہ پیش کر دیا ہے کہ انسان کہاں سے
آیا اور کہاں جا رہا ہے کہ اس زمانے میں اسلامی فلسفہ حیات کے تحت کیسے زندگی گزاری جائے
اور حکومت و لوگوں کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ وہاں اسلامی نظام حکومت کا ڈھانچہ بھی دیا گیا ہے

کہ اسلامی فلسفہ حیات کے تابع اور کون کون سی مدیں آتی ہیں اور اس اصول کے تحت قوم کو
کیسے اللہ کی فوج اور حزب رسولؐ بنایا جاسکتا ہے۔ یہ نچوڑ پیش کرنے میں کئی مقاصد تھے۔ کہ
ہم نے غیروں سے کچھ نہیں سیکھنا۔ بلکہ ہم دنیا کے وارث ہیں۔ اور ہمیں غیروں کی رہنمائی کرنا
چاہیئے۔ ہم اپنی مرعوبیت بھی ختم کریں اور ماضی کے اعمال پر ندامت کریں۔ میں نے موزانہ
کرکے ثابت کیا، کہ غیروں کے فلسفہ حیات کتنے بودے ہیں۔ یہ بھی ثابت کیا کہ سائنس اپنی
کئی غلطیاں اور غلط فہمیاں دور کرکے آہستہ آہستہ قرآنی علوم کے انکشافات تک پہنچ رہی ہے۔
اور قرآن پاک اور حضور پاکؐ کی سنت تمام علوم کا سرچشمہ ہے۔ تمام بیانات میں نہ کسی جگہ
جمہوریت کا ذکر ہے نہ سیاست کا۔ اللہ تعالیٰ کا امر ہر جگہ اور ہر وقت حاوی ہے۔ اور زندگی کے
تمام پہلوؤں کا بیان ہوگیا ہے۔ احادیث مبارکہ کے ساتھ بھی پورا انصاف نہیں ہوسکا۔ اور
جناب علیؓ کی بیان شدہ احادیث میں اتنا علم ہے کہ ہمارا اسلام وہ ہونا چاہیئے جو حضرت علیؓ کا تھا
یہ عاجز اختصار کے طور پر چند اسباق لکھے گا۔ ہمیں رب العالمین کی ربوبیت کے اس پہلو کو سمجھنا
چاہیئے کہ وہ سب عالموں کے رب ہیں۔ ہمیں رحمتہ العالمین کی رحمت کو اس طرح سمجھنا چاہیئے
کہ وہ سارے عالموں کے لئے رحمت ہیں۔ اور ذرہ ذرہ ان کی رحمت کا محتاج ہے۔ اس لئے مقام
مصطفیؐ کے سلسلہ میں عاجزی سے کام لیں۔ ہمیں اصحابہ ثلاثہؓ کے مقام کو سمجھنا ہوگا۔ اور ان
کے لئے وہی رویہ اختیار کریں۔ جو علم کے شہر کے دروازے حضرت علیؓ نے اپنایا۔ ہمیں
ہوریت اور سیاست سے توبہ کرنا چاہیئے اور سیاستدانوں کو اسلام سے چھٹی دینا چاہیئے خواہ وہ
رون اولی کے معاویہ صاحب ہوں یا عمرو بن عاص یا اس زمانے کے خر بازاری والے سیاستدان
پھر دیکھ لیتا نہ صرف بریلوی، دیوبندی جھگڑے ختم ہوجائیں گے۔ بلکہ شیعہ سنی جھگڑے بھی
ختم ہوجائیں گے۔ اور ہم فقہ وحدت کے پیروکار بن کر فقہ عسکریت پر عمل کریں گے اور جہاد کو
طرز زندگی کے طور پر اپنالیں گے۔ جس کے تقاضوں کی جھلکیاں پانچویں باب میں ہیں۔ لیکن
پہلے توبہ اور ندامت کریں۔



تیسرا باب

# صراط مستقیم اور اہل حق کی رہبری

## نشاندہی

1 ۔ انسان کے مرکز کائنات ہونے اور صراط مستقیم کے سلسلہ میں پچھلے باب میں کچھ
نشاندہی ہوچکی ہے کہ اللہ تعالی نے اپنی مخلوق کو اسلیئے پیدا کیا کہ وہ پہچانا جائے۔ ہم نے انسان
کو مرکز کائنات قرار دیا لیکن یہ وضاحت ضروری ہے کہ کائنات کی کافی چیزوں کو انسان سے پہلے
پیدا کیا گیا۔ بلکہ کچھ خاص مخلوق کو بھی انسان سے پہلے پیدا کیا گیا۔ ان میں فرشتے اور جن یا
شیطان شامل ہیں۔ ظاہر ہے کہ دولھا کو سامنے لانے سے پہلے کچھ تیاری کی جاتی ہے اور باقی لوگ
دولھا کے سامنے ہونے سے پہلے کچھ بندوبست کرتے ہیں۔ اسلئے فرشتوں کو پہلے پیدا کرنے میں تو
مقصد اپنے کردار پیدا کرنے تھے، کہ فرشتے ایک مشین کی طرح ہیں اور بالکل خیر ہی خیر ہیں۔
یعنی اللہ تعالی کے احکام کی پابندی اور اللہ تعالی کی عبادت کے بغیر کچھ سوچ ہی نہیں سکتے۔

## شیطان اور شر

2 ۔ فرشتوں کے بعد اور انسان سے پہلے شیطان کے پیدا کرنے میں کیا حکمت تھی، یہ چیز قرآن
پاک اور احادیث مبارکہ یا کسی تفسیر میں کھل کر واضح نہیں کی گئی۔ البتہ یہ روایت ہے، کہ
شیطان کو انسان سے پہلے پیدا ضرور کیا اور اس نے زمین کے چپہ چپہ پر اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا لیکن
اس کے دل میں حرص اور خودغرضی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس کو زمین پر خلیفہ مقرر کرے۔ حالانکہ
شیطان فرشتوں کے مراتب تک پہنچ گیا تھا۔ لیکن اس کی خلافت کی امید پوری نہ ہوئی اس لئے
حسد نے اس سے نافرمانی کرائی۔ اور آج وہ راندہ درگاہ ہے اور شر کا سرغنہ۔ لیکن یہ سب کچھ اللہ
تعالیٰ کی مرضی سے ہے کہ خیر اور شر دونوں ایک ہی اللہ کی طرف سے ہیں کہ غیروں کی طرح
اسلام میں خیر اور شر کے الگ خدا نہیں ہیں۔ فرشتے خیر ہی خیر ہیں اور شیطان شر ہی شر۔

3 ۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو مخلوق کو پیدا کیا کہ وہ پہچانا جائے ۔ تو انسان کو یہ شرف دیا کہ پہلے اس کو خیر یعنی امر ربی سے آگاہ کیا ۔ اور پھر شیطان اور شر کو بھی ساتھ تیار رکھا کہ وہ بھی انسان کے سامنے ہو ۔ اور اس کے لئے "مواقع تقدیر" پیدا کئے کہ خیر اور شر میں فرق کر کے بہتر ہے اپنے لئے خیر یا صراط مستقیم چن لے ۔ اللہ تعالیٰ کے لئے تو یہ سب کھیل و تماشہ ہے ۔ لیکن اس نے کچھ اصول وضع کئے ۔ اور تمام فیصلے پہلے سے کر دیئے کہ یہ کھیل و تماشہ کس طرح چلے گا ۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کے ان اصولوں کی کچھ نشاندہی اسلامی فلسفہ حیات کے مضامین کے تحت کر دی کہ ہم کون ہیں، کہاں سے آئے ہیں کہاں جا رہے ہیں اور ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں ۔ کہ ان کو پورا کرنے کے لئے اپنے نفس کو پہچانیں تو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت بھی سمجھ میں آجائے گی اور مقام مصطفیٰ کے سلسلہ میں عاجزی کے پہلو کے سمجھنے کے اثرات ہوں گے ۔ کہ ہمیشہ الفاظ اور اصطلاحات کا صحیح استعمال کریں ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی سورۃ نسا آیت ۴۶ میں لفظ "راعنا" کی بجائے دوسری اصطلاحات استعمال کرنے کو کہا کہ اس لفظ کی ادائیگی کے لہجہ میں فرق سے بھی بے ادبی ہو جاتی ہے ۔ لیکن ہم ہیں کہ بغیر سوچے سمجھے بعض دفعہ جوش خطابت، یا قلم کے فخر یا لاعلمی یا اپنے خیالات کو لگام نہ دینے سے بڑی غلطیاں کر جاتے ہیں ۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ معاف کرے بعض لوگوں کی نیت بھی ٹھیک ہوتی ہے سہاں دو مثالیں دیتا ہوں کہ ہماری بد قسمتی ہے کہ جب کوئی لفظ منہ سے نکال دیں ۔ بس اس کو حرف آخر کہتے ہیں ۔ ور اگر کوئی غلطی بتلائی جائے تو اپنی بات کے حق میں تاویلیں پیش کرنا شروع کر دیتے ہیں ۔

## سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے

4 ۔ ہماری مسجد میں بچوں کو قرآن پاک پڑھانے کا درس تو کافی سالوں سے چل رہا تھا ۔ اس کو آگے بڑھانے کی ایک بہت بڑی تقریب ہوئی اور ایک بہت بڑے عالم کو افتتاح کے لئے بلایا گیا ۔ ان کی تقریر کا لب لباب یہ تھا" کہ یہاں تک تو ہم پہنچ گئے ہیں ۔ اب آگے اے اللہ ہماری مدد کر" تقریب میں جب چائے کا دور ہوا ۔ تو ان صاحب کو میں نے جا کر خاموشی سے گزارش کی، کہ



آئندہ کے لئے یاد رکھیں بہترین الفاظ یہ ہوتے ۔" اے رب العالمین! تیری بڑی مہربانی اگر یہاں تک اپنی رحمت سے پہنچا دیا ہے تو آگے اور مہربانی فرمانا" لیکن وہ صاحب کہنے لگے آج تک ان کی کسی نے، غلطی نہیں نکالی ۔ تو کون ہوتا ہے غلطی نکالنے والا اور کس درس میں پڑھے ہو، جہاں یہ سوچتے رہتے ہو کہ کسی کی غلطیاں نکالتے رہو گے ۔ یعنی وہ صاحب ہر اچھے کام کو اللہ کی طرف منسوب کرنے پر بھی تیار نہ ہوئے ۔ یعنی اپنی بات کی معمولی اصلاح کرنے پر بھی تیار نہ تھے ۔

## خاک را بہ عالم پاک

5 ۔ ٹی وی پر ایک بہت بڑا عالم درس دیتا تھا ۔ واقعہ کربلا زیر بحث تھا ۔ کہنے لگا ہمارے پیغمبر ایک بہت بڑا انقلاب لائے ۔ ہر انقلاب کو رد کرنے کی سعی ہوتی ہے ۔ اور یزید نے اس انقلاب کو رد کرنے کی کوشش کی ۔ لیکن امام حسینؓ نے اس کی کوشش کامیاب نہ ہونے دی ۔ یہ باتیں چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں اس طرح بیان کی جارہی تھیں کہ لوگ بے چارے سر دھن رہے تھے ۔ میں نے ٹی وی والوں کو خط لکھا ۔ کہ اول تو اسلام انقلاب نہیں ۔ صراط مستقیم ہے پھر حضور پاکؐ جو کچھ لائے، تو ان کے مقابلہ میں یزید کو آکر کھڑا کرنا" کہ نسبت خاک را بہ عالم پاک" والی بات ہے سہاں پر ذبح عظیم کو بیان کرنے کے لئے راہ حق کے لئے اتنی بڑی قربانی ۔ یا اسلامی فلسفہ حیات و موت کی صحیح سمجھ، اور یزید کے فاسق و فاجر ہونے کی باتوں کو پرزور طور پر بیان کرنا ہی کافی رہتا ۔ یہ موازنہ ٹھیک نہ تھا ۔ ٹی وی والوں کا جواب تھا، کہ ان عالم سے مشورہ کے بعد اور ان کے خیال کے مطابق بھی یہ طرز بیانات ہیں اور ہر کسی کا اپنا اپنا طریقہ ہے وہ عالم اس واقعہ کو جس طرح صحیح سمجھے بیان کر دے ۔ اس پر اعتراض کی گنجائش نہیں ۔ یعنی یہ انقلاب، ہم پر ایسا سوار ہو چکا ہے کہ انقلاب کی ضرورت کو ہر جگہ گھسیٹتے رہتے ہیں ۔ میرا مقصد اصلاح تھی ۔ لیکن میں ناکام رہا ۔

## ناسمجھی

6 ۔ روزنامہ اخباروں یا تحریروں میں میرے سامنے ایسی بہت باتیں آتی رہتی ہیں ۔ اور مجھے ان

لکھنے والوں کی نیتوں پر ہر گز شک نہیں ہوتا ۔ لیکن یہ بڑی بد قسمتی ہے کہ ہمارے بیچ وحدت فکر پیدا کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ۔ اور ہم بھانت بھانت کی بولیاں بول رہے ہیں ۔ اور ٹی وی پر قائداعظم کا ایک بیان آتا ہے کہ ہمارے مذہب میں بھی جمہوریت ہے ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ لوگوں کے فیصلے بھی ہمارے مذہب کا حصہ ہیں ۔ اب ظاہر ہے کہ قائداعظم نے خود پڑھا، یا ان کو بتایا گیا، کہ اسلام میں بادشاہت کا کوئی تصور نہیں ۔ اور جانشین کو چنا جائے یا انتخاب ہو، وہاں اہلیت اور تقویٰ کا خیال ہوگا ۔ لیکن کیا اسلام میں اس خربازاری والی جمہوریت کی کوئی گنجائش ہے؟ یا اس سیاست افرنگ کو اللہ کی آمرت کا حریف بنایا جاسکتا ہے؟ جہاں ایک ابلیس کے مقابلے میں اس خاک یا مادیت نے دو ہزار ابلیس پیدا کردیئے ہیں ۔ تب ہی علامہ اقبال نے الیکشن ۔ ممبری ۔ کونسل اور صدارت کو آزادی کے پھندے کہا ۔ چنانچہ یہ اصطلاحیں جن کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ۔ وہ ہمارے ایمان کا حصہ بنتی جارہی ہیں ۔ لیکن میں اس اکیلے لفظ صراط مستقیم پر اتنا زور اسلئے دے رہا ہوں، کہ قوم میں وحدت فکر پیدا کرنے کیلئے ہمیں اپنے مقصودوں کیلئے ایک ہی لفظ استعمال کرنا چاہیئے ۔ پچھلے چند سو سالوں میں مسلمانوں نے جب کوئی لفظ سنا کہ یہ بڑا اچھا نظریہ ہے ۔ یعنی جمہوریت ۔ یا انقلاب یا سوشلزم وغیرہ ۔ تو ہم نے اسلام کو بھی ان اصطلاحوں کے ساتھ وابستہ کردیا ۔ تو میں کہتا ہوں کہ اسلام نہ مادر پدر آزاد جمہوریت ہے نہ مادی انقلاب نہ بے دین سوشلزم ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو صراط مستقیم کا پیارا نام دیا ہے اور ہمیں اسی پر قائم رہنا چاہیئے ۔ تو ہم اسلام کو باطل نظریات سے بچا سکیں گے اور باطل نظریات کو اسلام کا لبادہ بھی نہ اوڑھیں گے ۔

## ایک مثال

7 ۔ سید قطب شہیدؒ نے ایک کتاب لکھی، جس سلسلہ میں پہلے فیصلہ کیا، کہ کتاب کا نام "مہذب اسلامی معاشرہ" کے ہم معنی عربی الفاظ ہوں گے ۔ لیکن بعد میں کتاب کا نام "اسلامی معاشرہ" کے ہم معنی رکھا کہ اسلام ۔ اسلام ہے ۔ اس کو کسی اسم صفت کی ضرورت نہیں ۔



اس کے بارے وہی الفاظ استعمال کئے جائیں جو قرآن پاک میں ہیں ۔ اور ہم اپنے انگل پچو الفاظ اپنے پاس رکھیں ۔ چنانچہ فکر، خیال اور الفاظ میں اتنی زیادہ وحدت کی ضرورت ہے، جس پر کئی مضامین لکھے جاسکتے ہیں ۔ حضور پاکؐ عبد شمس یا برہ (آزاد) وغیرہ کے نام تبدیل کردیتے تھے ۔ بلکہ ایک وادی کا نام غوی (گمراہ) تھا، کہ اس میں ٹیڑھے راستوں کی وجہ سے ایسا نام پڑ گیا ۔ آپؐ نے اس کا نام رشد والی وادی یعنی ہدایت والی وادی رکھ دیا ۔ اور اب تک یہی نام قائم ہے ۔ اسی وجہ سے اسلامی حکومت کے ڈھانچے میں وزارت قومی معاملات کا جو ذکر کیا گیا ہے ۔ یہ اسکی ذمہ داری ہوگی کہ قوم میں وحدت فکر کیلئے کسی بھی نظریہ کیلئے صحیح اور ایک قسم کی اصطلاح استعمال ہوگی ۔ اور اسلام صراط مستقیم ہے اور ہم ہر نماز میں اسی سیدھے راستے پر چلنے کی دعا مانگتے ہیں ۔ اور یہ اتنا گہرا اور ضروری فلسفہ ہے کہ اس کے پس منظر میں جانا ضروری ہوگیا ہے ۔

## پیغمبروں کا میثاق

8 ۔ روز ازل یا عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ نے ہم عام لوگوں سے تو صرف ایک وعدہ لیا ۔ کہ کیا میں تمہارا رب نہیں؟ اور ہم نے "ہاں" میں جواب دیا ۔ لیکن تمام نبیوں یا پیغمبروں سے جنہوں نے اس دنیا میں ہماری رہنمائی کرنا تھی ۔ ان سے کچھ فالتو وعدہ بھی لیا ۔ قران پاک کی سورۃ عمران کی آیات نمبر 81 میں اس عہد کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے "اور جس وقت لیا اللہ تعالیٰ نے عہد نبیوں کا، البتہ جو کچھ دوں میں تم کو کتاب سے اور حکمت سے ۔ پھر آوے تمہارے پاس رسولؐ سچا کرنے والا اس چیز کو، کہ ساتھ تمہارے ہے ۔ البتہ ایمان لائیو ساتھ اسکے اور البتہ مدد دینا اس کو، کہا کیا اقرار کیا تم نے اور لیا تم نے اوپر اسکے بھاری عہد میرا ۔ کہا انہوں نے اقرار کیا ہم نے ۔ کہا پس شاہد رہو اور میں ساتھ تمہارے شاہد ہوں ۔" اس آیت مبارک کی تفسیر کئی مضامین میں ختم نہیں ہوتی لیکن بد قسمتی سے کچھ لوگوں نے انگل پچو تفسیر بھی کی ہے اور تمام بات کی وضاحت میں ایک فقرہ لکھ دیا ۔ کہ نبیوں کے مقدمہ میں بنی اسرائیل سے اقرار لیا" یعنی سارے فلسفہ کو بے معنی اور مہمل کردیا اب ذرا مودودی صاحب کی تفہیم پڑھنا ۔ تو

انہوں نے لکھا کہ "ہر پیغمبر جب دنیا میں وارد ہوا۔ تو اس سے عہد لیا گیا۔ اور یہ اللہ کا طرز بیان ہے۔" اور آگے لکھا "کہ البتہ ہمارے نبیؐ سے کوئی ایسا عہد لینے کا کوئی ذکر نہیں۔" اب اللہ تعالیٰ کے اجتماعی میثاق کو مودودی صاحب نے اپنی مرضی کے معنیٰ پہنا دیئے۔ اور ساری تفہیم میں مودودی صاحب آیات مبارکہ کے مفہوم سے ہٹ کر کوئی ایسا فقرہ لکھ دیتے ہیں۔ کہ حضور پاکؐ کو جو بلندیاں عطا ہوئی ہیں ان میں کچھ کمی کردی جائے اور جہاں حضور پاکؐ کے اتباع کا ذکر ہو۔ وہاں تفسیر کرتا ہی نہیں۔ یہاں اس میثاق کی وضاحت کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ حضور پاکؐ نے جو نبیؐ اور رسولؐ میں فرق بیان فرمایا۔ اس وضاحت کو بھی تفسیروں میں لکھا جاتا۔ لیکن مودودی صاحب سمیت یہ مفسرین ایسی وضاحتوں کے بارے میں خاموش ہیں۔ بہر حال جناب ابو ذر غفاریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسولوں کی تعداد 315 ہے اور رسولؐ وہ ہوتا ہے جسے خاص شریعت دی جائے، یا درایت دی جائے کہ لوگ ان کی امت کہلائیں اور ہماری امت کو چھوڑ کر رسولؐ کے امتیوں میں آگے نبیؐ ہو سکتے ہیں جیسے حضرت طالوتؑ، حضرت داوٴدؑ وغیرہ حضرت موسیٰؑ کی امت کے نبی تھے۔ رسولوں سمیت نبیوں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ جن سے اللہ تعالیٰ ہم کلام ہوا۔ تو یہ عہد اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں تمام انبیاء سے لیا۔ اور ان میں رسولؐ بھی شامل تھے۔ لیکن پھر ایک رسولؐ کا ذکر فرمایا کہ وہ ان کے پاس کے سب یا اس سب کی تصدیق کرے گا۔ جو "تمہارے پاس ہے" اور پھر یہ اضافہ بھی کیا کہ اس پر ایمان لانا۔ اور مدد بھی دینا۔ پھر سوال کیا، کہ کیا اقرار کرتے ہو؟ بعد میں بھاری عہد لیا کہ۔ انہوں نے اقرار کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان سے گواہی بھی لی اور خود بھی گواہ بنے۔ اور یہ ہے شان ہمارے آقا محمد مصطفٰےؐ کی کہ انجیل برنباس میں اس کا ثبوت ہے، کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا "بخدا میں نے دیکھا انؐ کو اور یہ جو کچھ میرے پاس ہے انہیؐ کی وجہ سے ہے اور قران پاک کی سورۃ صف کے مطابق حضرت عیسیٰؑ نے اپنے بعد اس رسولؐ کے آنے کی خوشخبری دی جن کا اسم مبارک احمدؐ ہوگا۔ کہ احمد تعریف کرنے والے کو کہتے ہیں کہ عالم ارواح میں ہمارے آقاؐ



اپنے رب کی تعریف میں رطب اللسان رہے۔ اس دنیا میں آپ محمدؐ کے طور پر ظاہر ہوئے۔ کہ آپ کی تعریف ہو رہی ہے اور ہر وقت دنیا کے کسی حصہ سے صدا آرہی ہے "اشھد ان محمدؐ الرسول اللہ" اور عالم امر یا آخرت میں آپ محمودؐ ہیں کہ اپنے مقام پر کامیابی سے پہنچ گئے۔

## حضور پاکؐ کی شان

9 ۔ یہ باتیں بے چارے مودودی صاحب یا دوسرے لوگوں کو کیسے سمجھ آسکتی ہیں۔ جن کو کائنات کا تصور ہی نہیں، تو وہ کائنات کا تخلیق، ارتقاء منزلوں اور تخلیق کے مقاصد کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ ابن عربیؒ اور جناب جلال الدین سیوطیؒ نے ان آیات مبارکہ کی بہترین تفاسیر لکھی ہیں۔ جن کا کچھ اختصار پیش کیا جاتا ہے کہ جس حدیث قدسی کا بیان پچھلے مضامین میں ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو چھپا خزانہ تھا۔ جب اس نے چاہا کہ وہ پہچانا جائے اور اپنا عارف پیدا کیا۔ جس کا ذکر بھی پہلے ہو چکا ہے کہ سورۃ رحمٰن میں خلق الانسان سے پہلے جو علم القرآن کا ذکر ہے۔ یعنی قران پاک کا علم تو یہی ہمارے آقاؐ کا نور ہے اور تب ہی علامہ اقبالؒ بھی پکار اٹھا کہ وہی قران، وہی طٰہٰ۔ اس سلسلہ میں سیرت حلیبہ میں جناب ابو ہریرہؓ سے ایک حدیث مبارک منسوب کی جاتی ہے "کہ رسول پاکؐ نے حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا" کہ تمہاری عمر کتنی ہے؟" انہوں نے عرض کی کہ حجاب رابع میں ایک ستارہ ہر ستر ہزار سال کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ جس کو وہ بہتر ہزار مرتبہ دیکھ چکے ہیں۔ "تو ہمارے آقاؐ نے فرمایا" کہ مجھے اپنے رب کی قسم وہ ستارہ میں ہی تھا۔" حضرت علیؓ سے بھی ایک روایت منسوب ہے، کہ حضرت آدمؑ کے پیدائش سے بھی کئی ہزار سال پہلے حضور پاکؐ اپنے رب کے ہاں نور تھے تو اسی وجہ سے، علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ عشق مستی میں وہی اول بھی ہیں اور آخر بھی ہیں۔ کہ قران پاک کا علم اس کائنات کیلئے ایک رحمت ہے، کہ مخلوق کیلئے صراط مستقیم کی نشاندہی ہے یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نظریہ ہے اور یہ رحمت ہمارے آقاؐ کا نور ہے۔

## صراط مستقیم پر رواں دواں ہونا

10 ۔ ہم اپنے پچھلے ابواب میں عالموں کے زمان و مکان کا دونوں حساب سے ذکر کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کے رب ہیں ۔ لیکن جو چیز ہم بھول جاتے ہیں ۔ وہ یہ ہے کہ ہمارے آقاؐ ان سب عالموں کیلئے رحمت ہیں جب تک رحمت کی ابتدا نہ ہوتی تو تخلیق کیسے ہوتی اور اس میں ارتقاء کیسے ہوتی ۔ چنانچہ سب نبیوں کے پاس اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقاؐ کو رحمت اور پیغمبر اعظم یا قران کے علم کے طور پر بھیجا اور یہاں قران پاک کے الفاظ کو سمجھا جائے کہ سب پیغمبروں کو ان پر ایمان لانے کا حکم ملا ۔ اور ضرور بہ ضرور مدد بھی کرنا ۔ وہ مدد کیا تھی ؟ کہ جب دنیا میں وارد ہو اور رہنما بنو، تو اسی قران پاک کے علم ۔ یا اس کے مشابہ علم اور اسی صراط مستقیم اور، اسی دین حنیف کا پرچار کرنا ۔ اور سب نبیوں نے ایسا کیا اور صحیح بخاری میں جس حدیث مبارکہ کا ذکر ہے، کہ سب نبی ایک دین پر تھے ۔ اور انہوں نے محدود خطوں میں اس دین کا پرچار کیا ۔ اور ہمارے آقاؐ نے آکر نیئے ورلڈ آرڈر سے اس دین کو ساری دنیا کے لئے امت واحدہ کے طور پر پیش کر دیا ۔ اس کا ثبوت بھی قران پاک میں مل گیا کہ اللہ تعالی نے سب کو اجتماعی طور پر کتاب اور حکمت دی ۔ اور ہمارے آقاؐ نے اس کی تصدیق کی ۔ تب ہی معراج کے وقت مسجد اقصیٰ میں سب نبیوں کی امامت کی ۔ اور مکہ مکرمہ میں اس نظریہ کو بیان فرمایا اور مدینہ منورہ میں زمانے کو تسلسل دیتے ہوئے کاروان حق کو عملی طور پر صراط مستقیم پر رواں دواں کر دیا ۔ اور ایسا حضرت آدم کے وقت سے ہو رہا ہے ۔ صراط مستقیم کا فلسفہ کتنی گہرائی رکھتا ہے ۔ اور ان وضاحتوں کے بعد بھی جو لوگ صراط مستقیم اور انقلاب (پیچھے مڑنے) کی اصطلاحوں کو گڈمڈ کر دیتے ہیں اور نعوذ باللہ حضور پاکؐ کو پیغمبر انقلاب کہتے ہیں ۔ اللہ ہی ان کو صراط مستقیم پہ لگائے ۔

## سورۃ فاتحہ

11 ۔ علم القران کیا ہے ۔ تو اس سلسلہ میں سورۃ فاتحہ قران پاک کی تمہید ہے اور سارا قران



پاک اس کی تفسیر ہے کہ اول ہم نظریاتی طور پر عالموں کے رب کی تعریف کرتے ہیں (الحمد للہ رب العالمین) ۔ پھر اس کی بے حساب صفات سے دو خاص صفات جن کا ہمارے ساتھ سیدھا تعلق ہے کہ وہ بخشنے والا مہربان ہے، ان کا ذکر کرتے ہیں (الرحمن الرحیم) ۔ اس کے بعد بتاتے ہیں کہ اس دنیا کی زندگی کے امتحان کا فیصلہ آخرت کے حساب کتاب سے ہوگا ۔ جہاں ہمارا رب فیصلہ کرے گا کہ وہی (مالک یوم الدین) ہے ۔ چنانچہ ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں ۔ (ایاک نعبدُ) اور صرف اسی سے مدد مانگتے ہیں (ایاک نستعین) اور اب دعا کیلئے ہاتھ پھیلاتے ہیں " کہ لگا ہمیں سیدھے راستے پر (اهدنا الصراط المستقیم) ان لوگوں کے راستے پر جنہیں تو نے انعام دیا ہے (صراط الذین انعمت علیھم) اور نہ ان لوگوں کے راستے پر جن پر تیرا غضب نازل ہوا ۔ (غیر المغضوب علیھم) اور نہ ہی گمراہوں کے راستے پر (والضالین) ۔ اب اگر کوئی صاحب ان آیات کی محدود تفسیر کرتا رہے کہ مغضوب صرف یہودی ہیں ۔ اور گمراہ صرف کافر ہیں تو یہ بڑی غلطی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا غضب کسی بھی نافرمان پر نازل ہو سکتا ہے ۔ اور جو صراط مستقیم پر عقیدہ نہ رکھے وہ گمراہوں میں شامل ہے ۔ اگر قرآن پاک کو غور سے پڑھا جائے تو انسان حیران ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالی نے اس اصطلاح کو کتنے زور سے بار بار استعمال کیا ۔ چنانچہ ہم مسلمانوں کیلئے ضروری ہے کہ دوغلے پن سے بچنے کیلئے ۔ یا تفرقہ اور گمراہی سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے اور اپنے بیچ وحدت فکر و وحدت عمل پیدا کرنے کیلئے وہی اصطلاح استعمال کریں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھلائی ہے کہ قرآن پاک میں تقریباً سو دفعہ دین اسلام کو صراط مستقیم کا نام دیا ۔ چنانچہ اللہ تعالی نے قران پاک کے علم کی مدد سے کاروان حق کو صراط مستقیم پر ڈال دیا ہے ۔ اور ہم فرش سے عرش کی طرف رواں دواں ہیں اور ہمارے آگے یا پیچھے کوئی مکانی و زمانی حد نہیں کہ ہم خدائے ذی المعارج یعنی سیڑھیوں یا منزلوں والے اللہ تعالی کی طرف زینہ بہ زینہ بڑھ رہے ہیں اور سورۃ قصص کے مطابق ہمارا مقصود چہرہ مبارک ہے ۔ تو انقلاب یعنی پیچھے مڑنا ۔ یا اوندھے منہ گرنا تو ان لوگوں کے لئے ہے، جن پر اللہ تعالی کا غضب ہوا ہے یا گمراہ ہیں ۔ ہم جو اتنی ساری بات نہیں سمجھتے تو معلوم ہوا، کہ ہم اسلام کے الف، ب سے نابلد ہیں اور خدارا اصطلاحوں

اور تلمیحات کو ذرا سوچ کر کے استعمال کریں ۔ اور اپنی وحدت فکر کو قائم رکھیں ۔ کہ پورے
قرآن پاک میں دو جگہوں کو چھوڑ کر انقلاب کا لفظ اچھے معنوں میں نہ استعمال ہوا۔

## صراط مستقیم کا عملی پہلو

12 ۔ صراط مستقیم کا عملی مضمون بھی بہت وسیع ہے اور میں نے حضرت آدم سے لے کر
تمام پیغمبروں کا ذکر کرتے ہوئے حضور پاکؐ کی بعثت کے تاریخ و جغرافیہ سے تانے ملاتے
ہوئے حضور پاکؐ کی بعثت پر بھرپور تبصرہ اپنی کتاب "حضور پاکؐ کے جلال و جمال" میں کردیا
ہے کہ عملی طور پر آپؐ نے کون کون سے صراط مستقیم کے پہلوؤں کی نشاندہی فرمائی جس میں
فلسفہ نماز، اور فلسفہ شہادت سمیت تمام معاشرتی ضرورتوں، جنگ کی تیاری، تدبیرات، حکمت
عملیوں کے سب معاملات کے بیانات کو قرآن پاک کی ہدایات کے تابع کیا ہے۔ حضور پاکؐ
نے عملی طور پر جن گمراہیوں کی نشاندہی فرمائی وہ تمام باتیں بھی مذکور ہیں ۔ تب ہی لوگوں نے
میری کتاب کو قرآن پاک کی عملی تفسیر کا نام دیا کہ میں نے سنت نبویؐ کے لفظ لفظ کو قرآن
پاک کے بیانات کے تابع کیا ۔ اور کافی غلط العام باتوں کی نشاندہی کی اور وہ سب باتیں ان
مضامین میں دوہرائی نہیں جاسکتی البتہ آپؐ کے شان کے بیان سے ان مضامین کو کچھ معطر کرنا
ضرور مقصود ہے

## رب نبی محمدؐ

13 ۔ رحمتہ اللعالمین کے طور پر حضور پاکؐ کی شان کے سلسلہ میں مختصر اشارہ ہو چکا ہے ۔
اور اسی ایک پہلو کو مضامین میں بند نہیں کیا جاسکتا کہ سورۃ الحجر میں جہاں سورۃ فاتحہ کی سات
آیات مبارکہ کو قرآن پاک کی تمہید کہا گیا وہاں آگے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ۔ " (اے میرے
حبیبؐ) تیرے رب کی قسم" ۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے اسم مبارک رب نبی محمدؐ کے طور پر جب قسم
اٹھانے کی حد تک پہنچ جاتا ہے تو ہمیں علامہ قرطبیؒ کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے کہ وہ لکھتے ہیں کہ
حضور پاکؐ کے نور مجسم کی تصویر کشی ہمارے قابو سے باہر ہے کہ سید الانبیا کے جمال مبارک



کو پورا ظاہر نہیں کیا گیا کہ نسل انسانی میں حقیقت محمدیؐ کو نہ دیکھنے کی طاقت ہے نہ ہمت ۔
چنانچہ متقدین میں سے امام عبدالرحمن جوزیؒ نے "الوفا" میں ۔ متوسطین میں سے جناب
عبدالرحمن جامیؒ نے "شواہد النبوت" اور " متاخرین میں سے علامہ فضل حق خیر آبادی نے
آپؐ کی شان مبارک کے بارے میں جو لکھا ہے اس کو پڑھنے اور سمجھنے کے لئے ایک زمانہ درکار
ہے ۔ اور سبق یہ ہے کہ جب تک آپؐ کی شان کو سمجھنے کے سلسلہ میں عاجزی نہ کی جائے ۔
ہمیں اسلام کے معطر باغ سے کبھی خوشبو نہیں آسکتی ۔ اور ہم چونکہ عقلی پہلوؤں کے تحت اپنی
تحقیقوں کو لگام نہیں دیتے ۔ اسی وجہ سے ہم اسلام میں تضاد، دوغلہ پن، تفرقہ اور ان مہمل و
باطل نظریات کو لے آتے ہیں۔

## شان حبیبؐ

14 ۔ اب معراج کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ آپ زمان و مکان پر حاوی ہو گئے ہیں ۔ جس وقت
رب چاہتا، آپؐ کو اس حالت میں لے آتا ۔ کہ کنزالعمال جلد 6 فتح الکبیر میں ہمارے آقا کا جو
فرمان ہے کہ ساری کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے ۔ میں یہ سب کچھ ایسے دیکھ رہا ہوں جیسے اپنے
ہاتھ کی ہتھیلی کو ۔ لیکن یار لوگ معراج کو بھی نہ سمجھے ۔ اس کو کبھی خواب بنادیا کبھی روحانی
تجربہ ۔ بھائی روحانی تجربہ تو نبوت کی بسم اللہ سے شروع تھا ۔ یہ معراج تھا ۔ لیکن افسوس کا مقام
ہے کہ کچھ مسلکوں کے اماموں نے سورۃ نجم کے ترجموں کے ساتھ جو اضافی الفاظ لکھے ہیں تو وہ
لوگ تو "دیدار الہیٰ" والی بات کو بھی رد کردیتے ہیں ۔ اور جس ملاقات کا ذکر ہے ۔ وہاں قاب
قوسین (دو کمان) کے فاصلہ کو حضور پاکؐ اور فرشتے کے درمیان فاصلہ بنادیا ۔ اور سخت قوتوں
والا کے الفاظ کے آگے بھی بریکٹ میں فرشتہ لکھ دیا ۔ اب حضرت جبرئیل فرشتہ تو آدمی کی صورت میں
آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ اور سدرۃ المنتہیٰ سے آگے وہ جا بھی نہ سکتے تھے ۔ لیکن یہ علماء کسی
وجہ سے حضور پاکؐ کی شان کو کم کرنے پر لگے رہتے ہیں ۔ لیکن ایک شکیہ حدیث میں بالواسطہ
طور پر حضور پاکؐ کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات ایک بار نہیں کئی بار مانتے ہیں ۔ اور صحاح ستہ کی
کتابوں کے حوالے سے یہ حدیث بار بار اپنے درسوں میں پڑھاتے ہیں ۔ کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے

پچاس نمازیں اور معلوم نہیں کتنے روزے فرض کئے ۔ اور حضور پاکؐ کو حضرت موسیٰؑ کے
مشورہ سے بار بار اللہ تعالیٰ کے پاس بھیجتے ہیں کہ آخر یہ پانچ نمازیں اور تیس روزے رہ گئے ۔
اس حدیث کو اسلام کے ساتھ ایک بڑا مذاق کہا جاسکتا ہے ۔ کہ طرز بیان نہ صرف افسانوی ہے
بلکہ قرآن پاک میں نماز کو قائم کرنے کا جو فلسفہ بیان کیا گیا ہے اس کی نفی ہوجاتی ہے ۔ کہ عملی
طور پر بھی سفر کے دوران یا حج کے دوران میدان عرفات یا مزدلفہ میں ظہرین کو اکٹھا پڑھا گیا ۔ یا
مغربین کو بھی ۔ اور گو پانچ وقت نماز پڑھنا خوش قسمتی ہے ۔ لیکن قرآن پاک میں تو اللہ تعالیٰ
نے نمازوں کو قائم کرنے کے احکام فرمائے جس فلسفہ کو یہ عاجز اپنی کتاب "حضور پاکؐ کے
جلال و جمال" میں تفصیل سے بیان کر چکا ہے ۔ اور دن کی دس یا بارہ گھنٹے کی روشنی میں یا فجر سے
عشاء تک پچاس نمازیں پڑھنے کا مطلب یہ ہوا ۔ کہ آدمی سارا دن باوضو رہے ۔ اور ایک گھنٹے میں
چار نمازیں ادا ہوں اور ہر پندرہ منٹ کے بعد اذان ہو رہی ہوگی ۔ اس حدیث میں شاید
حضور پاکؐ کی شان کم کرنا مقصود ہے کہ حضرت موسیٰؑ معاملات کو ان سے بہتر سمجھتے تھے ۔ اور
یہ حدیث کسی یہودی کی گھڑی ہوئی ہے ۔ امید ہے کہ جس طرح حضور پاکؐ کے والدین کے
بارے تجرید بخاری میں افسانوی حدیثوں کو ختم کیا جارہا ہے ۔ اس حدیث کو بھی ختم کردیا جائے
گا ۔ بہر حال بات حضور پاکؐ کی شان کی ہو رہی تھی ۔ کہ صراط مستقیم کی باتوں اور اصولوں کو
ہی آدمی سمجھ سکتا ہے جو آپؐ کی شان کے بیانات میں عاجزی سے کام لے ۔ کہ حضور پاکؐ ایسے
صراط مستقیم پر چلنے والوں کے لئے شاہ نجاشی کی طرف اپنے خط میں دائمی طور پر سلام بھیج کر ایسے
لوگوں پر احسان فرماگئے ہیں ۔ اور ایسے آدمی ہی کو اسلام کے معطر باغ سے ایسی خوشبو آتی ہے
کہ اس کے ارد گرد کا ماحول حضور پاکؐ کے جمال سے منور اور معطر ہوجاتا ہے ۔ تو اے ایمان
والو! آپؐ پر کثرت سے درود و سلام بھیجا کریں ۔

کی محمدؐ سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں — یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں (اقبالؒ)

**قارئین کیا توبہ اور ندامت کا وقت قریب نہیں آگیا ؟**





# باطل فلسفے، گمراہی اوران کے اثرات

## تمہید

ہمارا غلامی کا زمانہ اس آزادی کے زمانے سے کئی لحاظ سے بہتر تھا کہ ہم اکثر کہتے تھے کہ
غیر مسلم ہم پر حکمرانی کر رہے ہیں ۔ اور ان کے غیر اسلامی قوانین اور طور طریقوں نے ہمیں بھی
باقی غیر مسلموں یعنی ہندوؤں، سکھوں یا پارسیوں کے ساتھ ایک ایسے معاشرے میں جکڑ رکھا
ہے ۔ جہاں ہم سب کو ایک لاٹھی سے ہانکا جارہا ہے ۔ ایک جیسی تعلیم ہے ۔ تو ہم اپنی اسلامی
اقدار سے مدد نہیں لے سکتے تھے ۔ لیکن ہم نے کچھ اسلامی اصول قائم رکھے ہوئے تھے ۔ اور عام
طور پر یہ بات مشہور تھی کہ مسلمان جھوٹ نہیں بولتا، سود خور نہیں، رشوت ویسے بھی عام نہ
تھی ۔ تو کئی لحاظ سے ہماری حالت موجودہ صورتوں سے بہتر تھی ۔ لیکن بد قسمتی یہ ہوئی کہ
پاکستان بنانے کے فوراً بعد ہم سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ ہم نے اپنے ملک کے سربراہ کو کسی
اسلامی حکومت کا جانشین بنانے کے بجائے جارج ششم کا جانشین اور وائسرائے بنانے کا اعلان
کردیا تھا ۔ کیونکہ یہ آئینی ضرورت تھی ۔ لیکن اس سے جلد چھٹکارا کی بھی ضرورت تھی اور یہی
بہت بڑا المیہ ہے لیکن زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ 1949ء میں ہم پوری قوم اللہ کے خلیفے
بن گئے ۔

## افسوسناک موازنہ

2 ۔ شاید 1974ء کی بات ہے کہ گو ذوالفقار بھٹو کے زمانے میں ہم دولت مشترکہ سے
الگ ہو چکے تھے ۔ لیکن پھر بھی برطانیہ کا وزیر اعظم مسٹر کالھن ہمارے ملک میں آدھمکا ۔ اور
ہماری پارلیمنٹ میں اس نے جو تقریر کی اس کے کچھ الفاظ مجھے یاد ہیں ۔ اول کہا کہ مجھے خوشی ہے کہ
میں ایسے ملک میں آیا ہوں ۔ جن کی اور ہماری دو سو سال کی تاریخ سانجھی ہے ۔ ہمارا سیاسی نظام

بھی ایک جیسا ہے کہ ہم دونوں قومیں جمہوریت کو اپنا ایمان سمجھتی ہیں ۔ ہمارا تعلیمی نظام، معاشی نظام، عدلیہ کا نظام حتیٰ کہ فوجی نظام وغیرہ بھی سب مشابہ اور ایک جیسے ہیں ۔ ہر فقرے پر اتنی زیادہ تالیاں بجیں اور اخباروں نے وہ سرخیاں لگائیں کہ انگریز اور ہم سگے بھائی بن گئے ۔ کسی غیرت مند آدمی کی رگ نہ پھڑکی کہ وہ تصویر کا دوسرا رخ پیش کرتا، سوائے سید شبیر حسین کے، کہ انہوں نے نوائے وقت میں ایک مضمون لکھا، جس کے الفاظ میرے دل میں ایسے اترے کہ کچھ الفاظ آج بھی یاد ہیں ۔

## حق و باطل میں فرق

3 ۔ شبیر حسین نے لکھا کہ برطانیہ کا وزیراعظم جب سانجھی تاریخ کی بات کر رہا تھا تو کسی کی رگ نہ پھڑکی، کہ وہ ہمارے حکمران تھے اور ہم ان کے غلام ۔ جب جمہوریت اور سیاسی نظام کی بات ہو رہی تھی تو کسی نے اس لادین سیاست کے بارے میں نہ سوچا کہ اس نے ہمارے ضمیر کو مردہ کر دیا ہے یا علامہ اقبال کا یہ شعر بھی یاد نہ رہا کہ اس سیاست افرنگ نے خاک سے دو صد ہزار ابلیس پیدا کئے ہیں ۔ معاشی اور مالی پالیسی ایک جیسی ہونے کے بارے کسی نے یہ نہ سوچا کہ ہم سود خور یہودیوں سے بدتر ہو گئے ہیں ۔ اور ہمارے ملک کا خون اس طرح چوسا جارہا ہے کہ اب تو ان قرضوں کا سود ادا کرنے کے بھی قابل نہیں ۔ تعلیمی پالیسی کے بارے کسی کی رگ نہ پھڑکی کہ "پڑھے لکھے بیچ رہے ہیں ایمان" اور ایک جیسی دفتری اور سول سروس کا معاملہ تو بالکل واضح ہے کہ ہمارے ملک میں "کالے انگریزوں" کا ایک طبقہ پیدا ہو گیا ہے ۔ اور فوجی حکمت عملی اور تربیت کے ایک جیسا ہونے، نے تو ہمارا بیڑہ ہی غرق کر دیا ہے ۔ کہ جہاد یا اسلامی فلسفہ دفاع کو ہمارے انگریز جنرلوں نے یکم جنوری 1949ء کو پکا جمود دے دیا اور ہمیں مغربی فلسفہ دفاع کا پیروکار بنا گئے ہیں جس کے تحت ہم نوے ہزار فوجیوں سے ہتھیار ڈلوا کر اپنی ایک ہزار سالوں کی شاندار تاریخ کو سیاہ کر چکے ہیں ۔

## قرآن پاک کا اشارہ

4 ۔ قرآن پاک کی سورۃ بقرہ کی آیت مبارکہ 243 میں ارشاد ربانی ہے ۔ "(اے میرے



حبیبؐ) کیا نہ دیکھا تم نے طرف ان لوگوں کے کہ نکلے گھروں اپنے سے اور وہ تھے ہزاروں ..... ڈر موت کے سے ۔ پس کہا واسطے ان کے اللہ نے کہ مرجاؤ..... اس آیت مبارکہ کی مفسرین نے واللہ اعلم کے الفاظ کے تحت تفسیریں کی ہیں ۔ کہ لفظ ہزاروں پر اتنا زور ہے کہ اس کا مطلب لاکھوں سے بھی اوپر ہو سکتا ہے کہ عربی کا طرز بیان ہے علاوہ ازیں آیت مبارکہ کے اگلے حصہ میں اللہ تعالیٰ مہربانی فرما کر ان لوگوں کو دوبارہ زندگی کی خوشخبری دیتے ہیں ۔ ماضی میں کوئی ایسا واقعہ نظر نہیں آتا، کہ اللہ تعالیٰ نے ہزاروں ایسے موت کے ڈر سے بھاگنے والوں کو طبعی موت سے دوچار کیا ہو ۔ اور پھر دنیاوی زندگی دی ہو ۔ اس لئے اس موت کے معنی ذلالت کی زندگی بھی ہو سکتی ہے ۔ اور زندہ ہونے کی خوشخبری عزت کی زندگی ہو سکتی ہے ۔ یہ آیت مبارکہ مدنی ہے کہ اس وقت تک ہمارے آقاؐ معراج کے بعد بشر کے طور پر بھی زمان و مکان پر حاوی ہو چکے تھے ۔ تو آپؐ، ماضی اور مستقبل کے "حجابوں" سے نکل کر بلندیاں حاصل کر چکے تھے، کہ پچھلے ابواب میں ذکر ہو چکا ہے کہ آپؐ نے فرمایا "اس ساری کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے ۔ میں اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں ۔" تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو، 1947ء میں جو کچھ ہوا اور موجودہ بھارت اور خاص کر مشرقی پنجاب سے جو مسلمان موت کے ڈر سے بھاگے اس واقعہ کی طرف متوجہ کیا ۔ اور یہ 48 سالوں کی ہماری اس ملک کی زندگی ذلالت کی زندگی ہے جو موت سے بدتر ہے کہ ہم جو برائے نام مہاجر اور انصار بنے پھرتے ہیں ۔ اور ہم سورۃ اعراف کی آیت مبارکہ 176 کے مطابق زمین یا مادیت میں گھس گئے ہیں اور خواہشوں کی پیروی شروع کر دی، تو اللہ تعالیٰ نے اس صورت کو کتے کے مشابہ قرار دیا کہ اوپر بوجھ رکھا جاوے تو بھی زبان لٹکاوے اور بوجھ نہ ہو تو بھی زبان لٹکاوے ۔

## کئی اسباق

5 ۔ اسی عمل میں ہمارے لئے کئی اسباق ہیں کہ اس عاجز نے اپنی کتاب "حضور پاکؐ کے جلال و جمال" میں اس پہلو پر خوب بحث کی ہے کہ ہجرت، اسلام میں سنت نبویؐ ہے اور اس کو جاندار ہونا چاہیئے جیسے مدینہ منورہ کی ہجرت یا افغانوں کی ہجرت ۔ پناہ لینا اسی طرح ہے جیسے

حضور پاکؐ کے زمانہ میں مسلمانوں نے حبشہ میں پناہ لی۔ اور اس کی بھی اجازت ہے۔ لیکن جو
کچھ 1947ء سے اس برصغیر میں ہو رہا ہے اس کو نہ ہجرت کہہ سکتے ہیں نہ پناہ۔ کہ یہاں تو پیٹ
کی بھوک کو ایسا عروج دیا گیا ہے۔ کہ زن، زر اور زمین حاصل کرنے کے لئے ایمان بھی بیچ دیا
جاتا ہے۔ اور اس کا ایک مظاہرہ آج کل کراچی میں ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے میں نے
اس " مہاجرین " کا لبادہ اوڑھنے والے اپنے رفیقوں کو کئی سال پہلے خاص کر 1952ء سے
1957ء تک اور پھر ستمبر 1965ء کے بعد کھلے طور پر تنبیہ کی تھی کہ انہوں نے جو زوال پذیر
مغل اور اودھ کی تہذیب کا لبادہ اوڑھ کر اس کو اسلامی ثقافت بنالیا ہے۔ یا مجموعی طور پر انہوں
نے حسد اور تعصب کے لبادے اوڑھ لئے ہیں۔ وہ ہمیں بھی اور خود کو برباد کریں گے۔ اور یہ بڑا
بھرپور مضمون ہے، کہ ہم سب کو توبہ اور ندامت کرنا چاہیئے۔ دوسرا سبق یہ ہے کہ ہندوؤں
اور سکھوں کے پاس ستر ہزار نوجوان عورتیں زیادہ تر جالندھر ڈویژن کے مسلمانوں نے چھوڑیں۔
انبالہ ڈویژن کے مسلمان اپنی عورتوں کو حفاظت کے ساتھ اپنے ساتھ لے آئے۔ حالانکہ
مقابلتاً انہوں نے لمبا سفر کر کے پاکستان پہنچنا تھا۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس میں بھی بڑے اسباق ہیں
اول وجہ قادیان کے گردو نواح کی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا تھی۔ کہ ان علاقے کے
لوگوں نے جھوٹے نبی کی نبوت کو پروان چڑھنے دیا۔ دوسری وجہ اسلام سے دوری تھی جس کا
نقشہ کرنل سلطان علی شاہ نے اپنی کتاب "شامت اعمال ما" میں بڑے حقیقت پسندانہ الفاظ
کھینچا ہے۔ یہ لوگ اسلام سے دور ہونے کے علاوہ بالکل منظم نہ تھے اور غیر مسلموں کے
ہاتھ میں کھلونے بنے ہوئے تھے۔ انبالہ ڈویژن کے مسلمان زیادہ اقلیت میں بھی تھے۔ لیکن ان
میں خاص کر رانگھڑوں قائم خانیوں اور میواتیوں وغیرہ نے اپنے آپ کو منظم کیا ہوا تھا اور وہ
اسلام کے اقدار کی بھی کچھ بہتر پابندی کرتے تھے۔ تو انہوں نے منظم طور پر اپنے علاقوں سے
کوچ کیا اور عورتوں کو قافلوں کے اندر رکھ کر وہ لوگ باقاعدہ فوجی طریقوں سے کوچ کرتے
تھے۔ اور اس طرح اپنی عزت بچا کر یہاں پہنچ گئے۔ لیکن یہاں دوسروں کو دیکھا دیکھی یہ لوگ
بھی اب نمک کی کان میں نمک بن گئے ہیں۔



# ماضی سے مستقبل کے لئے نشان راہ

6 ۔ ہماری قومی زندگی کے کئی افسوسناک پہلو ہیں۔ لیکن زیادہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ہم
ماضی کی غلطیوں کا حقیقت پسندانہ جائزہ نہیں لیتے کہ جس کی مدد سے مستقبل میں اپنے لئے
نشان راہ تلاش کریں۔ یعنی ماضی کی تحقیقوں سے اسباق نکالیں۔ اور حال میں اپنی کارگردگیوں
کی مدد سے پیش بینیاں کریں کہ مستقبل میں اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔ قومی طور پر ہمارے
یہ سارے معاملات صفر کے برابر ہیں۔ اور میں نے اپنی کتاب جہاد کشمیر میں ان پہلوؤں پر
بھرپور تبصرہ کیا ہے کہ ہمارا بامقصد مطالعہ صفر سے بھی نیچے ہے۔ ہمارے اہل قلم اور دانشور
حضرات کو شاید یہ معلوم بھی نہیں کہ ان کی تحریریں بامقصد نہیں۔ اور یہی کچھ میرے اور مجید
نظامی کے درمیان نزاع کا باعث بنا۔ جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ لیکن باقی "اسلام پسندے" خاص کر
الطاف قریشی اور زاہد ملک اس سے بھی بدتر ہیں۔ اور خیر جوش یا فیض یا منہاج برنا کے پیروکار تو
ویسے بھی گمراہی پھیلا رہے ہیں۔ کسی موجودہ صورت حال کا جائزہ کسی وقت بھی لیا جاسکتا ہے
کہ چھپے گوشے کم ہوتے ہیں۔ لیکن یہ ایک لگاتار قسم کا عمل ہونا چاہیئے۔ کہ ایسی صورت حال
کیوں ہے اور اس کے اثرات کیا ہوں گے اور مستقبل کی صورت کیسی ہوگی۔ لیکن یہ بھی
ادھورا عمل ہے۔ اسلام کے لحاظ سے پورا عمل یہ ہوتا ہے کہ ہم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
کے تحت اجتماعی طور پر ایسے عمل کرتے ہیں، کہ آئندہ آنے والے حالات ہماری مرضی کے
مطابق ہوتے ہیں یا ان کو ہونا چاہیئے۔ اس لئے وزارت قومی معاملات پر بہت بھاری ذمہ داری
عائد ہوگی کہ ان کو واچ ڈاگ کے طور پر ہمارے ہر اجتماعی عمل کے اثرات میں جانا ہوگا۔ اور
ان 48 سالوں کی ذلت کی زندگی کے موٹے موٹے واقعات کا بامقصد تجزیہ کرنا ہوگا کہ ان
باطل فلسفوں کی پیروی کر کے یا گمراہی اختیار کر کے ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا، کہ مسلمان ایک
سوراخ سے صرف ایک دفعہ ڈسا جاسکتا ہے۔ اور یہ عاجز اپنے مضامین میں ایسی صورتوں کی
جھلکیاں دے گا۔

## سیاست کا بیڑہ غرق

7 ۔ اب ہمارے ملک میں شور اٹھتا رہتا ہے کہ پاکستان ایک سیاسی عمل کی پیداوار ہے اور اس سیاسی عمل کو جاری رہنا چاہیئے ۔ کسی نے آج تک یہ سوچنے کی تو تکلیف ہی نہیں کی کہ یہ ایک مجبوری تھی اور حاکم وقت کی قانونی یا آئینی ضرورت تھی یا سازش تھی کہ غیر ہمیں اپنے باطل سیاسی فلسفوں کا پیروکار بنانا چاہتے تھے کہ وہ لوگ لندن اور واشنگٹن میں بیٹھ کر ڈگڈگی بجاتے رہیں اور ہمیں اسی طرح تگڑم ناچ نچاتے رہیں ۔ جس طرح ہم اب تک ناچ رہے ہیں ۔ یا ہمیں اسلام سے اس طرح دور کرنا چاہتے ہیں جیسے کردیا ہے کہ آج ہم سرسید کے اسلام یا غلام کذاب کے اسلام کے پیروکار بنے بیٹھے ہیں ۔ کہ جہاد کو جمود ہے ۔ تلوار اب ہماری کارگر نہیں حالانکہ باطل کے فالوفر سے اہل مغرب زرہ میں دوش تاکمر ڈوب چکے ہیں ۔ یا ہمیں خطوں میں محدود کرنا مقصود تھا کہ پہلے جفاکان ترکوں اور عربوں کو اسلام کے فرزند رہنے کی بجائے خطوں کا فرزند بنایا ۔ اور ایران میں اڑھائی ہزار سالہ بادشاہت کے جشن منوائے جس کو بیسویں صدی کا بڑا مذاق کہہ سکتے ہیں ۔ اور ہمارا بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح کو بنادیا گیا ۔ جس کی زندگی میں تو کوئی بات مانی نہ گئی کہ کوئٹہ سے کراچی پہنچا تو ایک سرکاری افسر آگے سے آؤ بھگت کے لئے موجود نہ تھا ۔ اور ایمبولینس کا راستے میں پٹرول ختم ہوگیا ۔ اور شاید تڑپتے تڑپتے اس کار میں جان دے دی ۔ لیکن مردہ قائداعظم کی ضرورت تھی اور اس کو اجاگر کیا جارہا ہے کہ بڑی سازش یہ ہے کہ ہم رسول عربیؐ کے اسلام کو بھول جائیں ۔ اب موجودہ زمانے کے رہنماؤں کو بھی حضور پاکؐ کی نبوت میں شرکت دینے سے گریز نہیں کی جاتی ۔ یہ عاجز اس سلسلہ میں تین کتابیں ۔ تاشقند کے اصلی راز، پنڈورا باکس اور جہاد کشمیر شائع کرچکا ہے ۔ جہاں اپنی کوتاہیوں اور غیروں کی ڈگڈگیوں پر ناچنے کا بامقصد مطالعہ کیا ہے لیکن یہ سب کام ابھی نامکمل ہے ۔ کم از کم تین کتابوں کے مسودے میرے پاس نوٹ فارمز میں موجود ہیں ۔ اور میں نے اس سلسلہ میں جو اداروں اور لوگوں کو خطوط لکھے ہیں، ان کو اکٹھا کیا جائے تو وہ کم از کم تین کتابوں میں مشکل سے سما سکیں گے ۔



## سیاسی عمل

8 ۔ تو سب سے پہلے پاکستان حاصل کرنے کے سیاسی عمل پر تبصرہ ضروری ہے ۔ اور میں نے اپنی کتاب جہاد کشمیر ہیں کتاب کے دو ابواب میں ان معاملات کو خوب طور زیر بحث لاکر واقعات کا بامقصد مطالعہ کیا ہے ۔ بلکہ اپنے مخالف ہندوؤں کی ذہنیت اور سازشوں کو ایک الگ باب میں زیر بحث لایا ہے کہ انگریزوں اور ان میں کونسی اقدار مشترک تھیں ۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ لنگڑا لولا پاکستان بذریعہ باطل سیاست حاصل کرنے کے بجائے جان پر کھیل کر کے یا لڑ کر ہم ایک بڑا اور مضبوط پاکستان حاصل کرسکتے تھے ۔ اور ہم نے بھیڑ بکریوں کی طرح قربانی بھی دی ۔ اور اپنے برابر کروڑوں کی تعداد میں مسلمانوں کو بھارت میں ہندوؤں کے رحم پر چھوڑ دیا یا آزاد ہندوستان میں ہم بہتر صورت میں رہ سکتے اور ہندوؤں کو یہ ہمت نہ پڑتی کہ وہ بھارت کے مسلمانوں کے ساتھ یہ کچھ کرتے جو کر رہے ہیں ۔ یہ بڑا دلچسپ اور وسیع مضمون ہے اور ایک پوری کتاب کی ضرورت ہے کہ تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے ۔ میں نے بہت کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ۔ میرا خیال ہے کہ انگریز کی غلامی میں آجانے سے پہلے بھی ہمارے حالات کچھ اچھے نہ تھے ۔ مغل تہذیب کا زوال ۔ اور رباب و طاؤس اول نے یہاں ایسی افراتفری مچائی کہ اقلیت میں ہوتے ہوئے، سکھوں نے بھی کسی طرح ہم پر تیس، چالیس سال حکومت کرلی ۔ اور اس زمانے میں وہ بدامنی مچی اور سکھا شاہی کی تلمیح از خود افراتفری یا حکومت نہ ہونے کے برابر کے معنی میں کی جاتی ہے ۔ پھر انگریز جب بیسویں صدی کے وسط میں ہمارا حکمران بنا ۔ تو ہم اپنا سب کچھ تباہ کرچکے تھے ۔ یورپ جو مشین کے زمانے میں داخل ہوچکا تھا ۔ وہ ہمارے لئے اچنبھے کی باتیں تھیں ۔ موٹرکاروں اور ہوائی جہازوں کی ایجاد یا تیز سواریوں کی آمد سے تیز حرکت ایک طرف تو دوسری طرف کارخانے، تجارت اور نئے کپڑے اور نئے کھانے، زندگی کا رنگ ہی تبدیل ہوگیا تھا ۔ اور گو جس زمانے میں یہ عاجز پیدا ہوا تو ایک طرف خلافت تحریک کے " نہیں مانتے ظالم سرکار کو " کے نعرے لگ رہے تھے تو دوسری طرف انگریز افسران کے ساتھ ہاتھ ملانا بھی فخر سمجھا جاتا تھا کہ انڈسٹری کے علاوہ انگریز نے جو پنجاب میں نہری نظام شروع کیا اور آمد و

رفت میں اتنی ترقیاں ہو رہی تھیں۔ تو ہم اپنے حاکموں یا انگریزوں سے بہت مرعوب تھے کہ یورپ دنیا پر چھا چکا تھا۔ اور انگریزوں کی سلطنت پر سورج غروب نہ ہوتا تھا۔

## انگریزوں کی کھیپ

9 ۔ بہر حال اگر معاملات کو ایمانداری سے سوچیں، تو یہ دوسری جنگ عظیم تھی جس نے انگریز کو مجبور کر دیا، کہ وہ ان خطوں کو چھوڑ دیں لیکن ہوشیار انگریز اپنے جانے کے بعد کسی ایسی "کھیپ" کو ہم پر براجمان کرنا چاہتا تھا جو اس کی تیار کردہ ہو۔ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو آپس میں لڑانا بھی چاہتا تھا اور گو اپنا زیادہ وزن وہ ہندوؤں کے پلڑے میں رکھتا تھا لیکن ہندی مسلمان قومیت کی وہ اجازت دینا چاہتا تھا۔ انگریز البتہ یہ نہ چاہتا تھا کہ ہم مسلم قومیت سے امت واحدہ کی طرف پیش رفت کریں۔ لنگڑا لولا پاکستان، اینگلو امریکن بلاک کی بھی ضرورت تھی کہ ہندو مہا بھارت کے فلسفہ کے تحت سارے جنوب مشرقی ایشیاء پر نہ چھا جائیں۔ صوبہ سرحد کو بھی وہ لوگ بھارت میں شامل رکھنا چاہتے تھے، کہ مسلمانوں میں کوئی یک جہتی نہ ہو جائے جیسے اب وہ ڈر رہے ہیں کہ وسط ایشیاء، ایران، ترکی، افغانستان اور پاکستان کے مسلمان کوئی پکی یک جہتی والی صورت اختیار نہ کر جائیں۔ انگریزوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ برصغیر کو آزاد کر کے اب "سانجھی دولت" (کامن ویلتھ) اور کئی ذریعوں سے ہمیں اینگلو امریکن بلاک کا پروردہ بنایا ہوا ہے۔ اور اس سلسلہ میں انگریزوں کے اعمال، طریق وکار کے مجھے اتنے زیادہ ثبوت مہیا ہوئے ہیں، کہ میری کتابیں ان شواہد سے بھری پڑی ہیں۔ اور یہ ثبوت بھی اب موجود ہے کہ انگریز جنرلوں نے مل کر کس طرح فیصلہ کیا کہ ہمیں یہ لولا لنگڑا کشمیر دینا تھا۔ اور کشمیر کی 48-1947 کی ساری جنگ ایک لحاظ سے "ڈرامہ" یا "جنگی مشق" بھی تھی۔ کہ جو کچھ جہاد کے ذریعہ سے ہم حاصل کر لیتے تھے۔ ہمارے انگریز جنرل ہمارے اندر سے کسی سے کوتاہی یا غداری کرا کے وہ کچھ بھارت کو واپس دلا دیتے تھے۔ بلکہ سری نگر کی طرف پیش قدمی بھی انگریزوں کا ڈرامہ تھا۔ کہ صرف مہورا بجلی گھر پر قبضہ کر کے مہاراجہ کے لئے "اندھیرا گھپ" کرنا تھا، کہ وہ جموں کی طرف فرار کر کے بھارت میں ریاست کے شمول کا اعلان کرے۔ اور



جموں کی حفاظت فوجی طور پر جنرل میسرولی کے حکم کے تحت سیالکوٹ کا سٹیشن کمانڈر کرنل ہوبزٹ کر رہا تھا اور گورنر مودی کے حکم کے تحت سیالکوٹ کا ڈپٹی کمشنر غلام کذاب کا پوتا ایم ایم احمد بھی مدد کر رہا تھا کہ تمام رضاکار مجاہدین کو روپوچک میں "سگریگیٹ" کر دیا گیا۔

## ذلت سے دوچار

10 ۔ کشمیر کے 48-1947ء کا جہاد اور جہاد میں جموں یا پہلے ہماری فوج کا کشمیر میں بھونڈا استعمال یا بھارتیوں کے کشمیر میں پھنس جانا وغیرہ یا جہاد کے بعد انگریز جس راہ پر ہمیں لگا گئے۔ سب باتیں تفصیلی مطالعہ چاہتی ہیں کہ جو کچھ ہمارے ساتھ 1971ء میں ہوا۔ اس کی بنیاد 1948ء میں باندھ دی گئی تھی۔ اور 1965ء کی جنگ 1971ء کا ریہرسل تھی۔ اس لئے ان کافرانہ نظاموں کے ساتھ آزادی کے بعد بھی چمٹے رہنے کی وجہ سے جس ذلت سے ہم دوچار ہو چکے ہیں یا ہو رہے ہیں۔ ان کی کچھ جھلکیاں آگے آ رہی ہیں۔ کہ پاکستان تو سیاسی عمل سے حاصل کر لیا۔ لیکن آزادی کے بعد اس کافرانہ عمل سے توبہ کر کے جہاد کو طرز زندگی کے طور پر اختیار کرنے کی ضرورت تھی۔ اور اگر ایسا کر لیتے تو اب تک دنیا کی تاریخ کا دھارا بھی تبدیل ہو چکا ہوتا۔

## تبادلہ آبادی

11 ۔ آزادی کے فوراً بعد بھارتی پنجاب میں منظم طور پر فرقہ وارانہ فساد کرا کے، مسلمانوں کو پاکستان کی طرف ہجرت کے لئے مجبور کر دیا گیا۔ اور ہم نے تبادلہ آبادی والی بات مان کر بہت غلطی کی۔ اسی تبادلہ آبادی کے اصول کے تحت تو قائد اعظم دہلی تک علاقے مانگ رہے تھے۔ اور ادھر پورا بنگال اور آسام مانگ رہے تھے۔ آسام کے صوبہ میں ہندوؤں کی اکثریت بھی نہ تھی کہ کافی لوگ عیسائی یا قبائلی قسم کے مذہب کے پیروکار تھے۔ بلکہ دونوں خطوں یعنی مشرقی اور مغربی پاکستان کو ملانے کے لئے ایک Corrider = ( ملاپ کا راستہ ) بھی مانگ رہے تھے کہ دونوں خطوں میں خشکی کے ذریعہ سے بھی رابطہ ہو۔

## لنگڑا لولا پاکستان

قائداعظم نے جو کابینہ مشن کی گروپوں والی سکیم منظور کرلی تھی تو ان کو دس سال بعد صحیح حدبندی والا مکمل پاکستان ملنے کی امید تھی۔ بہرحال جو کچھ ہمیں ملا، یا دیا گیا۔ یہ سب کچھ انگریز کی سوچ کے مطابق تھا۔ کہ ہمیں یہ لنگڑا لولا پاکستان دینا تھا اور ہندو اس لنگڑے لولے پاکستان پر اس لئے تیار ہوگیا، کہ ان کا خیال تھا کہ یہ ملک اس طرح چل نہ سکے گا۔ اور چند دن بعد وہ ہمیں ہڑپ کرلیں گے۔ اور کشمیر پہ بھی اب تک وہ اسی وجہ سے قابض ہیں، کہ ان کو معلوم ہے، کہ کشمیر کے بغیر پاکستان کچھ عرصہ کے بعد بنجر ہوجائے گا۔ ورنہ ہندو گھاٹے کا سودا نہیں کرتا۔ کہ وہ کشمیر میں جو بے پناہ دولت خرچ کررہا ہے۔ اس کے سامنے کچھ مقاصد ہیں۔

## ذات پات اور اسلام

12۔ ہندو مذہب کے عقائد اب افسانوی صورت اختیار کرچکے ہیں۔ منوسمرتی کا دیا ہوا ذات و پات کا طریقہ زیادہ دیر نہ چل سکے گا۔ پاکستان جس دن اسلامی شکل وصورت اختیار کرلے گا تو بھارت ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گا۔ کہ بھارت کے موجودہ برہمن اور کھتری حکمران جو اقلیت میں ہیں، اتنے بڑے ملک کو افسانوی عقائد کے تحت متحد نہیں رکھ سکتے۔ بھارت کے مسلمان، سکھ، چھوٹی ذات کے ہندو، قبائلی گروہ، ان کا بہت بڑا مسئلہ ہیں۔ اتنی آبادی اور اتنے ذرائع والا ایک ملک، دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں کی نفری میں ہرگز داخل نہیں ہوسکتا، کہ ابھی تک کچھ خطوں میں غریب کی یہ حالت ہے، کہ وہ لوگ نہ دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھا سکتے ہیں۔ نہ تن پر کپڑا ہے۔ نہ تعلیم پاس ہے۔ نہ کوئی ہنر ہے، اور ان کو دیکھا جائے تو وہ کسی اور زمانے کے لوگ معلوم ہوتے ہیں۔ ہم لوگوں نے جب پاکستان بنایا، تو ہمیں خیال تھا کہ تھوڑے عرصہ میں ہم اسلام پر عمل کرکے اللہ کی فوج بن جائیں گے اور دنیا میں ہماری کارگردگی ایک نمونہ ہوگی، جس کو دیکھ کر ہندوؤں کی نچلی ذاتیں بھی مسلمان بن جائیں گی اور سارے برصغیر میں



بہت جلد نعرہ تکبیر کی صدائیں بلند ہونا شروع ہوجائیں گی۔ اور ہندوؤں کے رہنماؤں کو بھی یہ خطرہ تھا۔ اور شاید اینگلو امریکن بلاک والے بھی اسلام کی ایسی قوت سے خائف ہیں۔ اور یہ قدر بھی انگریزوں اور ہندوؤں میں مشترک ہے۔ لیکن افسوس کہ ہم مسلمان بننے کو تیار نہیں۔

## انگریزوں کی اسلام دشمنی

13۔ افسوسناک بات یہ ہے، کہ ہمارے ملک میں اب تک صرف لارڈ ماونٹ بیٹن اور ریڈکلف کو ہمارا دشمن سمجھا جاتا ہے اور ہم نے یہ تحقیق تو کی ہی نہیں کہ انگریزوں کی ڈگڈگی میں ماونٹ بیٹن اور ریڈکلف تو بڑے اور چھوٹے مہرے تھے۔ علاوہ ازیں ہم سمجھتے ہیں، کہ ہمارا نقصان صرف اٹیلی کی لیبر پارٹی نے کیا۔ چرچل کی ٹوری پارٹی اگر برسراقتدار ہوتی تو ہمارے ساتھ ایسا نہ ہوتا۔ لیکن قوم کو شاید یہ بات تو معلوم ہی نہیں کہ ماونٹ بیٹن کا بڑا مشیر جنرل اسمے تھا، جو دوسری جنگ عظیم میں چرچل کا ملٹری سیکرٹری تھا۔ اور بعد میں ٹوری پارٹی حکومتوں میں وزیر رہا۔ اور آخر ٹوری پارٹی نے اسے لارڈ بنا کر ہاوس آف لارڈز میں بھیج دیا۔ ماونٹ بیٹن نے جو کچھ کیا۔ اس کو ٹوری پارٹی سے یہ صاحب منظور کراتے تھے۔ پھر ہمارے ملک میں سرحد کے گورنر جارج کننگھم کے بارے میں کچھ لوگوں کو معلوم ہے کہ اس نے ہمارا نقصان کیا۔ لیکن اصلی سازش سے ہم بے خبر ہیں کہ جنرل میسروی، جنرل گریسی، جنرل میکے اور جارج کننگھم کے علاوہ سرحد کے انگریز انسپکٹر جنرل پولیس مسٹر گریس نے مل کر ہمیں بے وقوف بنا کر قبائلی مجاہدین کے جروش کی سری نگر کی طرف پیش قدمی کا ڈرامہ کرایا۔ جس کام کے لئے ایک غیر پختون بے کردار آدمی میجر خورشید انور کو چنا گیا جو کرنل سلطان علی شاہ کی کتاب "شامت اعمال" کے مطابق، ان مغویہ عورتوں کی "تجارت" میں مشغول رہتا تھا، جو بھارتی درندوں کے چنگل سے چھڑا کر پاکستان لائی جاتی تھیں۔ اور پنجاب کا ہمارا گورنر مودی آگاہ تھا کہ کیا ڈرامہ رچایا جارہا تھا۔ وہ کرنل ہوبرٹ کی مدد سے جموں کی طرف مجاہدین کی کاروائی سیالکوٹ کے ڈپٹی کمشنر غلام کذاب کے پوتے ایم ایم احمد سے رکوا رہا تھا۔ فیلڈ مارشل اکنلیک

نے بیچ بچاؤ کر کے اور کانفرنس کرا کے معاملات کو التواء میں ڈلوایا کہ بھارتی دریائے راوی پر پل بنالیں کہ پھر ان کی فوج کشمیر میں آسانی سے پہنچتی رہے۔ میجر جنرل کا تھورن اور میجر جنرل ٹامنم نے ہمارے نوکر ہوتے ہوئے جو کچھ ہمارے ساتھ کیا یا جو کچھ ان سے کرایا گیا ہے۔ وہ ایک کتاب کا مضمون ہے۔ تب ہی میری کتاب جہاد کشمیر پر پیشگی تبصرہ کرتے ہوئے 13 اکتوبر 1991ء کے پاکستان ٹائمز میں سید شبیر حسین نے کھل کر اعلان کیا، کہ مصنف نے جنوب مشرقی ایشیاء کے مسلمانوں کے خلاف انگریزوں بلکہ پورے اینگلوامریکن بلاک کی سازش کا کھوج لگالیا ہے۔ اسلام کے ایک اور عظیم فرزند اور اب مرحوم و مغفور بریگیڈیئر صدیق سکی نے جو کشمیر کے جہاد کے بہت بڑے ھیرو ہیں اور ان کی بات پر عمل کیا جاتا تو تاریخ کا دھارا تبدیل ہو جاتا۔ مورخہ 9 فروری 1995ء کی روزنامہ اخبار "نیوز" میں میری اس کتاب پر تبصرہ میں بہت کچھ کہا" کہ لفظ لفظ سے نہ صرف سچائی ٹپکتی ہے بلکہ ہر بیان کے واقعاتی اور دستاویزاتی شواہد پیش کئے گئے ہیں۔ اور بڑی خدمت یہ ہے کہ مصنف نے ہمارے انگریز "نوکروں" کے اعمال سے جو پردے اتارے ہیں وہ آنکھیں کھول دیتے ہیں کہ ہائے ہم نے اپنی پرانی تاریخ کا مطالعہ کیوں نہ کیا کہ انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی نے کس طرح دغا و فریب سے برصغیر کی حکومت سنبھالی اور یہ دغا و فریب اب تک جاری ہے۔ اور انگریزوں کو نوکر رکھ کر ہم نے بڑی غلطی کی۔"

## باطل فلسفے اور کافرانہ نظام

14 ۔ اب جب تک ہم ان باطل فلسفوں اور کافرانہ نظاموں کو بحیرہ عرب میں ڈبو نہیں دیتے تو یہ یاد رہے، کہ ہم لندن اور واشنگٹن کی ڈگڈگی پر اسی طرح ناچتے رہیں گے۔ جیسے اب تک ناچتے رہے ہیں۔ مشرقی پنجاب میں جب مسلمانوں پر حملے ہوئے تو اس کا علاج یہ تھا، کہ جیسے خان عبدالقیوم نے سفارش کی، قبائلی لشکروں کو اجازت دے دیتے کہ وہ مسلمانوں کی حفاظت کے لئے وہاں داخل ہو جاتے۔ لوٹ مار کرتے یا جو کچھ بھی کرتے۔ بھارت میدان جنگ بن جاتا۔ مسلمان مرد اور عورتوں میں کچھ جان پڑجاتی۔ اور ہم ستر ہزار نوجوان عورتیں،



کفار کے پاس نہ چھوڑتے۔ ہم خود اپنے آپ کو منظم کرتے، اور جہاد کو طرز زندگی کے طور پر اختیار کر لیتے، تو اللہ تعالیٰ مدد کرتا۔ اس انگریزی طرز حکومت سے چھٹکارا مل جاتا۔ اور مرنے مارنے کے لئے تیار ہو جاتے، تو اس برصغیر کی تاریخ تبدیل ہو چکی ہوتی۔ اور بھارتی فوجیں بعد میں مشرقی پنجاب کے راستے اس طرح کشمیر میں داخل نہ ہوتی رہتیں اور کشمیر تو 1947ء ہی میں پاکستان میں شامل ہو جاتا۔ فطرت نے ہمیں منظم ہونے کا جو سنہری موقع دیا تھا۔ وہ ہم نے ضائع کر دیا، کہ ہم کافرانہ سیاست اور آئین کے ساتھ چمٹے رہے۔ لڑنے والے کبھی نہیں مرتے۔ ہم نیزوں بھالوں سے لڑتے۔ منظم ہوتے۔ تو پھر نتیجہ دیکھ لیتے۔

## گہری سازشوں نے بھارتی فوج کو بچالیا

15 ۔ قبائلی لشکروں کے سری نگر کی طرف ڈرامے کے طور پر پیش قدمی کرانا اور ان کو سری نگر کے قریب بھارتی فوج سے مار دلانا۔ یہ تمام سازشیں گہرے مطالعوں کو دعوت دے رہی ہیں کہ قبائلی مجاہدین کے بہترین استعمال کی جگہیں جموں صوبہ میں تھی۔ اور چند قبائلی بروقت پونچھ کے مجاہدین کی مدد کے لئے بھیج دیئے جاتے تو وہاں کے عباسی اور سدھن لشکر پونچھ کی فتح کے بعد سارے کشمیر کو روند دیتے۔ لیکن ہمارے ساتھ کیا کچھ نہ کیا گیا۔ اس کی تفصیل ان مضامین میں نہیں دی جا سکتی کہ قائداعظم کا حکم بھی نہ مانا گیا کہ جموں، کٹھوعہ سڑک کاٹ دی جائے اور اکبر خان کی وہ پیشکش بھی نہ مانی گئی کہ ان کو قبائلی مجاہدین کی مدد سے جموں، کٹھوعہ سڑک پر کام کرنے کی اجازت دی جائے۔ وغیرہ۔ ان کوتاہیوں کے باوجود بھارتی فوج کا کشمیر میں دخول۔ بھارتی فوج کی تباہی لا سکتا تھا کہ وہ اپنا سر کشمیر کی وادی میں لے گئے تھے۔ اور جموں کے علاقے میں ان کی ٹانگیں باندھ کر سارے کشمیر میں ہر جگہ ان کے بدن پر ہم چوٹیں مارنے کے قابل تھے کہ وہ لوگ بیرونی ذرائع یعنی EXTERIOR LINES پر کام کر رہے تھے ہم اندرونی ذرائع INTERIOR LINES پر تھے۔ اور بھارتی فوجی مشینری کو تہس نہس کر سکتے تھے۔ لیکن اکبر خان کو طارق ہیڈ کوارٹر سے ہٹا دیا گیا۔ اور انہوں نے جو بھارتی فوج کو کشمیر میں تتر بتر کر دیا تھا۔ اس پر حملے کرنے کی تجاویزات کو روک دیا گیا۔ دسمبر 1947ء میں

جھنگڑ کی فتح کے بعد بھارتی نوشہرہ برگیڈ ہمارے لئے تر نوالہ تھا۔ معمولی فوجی امداد سے ہمارے مجاہدین اس برگیڈ کو تہس نہس کر کے رام بن اور بانہال کے درہ تک پہنچ سکتے تھے کہ راجوری سے مجاہدین وہاں پہنچے ہوئے تھے۔

## سازش در سازش

16۔ لیکن افسوس کہ دریائے چناب کے مشرق کی طرف حکومت پاکستان کے حکم پر مجاہدین کی تمام کاروائیوں کو روک دیا گیا۔ سیالکوٹ کے علاقہ میں تقریباً بیس ہزار مجاہدین کو سگریگیٹ کر کے رکھا گیا۔ اور فروری 1948ء میں ان کو مکمل طور پر تتر بتر کر دیا گیا۔ اور بھارتی آمد و رفت کے ذرائع کی حفاظت کٹھوعہ سے جموں اور جموں سے اکھنور تک سیالکوٹ میں متعین ہمارا 103 برگیڈ کرتا رہا۔ علاوہ ازیں پونچھ میں پہلی غلطی کے بعد جب فروری، مارچ 1948ء میں برگیڈیر صدیق ستی نے جو ایک توپ حاصل کر لی تھی۔ اس کو بروقت استعمال نہ کرنے دیا۔ آخر استعمال کی اجازت ملی اور محاصرے میں آئے ہوئے بھارتی ہتھیار ڈالنے پر تیار ہوئے تو بیماروں کو وہاں سے نکالنے کے لئے بھارتی حکومت نے جو جنرل گریسی اور لیاقت علی سے تین دن کی فائر بندی کرائی۔ تو بھارتیوں نے پونچھ میں بڑی توپ اتار لی۔ صدیق ستی نے اس پر فائر کھولا۔ تو اس کو محاذ سے ہی ہٹا دیا۔ اور پونچھ اب تک بھارتیوں کے پاس ہے۔ یہی نہیں جب بھارتیوں نے حیدر آباد پر حملہ کیا تو اس وقت بھی ہم فوج کو صحیح استعمال کر کے یا فائر بندی کے لئے آتش بازی کی بجائے۔ فوج اور مجاہدین کے صحیح استعمال سے بھارتیوں کی فوجی مشینری کو کشمیر میں تباہ کر سکتے تھے۔

## بہادری سے لڑنے والے جیل میں، غداروں کو بہادری کے تمغے

17۔ لیکن یہ کشمیر کے جہاد میں مجاہدین اور ہماری فوج کو اس طرح بھونڈے طور پر غلط وقت، غلط جگہوں پر استعمال کیا گیا کہ "بھارتی سورما" سے مسلمان مجاہد کو مار دلا کر اور آزاد علاقے سازشوں کے ذریعہ سے بھارت کو واپس دلا کر ایسے وقت فائر بندی کی گئی کہ ہر وہ پہاڑی جس کی بھارت کو ضرورت تھی اس کو دے کر ہمیں موجودہ فائر بندی لائن پر ایک سازش کے



تحت بیٹھا دیا گیا۔ جس طرح ہم 48 سالوں سے بیٹھے ہیں کہ جہاد کی بجائے ہمیں مغربی طرز دفاع کے کافرانہ نظام کا پیروکار بنانا تھا۔ اور ستمبر 1965ء میں بھارتیوں کی تسلی دینا تھی کہ یہ مسلمان مجاہدین اب دہلی پہنچنے کے قابل نہیں۔ اسی وجہ سے چھ سال بعد 1971ء میں ہمیں دولخت بھی کر دیا اور ہمارے نوے ہزار فوجیوں سے ہتھیار ڈلوا کر ہمیں رسوا کرنا مقصود تھا یہ ہے کافرانہ نظام دفاع اپنانے کا ایک نتیجہ۔ میجر جنرل فرمان اور کچھ لوگ طفل تسلیوں کے طور یہ کہتے ہیں کہ نوے ہزار ہتھیار بند نہ تھے۔ صرف ساٹھ ہزار ہتھیار بند تھے۔ میں کہتا ہوں ایک سو ہتھیار بند فوج کے ہتھیار ڈالنا بھی ذلت والی بات ہے۔ اسلام میں تو حکمت عملی کے بغیر پسپائی کی بھی اجازت نہیں۔ میں مانتا ہوں کہ 1971ء میں مشرقی پاکستان میں لڑائی مشکل تھی لیکن اس کافرانہ سیاست اور نظاموں نے ہمیں ان حالات سے دوچار کر دیا۔ اب ذرا سیاست کا رخ کرنے سے پہلے ایک چیز نوٹ کر لیں کہ جو لوگ کشمیر میں بہادری سے لڑے ان میں سے اکثر کو راولپنڈی سازش کے جھوٹے مقدمہ کے تحت جیل میں ڈال دیا گیا۔ اور جنہوں نے انگریز جنرلوں کی کھیل کھیلی ان کو بہادری کے تمغوں سے نواز دیا گیا۔ ایک تمغہ ایوب خان کو بھی دیا گیا کہ ایک دن اس نے کشمیر کے جہاد کی ایک "بریفنگ" میں شرکت کی تھی۔ جون 1994ء کی نوائے وقت میں الطاف گوہر لکھتا ہے کہ ایوب خان کو بعد میں معلوم ہوا کہ ستمبر 1965ء کی جنگ میں لوگوں نے بڑے جھوٹ بولے۔ اور کئی جھوٹوں پر ان کو بہادری کے تمغوں سے نواز دیا گیا۔ تو ایوب خان اگر سوچتا کہ جب کشمیر کے جہاد کا تمغہ اس کو بھی کسی جھوٹ پر دیا گیا۔ تو یہ رسم تو جاری رہنا تھی۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار)

## جہاد میں جمود اور باطل نظام کی پیروی

18۔ کشمیر کے جہاد میں جمود ڈلوا کر انگریز جنرلوں نے سخت احکام دیئے کہ خبردار اس جہاد کی بات کسی تربیت میں نہ کی جائے گی۔ اور جنرل اکبر خان رنگروٹ کو جنرل گریسی نے تنبیہ کی کہ مملوکوں اور عثمانیہ کا فلسفہ جہاد۔ انگریزی دفاعی نظام سے شکست کھا چکا ہے۔ اب اس ملک میں خبردار کہ جہاد کا نام لیا جائے۔ پھر انگریزوں نے ہماری فوج کو ان باتوں پر فخر کرنا سکھلایا

کہ کس طرح ہماری یونٹوں نے سلطان ٹیپو کو شہید کیا۔ 1857ء میں دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجائی۔ قندھار اور کابل پر دھاوے کئے۔ مصر، عراق حتیٰ کہ یورپ میں داد شجاعت دی۔ اور یہ فخر کی باتیں ہیں کہ ویول کی کتاب سولجری کے مطابق۔ سپاہی ایک چور اور ڈاکو بھی ہو سکتا ہے اور ان سپاہیانہ اوصاف والے یا ٹامیوں والے سپاہیانہ اوصاف پر ہماری تربیت ہوگی۔ میں حیران ہوں کہ ہماری فوج میں ایسی ہدایات کے باوجود مذہبی لوگوں نے مجاہدانہ جذبہ قائم رکھا ہوا ہے۔ تو میں نوکری کے دوران بھی ان کو سلام کرتا رہا۔ اور اب بھی سلام کرتا ہوں کہ ستمبر 1965ء کی جنگ کے بعد تو میں نے کوئی لگی لپٹی باقی نہ رکھی کہ ہمیں ان کافرانہ دفاعی نظاموں کو بحیرہ عرب میں ڈبو دینا چاہیئے۔ ٹیکنالوجی اور موجودہ ہتھیار البتہ وقت کی ضرورت ہیں لیکن اسلام نے فوجی نظام یا تزویرات اور تدبیرات کا اپنا نظام قرآن پاک اور سنت سے واضح کیا ہے۔ اور اس ٹیکنالوجی کے بارے میں سورۃ حدید میں واضح اشارے ہیں کہ ہمیں وقت کے ساتھ ان ترقی یافتہ ذرائع سے بھی فائدہ اٹھانا ہوگا۔ بہرحال اسلامی فلسفہ دفاع یا جہاد بالسیف، کہ ان زمانوں میں جہاد یا دفاع کے کیا تقاضے ہیں اور قتال کو کس طرح قومی تزویرات کے تابع کیا جاتا ہے کا ذکر پانچویں باب میں آرہا ہے۔ علاوہ ازیں اسلام کلی جنگ کا دعویدار ہے۔ اور سولین لوگ صرف تالی بجا کر واہ، واہ نہیں کرتے، بلکہ اپنی خصوصیات کے تحت جنگ میں بھرپور حصہ لیتے ہیں۔ خلفاء راشدین کے زمانے میں مسلمان دو محاذوں پر اس وقت کی دنیا کی دو مانی ہوئی طاقتوں سے برسرپیکار تھے۔ اور ان لوگوں میں ہرقل شاہ روم جیسے تزویرات کے ماہرین شامل تھے۔ لیکن دونوں حکومتوں کی فوجیں مسلمانوں کے خلاف وہ کچھ نہ کرسکیں جو تین ہجری میں رومیوں نے ایرانیوں کے خلاف کیا۔ کہ اپنی شکست سے بچنے کے لئے ایک طرف سے چھپ کر اچانک ایرانی دارالسلطنت مدائن پہنچ گئے۔ یہاں وہ لوگ مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ کیوں نہ پہنچ سکے؟ کیا انہوں نے کوئی کوشش نہ کی؟ انہوں نے کوششیں کیں۔ لیکن مسلمان نبیان المرصوص تھے۔ ان کی جتھہ بندی اور گاؤں وعلاقائی سطحوں پر منظم ہونے سے دونوں حکومتوں کی فوجوں کو ایک حد تک اپنے اندر گھسنے دیا۔ اور پھر ایرانی فوجوں کو قادسیہ کے مقام پر اور



رومی فوجوں کو یرموک کے مقام پر ایسا تہس نہس کیا، کہ دنیا کی تاریخ کا دھارا تبدیل ہوگیا۔ قارئین میری کتابیں خلفاء راشدین پڑھیں۔ میں مکھی پر مکھی نہیں مارتا۔ میں نے ہر عمل اور ضرورت کا بامقصد تجزیہ کیا ہے۔

## جمہوریت کے نام سے قوم کے ساتھ فراڈ

19۔ اب ذرا سیاسی نظام کی طرف آتے ہیں۔ جمہوریت کو نہ کنٹرول کیا جاسکتا ہے اور نہ ایوب خان اس کو کنٹرول کرسکا۔ نہ یہ اسلامی ہے اور نہ ضیاء الحق اس کو اسلامی بنا سکا۔ یہ ایک محسن کش نظام ہے۔ یہ طبقاتی نفرت پیدا کرتا ہے۔ اور گروہ بندی یا اختلاف برائے اختلاف کو جنم دیتا ہے۔ حکومت وہ لوگ کرتے ہیں جو لوگوں کو زیادہ بے وقوف بنا سکیں اور اوپر والی سطح پر ایک ٹریڈ یونین کے طور پر چند جاگیردار یا کارخانہ دار حکومت کرتے ہیں۔ پاکستان ایک سیاسی عمل کی پیداوار تھا یا ہے۔ قائداعظم نے مجبوری کے تحت کھوٹے سکوں کے ساتھ گزارہ کیا اور اس کی امید تھی کہ جب کوئی زمین کا ٹکڑا مل جائے گا۔ وہاں اسلامی نظام، قرون اولیٰ کی یاد تازہ کردے گا۔ جو لوگ کہتے ہیں، کہ قائداعظم ایک بے دین نظام چاہتا تھا تو پھر جن مذہبی لوگوں نے قائداعظم کے لئے کافراعظم کا لفظ استعمال کیا۔ وہ صحیح تھے۔ بہرحال میں تحریک کا آدمی ہوں اور قائداعظم اور سب مسلمان لیڈروں کو خواہ وہ مسلم لیگ میں تھے یا مخالفت میں تھے، بہت نزدیک سے دیکھنے کا موقع ملا۔ اور اس سلسلہ میں کئی کتابیں لکھ سکتا ہوں۔ ہم نے البتہ آج کل دوسری طرف قائداعظم کو اسلام کا کوئی بڑا عالم یا ریفارمر بنالیا ہے۔ خدانخواستہ اگر قائداعظم بے دین نظام چاہتے تھے تو ہم ان کی پیروی نہیں کرسکتے۔ ہمارے لئے اللہ اور رسولؐ کے احکام ضروری ہیں۔ بہرحال قائداعظم ایک دیانتدار وکیل تھا اور اس میں مومن کی فراست تھی، لیکن انہوں نے اسلام کے تفصیلی مطالعہ کا کبھی دعویٰ نہ کیا اور انہوں نے مسلمانوں کی آئینی جنگ بڑی دیانتداری سے لڑی۔ وہ اسلام کی کسی منظم جتھہ بندی کے اصول سے بھی زیادہ آگاہ نہ تھے۔ یا اس طرف دھیان نہ دے سکے، کہ نواب صدیق علی خان کے ماتحت برائے نام مسلم لیگ نیشنل گارڈز نہ آزادی کے وقت نہ بعد میں قوم کی کچھ مدد کرسکی۔ اسی وجہ سے قائد

نے آزادی کے بعد جلدی ہر ضلع میں پاکستان نیشنل گارڈز کے قیام کی طرح ڈالی - لیکن ان عسکری تنظیموں کو فلسفہ جہاد کے تحت نہ چلانے کی وجہ سے، کوئی بھی عسکری تنظیم ہمارے کام نہ آئی - بہر حال یہ جمہوری فراڈ جو پاکستان بننے کے بعد ہم نے قوم کے ساتھ جاری رکھا - یہ بڑی بھیانک کہانی ہے - کہ لیاقت علی نے راجہ غضنفر علی اور اسماعیل چندریگر جیسے باوقار سیاستدانوں کو جلد سفارت کے بہانے ملک سے باہر بھیج دیا - اور انگریزوں کی تیار کردہ سول بیروکریسی یعنی سکندر مرزا، غلام محمد، چودھری محمد علی اور عزیز احمد، جی احمد برادرن سے ہمارے ملک میں برٹش خفیہ سروس کے ماہر میجر جنرل کاتھورن کے ذریعہ ایک ایسی "کھیپ" کو ہم پر مسلط کیا، جو آج تک مسلط ہے کبھی مسلم لیگ کی شکل میں - کبھی مارشل لاء کے ڈنڈے کے طور پر اور کبھی پیپلز پارٹی کے روپ میں، اور ان لوگوں نے قائداعظم کو بھی نہ معاف کیا - میری کتابوں میں تمام باتیں حوالوں کے ساتھ موجود ہیں، کہ بقول مس فاطمہ جناح زیارت میں لیاقت علی کے ساتھ آخری ملاقات کے بعد قائداعظم پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے کہ ان کے معالج ڈاکٹر الہیٰ بخش کے مطابق ان کی مزید جینے کی خواہش ختم ہو چکی تھی -

افسوس ہمارے ملک میں ایک اخبار میں قائداعظم کے اے ڈی سی بریگیڈیئر نور حسین سے لیاقت علی کے دفاع میں "چھپے ہاتھ" مضامین لکھوا رہے ہیں - حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ قائد کے آخری ایام میں ان کو معلوم ہو چکا تھا، کہ وہ ملک کے برائے نام "فگرہیڈ" ہیں - لیکن وہ اس حد تک نہ گئے، کہ فضل الہیٰ والا طریقہ اختیار کرتے کہ "مجھ کو آزاد کراؤ" مس فاطمہ جناح پر بھی زیادہ حقیقت تب عیاں ہوئی کہ کراچی کے ہوائی اڈہ پر کوئی ایک سرکاری نوکر ان کو "خوش آمدید" کہنے کے لئے موجود نہ تھا - اور جس ایمبولینس میں ان کو سرکاری رہائش گاہ تک لے جانا تھا اس کا پٹرول راستے میں ختم ہو گیا اور ممکن ہے قائد نے تڑپ تڑپ کر راستے میں ہی اسی ایمبولینس میں جان دے دی ہو - ظفر اللہ کی کارگردگی سے تو قائداعظم کو سندھ کے عظیم لیڈر ہاشم گزدر نے آگاہ کر دیا تھا - اور قائد نے راجہ محمود آباد کو بتایا کہ وہ اس کو وزارت سے ہٹا رہے ہیں - لیکن لیاقت علی، ظفر اللہ، گٹھ جوڑ اور اینگلو امریکن بلاک کے ہدایات پر بھارت کے سامنے بھیگی بلی سی کی باتیں، تو اب سامنے آرہی ہیں - اس وقت تو صرف اتنا معلوم ہوا کہ قائد کی



وفات کے دوسرے دن بھارت نے حیدر آباد پر حملہ کر دیا - اور چوتھے دن لیاقت علی کے حکم پر گورنر مودی اور وزیر مال دولتانہ نے ربوہ میں جھوٹے نبی کا مرکز بنوا دیا - قائد کی زندگی میں چودھری محمد علی جب کشمیر میں فائر بندی کی تجویز لے کر قائد کے پاس پہنچا، تو قائد نے ان کو جھڑک دیا - لیکن قائد کی وفات کے بعد لیاقت علی نے کشمیر پر حملہ کی وہ ساری تجویز روک دی جو حیدر آباد پر بھارتی حملہ کے وقت کرنا تھا - اور پھر اپنی فوج کو بھونڈے طور پر استعمال کرا کے لیاقت علی نے جو انگریز جنرلوں سے مل کر یہ فائر بندی کرا کے ایک طرح سے کشمیر بھارت کے حوالے کر دیا - اور میں نے اپنی کتاب میں حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ کشمیر کی ہر کوتاہی اور غداری، لیاقت اور انگریز جنرلوں کی ملی بھگت کا نتیجہ تھی کہ انگریز خفیہ سروس کے میجر جنرل کاتھورن نے پاکستان بننے کے بعد ہمارے ان "حکمرانوں" سے جو کچھ کرایا وہ ایک کتاب کا مضمون ہے - کہا جاتا ہے کہ جمہوریت میں پوری قوم ملک کی پالیسیوں اور کارکردگی سے آگاہ ہوتی ہے - میں تو اس پر صرف اتنا تبصرہ کروں گا کہ پوری قوم کو خوب بے وقوف بنایا جاتا ہے - اور جو آدمی جتنے زیادہ جھوٹ بولے وہ اتنا بڑا لیڈر ہوتا ہے -

## قرارداد مقاصد کے ذریعہ قوم سے فراڈ

20 - قائداعظم، انگریزوں اور ان کی تیار کردہ "کھیپ" کی مجبوری تھی - اور مردہ قائداعظم کی زیادہ ضرورت تھی کہ ترکوں کی نقل میں ہمیں ایک "بابائے قوم" کی ضرورت تھی کہ کسی آدمی کو حضور پاک کی نبوت میں "شرکت" دے کر ہمیں رسول عربیؐ کے اسلام سے دور رکھا جائے - اور یہی آج کل ہو رہا ہے کہ علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ سے زیادہ رہنمائی لی جاتی ہے حالانکہ ہمیں رہنمائی صرف قرآن پاک اور سنت نبویؐ سے حاصل کرنا چاہیئے اور ہمارا نعرہ یہ ہونا چاہیئے کہ ہر زمانے کے لئے رہبر و رہنما مصطفیٰؐ، مصطفیٰؐ ہیں - بہر حال قائد کی وفات کے بعد لیاقت علی نے ایک اور شوشہ چھوڑا، کہ پاکستان، مسلمانوں کی معاشی ضرورت تھی اور سرکاری نوکروں میں کوئی آدمی شریعت اسلامی کا نام نہ لے گا - یہ پیغام ضلع کے ڈپٹی کمشنروں اور فوج کے کرنل کے عہدہ تک کے لوگوں تک زبانی پہنچایا گیا - اور سب سے پہلا پروٹیسٹ کوہاٹ کے کرنل سلطان علی شاہ نے کیا - اور یہ بات پھیل گئی - اور ہم لوگوں نے کھل کر کہا کہ تحریک پاکستان کے ہراول

میں اقلیتی صوبوں کے مسلمان تھے جو بھارت میں رہ گئے ہیں ۔ اگر پاکستان کا مطلب
"لاالٰہ الا اللہ" نہ تھا اور مقصد ہمارا یا لیاقت کے چنیدہ لوگوں کا پیٹ بھرنا تھا ۔ اور مذہب ہر
کسی کا ذاتی معاملہ ہے تو یہ چیز تو بھارت کے مسلمانوں کو بھی کچھ حاصل ہے ۔ تو پھر لیاقت علی
نے اپنے مشیروں کی مدد سے قرار داد مقاصد 1949ء کے ذریعہ سے ہمیں خوب بے وقوف بنایا
کہ اس مہمل دستاویز نے ہمیں نہ ادھر کا چھوڑا نہ ادھر کا کہ حاکمیت یا اللہ تعالیٰ کی ہو سکتی یا
لوگوں کی ۔ دونوں کی نہیں ہو سکتی ۔ اور یہ تبصرہ پہلے باب میں ہو چکا ہے ۔

## کونسی جمہوریت ؟

21 ۔ بہرحال جمہوریت نہ اس ملک میں ایک دن چلی اور نہ چل سکتی ہے ۔ پاکستان بننے کے
پہلے ہفتہ سرحد کی کانگرسی حکومت کو سیدھے اسمبلی میں شکست کی بجائے ڈسمس کرنا پڑا ۔ سندھ
میں پاکستان بننے کے چند ماہ بعد محمد ایوب کھوڑو وزیر اعلیٰ کو ڈسمس کرنا پڑا ، کہ وہ لیاقت علی کے
بھارت سے لائے ہوئے مہاجرین کو لیاقت علی کی مرضی کے مطابق لوٹ مار کی اجازت نہ دے
رہا تھا ۔ لیاقت علی یہی کچھ پنجاب میں نواب ممدوٹ کے خلاف کرنا چاہتا تھا ۔ لیکن قائد اعظم ،
نواب ممدوٹ کو بہت پسند کرتے تھے ۔ تو یہاں لیاقت علی نے دولتانہ کو اپنے ساتھ ملایا ۔ اور
ممتاز دولتانہ نے شوکت حیات کو بے وقوف بنا کر اپنے ساتھ ملایا ۔ اور یہ دونوں ممدوٹ کے
خلاف سازشوں میں شریک ہو گئے ۔ اور قائد اعظم کی وفات کے بعد لیاقت علی نے نواب ممدوٹ
کو ڈسمس کر کے ۔ پنجاب میں گورنر راج شروع کیا ، کہ فرانسس موڈی کو ہم پر براجمان کر کے
لیاقت نے ثابت کر دیا کہ ہمارے حکمران انگریز ہی ہیں ۔ تو پھر پنجابیوں نے گورنر موڈی کے
خلاف تحریک چلائی ۔ تو لیاقت نے اس کو تبدیل تو کر دیا لیکن 1950ء میں جھرلو والے
انتخابات کرا کے آخر اپنے دوست ممتاز دولتانہ کو ہم پر مسلط کر دیا ۔ تو سرحد میں خان عبدالقیوم
نے خود جھرلو والے انتخابات کرا کے اپنی کرسی کو اور مضبوط کر دیا ۔ سندھ میں لیاقت علی ، کھوڑو
کی بجائے ۔ پیر الٰہی بخش کو لے آیا ۔ اس سے کام نہ چلا تو قاضی فضل اللہ کو لے آیا ۔ اور جو سیاسی



خر بازاریاں پورے ملک میں لیاقت علی کے زمانے میں ہوئیں اور جس طرح مہاجر قومی تحریک
کی اصلی بنیاد لیاقت علی نے ڈالی یا زرخیز زمین یا کارخانے اپنے دوستوں کو دیئے یہ زمانہ بدترین
آمریت کا ہے ۔ مخلص مسلم لیگی لیڈروں یعنی نواب اسمعیل یا مولانا حسرت موہانی یا راجہ محمود
آباد کو ۔ تو لیاقت نے پاکستان آنے نہ دیا ۔ خلیق الزمان آگیا تو اس کو مفرور الملت کا خطاب دیا
اور سہروردی کو کتا کہنے سے بھی گریز نہ کیا ۔ لیکن جب سب حدیں پھلانگنے لگا تو اس کے
"پروردوں" نے اس کو ختم کر دیا اور کہا جاتا ہے ۔ لیاقت علی نے کوئی بنیک بیلنس نہ چھوڑا ۔
کتنا بڑا جھوٹ ہے یہ ۔ نوائے وقت 22 اپریل 91 میں لیاقت کے ایک بیٹے اکبر لیاقت علی کی
پرانی کہانی شائع ہوئی تھی کہ لیاقت کی وفات کے چند سال بعد اس نے گوا کی ایک عیسائی
حسینہ سے شادی کی تھی ۔ جس کو کروڑوں روپے کے تحفے اور زیور اس زمانے میں دیئے جو آج
کے اربوں کے برابر ہیں ۔ لیکن یہ حسینہ بعد میں کافی دولت لے کر اکبر لیاقت علی کو چھوڑ گئی ۔
لیاقت کے بڑے بیٹے ولایت علی نے اور ایک کاردار امیر اعظم نے جو کچھ پنجاب سے کمایا ۔ وہ بھی
کروڑوں میں تھا ۔ یہ تھی لیاقت کی جمہوریت اور سیاسی نظام ۔ ہم جاہل قوم لیاقت کو قائد ملت کا
خطاب دیتے ہیں ۔ اور یہ نہیں سوچتے کہ وہ اپنے خاندان کے لئے کتنی دولت اکٹھی کر گیا تھا ۔
اصل میں لیاقت علی کو قتل کرا کے "شہید" بنانا تھا ، کو جو کچھ اسلام کے نفاذ کی رکاوٹ میں اس
سے کرایا گیا ۔ ضرورت یہ تھی کہ اس کو کوئی "کھوج" نہ لگائے ۔ اسی وجہ سے بھٹو کو پھانسی
چڑھانا ضروری تھا ، کہ اس سے ستمبر 65ء میں جو غداریاں کروائیں ، 1971ء میں ملک کو
دولخت کرایا ۔ اس کا "کھوج" نہ لگایا جائے اسی اصول کے تحت ضیاء الحق کے پرخچے اڑائے گئے کہ
اس سے جو گیارہ سال ، اسلام کے ساتھ فراڈ کرایا گیا ۔ اس کی کوئی تحقیق نہ کرے ۔ باقیوں کو
چھوڑیں آصف نواز کی طبعی موت کے بعد جیسے اس کو عظیم جنرل کے طور پر قوم کے سامنے پیش
کیا ۔ تو میں حیران رہ گیا کہ اس نے نہ ستمبر 65ء اور نہ دسمبر 71ء میں ادھیلے کا کام کیا تھا ۔
اور بہت عامیانہ ذہن کا آدمی اور ڈرپوک تھا ۔ میں نے اس کی موت سے 8 ماہ پہلے صدر غلام
اسحق کو لکھ دیا تھا کہ وہ میرے سچے خطوط کی تاب نہ لا سکے گا ۔ لیکن امریکن اس کو "ایوب ثانی"
بنا کر ہم پر مسلط کرنا چاہتے تھے ۔ تو اس کو بعد میں ہمارا "ہیرو" بنا دیا گیا کہ ہم اس کی کو تاہیو

کو نظر انداز کریں ۔ قارئین ان سازشوں کو آپ سمجھیں ۔ کہ ہمیں بہت دیر کے بعد معلوم ہوتا
ہے کہ یہ " چھپے ہاتھ " ہمارے ساتھ کیا کچھ کر گئے ۔

## سیاسی خر بازاری

22 ۔ لیاقت کے قتل کے بعد ملک کا گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین بغیر انتخاب کے کس طرح
ملک کا وزیراعظم بھی بن گیا اور مسلم لیگ کا صدر اور ڈیڑھ سال بعد سولین بیوروکریٹ غلام
محمد نے کس طرح خواجہ ناظم الدین کو ڈسمس کردیا ۔ اور محمد علی بوگرہ کو وزیراعظم بھی بنادیا
اور مسلم لیگ کا صدر بھی ۔ یا آئین ساز اسمبلی کا صحیح طور پر جو حشر کیا ، کہ سات سالوں میں ان
لوگوں نے ادھیلے کا کام نہ کیا ۔ لیکن کیا اس کو جمہوریت کہتے ہیں کہ غلام محمد کے بعد ایک اور
بیوروکریٹ سکندر مرزا جو غدار میر جعفر کا پڑپوتا تھا وہ ملک کا گورنر جنرل بھی بن جاتا ہے اور پہلا
صدر بھی ۔ اور ایک اور سولین بیوروکریٹس چودھری محمد علی ملک کا وزیراعظم بن جاتا ہے ۔ اور
جو قرآن پاک کی نافرمانی کرکے وہ 1956ء کا آئین بناتا ہے اسی نے چودھری محمد علی کو چاروں
شانے چت کردیا ۔ اگلے ڈیڑھ سال نے سہروردی ، چندریگر اور سر فیروز خان نون تین وزیراعظم
دیکھے ۔ اور صوبوں میں اس سے بدتر ہوتا رہا ۔ کہ وہی ڈاکٹر خان صاحب جس نے پاکستان کے
جھنڈے کو سلامی نہ دی اس کو مغربی پاکستان کی ون یونٹ بنا کر صوبہ کا وزیراعلیٰ بنادیا گیا ۔
سرحد میں خان عبدالقیوم نے اپنا جانشین انسپکٹر جنرل پولیس سردار عبدالرشید کو بنایا ۔ اور
جب وہاں گیا تو آگے سے اس کا کالی جھنڈیوں سے " استقبال " کیا گیا یہی سردار عبدالرشید بعد
مغربی پاکستان کا وزیراعلیٰ بنا ، اور اس کے بعد پنجاب کے غدار وزیراعلیٰ خضر حیات ٹوانہ کا دست
راست مظفر علی قزلباش مغربی پاکستان کا وزیراعلیٰ بنا ۔ یہ ہے ہمارے 1958ء تک کے کافرانہ
سیاسی نظام کا اجمالی خاکہ ۔ اور شور اٹھا کہ فوج ملک کو سنبھالا دے کہ 1953ء میں لیاقت علی
کا ہم سفر اور سیاست بازی کا ماہر ممتاز دولتانہ اپنے ہی " برین چائلڈ " اینٹی قادیانی تحریک میں
مار کھا چکا تھا ۔ اور بغیر انتخاب کے اس کی جگہ سر فیروز خان نون کو پنجاب کا وزیراعلیٰ بنایا گیا ۔
جس کا دست راست مظفر علی قزلباش کو بنایا گیا ۔ جس کا ابھی ابھی ذکر ہو چکا ہے ۔ لیکن بے



چارے فیروز خان کو جلد نون غنہ بنادیا گیا اور بغیر انتخاب کے ایک غیر معروف عبدالحمید دستی کو
پنجاب کا وزیراعلیٰ بنادیا گیا ۔

23 ۔ اینٹی قادیانی تحریک کے بارے کہا جاتا ہے کہ مودودی صاحب نے تجویز بتائی یا ہدایات
جاری کیں اور عبدالستار نیازی نے عملی رہنمائی کا کام کیا ۔ لیکن میرے لحاظ سے ہر پہلو کو اگر
اس کے نتائج اور اثرات سے پرکھا جائے ، تو یہ کام انہی لوگوں نے کرایا ۔ جنہوں نے ہمارے
اندر قادیانیوں کا شجرہ خبیثہ لگایا ۔ اگر کوئی مسلمان قوت ایسا پروگرام بناتی تو یہ کام 1948ء
میں شروع ہو جاتا ۔ لیکن یہ سازش بہت گہری ہے کہ آزادی کے بعد قادیانیوں کو مشرقی پنجاب
سے ایک " مظلوم " کے طور پر پاکستان میں لایا گیا کہ زرخیز زمینوں اور کارخانوں پر بھی ان کو
قابض کیا گیا ۔ اور سرکاری اداروں میں اور خاص کر وزارت خارجہ میں ان کو پھیلا دیا گیا ۔ یہ
تحریک ایک " شوشہ " تھا ۔ جس کے کئی مقاصد تھے کہ اول جسٹس منیر سے اسلام کو اس طرح
نکو بنایا گیا کہ لوگوں کو اپنے اسلام پر بھی شک پڑ گیا ۔ دوم جہاد کشمیر کے دوران قادیانیوں کی
ایک فرقان پلٹن میں رکھ کر سپہ گری کی تربیت دی گئی اور غلام کذاب کے پوتے کرنل داؤد
کے تحت ان لوگوں نے ہزاروں مسلمانوں کو تہ تیغ کیا ۔ جس کی خبر راقم اور کرنل خوشی محمد
کو لگ گئی ۔ اور بڑی مشکل سے ہم نے یہ قتل عام ختم کرایا ۔ لیکن مسلمان ایسے دبے کہ پھر
قادیانیوں کا نام نہ لیا گیا ۔ سوم لاہور میں مارشل لاء کا ریہرسل کیا گیا کہ وہ 1958ء کے
مارشل لاء کا پیش خیمہ تھا ۔ بہرحال جو لوگ اس غلط فہمی میں ہیں کہ 1973ء میں ہم نے
قادیانیوں کو اقلیت قرار دلوا کر کامیابی حاصل کرلی ہے ۔ ان کا شاید معلوم نہیں کہ یہ بھی
سازش کی ایک کڑی ہے کہ اب ہم نے سرکاری طور پر قادیانی اسلام ۔ یا قادیانی مسلمانوں کو
ایک گروہ تسلیم کرلیا ہے ۔ ہم لاکھ کہیں کہ وہ مسلمان نہیں ۔ وہ ایسا اعلان کرنے کو تیار نہیں
اور میرے لحاظ سے ہر قادیانی سلمان رشدی سے بدتر ہے کہ قرآن پاک کو اپنے معنی پہنا کر وہ
قرآن پاک کی بے حرمتی کر رہا ہے ۔ اس لئے وہ واجب القتل ہے ۔ جب تک ہم تمام قادیانیوں
کو ملک سے باہر نہیں نکال دیتے یا یہ لوگ توبہ نہیں کرتے یا ہم ان کا قلع قمع نہیں کرتے ۔ یہ
غلط فہمی ہم دل سے نکال دیں ، کہ ہم نے یہ مسئلہ حل کرلیا ہے ۔ مین 1953ء کی تحریک کے

بارے اپنی کتاب "تاشقند کے اصلی راز" میں جو 1985ء میں شائع کی جو کچھ کہہ چکا ہوں۔ اس سلسلہ میں ہفت روزہ "تکبیر" کے دسمبر 95ء کے شماروں میں مرحوم جنرل امراؤ خان بھی وہی بات کہہ گئے ہیں۔

## بنگالیوں کی علیحدگی

24 - بنگالی سیاست کا مختصر ذکر کافی ہے۔ میں نے 1944ء سے 1946ء تک تین سال ان علاقوں میں گزارے۔ اس زمانے میں وہ مسلمان تھے اور اسلام وہاں سمندر کی طرح ٹھاٹیں مار رہا تھا۔ 1951ء میں جب میں وہاں گیا تو وہ بنگالی بن چکے تھے۔ 1952ء کے لسانی جھگڑا میں اس عاجز کو پورے ڈھاکہ شہر کا ملٹری کمانڈر بننا پڑ گیا۔ اور میرے یہ چارج لینے سے پہلے کچھ لوگ مارے گئے۔ لیکن میں نے اسلامی رابطہ کی تقریروں سے 24 گھنٹے کے بعد وہاں حالات پر امن کر دیئے۔ اور ڈھاکہ شہر، نعرہ تکبیر کی صداؤں سے گونجنے لگ گیا۔ میں نے اسی زمانے میں لکھ کر دیا کہ ان لوگوں کو صرف اسلام ہی ہمارے ساتھ اکٹھا رکھ سکتا ہے۔ اور بہتر ہے کہ اپنی زبان بھی عربی کر دیں۔ یہی کچھ سر آغا خان نے کراچی میں 1950ء میں کہا تھا۔ لیکن کونسا اسلام؟ آغا خان نے اس وقت کہا کہ پہلی صدی کا اسلام۔ میں کہوں گا خلفاء راشدین کا اسلام۔ اور یہی کچھ میں اب لکھ چکا ہوں۔ 1971ء میں بھی اس عاجز نے بہتر سمجھا، کہ وہاں کا چکر لگاؤں اور بڑی لمبی کہانی ہے۔ ملک کے چپہ چپہ کو دیکھا۔ ہمارے مقابلہ میں ترقی کی نسبت اگر زیادہ تھی تو کم ہر گز نہ تھی۔ لیکن یہ مغربی سیاست ہمیں لے ڈوبی۔ فوج کو قربانی کا بکرا بنایا گیا۔ جو ذکر آگے آتا ہے۔

## سیاست میں پیسہ ہی پیسہ ہے

25 - بہر حال اگر جمہوریت کا مطلب لوگوں کی آواز یا خواہش ہے، تو 1958ء کا مارشل لاء ایک جمہوری ضرورت تھی اور ایوب خان کو وہ خراج تحسین پیش کئے گئے کہ ایک طرف روحانی لوگوں نے اس کو صحابہ کرامؓ کے برابر جا کر کھڑا کر دیا۔ اور معاشیات سے لے کر ہر قومی معاملہ کا اسے ماہر سمجھا گیا۔ اور میں ایوب خان کو کپتانی۔ میجری کے زمانے سے جانتا تھا۔ میں



جب اس کی تعریفیں سنتا تھا تو حیران ہو جاتا تھا۔ بہر حال فوج میں کچھ رکھ رکھاؤ ہوتا ہے۔ اور اس زمانے میں دولت اکٹھا کرنے کی دوڑ نہ شروع ہوئی تھی۔ ایوب کا ایک چھوٹا بھائی سلطان خان فوج میں میجر تھا۔ ایوب کے فوج کے سربراہ بننے کے دو سال بعد ایوب کے اس بھائی نے سرکاری فنڈ سے بیس یا تیس ہزار روپے تاش کی برج کی بازی پر لگا دیئے، اور ہار گیا۔ ایوب نے بھائی کی فوج سے چھٹی کرا دی اور سرکاری رقم اپنی جیب سے پوری کر دی لیکن اس سلسلہ میں اپنے دوست بریگیڈیئر محمد زمان جو جنرل آصف نواز کا چچا تھا اور آصف کو بیٹا بنا کر اس کی پرورش کی، سے پیسے ادھار لینے پڑے۔ 1957ء تک ایوب کو جو سرکاری زمین ملی۔ وہاں بیلوں سے ہل چلتا تھا، کہ ایوب خان کے پاس ٹریکٹر خریدنے کے لئے پیسے نہ تھے۔ 1956ء میں پلٹنوں کی گروپ بندی ہوئی، تو ہمارا چودھواں گروپ، پنجاب رجمنٹ میں شامل ہو کر مردان گیا۔ تو جہلم میں ان کا پرانا ٹریکٹر جو باغیچہ فنڈ سے خریدا گیا تھا۔ وہ آدھی قیمت پر ایوب خان کو بیچ دیا گیا۔ یعنی ایوب خان کا تعلق بھی ہماری طرح مڈل کلاس سے تھا کہ 1958ء کے شروع میں اس کا بیٹا اختر ایوب ہمارے ساتھ ہی پلٹن میں ٹل میں تھا اور اس کا گزارا بھی ہماری طرح سائیکل پر تھا۔ انہوں دنوں وہ انفنٹری سکول کوئٹہ میں کورس پر جانے والا تھا۔ کہ باپ کو گزارش کی کہ اس کو موٹر سائیکل خرید دیں۔ تو جواب تھا کہ ایوب نے انہی دنوں گوہر ایوب کو بھی اس کورس کے لئے بھجوا دیا ہے اور کراچی سے ایک سستا موٹر سائیکل خرید دیا ہے۔ دونوں بھائی اسی پر گزارہ کریں۔ لیکن میں جب اپنی پلٹن سولہ پنجاب کے ساتھ 1962ء میں آکر صدر ہاؤس میں متعین ہوا۔ تو ایوب کے دونوں بیٹے فوج چھوڑ کر سیاست میں آچکے تھے اور اختر ایوب کو میں نے جو سپاہی مرزا خان اردلی کے طور پر دیا تھا۔ وہ بھی کار کے بغیر سفر نہ کرتا تھا۔ یہ ہیں سیاست کی کارکردگیاں۔

## سیاسی بدعنوانی کیسے ختم ہو؟

26 - ایوب خان کے وزیر خزانہ مسٹر شعیب نے ایوب کو باور کرایا کہ سیاست سونے کی کان ہے۔ فوج میں کیا رکھا ہے۔ بیٹوں کو بھی بروقت سیاست میں لے آؤ۔ اور ملک کی تجارت،

انڈسٹری وغیرہ پر قبضہ کرو۔ کہ یہ قبضہ قائم رکھ سکو۔ایوب خان نے جب مارشل لاء لگایا،تو
اس نے اعلان کیا تھا۔ ملک سیاسی Corruption یعنی بدعنوانی سے دوچار ہے اور
سیاستدانوں نے گندہ کھیل کھیلتے ہوئے ایسے تماشے بنادیئے ہیں کہ دنیا میں ہماری جگ ہنسائی
ہورہی ہے۔ہم فوج والے اس سیاسی بدعنوانی کو ختم کریں گے۔1969ء میں راقم کو اس
وقت کے مغربی پاکستان کے گورنر جنرل عتیق الرحمن کے مشیر اور میرے پرانے دوست اور
اس وقت بریگیڈیئر بعد میں میجر جنرل اور اب مرحوم و مغفور بی ایم مصطفیٰ نے ایک 1967ء
کی فائل دکھائی کہ جنرل محمد موسیٰ اس وقت کے مغربی پاکستان کے گورنر نے 1965ء کی
لڑائی میں بہادری کے تمغے والوں کے لئے اس فائل کے ایک نوٹ کے تحت زمین کو کچھ اچھے
قطعے چنے اور ایوب کو فائل بھیجی کہ یہ زمین سول حکومت فوجیوں کو دے گی۔ایوب نے یہ
فائل گورنر کو واپس کردی کہ یہ زمین ریزرو میں رکھی جائے کہ سیاستدانوں کو اپنے ساتھ ملانے
کے لئے ایسی زمین کا لالچ دیا جائے گا۔لیکن ایوب کو اللہ نے یہ موقع نہ دیا۔فائل التوا میں پڑی
رہی، کہ 1968ء میں ایوب کے خلاف تحریک بھی شروع ہوچکی تھی۔ایوب کے مارشل لاء
اور بددیانتیوں یا اور باتوں کا مجھے اتنا کچھ معلوم ہے کہ سیاسی بدعنوانی پر ایک کتاب لکھ سکتا
ہوں کہ ایک مثال دے دی کہ سیاسی بدعنوانی کو ختم کرنے والا خود بدعنوانی کی راہ پیدا کررہا
تھا۔

## جمہوری عمل؟

27 ۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ ایوب جمہوری عمل چلنے دیتا۔اور مس فاطمہ جناح صدر بن جاتی تو
سب کچھ ٹھیک ہوجاتا۔وہ سخت غلط فہمی میں ہیں۔اول تو انتخاب میں دھاندلی والی ساری
کہانیاں غلط ہیں۔ہاں ایوب بہت گھبرا گیا تھا۔اور میں ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے
ایوب کو حوصلہ دیا یا ڈھارس بندھائی۔لوگوں کے ساتھ ملاپ کیا گیا اور ایوب نے بی ڈی کے
ممبروں کے ساتھ بڑے وعدے کئے اور میرے حساب سے کم از کم مغربی پاکستان میں کوئی
دھاندلی نہ ہوئی۔بہرحال مس فاطمہ جناح کی COP بھان متی کا کنبہ تھا۔فائدہ صرف شیخ



مجیب الرحمن اور خان عبدالولی کو ہوا کہ ان کی لیڈری مضبوط ہوگئی۔اور اگر فاطمہ جناح
کامیاب ہوجاتی تو یہ ملک شاید 1967ء تک ہی دولخت ہوجاتا۔بھٹو نے اندازہ لگالیا تھا کہ
مشرقی پاکستان میں مجیب الرحمن ایک طاقت بن گیا ہے تو اس نے ایک سازش کے تحت
ایوب خان کو ستمبر 65ء کی جنگ میں دھکا دیا۔اور وہ ایسے ڈرامے کررہا تھا کہ مغربی پاکستان
کے لوگوں کو جاہل بنا کر وہ مغربی پاکستان کی حکومت سنبھال لے۔جس کا اشارہ میں 4 نومبر
95 کے اپنے مضمون میں کرچکا ہوں۔اور پوری کہانی میرے پاس ثبوتوں کے ساتھ موجود ہے
جس کی جھلکیاں میں اپنی کتابوں میں دے چکا ہوں۔کہ ساتھ ہی 1962ء میں جو ایوب خان
نے امریکہ والوں کی یہ بات نہ مانی تھی کہ بھارتیوں کو چین کے خلاف فوج استعمال کرنے کے
لئے مشرقی پاکستان کی زمین کے استعمال کی اجازت ہو، تو امریکہ والے اب ایوب کو ہٹا کر
پاکستان کو دولخت کرنا چاہتے تھے۔اور بھٹو یہ گیم کھیل رہا تھا۔

## انتظامی بدعنوانی ختم کرنے والوں کا چھاتہ بھی پاش پاش ہوگیا

28 ۔ یحییٰ خان کے مارشل لاء کو بھی میں نے بہت قریب سے دیکھا۔اور یحییٰ خان کی طرف
سے غیر ملکی اخباری نمائندوں کو ملک سے "چلتا" کرنے کی ذمہ داری بھی عارضی مدت کے لئے
اٹھائی۔اور اللہ تعالیٰ نے کامیابی دی۔لیکن مجھے سب طریقوں کے ساتھ بنیادی اختلافات تھے،
کہ یحییٰ خان کہتا تھا کہ وہ مجبوری کے تحت حکومت سنبھال رہا ہے جو سفید جھوٹ تھا۔بہرحال
یحییٰ خان کا خیال تھا، کہ ایوب نے سیاست میں کود جانے کی غلطی کی اور یحییٰ خان یہ غلطی نہ
کرے گا۔اس نے اعلان کیا کہ وہ انتظامی بدعنوانی یا بددیانتی دور کرے گا۔اور یحییٰ یا اس کے
مشیر جنرل حمید یا جنرل پیرزادہ یا جنرل گل حسن وغیرہ بدعنوان یا بددیانت نہ تھے۔لیکن میں
نے انہی دنوں ان سب کو باور کرادیا، کہ انتظامی بددیانتی کسی فلسفہ یا نظریہ سے ختم کی جاسکتی
ہے۔نہ کہ لوگوں کو سزا دینے یا نوکری سے برخاست کرنے سے۔بہرحال جب یہ لوگ کرسی پر
پہنچے تو ان کو خراب کرنے والوں نے ان کو ایسا گھیرا اور ایسی راہ پر لگایا۔اور ایسی جمہوریت اور
زادی کا مظاہرہ ہوا کہ شیطان بھی آرام سے لمبی تان کر سو گیا۔یحییٰ خان اور اس کے مشیر خوش

تھے کہ وہ سیاستدانوں کو لڑائیں گے اور خود حکومت کریں گے۔ لیکن ان سیاستدانوں نے یحییٰ کے مشیروں کو گروہوں میں بانٹ دیا۔ یحییٰ 303 راشی سولین بیوروکریٹس کو نکال کر خوش تھا اور انتخابات میں کودنے کی تیاری کر رہا تھا اور راولپنڈی چھاونی کے تمام فوجی افسروں سے ایوب ہال میں ستمبر 1970ء کے وسط میں اپنی پالیسی پر واہ واہ کرانے کے لئے آدھمکا۔ اور ایسے بھروسے سے باتیں کر رہا تھا اور اس کی وہ خوشامد کی گئی کہ کسی غیبی طاقت نے مجھے کھڑا کر دیا۔ اور میں نے اعلان کر دیا۔ کہ یحییٰ خان اور اس کے مشیر سن لیں جو کچھ وہ کرنا چاہتے ہیں اس کے بعد فوجی چھاتہ جس پر اتنا فخر کیا جا رہا ہے۔ بالکل پاش پاش ہو جائے گا۔ اور یحییٰ خان ملک کے دولخت ہونے پر صدارت کرے گا۔ خدارا یہ شراب کی بوتلیں توڑ دو۔ اور قوم کو اسلام کے راستے پر لگاؤ ورنہ ذلت کے لئے تیار ہو جاؤ" آگے لمبی کہانی ہے۔ کہ یہ جمہوریت اور آزادی ہمیں ذلیل کر رہی ہے۔ اور 5 اکتوبر 1970ء کو میں نے اپنی پوری تجویز لکھ کر دی اس مسودہ کی کاپی میرے پاس آج بھی موجود ہے۔

## بھٹو کے مشورہ سے ذلت

29 ۔ لیکن نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔ دسمبر 1970ء میں انتخات کرائے گئے۔ میری بات کو دیوانے کی بڑ کہا گیا۔ یحییٰ خان کو خراج تحسین پیش کے گئے کہ تاریخ میں اس کا شاندار مقام ہے۔ یہ تو پنجاب والوں نے بھٹو کو ووٹ دے کر مغربی پاکستان کو ٹکڑے ہونے سے بچالیا۔ ورنہ یہ کسی نے نہ "سوچا کہ ہم ادھر اور وہ ادھر ہو گئے ہیں۔" لیکن اگر یحییٰ خان حکومت مجیب الرحمن کے حوالے کرتا، تو اس نے مغربی پاکستان کے بھی ٹکڑے کر دینے تھے۔ یحییٰ نے جو فوجی کاروائی کی۔ وہ جان بوجھ کر کم نفری سے کی گئی کہ بنگالیوں کو باغی ہونے دیا جائے۔ بھٹو کے مشورہ سے یحییٰ نے ہمیں جس ذلت سے دوچار کیا۔ یہ بھی ایک کتاب کا مضمون ہے۔ اس کا اعلان میں نے اسی ایوب ہال میں یحییٰ کے سایہ جنرل حمید برہی کے سامنے دسمبر 1971ء میں کر دیا تھا۔



## تماشہ دکھا کر مداری گیا

30 ۔ اب بھٹو کی سیاست کے بارے میں کیا لکھوں۔ اس سلسلہ میں یہ عاجز تاشقند کے اصلی راز اور پنڈورا باکس دو کتابیں بہت اختصار سے لکھ چکا ہے۔ لیکن پوری سازش کی کہانی تین بڑی کتابوں میں بھی ختم نہیں ہو سکتی۔ بھٹو تو تاشقند کے راز قبر میں اپنے ساتھ لے گیا۔ اور بھٹو کے ڈراموں پر کئی کتابیں لکھنے کی ضرورت ہے کہ "تماشہ دکھا کر مداری گیا" اور یہ ذکر پیش لفظ میں، ہو چکا ہے۔

## ضیاء الحق کی سیاست

31 ۔ ضیاء الحق میرے چھوٹے بھائیوں کی طرح تھا۔ حکومت سنبھالتے ہی میرے پلٹن وال اور اپنے وزیر و مشیر مرحوم لفٹیننٹ جنرل غلام حسن کو میرے پاس بھیجا۔ کہ 5 اکتوبر 1970ء کو جنرل یحییٰ کے لئے میں نے سفارشات کا جو مسودہ تیار کیا تھا۔ اس کی کاپی لے آؤ۔ اور ضیاء الحق نے میرے ساتھ جلد ملنے کا وعدہ کیا۔ لیکن پورے گیارہ سال میں میرے ساتھ ایسا کان کنی کا برتاؤ اختیار کیا کہ کبھی ہاتھ تک نہ ملایا۔ میں نے بھی بذریعہ خط ایک آدھ دفعہ یاد دلایا۔ لیکن جلدی مجھ پر واردہو گیا کہ وہ میرا سامنا نہ کرنا چاہتا تھا۔ کہ ایک دو افطاریوں پر اس صف یا قطار سے نکل کر کہیں اور جا کر نماز پڑھتا تھا جہاں میں کھڑا ہوتا تھا۔ کیا وہ مجھ سے ڈرتا تھا؟ نہیں ہرگز نہیں! مجھ چھوٹے سے آدمی کو وہ بالکل معدوم کر سکتا تھا۔ پس کچھ رکھ رکھاؤ تھا۔ اور وہ مجھے خراب بھی نہ کرنا چاہتا تھا۔ اور اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ باقیوں کے سامنے جس چالاکی اور سیاست سے وہ کام لیتا تھا۔ وہ سیاست میرے سامنے نہ چلے گی۔ اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ نہ مجھے دولت چاہیئے۔ نہ شہرت نہ حکومت اور نہ میں "خریدا" جاسکتا تھا۔ اور اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ مجھے جان کی بھی پرواہ نہیں۔ میں نے اس کو خطوط میں جو کچھ لکھا اس کی مہربانی، کہ اس نے مجھے تنگ نہ کیا۔ علاوہ ازیں میرے خطوط سے وہ فائدہ بھی اٹھاتا تھا کہ ان میں کچھ اصولوں کی مدد سے اس نے اپنے اقتدار کو طول دیا۔ بلھے شاہ کے بارے میں مشہور ہے کہ جب نماز کے لئے اٹھا تو فی البدیہ یہ شعر پڑھ دیا" اٹھ بلھیا ٹھگاں دے ٹھگ نوں ٹھگ"

لوگوں نے بڑے فتوئ لگائے تو بلھے شاہ نے کہا کہ یہ قرآن پاک کی آیت ۔ "مکرواومکرا اللہ واللہ خیرالماکرین" کی تفسیر ہے ۔ تو ضیاء الحق بڑا سیاست دان تھا ۔ اس نے سب کے ساتھ سیاست کی ۔ خاص کر اسلام کے ساتھ سیاست کی ۔ وہ اکثر جناب صدیق اکبرؓ کے خلافت سنبھالنے کے بعد پہلے خطبہ کی باتوں کو دہراتا تھا ۔ لیکن ایک شق کا بالکل ذکر نہ کرتا تھا، اور وہ یہ تھی "کہ تم پر میری اطاعت تب تک واجب ہے جب تک میں اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرتا ہوں" اگر اس اصول کا ذکر بھی کر دیتا ۔ تو پھر کرسی پر رہنا مشکل ہو جاتا ۔ ضیاء الحق ریفرنڈم میں "خود اسلام" بن بیٹھا ۔ وہ اتنے جھوٹ مارتا تھا اور اتنی وعدہ خلافیاں کرتا تھا، کہ انسان حیران ہو جاتا تھا ۔ کہ عملی اسلام جانتے ہوئے یہ کرسی اور حکومت ایسی لبھ والی چیز ہے، کہ انسان سب کچھ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے ۔ شاید اسی وجہ سے حضرت علیؓ دنیاوی حکومت میں کامیابی حاصل نہ کر سکے اور پہلے خلفاء راشدین کو جو کامیابیاں نصیب ہوئیں ۔ وہ حضور پاکؐ کے زمانے کی حکمت عملیوں کے ثمرات تھے ۔ کہ ابھی دنیا یا خواہشات مسلمانوں میں داخل نہ ہوئی تھیں ۔ بہرحال اس پہلو پر مزید تبصرہ آگے آتا ہے ۔

## سیاست میں کوئی اصول نہیں ہوتا

32 ۔ تو بات ضیاء الحق کے زمانے کی ہو رہی تھی ۔ کہ وہ کوئی معمولی آدمی نہ تھا ۔ بھٹو کو پھانسی لگانا کوئی آسان کام نہ تھا ۔ میں نے کئی بار ضیاء الحق کو لکھا کہ بھٹو کے خلاف اصلی مقدمہ ستمبر 65 کی جنگ کے سلسلہ یا قوم کو گمراہی میں دھکیلنے یا فراڈ کرنے کے سلسلہ میں چلاؤ ۔ لیکن شاید "اوپر" سے اجازت نہ تھی کہ ضیاء الحق جو اتنی دیر چل گیا تو یہ افغانستان کی جنگ تھی کہ یہ اینگلو امریکن والے بلاک نے اس کو ہم پر براجمان رہنے دیا ۔ انگریزوں کے خارجہ کے محکمہ کے جو الفاظ ضیاء کے بارے میرے تک پہنچے ۔ کاش! میں ان کو لکھ سکتا ۔ بھٹو اور ضیا کوئی معمولی آدمی نہ تھے ۔ اس سے پہلے سربراہوں کو یہ اینگلو امریکن والے معمولی دھکا سے ہٹا لیتے تھے لیکن یہاں بھٹو کو پھانسی چڑھانا پڑا ۔ اور ضیاء کے پرخچے اڑانے پڑے، کہ دونوں بہت بڑے سیاستدان تھے ۔ اور سیاستدان کا نہ کوئی اصول ہوتا ہے ۔ نہ وفاداری ۔ اور اب بھی اگر ہمارے



دانشور یہ سمجھتے ہیں، کہ اسلام میں سیاست کی اجازت ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں ۔ ضیاء کے زمانے کے حالات پر تبصرہ کی ضرورت نہیں ۔ کہتے ہیں جمہوریت کے پنپنے نہیں دیا گیا ۔ ضیاء الحق کے جانے کے بعد تین دفعہ حکومتیں برخاست ہو چکی ہیں ۔ اور چوتھی حکومت دن گن رہی ہے ۔ اس کو اگر ملک کا چلنا کہتے ہیں ۔ تو چلاؤ ۔ لیکن بات ہی کچھ اور ہے ۔ ہماری توجہ حضور پاکؐ سے ہٹانی ہے ۔ ایک لیاقت علی کی پارٹی مہاجر قومی موومنٹ کے طور پر، کراچی میں مغل اور اودھ کی مردہ تہذیب کی مدد سے ڈفلی بجا رہی ہے ۔ کہ لیاقت نے جو اسلام اور پاکستان سے غداریاں کیں تو اس کو "شہید" بنانا ضروری تھا ۔ ایک اور "شہید" بھٹو کی پیپلز پارٹی ہے کہ اس نے جو اسلام اور پاکستان کے ساتھ غداریاں کیں تو بھٹو کو پھانسی چڑھوا کر "شہید" بنایا گیا ۔ ضیاء الحق جس کے پرخچے اڑائے گئے اس کے پیروکاروں نے بھان متی کے کنبہ کے طور پر "مسلم لیگ" میں پناہ لی ۔ جہاں سنجیدہ لوگ اور بھٹو خاندان سے تنگ لوگ اکٹھے ہیں ۔ جن کی مجبوری کی یہ حالت ہے ۔ کہ پاکستان کی سرزمین میں دفن ہونے سے انکار کرنے والے غفار خان کے پیروکاروں سے بھی وہ لوگ "غیر فطری اتحاد" کر چکے ہیں ۔ باقی کچھ پارٹیاں ہیں، جن کو دیوبند سے امداد اور ہدایات ملتی ہیں ۔ بریلوی گو تعداد میں زیادہ ہیں ۔ وہ شاید متحد نہیں یا اتنے زیادہ لوگوں کو کہیں سے امداد نہیں مل سکتی تو وہ صرف "پانچوں" سواروں میں شامل ہیں ۔ جماعت اسلامی، اب صرف ٹریڈ یونین ہے ۔ اور باقی فرقے والے یعنی اہل حدیث یا اہل تشیع وغیرہ ۔ "زندہ" رہنے کے لئے میدان سے فرار نہیں کرتے، کہ اصغر خان کی تحریک استقلال کا نام بھی اخباروں میں آ جاتا ہے ۔ اور اسلم بیگ تو عوامی قیادت کے رہبر بھی بن گئے ہیں ۔ حمید گل، عمران خان کئی لوگ پر تول رہے ہیں اور شیطان لمبی تان کر سو گیا ہے کہ اس کی اب تہ افلاک ضرورت باقی نہیں رہی ۔ البتہ افسوس کہ مسلمانوں کی کوئی پارٹی نظر نہیں آتی جو رسول عربیؐ کے اسلام کا نفاذ کرے ۔ اللہ کی مرضی ۔

## رہبر و راہنما مصطفیؐ

33 ۔ قارئین مضمون بہت لمبا ہے ۔ لوگ کسی مسیحا کے منتظر ہیں ۔ اگلے دن بھی نوائے

وقت میں کمال ترکی، سکارنو، اور خمینی کا ایک دوسرے کے ساتھ موازنہ ہو چکا ہے اور بات جا کر عمرؓ بن عبدالعزیز پر ختم ہوئی کہ ہمیں ان جیسا آدمی چاہیئے۔ بے شک ایک اچھے انسان کے بڑے اثرات ہوتے ہیں۔ لیکن یہ اثرات وقتی ہوتے ہیں۔ چند انسانی کمزوریاں الگ، نواب کالا باغ ایک نہایت دیانتدار منتظم تھا۔ لوگوں کو اس کا ڈر بھی تھا۔ اور زراعت نے اس کے تحت ترقی بھی کی کہ اثرات وقتی تھے۔ قائداعظم بڑا عظیم انسان تھا کہ جب تک اس کی سانس چلتی رہی بھارت کو حیدرآباد پر حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اور کشمیر میں بھارتیوں نے داخل ہونے کے سو قانونی جواز پیدا کئے۔ یہ سب قائداعظم کے ڈر کی وجہ سے تھا۔ اور قائد نے ان تمام قوانین کے جواز کو ایک حکم کے تحت ختم کر دیا تھا کہ جموں۔ کٹھوعہ روڈ کی ناکہ بندی کر دو۔ لیکن آگے کیا ہوا میری کتاب جہاد کشمیر کا مطالعہ کریں۔ بہرحال میں لمبی بحث میں نہ پڑوں گا۔ بات افراد کی بھی ہوتی ہے۔ لیکن اصلی بات نظام کی ہے۔ ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ آج سے چودہ سو سال پہلے ایک نظام دیا گئے گزرے لوگ اس نظام کو چلاتے رہے۔ پوری طرح بھی نہ چلایا۔ پھر بھی یہ نظام قائم ہے۔ تو ہمیں تمام باطل نظاموں سے توبہ کر کے اپنے آقاؐ کے دیئے ہوئے نظام کا احیا کرنا ہوگا۔ اور ہمارا نعرہ یہ ہونا چاہیئے کہ ہر زمانے کے لئے رہبر و رہنما مصطفیٰ، مصطفیٰؐ۔

## ضیاء الحق کا اسلام سے فراڈ

34۔ ضیاء الحق نے گیارہ سال اسلام کے ساتھ فراڈ کیوں کیا؟ کیا وہ اسلام کو پوری طرح سمجھتا نہ تھا؟ یا "اوپر" سے احکام ایسے تھے۔ لیکن میں نے پورا نظام ضیاء الحق کو لکھ کر بھیجا۔ جس کی کاپی اب بھی میرے پاس موجود ہے۔ تو کیا وہ بہت بڑا "منافق" تھا" یہ ساری بحث ایک کتاب کا مضمون ہے۔ کہ میری کتاب "جلال مصطفیٰؐ" کا پیر صاحب کرم شاہ کی سفارش کے باوجود اس نے جسٹس آفتاب سے جو حشر کرایا۔ یا جنرل احسان الحق ڈار کو جو فوج سے اس لئے نکال دیا کہ وہ میرے ساتھ مل کر فوج میں رسول عربیؐ کے اسلام کی اشاعت کر رہا تھا۔ پھر کہا جاتا ہے کہ ضیاء الحق نے سب اسلام پسندوں کو بڑی "لفٹ" دی۔ لیکن مجھے کیوں اس طرح



نظرانداز کیا۔ بریگیڈیئر صدیق ستی مرحوم کے مطابق ضیاء الحق بھی صحیح جاندار یا غیرت مند اسلام کے حق میں نہ تھا۔ اور انہوں نے بریگیڈیئر گلزار احمد کے سامنے ہمیں پوری کہانی سنائی، کہ ضیاء الحق قادیانیوں کی مدد سے فوج میں آیا تھا۔ اور قادیانیوں یا چھپے قادیانیوں کی وہ مدد کرتا تھا۔ اور ایسے لوگوں نے اس سے بڑے فائدے اٹھائے۔ جن کی لمبی لسٹ میرے پاس موجود ہے۔ بہرحال میرا تجزیہ یہ ہے کہ ضیاء الحق کا کوئی دین وایمان نہ تھا۔ وہ بڑا بہروپیا تھا۔ وہ لبادے تبدیل کرتا رہتا تھا۔ تب ہی ایک دفعہ یہ بھی مشہور ہو گیا تھا کہ ضیاء الحق قادیانی ہے۔ تو اس کو تردید کرنا پڑی۔ بہرحال بات سیدھی ہے کہ وہ سیاستدان تھا۔ اور سیاستدان کا کوئی دین و ایمان نہیں ہوتا۔ ہم غلطی پر ہیں کہ اسلام میں سیاست کی اجازت ہے۔ سیاست اور جمہوریت باطل فلسفے ہیں۔

## شیطان سے اللہ کی پناہ

35۔ باطل فلسفوں اور گمراہی کے مضمون کو کئی کتابوں میں بھی ختم نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے سرغنہ شیطان ہر طرف اور ہر طرح سے ہم پر حملہ آور رہتا ہے۔ اس کی باتوں کو سمجھنا آسان نہیں۔ علامہ اقبالؒ نے شیطان اور حضرت جبرئیلؑ کے درمیان جو مکالمہ لکھا تو وہاں شیطان کہتا ہے کہ مشت خاک میں ذوق نمو اس کی وجہ سے ہے اور قصہ آدم کو اسی نے رنگین کیا ہے۔ فقرا میں جو شیطان اور منصور حلاجؒ میں گفتگو چلتی ہے، تو شیطان یہ تاویل پیش کرتا ہے کہ وہ تو امتحان میں پاس ہو گیا اور ایک اور کہانی جو چلتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے شیطان کو پکڑ لیا۔ تو اس نے یہ تاویل پیش کی "کہ اے عمرؓ! اللہ سے ڈر کس کے طفیل سے یہاں پہنچے ہو؟ اس نے ہزاروں سال عبادت کی صرف ایک غلطی کی اور وہ بھی محبت میں تو میری حالت سے عبرت پکڑو" تو حضرت عمرؓ نے اس کو چھوڑ دیا۔ پیر دستگیر عبدالقادر گیلانیؒ پر جب اس کا وار کامیاب نہ ہوا۔ تو چلتے وقت کہا "کہ اے عبدالقادر تمہارا علم تمہیں بچا گیا" تو انہوں نے فرمایا" کہ اب مجھے تکبر دے کر ایک اور وار کرنا چاہتے ہو۔" بہرحال باطل فلسفوں اور گمراہی سے بچنا بہت مشکل ہے اور ہر وقت شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی جائے اور صراط مستقیم پر چلنے کی دعا مانگی جائے۔ ورنہ زندگی کا قدم قدم

خطرناک ہے ۔اور سب سے مشکل بات یہ "افلاطونی" ہے کہ ہم علم "حجاب اکبر" کے چکروں میں پڑے ہوئے ہیں ۔اسی وجہ سے یہ عاجز شروع سے گزارش کر رہا ہے کہ میں اگر کوئی غلطی کروں تو اس کی نشاندہی کی جائے کہ میرا مشن قوم میں وحدت فکر پیدا کرنا ہے ۔اور اس کے لئے ہماری سوچوں ، باتوں اور جو اصطلاحیں ہم استعمال کرتے ہیں ان میں بھی وحدت کی ضرورت ہے ۔جب کوئی اپنی غلطی پر نادم ہونے کو تیار نہ ہو، میں اس کو دانشور نہ کہوں گا۔

## ہمارا طرز عمل

36 ۔ آج سے اٹھاون سال پہلے جب میں انگریزی فوج میں بھرتی ہوا۔تو وہاں مجھے سکھلایا گیا کہ ہم فوجی زبان میں بات کریں گے ۔اور ہر چیز کے لئے نام بھی ایک ہو گا۔جھاڑی کو درخت نہ کہیں گے اور ٹیکری کو چھوٹی پہاڑی نہ کہیں گے ۔علم میں اضافے کے بارے پہلے ہی میں گھر کی اسلامی تعلیم اور اپنے عربی کے استاد قاضی منظور الحق سے یہ کچھ سیکھ چکا تھا۔ کہ دینی علم بنیادی چیز ہے ۔لیکن غلامی کی وجہ سے جو دنیاوی علوم حاصل کرو، وہ وقتی اور اطلاعاتی ہوں یا ضرورتی ہوں ۔اس کو اپنے عقائد کا حصہ نہ بنانا ۔لیکن اب پاکستان بن جانے کے بعد جب تک تمام دنیاوی علوم کو دینی علوم کے تابع نہیں کیا جاتا، ہم اسی طرح بھول بھلیوں میں گرفتار رہیں گے جس طرح اب ہیں ۔اور یہی ہمارا بڑا المیہ ہے ۔مجھے اس قوم کا کوئی عمل پسند نہیں ۔یہ کشمیر کے سلسلہ میں ہم جو احتجاج کرتے ہیں ۔یا ہڑتالیں کرتے ہیں ۔یا بھوک ہڑتال کرتے ہیں ۔یا مظاہرے کرتے ہیں ۔یا جس طرح ہم گندگی میں رہ رہے ہیں کہ ہمارا ماحول پاک وصاف نہیں ہمارے گھروں کے پاس گندے پانیوں کے جوہڑ اور گندگیوں کے ڈھیر ہوتے ہیں ۔ ہماری سڑکیں گندی اور ٹوٹی پھوٹی ہوتی ہیں ۔ہمارا لباس گندہ ہوتا ہے ۔ہمیں تو راستوں پر چلنا بھی نہیں آتا ۔گاڑیاں کیا ٹریفک کے احکام مانیں گی ۔یہ دیکھ کر میں اپنا سر پیٹ لیتا ہوں کہ ہماری دنیاوی زندگی بھی ناپاک ہے ۔6 ستمبر 1965ء کو لاہور سے جو ایک لاکھ کا مجمع بھارت کے خلاف نکالا گیا ۔وہ شالامار کے پاس جا کر پیشاب کی جھاگ کی طرح ختم ہو گیا ۔لیکن ہمارے دانشور ایسی باتوں پر فخر کرتے ہیں کہ قوم دفاع میں "شریک" ہو گئی ۔(نعوذ باللہ) اسلام میں



ایسی تالی بجانے والے لوگوں کی کوئی وقعت نہیں ۔ان جنگوں کے دوران پیشہ ور افواج کے بڑے افسران نے جو جھوٹ بولے وہ الگ کہانی ہے ۔اخباروں میں یہ عاجز جو ثقافت اور ادب یا اور معاملات کے بارے میں پڑھتا ہے ۔تو اپنا سر پیٹنے کے بغیر چارہ نہیں کہ حق و باطل کو ایک دوسرے میں گڈمڈ کر دیا جاتا ہے ۔ کوئی بنیادی یا بامقصد تحریر تو نظر ہی نہیں آتی ۔ جہاں ندامت ہو اور اپنے لئے نشان راہ کے تلاش کی جستجو ہو۔

## فرنگی تہذیب

37 ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انگریزوں نے اپنے دور حکومت میں مغربی طرز کے جو تعلیمی ادارے کھولے ۔ان کے ذریعے پورے برصغیر کو فرنگی تہذیب کا گرویدہ بنا دیا گیا۔ غیر ملکی فرنگی حکومت نے چونکہ اقتدار ہم مسلمانوں سے چھینا تھا۔اس لئے انہوں نے اسلام اور ہم مسلمانوں کو زیادہ تختہ مشق بنایا۔خاص کر 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد فلسفہ جہاد کو دین اسلام سے نابود کرنے کے لئے یا اس کو بے جان معنی پہنانے میں لاتنے جتن کئے، کہ یہ فریضہ معطل ہو کر رہ گیا۔ یہ ترک جہاد کا نتیجہ تھا، کہ آزادی کے وقت مشرقی پنجاب میں لاکھوں مسلمانوں کو بڑی سفاکی سے قتل کیا گیا، اور ہم ستر ہزار نوجوان عورتیں کفار کے پاس چھوڑ آئے ۔انگریزی تعلیم کا مقصد بابو اور سرکاری نوکر پیدا کرنا تھا۔ کچھ ڈاکٹر اور وکیل بن گئے لیکن ڈاکٹری اور سائنس کے شعبوں کے گرد بھی کچھ لادینیت کو لپیٹ دیا گیا۔اور وکالت یا عدالتیں رومن قانون کے تحت چل رہی تھیں جن چیزوں کا اسلام کے ساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں بلکہ معاشرتی علوم یعنی تواریخ یا فرنگی مدنیت اس طرح پڑھائی جاتی رہیں ، کہ ملک اور قومیں جغرافیہ یا لسانی وحدت یا تاریخی حادثوں کے تحت وجود میں آتے ہیں ۔تو تب ہی پاکستان بناتے وقت اگر چند دن ہم نے مسلمان ہونے کا نعرہ لگایا۔ لیکن اب ہم بھی صوبائی "قومیتوں" میں بٹ رہے ہیں ۔ چنانچہ پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد پاکستان کے متعدد "خالقوں" نے برسر اقتدار آکر قوم کا رخ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی طرف کبھی نہ کیا۔ یہ لوگ سکولوں اور کالجوں میں فرنگی مدنیت

پڑھ چکے تھے اس لئے یہ لوگ فرنگی نظام حکومت کے بغیر کسی اور نظام حکومت کے بارے سوچ بھی نہ سکتے تھے ۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فرنگی نظام کی بے شمار نظریات ، تلیمات اور اصطلاحات ہمارے ایمان یا عمل کا حصہ بن گئیں ۔اور ہمارا اپنا نظام حکومت ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا ۔کچھ لوگوں نے یہ بھی کہہ دیا، کہ اسلام نے کوئی نظام حکومت واضح ہی نہیں کیا ۔تو پھر یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام دین نہیں مذہب ہے ۔یہ بڑا ہی افسوسناک پہلو ہے ، کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ حج کی آیت نمبر41 میں زمین پر اقتدار کے بعد نظام صلوۃ یعنی جہاد بالنفس اور نظام زکوۃ کہ مالی ادائیگی کا حکم دیا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پیروی کے احکام دیئے ۔اور یہی جہاد اکبر ہے اور یہی نظام مصطفیٰ ہے جو ہمارے آقاؐ نے مدینہ منورہ میں جاری فرمایا ۔افسوس کہ ہمیں علامہ اقبالؒ کی نصیحت بھی یاد نہ رہی ۔

سوال مے نہ کروں ساقی فرنگ سے کہ یہ طریقہ رندان پاک باز نہیں

## آزادی کا دلفریب نعرہ

38 ۔ باطل فلسفوں میں آزادی کا دلفریب نعرہ اپنے اندر بڑی کشش اور لبھاؤ رکھتا ہے ۔پچھلے دنوں ایک عالم دین کے یہ الفاظ پڑھ کر میں سکتے میں آگیا جس نے لکھا کہ اسلام ذہنی بغاوت کی اجازت دیتا ہے ، جیسے حضرت ابراہیمؑ کا قرآن پاک میں ذکر ہے کہ وہ اپنے خالق کی تلاش میں کبھی ستاروں ، کبھی چاند اور کبھی سورج کی طرف مائل ہوتے تھے ( نعوذ باللہ ) ۔اس کو تلاش ، تجسس اور تحقیق تو کہہ سکتے ہیں لیکن مسلمان ہوتے ہوئے اللہ اور رسولؐ کے بارے میں تو اب ہمیں ایسے تجسس کی بھی اجازت نہیں کہ ہمیں " سمعنا واطعنا " تک محدود رہنا چاہیئے ۔کہ اب دین مکمل ہو چکا ہے ۔بغاوت شیطان نے کی ۔بہر حال ہمارے ہاں آزادی کو کچھ زیادہ وقعت رد عمل کی وجہ سے تھی ، کہ انگریزوں کی غلامی سے آزادی نے ہمیں کچھ زیادہ " آزاد " کر دیا ۔اور پہلے بھی ایک مولوی جس نے عالم دین کا لبادہ اوڑھ لیا تھا جب " آزاد " کا تخلص اختیار کیا تو جہالتوں کی حدیں پھلانگ گیا کہ کلام کا بھی باپ ( ابو الکلام ) بن بیٹھا ۔اور یہ نہ سوچا کہ قرآن پاک کی آیات اور احادیث مبارکہ بھی کلام میں شامل ہیں ۔کہیں وہ گستاخی تو نہیں کر رہا ۔لیکن



ہندوؤں کے اس زر خرید کانگرسی مولوی نے جو کچھ مرضی تھی وہ کیا ۔ایران کے بادشاہ سائرس کو ذوالقرنین بنا دیا ۔شمر لعین کو حضرت عباس علمبردارؓ کا ماموں بنا دیا ۔اور " امام الہند " بھی بن بیٹھا ۔ہمارے جاہل لوگوں میں اور علماء کے ایک طبقہ میں اب بھی اس کی پوجا کی جاتی ہے ۔ میرے لحاظ سے قائد اعظم بہتر طور پر مومن کی فراست کا ثبوت دے گئے ، کہ اس کو " شوبوائے " یا " بچہ جمہورا " کا خطاب دے گئے ۔ایک اور ادیب محمد حسین " آزاد " سے انگریزوں نے حرب اللہ کے لفظ کی طنز میں " خدائی فوجدار " ایک کتاب لکھا کر قرآن پاک کی باتوں کا مذاق اڑوایا ۔ اور ہمارے جاہل ادیبوں میں اس زمانے میں بھی اور آج بھی اس دشمن اسلام کو عظیم لکھاری مانا جاتا ہے ۔ایک آزاد آجکل لاہور کی جامع مسجد کا خطیب ہے اور یہ آدمی حضور پاکؐ سے بے ادبی کی باتوں کا اکثر مرتکب ہوتا رہتا ہے ۔اور ادھر ہر بے دین حکومت کی چمچہ گیری اس کا شیوہ ہے ۔بہر حال آزادی کے لفظ کو ہم نے کافی غلط معنی پہنا دیئے ہیں ، کہ کسی کی تعریف میں یہ کلمات بھی کہے جاتے ہیں کہ " عجب آزاد مرد تھا " نعوذ باللہ ۔بے شک ہمارے آقاؐ نے بندوں کو بندوں کی غلامی سے چھڑایا ۔لیکن مسلمان اللہ کا محکوم ہے ۔حضور پاکؐ کا فرمان ہے " من شذ شذ فی النار " جو اکیلے رہ گیا وہ آگ کے لئے رہ گیا اسلام انفرادی آزادی کو تسلیم نہیں کرتا ۔یہ اجتماعی دین ہے ۔اور سورۃ عمران کی آخری آیت میں ارشاد ربانی ہے " اے ایمان والو صبر کرو اور صبر کے ساتھ مصابرہ کر کے اپنے آپ کو ربط میں باندھ دو اور پھر ڈرو اللہ تعالیٰ سے تاکہ تم فلاح پاؤ ۔" اس آیت ربانی نے اللہ کی فوج کے اجتماعی پہلو کے فلسفہ کو یہاں ایسے بیان کیا ہے کہ سارے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے ۔چنانچہ اسلام کسی مادر پدر آزادی کی اجازت نہیں دیتا کہ ایسا کرنا حیوانیت کی طرف پیش قدمی ہوتی ہے ۔

ہو فکر اگر خام تو آزادی افکار ہے انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ

## کلمۂ حق

39 ۔ یہاں یہ غلط فہمی نہ ہو ، کہ اسلام میں کلمہ حق کی بھی اجازت نہیں ۔یہ بات تو کتاب

کے شروع کے ابواب میں واضح کردی گئی تھی۔ کہ جابر سلطان کے سامنے بھی کلمہ حق کہنے کو
اسلام میں جہاد مانا گیا۔ لیکن کلمہ حق کیا ہے یہ از خود بڑا مضمون ہے۔ اور کلمہ حق کہنے والے کو
اپنے گریباں میں بھی جھانکنا ہوگا کہ اوروں کو نصیحت خود میاں فضیحت والی بات تو نہیں۔ اسی
وجہ سے اسلام میں تقویٰ اور صائب رائے کے مضامین کو سمجھنے کی ضرورت ہے اور کلمہ حق کی
تشخیص بڑا مشکل عمل ہے۔ جب تک آدمی کو اسلام کے فلسفہ حیات پر عبور نہ ہو، وہ ایسی تشخیص
نہیں کر سکتا۔ اور میں تو یہاں پہنچا ہوں، کہ میری تو کوئی ذاتی رائے ہے بھی نہیں۔ میری تمام
تر سوچ قرآنی علوم اور سنت نبویؐ کے تابع ہے اور شروع سے گزارش ہو چکی ہے کہ میری باتوں
کی غلطیوں کی نشاندہی کی جائے۔ یہی صراط مستقیم ہے۔ اور انہی اصولوں کے تحت ہم اپنے بیچ
وحدت فکر و وحدت عمل پیدا کر سکتے ہیں۔

## جمہوریت کے رنگ

40 ۔ باطل فلسفوں میں سب سے آگے یہ جمہوریت یا مغربی جمہوریت آتی ہے۔ اور فرنگی
سیاست کے اس دلفریب نعرہ نے ساری دنیا کو اپنے پھندے میں جکڑ کر رکھ دیا ہے۔ اور یہی چیز
اس آزادی فکر و عمل کی ماں ہے۔ اور یہ بہت بڑا مضمون ہے۔ ہمارے ملک میں بھی ایک
علاقہ کو یاکستان yakistan کہتے ہیں۔ جو دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ علاقہ کوہستان سے
اوپر کی طرف اور گلگت وچلاس سے نیچے درہ بابوسر کے مغرب میں واقع ہے۔ یہ علاقہ صدیوں
سے دنیا میں آزادی اور جمہوریت کے لئے مشہور ہے کہ پرانے زمانے میں سیاح جب یہاں سے
گزرے تو وہ حالات دیکھ کر حیران ہوگئے کہ ہر فرد آزاد تھا۔ اور انہوں نے اپنے عجیب و غریب
مشاہدات لکھے۔ اور آجکل بھی یہ لوگ چوری اور ڈاکوں پر گزراہ کرتے ہیں۔ بہر حال آزادی اور
جمہوریت کوئی پکے قسم کا فلسفہ نہیں ہیں۔ یہ ضرورتوں اور مطلب یا خود غرضی کی پیداوار ہیں۔
کہ مکمل آزادی سے "یاکستان" ہی بن سکتا ہے۔ فی الحال ہر جگہ کنٹرولڈ آزادی اور جمہوریت کی
اجازت ہے۔ لیکن اس کو کنٹرول نہیں کیا جاسکتا۔ اب اس کے تحت مرد کو مرد کے ساتھ شادی



کی اجازت مل گئی ہے۔ پہلے کسی جگہ صرف مردوں کے ووٹ ہوتے تھے۔ اب عورتوں کو بھی
ووٹ کا حق مل گیا۔ اور معاشرے کے بندھنوں کو یہ آزادی اور جمہوریت کہاں لے جاتے ہیں،
یہ بھی بڑا مضمون ہے کہ اب ھپی اور ہر قسم کے لوگ پیدا ہو رہے ہیں کہ آہستہ آہستہ جانوروں کی
طرح رہنے۔ آزاد ازدواجی تعلقات اور معلوم نہیں کس کس طرف پیش رفت ہو رہی ہے۔
بدقسمتی سے ہم نے اسلام کو جو اللہ کی آمریت ہے، اس کو بھی قرآن پاک کے الفاظ شوریٰ اور کچھ
غلط قسم کے احادیث کا سہارا لے کر جمہوریت بنا دیا ہے۔ علاوہ ازیں جمہوریت کو چلانے کے
لئے گروہ بندی ضروری ہے، جو سراسر غیر اسلامی ہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ وقت کی ضرورت
ہے۔ یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ اسلام کو وقت کے ساتھ تبدیل کرنے والی بات کو صحیح مان لیا
جائے تو پھر غلام کذاب کی نبوت کو بھی صحیح ماننا ہوگا۔

## اسلام، اسلام ہے

41 ۔ اسلام نہ جدید ہے نہ قدیم ہے۔ یہ اللہ کی آمریت ہے اور قرآن پاک کے لحاظ سے مشورہ
صرف اللہ کے امر کو جاری کرنے میں دیا جاسکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے صلوۃ یا زکوۃ
کے نظاموں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل پیرا ہونے کے لئے کیا طریق وکار اختیار کیا
جائے۔ کہ اسلام کے لحاظ سے جہاد ایک طرز زندگی ہے اور پوری قوم اللہ کی فوج ہے۔
مسلمانوں کے ہر ملک کو ایک الگ انتظامی وحدت کہہ سکتے ہیں، اور پوری امت کو ایک کرنے
کے لئے بھی کسی مرکز کی ضرورت ہے جو پرانے زمانے میں خلافت کے ذریعہ سے ہوتا تھا۔ اور
اب مسلمان ممالک کی جو متحدہ تنظیم ہے۔ وہ امت کا مرکز بن سکتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ تمام
اسلامی ممالک میں اللہ اور رسولؐ کا قانون نافذ ہو وغیرہ جو لمبے مضامین ہیں۔ کہ جب مسلمان
ممالک کافرانہ نظاموں کے تحت چل رہے ہیں۔ تو امت واحدہ کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ تو
متحدہ دفاع یا متحدہ معاشی پالیسیوں کی اصطلاحیں لال بجھکڑ کی سوچیں ہیں۔ بہرحال باطل
فلسفوں کے مضامین کو اختصار سے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اور ہماری قومی معاملات کی وزارت

کو ہمارے ادب، فلسفہ، ثقافت اور ذرائع ابلاغ، مدنیت، تاریخ سب مضامین میں جانا ہوگا اور لوگوں کی صحیح تربیت کرنا ہوگی کہ اسلام کیا ہے اور ہمارے فرائض کیا ہیں۔ لوگوں کو آزاد فکری اور موجودہ کافرانہ نظاموں کے سلسلہ میں آگاہ کرنا ہوگا۔ کہ ان کو کس طرح بے وقوف بنایا جاتا ہے۔ 1970ء کی آزاد فکری نے ہمیں کتنا گمراہ کیا۔ کہ بنگالیوں نے مجیب الرحمن کو اپنا نجات دہندہ سمجھا۔ پنجاب اور سندھ نے بھٹو کو سرحد نے ولی خان کو اور بلوچستان نے اپنے قبائلی سرداروں کو، اسلام پسندے خود اسلام سے نابلد بھی تھے۔ لیکن اگر کوئی صحیح اسلام پیش کرتا بھی تو اس کے لئے بھی ناکامی تھی۔ چنانچہ دانشوروں اور علماء پر بھاری ذمہ داریاں آتی ہیں کہ وہ رسول عربیؐ کے اسلام کو سمجھیں اور لوگوں کی صحیح تربیت کریں۔

## باطل اصطلاحیں

39 ۔ جہاں تک باطل اصطلاحوں کے غلط استعمال کی بات ہے تو یہ کچھ خالی جمہوریت، انقلاب اور آزادی کی اصطلاحوں کی بات نہیں۔ ہم نے مساوات اسلامی کو سوشلزم جیسے بے دین نظام سے جا کر ملایا۔ اور برابری تو ویسے بھی ناممکن ہے کہ ہر آدمی ڈاکٹر یا سائنس دان نہیں بن سکتا اور قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جاہل اور عالم کا موازنہ مردہ اور زندہ سے کیا۔ کہ برابری ناممکن ہے۔ یہاں برابر مواقع ہیں۔ علاوہ ازیں ہندوؤں کے لئے سب اہل کتاب کے لئے سام کی اولاد ایک تلمیح ہے اور جب یہاں ہم حکمران تھے تو ہندو اس کو سامراج کہتے تھے اور انگریزوں کی حکومت کو بھی۔ کہ سام حضرت نوحؑ کے بیٹے تھے جن کی اولاد سے حضرت ابراہیمؑ پیغمبر تھے۔ کہ یہ ایک قسم کی گالی ہے کہ غیر غاصب کے طور پر ان پر راج کر رہے ہیں اور رام راج نہیں۔ اب یہ لفظ ہم خود اپنے آپ کو گالی دے کر استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح سپین پر جب مسلمانوں نے حملہ کیا تو اہل یورپ نے کہا کہ افریقہ کے بربروں نے ان پر حملہ کیا۔ اور بڑا اودھم مچایا اور لفظ barbaric ایجاد ہوا۔ ہم خود نے اب اردو میں لفظ بربیت جو ہمارے لئے گالی تھا۔ اس کو اپنا لیا۔ یورپ میں مسلمان سیاہ جھنڈوں کے ساتھ داخل ہوئے کہ سیاہ بنیادی رنگ ہے اور



اسلامی جھنڈوں کا رنگ تھا۔ اور یورپ کے لئے یہ ماتم کی بات تھی۔ لیکن ہم نے بھی سیاہ بازو بند یورپ کی نقل میں اپنا لئے ہیں۔ انگریزی زبان، انگریزی ثقافت۔ حتیٰ کہ کرکٹ کی کھیل ہر چیز میں ہمارے لئے مرعوبیت ہے اور ان کی یہ نقالی ہمیں احساس کمتری سے دوچار کرتی ہے اس لئے ہماری نظر سوء کوفہ و حجاز ہونا چاہئیے۔ اور تمام باطل نظریات، اصطلاحات و تلمیحات کو بحیرہ عرب میں ڈبو دینا چاہئیے۔

## اختتام

40 ۔ یہاں تتلی اور گبریلے کی کہانی موزوں رہے گی۔ تتلی زبردستی گبریلے کو اپنے ساتھ باغ میں لے گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اڑنے کی طاقت دی ہے گوبر میں گھسنے کی بجائے۔ پھولوں کی مہک اور پتیوں سے خوراک حاصل کرے۔ لیکن تتلی کی حیرانگی کی حد نہ رہی کہ گبریلے کو پھولوں کی خوشبو نہ آ رہی تھی۔ تتلی نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ گبریلے نے "ریزرواشن" کے طور پر کچھ گوبر بھی اٹھایا ہوا تھا۔ تتلی نے کہا خدا کے بندے یہ گوبر پھینک دو تو تب معطر ماحول کا فائدہ اٹھا سکو گے۔ ہمارے لئے یہ باطل اور مغربی فلسفے گوبر کی طرح ہیں۔ جب تک ان سے چھٹکارا حاصل نہیں کرتے۔ ہمیں اسلام کے معطر باغ سے کبھی بھی خوشبو نہیں آ سکتی۔

یہ عاجز اس سے بہتر اور کونسی مثال پیش کر سکتا ہے۔ توبہ اور ندامت سے بہتر کوئی طریقہ نہیں۔ انسان کے جد امجد حضرت آدمؑ "ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا" پڑھتے، اس جہاں دنیا میں وارد ہوئے ہمیں اعوذ باللہ من الشیطٰن الرحیم پڑھ کر حضرت آدمؑ کی سنت کی پیروی کرنا چاہئیے۔

**" صاحب توفیق قارئین! آپ پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ان خیالات کے پھیلاؤ میں میری مدد کریں۔**

# نظریہ جہاد اور جہاد کے تقاضے

## تمہید

قرآن پاک کی سورۃ صف کی آیات مبارکہ 10 اور 11 میں ارشاد ربانی ہے۔ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ کیا خبردار کروں میں تم کو ایک بہت اچھی تجارت یا سوداگری سے کہ نجات دے تم کو عذاب درد دینے والے سے۔ (یعنی) ایمان لاؤ ساتھ اللہ کے اور رسولؐ اس (ذات پاک) کے سے۔ اور جہاد کرو بیچ راہ اللہ کے ساتھ مالوں اپنے کے اور جانوں اپنی کے۔" اب ذرا سوچا جائے کہ حضور پاکؐ کے زمانے میں تو مسلمان کسی دردناک عذاب میں گرفتار نہ تھے۔ یہ اشارہ یا حکم یا مشورہ یا نصیحت تو ہمارے اور ہم جیسے لوگوں کے لئے ہے۔ جو بے شک دردناک عذاب میں گرفتار ہیں۔ دوسری بات سمجھنے کی یہ ہے۔ کہ جہاد صرف مال یا جان سے ہوتا ہے۔ خدارا اس قلمی جہاد یا لسانی جہاد یا ایسی اور تلمیحات سے گریز کیا جائے۔ خواہ جہاد کی تیاری ہو یا جہاد میں شمولیت ہو۔ دونوں حالتوں میں مال کے خرچ۔ جان کو سختی کے لئے تیار کرنے اور جہاد بالسیف میں جان کی پرواہ نہ کرنے کو ہی جہاد کہا جاتا ہے۔ ہمارے آقاؐ نے ایک جنگ سے واپسی پر فرمایا، ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف جا رہے ہیں یعنی امن کے زمانے میں جہاد کی تیاری کو آپؐ نے جہاد اکبر کا پیارا نام دیا۔ تو جہاد ہمارے لئے طرز زندگی ہے۔ اور یہ جاری و ساری ہے اور ہر مومن پر فرض ہے۔ فرض کفایہ کے الفاظ جہاد بالسیف کے لئے استعمال ہوئے۔ اور یہ حکمت عملی اور تزویرات کا پہلو ہے، کہ ساری قوم کسی ایک جنگ میں شامل نہیں ہوتی۔ جہاں ضرورت ہو اور جتنے آدمیوں کی ضرورت ہو ان کو محاذ پر بھیجا جاتا ہے۔ خدارا مولوی اس لفظ کو ایسے ویسے معنی پہنا کر کے جہاد سے گریز کا سبق نہ پڑھائیں۔ سورۃ توبہ کی آیات نمبر 118 سے 120 تک جہاد سے گریز کرنے والے تین انصار صحابہ کی کہانی انسان کی



آنکھیں کھول کر رکھ دیتی ہے۔ کہ بیعت عقبہ ثانی جیسے اہم معاہدہ میں شرکت کرنے والے صحابی جناب کعبؓ بن مالک پر کیا گزری۔

## وضاحت

2۔ میں نے اگر مودودی صاحب کی کتاب جہاد فی الاسلام کو اسلام کے ساتھ مذاق کی بات کی، یا سید سلمان ندویؒ نے جو نظریہ جہاد پر آٹھ کتابوں میں صرف چار صفحے لکھے، تو ظاہر ہے میرے لحاظ سے یہ لوگ جہاد کے اسلام کے لئے طرز زندگی والے پہلو تک نہ پہنچ پائے۔ اور جہاد کا مضمون اتنا وسیع ہے، کہ کسی ایک کتاب میں اس کو سمیٹنا جوئے شیر لانا ہے۔ میری انیس کی انیس پہلی کتابیں اسی طرز زندگی اور نظریہ حیات کے تقاضوں سے بھری پڑی ہیں۔ اور میری یہ مجبوری ہے کہ میں یہاں پر ہماری اس طرز زندگی کا صرف خاکہ پیش کر رہا ہوں اور قارئین کو گزارش ہے کہ تفصیل میری باقی کتابوں میں ڈھونڈیں۔ میں اس پہلو کو پہلے باب میں واضح کر چکا ہوں کہ ہر قوم اور ملک کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی سیاسی فلسفہ کے تحت ایک ملک یا قوم بن کر اپنے مقاصد پورے کریں۔ اور ہر قوم کا فلسفہ دفاع اسی سیاسی فلسفہ کے تابع ہوتا ہے اور تمام ملکی اور قومی مقاصد کا دفاع ہر ملک پر فرض ہوتا ہے۔ اور سب قومیں، اس زمانے میں اس نظریہ یا کلیہ یا ضرورت پر سختی سے عمل کر رہی ہیں۔ دین فطرت نے آج سے چودہ سو سال پہلے جب مومن کے مقاصد حیات کی وضاحت کر دی جن کو دوسرے باب میں بیان کر دیا گیا ہے۔ تو ان مقاصد کو پورا کرنے کے لئے ہر شخص کی پہلے انفرادی تربیت کی گئی جیسے فوج کی individual training ہوتی ہے، اور اس کو جہاد بالنفس کا پیارا نام دیا گیا۔ اور اس کو جب اجتماعیت کے تابع کیا گیا تو ہمارے آقاؐ نے اس کو جہاد اکبر کے نام سے موسوم کیا۔ چونکہ سیاست کا لفظ ہی غیر اسلامی ہے۔ تو میں نے موازنہ کے لئے اس جہاد اکبر۔ یعنی جنگ کی تیاری کے لئے موازنہ کے طور پر سیاسی فلسفہ کے الفاظ کا استعمال کیا۔ اور جنگ یا دفاعی فلسفہ کے لئے جہاد اصغر کے الفاظ ہمارے آقاؐ خود ہمیں بتلا گئے۔ اب اگر غیروں کو ان ناموں سے چڑ ہے تو ہمیں ان کو سمجھانا چاہیئے کہ اقوام مغرب قومی اور نظریاتی تحفظ اور دفاع اور اس کے پھیلاؤ کے

لئے عسکری تیاری، ہنرمندی اور اسلحہ سازی کو ریاست اور سوسائٹی کا بنیادی فرض قرار دیتے ہیں۔ تو یہی عمل ہم اسلام کے مزاج کے طور پر نظریہ جہاد کے اپنانے سے کرتے ہیں۔ اور جہاد کا نام سن کر نہ وہ لوگ سیخ پا ہوں اور نہ ہمارے مغرب زدہ مفکر معذرت خواہانہ رویہ اپنائیں۔ اور نہ مولوی صاحبان لسانی جہاد کے جھگڑوں میں پڑ کر ہمیں بے جان کریں۔

## غلط فہمیاں

3 راقم خود کئی غلط فہمیوں کا شکار رہا۔ اور ستمبر 65 کی جنگ تک میں جہاد کو ایک مذہبی سمجھتا رہا، کہ کسی بھی دفاعی نظام کو جذبہ جہاد کی بھٹی سے گزار کر یا پان چڑھا کر ہم نظریہ جہاد پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔ لیکن میدان جنگ میں سب حجاب اٹھ گئے، جو الگ کہانی ہے۔ تو قارئین اب میرے خیالات کو مختلف پائیں گے۔ لیکن لفظ لفظ قرآن پاک اور سنت نبویؐ کے اصولوں کے تابع ہے کہ جب وسعت سے مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ اسلام تو سپاہیوں کا مذہب ہے اور غیر اس بات کو بہتر طور پر سمجھتے ہیں۔ خاص کر جنرل جان گلب اور کئی مغربی مفکروں نے ایسا لکھا ہے۔ صرف ہمارا مولوی اس سے بے خبر ہے۔ اصل میں یہ سازش تو بنو امیہ اور بنو عباس کے زمانے میں شروع ہو گئی تھی۔ لیکن اس کو فکری رنگ اسلام کی دوسری صدی میں ملا کہ اسلام کے پہلے اسی سالوں تک جتنی کتابیں حضور پاکؐ کی سنت کی وضاحتوں پر لکھی گئیں۔ ان کا نام ہی مغازی یعنی اسلام کا فلسفہ جنگ تھا۔ ایسی چالیس کتابوں کا ذکر دوسری کتابوں کے حوالے سے ملتا ہے۔ اور انہی دنوں حضور پاکؐ کے پھپھی زاد حضرت زبیرؓ کے بیٹے جناب عروہؓ کی مغازی سامنے آئی ہے۔ اور باقی کتابوں کے مصنفین، حضرت ابانؓ بن عثمانؓ، حضرت ہاشمؓ بن عمروؓ، حضرت عمرؓ بن قتادہؓ، حضرت موسیٰؓ بن عقبہ، حضرت عاصمؓ بن عمروؓ امام شعبیؒ، محمدؒ بن صالحؒ اور امام زہریؒ وغیرہ بتائے جاتے ہیں۔ ویسے امام زہریؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سیرت کا لفظ استعمال کیا اور امام شافعیؒ نے فقہ کا لفظ استعمال کیا۔ اور حدیث کا لفظ تو امام بخاریؒ نے بھی استعمال نہ کیا۔ بلکہ اپنی کتاب کو امر یا احکام کا نام دیا۔ یہ غلط فہمی نہ ہو جائے کہ مجھے سیرت، یا فقہ یا احادیث کے الفاظ کے ساتھ کوئی چڑ ہے۔ یہ الفاظ میرے سر آنکھوں پر۔ میں



صرف یہ کچھ باور کرانا چاہتا ہوں کہ ان الفاظ نے فکری طور پر مغازی یعنی فن جنگ اور فن سپہگری کو ثانوی حیثیت دے دی۔ اور بعد میں درس نظامیہ یا دوسرے تعلیمی اداروں نے بھی قرآنی علوم یا فن سپہگری کو اس کا جائز مقام نہ دیا۔ تو ضرورت کے تحت ہم تلوار چلاتے رہے اور کچھ عزت باقی رہ گئی۔ لیکن ہماری جنگوں کو کسی علم کا سہارا نہ تھا، تو آہستہ آہستہ فن جنگ یا ہتھیاروں یا ایجادات میں ہم بہت پیچھے رہ گئے۔ خشکی پر تو گن پاؤڈر کی ایجادات اور ترکوں کے یورپ کی فتوحات کی وجہ سے ہم کچھ قائم رہے۔ لیکن سمندروں یا فضاء یا کائنات کی طرف ہمارا دھیان کم ہو گیا تو ہم دنیا کی مغلوب قوم بن گئے۔

## عملی پہلو

4 ۔ امام زہریؒ کے تین شاگرد تھے محمد بن اسحٰق جن کی مغازی ہمارے پاس صحیح حالت میں موجود ہے اور اس پر ان کے شاگرد ابن ہشام کے اضافے بھی موجود ہیں۔ دوسرے محمد بن صالح جن کی اپنی کوئی کتاب ناپید ہو چکی ہے۔ لیکن ان کے شاگرد محمد بن عمر واقدی کی مغازی موجود ہے اور ان کے شاگرد محمد بن سعد کی آٹھ جلدوں کی عسکری تاریخیں بھی موجود ہیں۔ ان لوگوں نے اسلام کی بے حساب خدمت کی اور چلتا پھرتا اسلام لکھ کر کتابوں میں چھوڑ گئے۔ لیکن ہم نے نہ کبھی ان کتابوں کا بامقصد مطالعہ کیا، اور نہ ان میں اپنے لئے نشان راہ تلاش کیا۔ امام زہری کے تیسرے شاگرد امام مالکؒ تھے۔ جنہوں نے ایک ہزار کے قریب احادیث مبارکہ لکھیں جو موطا کے نام سے ایک کتاب میں ہیں۔ جن کی مدد سے اسلام کی حدود کی کچھ سمجھ آسکتی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ خود ان کے شاگرد امام شافعیؒ اور ان کے شاگرد امام حنبلؒ کے تین فقہ بھی جاری ہیں جو اتنے "نامکمل" پائے گئے کہ ایک استاد اور دو شاگردوں کے تین گروہ بھی بن گئے، کہ امام حنبلؒ نے امام اعظمؒ کے شاگرد امام ابو یوسفؒ کی شاگردی بھی کی لیکن بے چارے محمد بن اسحٰق، واقدی، اور ابن سعد کو کوئی جانتا بھی نہیں۔ کہ عملی اسلام کی طرف کسی نے دھیان ہی نہ دیا۔ یہی بڑی بدقسمتی ہے۔ اعمال اور کاروائیوں کو، حق والی قلم کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن اب تو دو سو سال کی غلامی نے ہمیں بھیڑ بکریاں بنا دیا ہے اور ہمارے علم کے

چشمے خشک ہو گئے ہیں ۔ جہاد میں جمود اور غلام کذاب و سرسید سے جو علمی طور پر جہاد کو نابود کرایا گیا ۔ یا مولوی چراغ علی سے اس کو جدوجہد بنوا دیا گیا ۔ ہمارے اہل قلم حضرات اور دانشوروں پر اس سازش کے گہرے اثرات ہیں ۔ اور آزادی کے بعد نظریہ جہاد پر ایک کتاب نہ لکھی گئی سوائے بریگیڈیئر گلزار احمد کی اس سلسلہ کی ایک کتاب کے جو بہت اچھی کوشش تھی ۔ لیکن انہوں نے مودودی صاحب سے پیش لفظ لکھا کر اپنے بیانات کو بے جان کرا دیا کہ مودودی صاحب نے لوگوں کو بھول بھلیوں میں ڈال دیا ۔ اور اگر بریگیڈیئر صاحب کے سامنے یہ مقصد تھا کہ اس کتاب کے بعد مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کو جہاد کے نظریہ کو سمجھنے کے بعد اسلام کی بہتر سمجھ آجائے گی تو وہ مقصد پورا نہ ہو سکا ۔ اور قرآن پاک سے بریگیڈیئر صاحب نے جن آیات مبارکہ کو زمانہ حاضرہ کی جنگوں کی طرف اشارہ کے طور پر پیش کیا ۔ مودودی صاحب نے ان انکشافات کے بارے "واللہ اعلم" کے الفاظ کا استعمال کر کے جہاد کے نظریہ کو ہی بے جان کر دیا ۔ بہرحال مجھ سے موجودہ جنگ کے بارے اور ہتھیاروں پر سوال ہو سکتا ہے کہ یہ کہاں سے آئیں گے ۔ میں ان چیزوں کو ثانوی حیثیت دیتا ہوں ۔ اسلام کے لحاظ سے انسان مرکز کائنات ہے ۔ اور میرے لحاظ سے ہماری پہلی ضرورت اس انسان یا مسلمان کو تیار کرنا ہے ۔ اور جب تمام مسلمان اجتماعی جہاد کے لئے تیار ہو جائیں تو دنیا کی کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی ۔ تو ہمیں نہ براؤن ترمیم کا سہارا ڈھونڈنا چاہیئے ۔ نہ ایف ۔ سولہ طیاروں کا انتظار کرنا چاہیئے ۔ جب ہمارا ایمان صحیح ہو تو، کوئی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ۔ اللہ تعالیٰ موجودہ ہتھیار بھی فراہم کر دے گا ۔ لیکن اللہ کی فوج نیزوں اور بھالوں سے بھی اپنا دفاع کر سکتی ہے کہ ابابیل پرندوں کی کنکریوں نے ابرہہ کے لشکر کو تباہ کر دیا ۔ اور نہتے مسلمانوں نے اس زمانے کی دو عظیم سلطنتوں کو پاش پاش کر دیا تھا ۔ اب بھی ایسا ہو سکتا ہے ۔ چیچنیا اور بوسنیا کے مسلمان اللہ کے راستے میں اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں ۔

## تحقیق

5 ۔ ایک فوجی ذہن قرآن حکیم میں غوطہ زن ہونے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اسلام کا



مقصد، اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی فوج تیار کرنا ہے جو باطل قوتوں کے خلاف اعلان جنگ کر دے اور پھر انہیں پاش پاش کر دے ۔ اگر اہل اسلام اس فرض سے پہلو تہی کرتے ہیں اور اپنی بے عملی پر مطمئن ہیں تو وہ اس بات میں بڑی خود فریبی میں مبتلا ہیں ۔ حضور پاکؐ کی حیات طیبہ سے بھی یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ مومن اللہ کا سپاہی ہے اور وہ اللہ کی حکومت قائم کرنے کے لئے اس دنیا میں وارد ہوا ہے ۔ مکی دور میں کچھ اس قسم کے الفاظ حضور پاکؐ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں "کہ یہ لوگ یعنی قریش میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے پر سورج لا کر رکھ دیں تب بھی میں اپنے مقصد سے ہٹنے والا نہیں ہوں ۔ اللہ کی بات پوری ہو گی یا اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے میں اپنی جان دے دوں گا ۔" آگے چل کر دس سالہ مدنی زندگی میں حضور پاکؐ نے یثرب میں ایک فوجی مستقر قائم فرمایا، اس میں اللہ کی فوج تیار فرمائی اور تقریباً ایک سو مہمات کا اہتمام فرمایا ۔ بڑی جنگوں اور کچھ مہمات میں آپؐ نے بنفس نفیس فوج کے ساتھ شامل ہو کر عسکری زندگی پر احسان فرمایا، اور جہاد بالسیف کو افضل ترین عبادت قرار دیا ۔ حضور پاکؐ کی مدنی زندگی میں عسکری پہلو سب سے غالب نظر آتا ہے، مگر بد قسمتی سے آج یہی وہ پہلو ہے جسے اہل اسلام کی عملی زندگی سے کوئی سروکار نہیں رہا ۔ خاص طور پر گزشتہ دو تین صدیوں میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت حضور پاکؐ کی مجاہدانہ زندگی پر پردے ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے جس سے جہاد بالسیف ایک غیر اہم فریضہ معلوم ہونے لگا ہے ۔ دور کیوں جاتے ہیں ہمارے ملک میں ہر سال عید میلاد النبیؐ منائی جاتی ہے ۔ ریڈیو یا ٹی وی پر حضور پاکؐ کی عسکری زندگی کا کبھی کوئی ذکر نہیں کیا جاتا ۔ حالانکہ مدنی زندگی کے 75 فیصد اوقات عسکری مہمات میں گزارے ۔ بہرحال مسلمانوں کے جذبہ جہاد سے باطل پرست قوتیں ہمیشہ لرزہ براندام رہی ہیں اور اسی جذبہ کو سرد یا مفلوج کرنے کے لئے ہمارے دشمنوں کو طویل مدت تک پاپڑ بیلنے پڑے ہیں ۔ بالآخر انہیں کامیابی ہوئی اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ اہل اسلام آج بھیڑ بکریوں کے ریوڑ بن کر رہ گئے ہیں ۔ نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور قربانی وغیرہ اپنی جگہ پر ایک اعتبار سے ابھی تک قائم ہیں ۔ مگر جس مقصد یعنی جہاد کے لئے یہ تربیت شروع کی گئی تھی وہ نگاہوں سے سراسر اوجھل ہو کر رہ گیا ہے ۔ آج کے تن آسان مسلمان نے جنت حاصل کرنے

کے لئے آسان راستے تلاش کر لئے ہیں۔ ہتھیار جو مسلمان کا زیور سمجھا جاتا تھا اس سے ہم یوں بیگانہ ہوئے ہیں کہ اب ہم اس سے وحشت کھانے لگے ہیں اور ہماری قوم فن سپہ گری سے کلی طور پر نابلد ہو کر رہ گئی ہے۔ شریف آدمی بے ہتھیار ہے۔ شر پسند با ہتھیار ہے۔

## فن سپہ گری

6 ۔ جنگ یا جہاد کی متحمل صرف وہ قوم ہو سکتی ہے جو فن سپہ گری سے واقف ہو اور اس کے مرد وزن سپہ گری کے ہر داؤ پیچ میں پوری طرح تربیت یافتہ ہوں۔ قومی زندگی کا یہ ایک رہنما اصول ہے اور جو لوگ اس حقیقت ابدی سے لاپرواہی برتتے ہیں ان کی قسمت میں ذلت و خواری لکھ دی جاتی ہے۔ ہماری قرون اولیٰ کی تاریخ سے یہ راز کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ غازیانہ جھپٹ پلٹ ہی سے قومیں بنتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنے والی قوم کو تو، لامحالہ یہ راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔ مکہ مکرمہ سے کسمپرسی کی حالت میں ہجرت کے بعد اہل اسلام نے جو تنظیم قائم کی، اس میں عسکری رنگ غالب تھا، کہ جنگ خندق تک ایمان والوں پر آزمائشوں اور مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے مگر وہ ہر آزمائش میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور صحیح فلسفہ دفاع اپنانے سے کامیاب ہوئے۔ جنگ خندق کے بعد اسلام کی فوجیں چہار طرف بڑھیں۔ اور حضور پاکؐ کی وفات کے وقت وہ ایک سپرنگ بورڈ پر کھڑی پر تول رہی تھیں کہ حکم ملے تو وہ ساری دنیا پر چھا جائیں۔

## اسلامی فتوحات

7 ۔ خلفاء راشدین کے زمانے کے چند سالوں میں یہ اسلامی افواج وسط ایشیا سے بحیرہ اوقیانوس تک پہنچ گئیں۔ ادھر مشرق میں موجودہ پاکستان کے علاقہ وزیرستان اور مکران تک اللہ تعالیٰ کا نام بلند ہو رہا تھا، تو شمال میں مسلمان قسطنطنیہ کی دیواروں تک پہنچ چکے تھے۔ بلکہ یورپ میں کریٹ اور سسلی کے جزیروں پر بھی یلغار کر رہے تھے۔ اس کے اگلے ساٹھ سالوں میں وہ سندھ اور ملتان تک پہنچ چکے تھے اور مغرب میں ملک سپین میں اللہ تعالیٰ کا نام بلند ہو رہا تھا۔ اس تمام عرصے میں اسلامی فوج کو کسی ایک مقام پر بھی پسپائی کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکا



تو ظاہر ہے کہ جنگ خندق سے پہلے مدینہ منورہ میں جو عسکری بنیادیں استوار ہوئیں، انہوں نے کئی پشتوں تک اپنی تلوار کا سکہ منوایا۔ بلاشبہ حضور پاکؐ مسلمانوں کے لئے ایک ایسا فوجی نظام چھوڑ گئے جس کی بدولت بے سروسامانی کے باوجود، مسلمانوں نے اس زمانے کی دو عظیم سلطنتوں کے ساتھ ٹکر لی اور یہی کچھ اس عاجز نے اپنی خلفاء راشدین کی کتابوں میں بیان کیا، کہ دو محاذ کھول دیئے اور ایسی حکمت عملی اپنائی کہ بھرپور کاروائی ایک وقت میں ایک ہی محاذ پر ہوتی لیکن دونوں محاذ ایکٹو یعنی با عمل ہوتے تھے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ بڑی بڑی فوجی طاقتیں ہمیشہ سے دو محاذوں پر جنگ لڑنے کے نام سے گھبراتی رہیں۔ لیکن مسلمانوں نے دو محاذوں پر جنگ کر کے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ اور ان کے حربی کارناموں کو آج بھی کسی فوجی پیمانے سے ناپنا مشکل نظر آتا ہے۔ اور ہم یہ کہیں گے کہ ان تمام کاروائیوں میں اللہ تعالیٰ کا دست براہ راست کام کر رہا تھا۔ اس تمہید اور وضاحت کے بعد ہم اسلام کے حربی نظام کی طرف پیش رفت کرتے ہیں۔

## اسلام کے حربی نظام (پہلی سطح)

8 ۔ اسلامی فلسفہ حیات اور مومن کے مقاصد زندگی پہلے اور دوسرے ابواب میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اور ان اصولوں اور ضرورتوں کے تحت اسلام کا حربی ڈھانچہ تین سطحوں میں تیار ہوتا ہے۔ پہلی سطح میں ہر مومن مرد پر چونکہ جہاد فرض کر دیا گیا ہے تو یہ فرض اسی صورت میں ادا کیا جا سکتا ہے کہ سب مومن سپاہیانہ زندگی کی تربیت حاصل کریں اور ہر سطح پر حملہ آور دشمن کے مقابلے میں اپنا دفاع کر سکیں۔ چنانچہ قوم کے ہر فرد کو فن سپہ گری سیکھنا ہوگا۔ اور پیدل فوج کے بنیادی ہتھیاروں میں مہارت حاصل کرنا ہوگی۔ تاکہ اپنی سطح پر دفاع کیا جا سکے اور ضرورت کے مطابق ان ہتھیاروں کو استعمال کیا جائے، جن کو آج وہی حیثیت حاصل ہے جو پرانے زمانے میں تلوار، تیر کمان اور نیزے بھالے کو تھی۔ آج رائفل، پستول، سٹین گن یا خودکار ہلکی گن وغیرہ کو وہی حیثیت حاصل ہے۔ قرون اولیٰ میں بچوں پر نماز بارہ سال کی عمر میں فرض ہو جاتی تھی اور مسجد کا محراب لفظ "حرب" سے ہے جہاں ہتھیار رکھے جاتے تھے۔ سب

مسلمان مسجدوں کے تحت ہتھیاروں کا استعمال سیکھتے تھے اور کتاب میں جگہ جگہ پوری قوم کو مسجدوں کی سطح پر ربط وضبط میں باندھنے کی جو سفارش کی گئی ہے اس میں مقصد یہی ہے کہ پوری قوم کو حربی نظام میں باندھ دیا جائے ۔ اور ہماری پہلی ضرورت آٹھ کروڑ بندوقیں اور بنیادی ہتھیار ہیں ۔ یعنی گرنیڈ، پستول، ہلکی خودکار گنیں وغیرہ ۔

## دوسری سطح

9 ۔ دوسری سطح پر اسلام کے حربی نظام کی عمارت کی بنیاد رکھی جاتی ہے ۔ غیروں کے فلسفوں میں عوام کو فوج کی امداد کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے ۔ لیکن اسلامی فلسفہ دفاع کے تحت پیشہ ور فوج کی جڑیں اس عوامی "بنیاں المرصوص" میں ہوتی ہیں جس کی مدد سے دفاعی ڈھانچہ تیار کیا جاتا ہے ۔ کہ حکمت عملی اور تدابیرت کے طور پر اس بنیان المرصوص کی کیا ذمہ داریاں ہوں گی ۔ اور پیشہ ور فوج کی کیا کیا ذمہ داریاں ہوں گی ۔ اس کی مزید وضاحت کچھ اس طرح ہے کہ پہلی سطح پر مجاہدین تیار کرنے کے بعد انہیں نظم وضبط میں پرو دیا جاتا ہے، تاکہ اس نظام کے ذریعہ ایک سیسہ پلائی دیوار پیدا کر دی جائے ۔ اس بنیان المرصوص کے عملی پہلو کو ہم اپنی خلفاء راشدین کی کتابوں میں اکثر جگہوں پر واضح کرچکے ہیں خاص کر پہلی کتاب میں جنگ سلاسل میں اور دوسری کتاب میں جنگ یرموک کے بیان کے وقت ۔ قرون اولی میں یہ ڈھانچہ مسجد کی بنیاد پر کھڑا کیا جاتا تھا، علاوہ ازیں، ہم خلفاء راشدین کی پہلی کتاب میں یہ واضح کرچکے ہیں کہ حضور پاکؐ کے احکام کے تحت خلفاء راشدین کے دور میں کس طرح دس دس کی ٹولیاں بنائی جاتی تھیں، اس سلسلہ کو پورے ملک میں پھیلا دیا جاتا تھا اور ایسے مجاہدین پیشہ ور یا باقاعدہ فوج میں شمولیت کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے ۔ پہلی سطح پر جو مجاہدین تیار ہوتے ہیں ان کو دوسری سطح پر رابطوں میں باندھنے کے بعد علاقائی دفاع کی ذمہ داری بھی سونپی جاتی ہے ۔

## تیسری سطح

10 ۔ اسلام کے حربی نظام کی تیسری سطح پیشہ ور افواج کا قیام یا ضرورت ہے جس کے سپاہی فنی اعتبار سے اپنے معراج کو پہنچ چکے ہوتے ہیں ۔ یہ لوگ جدید ہتھیاروں سے لیس ہوتے ہیں ۔



اور ساتھ ہی تیز رفتار حرکت کے اہل ہوتے ہیں ۔ دشمن کے علاقے میں میدان کارزار کو یہی لوگ گرم کرتے ہیں ۔ لیکن اس فوج کی ثابت قدمی کا انحصار پہلی اور دوسری سطحوں کی مضبوطی پر ہوتا ہے ۔ یہی وجہ تھی کہ جنگ خندق کے بعد اسلامی فوجوں کے آگے بڑھتے ہوئے قدم نہیں رکے ۔ خاص کر حضرت عمرؓ کے زمانے میں حالات ایسے ہو گئے کہ جب حضرت عمرؓ اپنے چھوٹے عاملوں کو خط لکھتے تھے، تو امدادی طور پر فن سپہ گری سے واقف لوگ آگے پہنچ جاتے تھے ۔ اس کے علاوہ مسجدوں نے ایک ایسا نظم وضبط پیدا کر دیا تھا، کہ محاذ جنگ کے عقب میں پورا علاقہ ایک سیسہ پلائی دیوار بن جاتا تھا ۔ اور یہی وجہ تھی کہ جب ایران اور روم جیسی مانی ہوئی طاقتوں کو، یہ ہمت نہ ہوئی کہ کس طرف سے نکل کر ہمارے لشکروں کے عقب پر حملہ کریں ۔ ظاہر ہے کہ ان کو معلوم ہو چکا تھا، کہ اسلامی علاقوں پر حملہ کرنا چٹانوں کے ساتھ ٹکرانے کے مترادف ہے ۔ پیشہ ور افواج کے سلسلہ میں البتہ ضروری ہوگا، کہ ہم زیادہ بھروسہ ان چیزوں پر کریں جو اپنے ملک میں آسانی کے ساتھ میسر ہو سکیں ۔ مجاہدین اور ان کے جذبہ کے علاوہ، وہ سامان جو ہم خود بناتے ہیں یا ملک میں موجود ہے، وہی ہمارے دفاع کا محور ہو ۔ اور جو کچھ باہر سے مل جائے اس کو انعام خداوندی سمجھ کر نہایت کفایت شعاری کے ساتھ استعمال کریں ۔ اس کے لئے اپنی حکمت عملیوں، تدبیرات اور مختلف سطحوں پر دفاعی تنظیموں یا لڑاکا طور طریقوں میں بھی مناسب تبدیلی کی ضرورت ہوگی ۔ بہرحال پہلے اس سے کہ ہم اسلامی فلسفہ دفاع اور قرآن پاک کے حربی نظام کے اصولوں کو زیر بحث لائیں، یہ ضروری ہوگا کہ اس وقت دنیا میں رائج باقی دفاعی فلسفوں پر بھی تھوڑا سا تبصرہ ہو جائے، تاکہ کچھ موازنہ ہوسکے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ آیا کہ ان لوگوں سے ہم کچھ سیکھ سکتے بھی ہیں یا نہیں؟

## غیروں کے دفاعی فلسفے

11 ۔ اس وقت دنیا میں دفاع کے دو بڑے فلسفے رائج ہیں ۔ ایک مغربی دنیا کا فلسفہ اور دوسرا سوشلسٹ ممالک کا ۔ مغربی دنیا میں پیشہ ور فوج رکھنا حکومت کا کام ہے اور دفاع کا سارا بندوبست سرکار یا تنخواہ دار لوگ کریں گے ۔ اور باقی لوگ صرف واہ واہ کریں گے ۔ یا فوج کو

سامان ضرورت وغیرہ مہیا کریں گے ۔ یہ طریقہ بالکل اسی طرح ہے جس کا ذکر میں نے اپنی کتاب "حضور پاکؐ کے جلال و جمال" میں جنگ بدر کے تحت ایک مثال سے کیا کہ جناب مقدادؓ نے حضرت موسیٰؑ کی قوم کی مثال دی ۔ کہ انہوں نے حضرت موسیٰؑ کو کہا کہ لڑائی آپ اور آپ کا اللہ کریں ۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ آپ حاکم ہیں اور تنخواہ دار فوج تیار کریں اور اس کی مدد سے لڑائی لڑیں، وغیرہ ۔ یہ طریقہ غیر اسلامی ہے ۔ ہر مسلمان پر جہاد فرض ہے اور اسلام کے لحاظ سے پوری قوم لڑتی ہے ۔ بد قسمتی سے ہمارا موجودہ فلسفہ دفاع بھی کافی حد تک اہل مغرب کی نقالی ہے ۔ اور ہمارے علماء بھی اس سلسلہ میں قوم کو نشان راہ نہیں بتا سکے ۔ دوسری قسم کا فلسفہ سوشلسٹ ممالک میں رائج ہے، جو اسلام کی بھونڈی نقل بھی ہے ۔ اور کچھ لوگوں کی فوج میں شمولیت کو عوامی فوج کا نام دیدیا ہے ۔ یعنی پورے عوام لڑ رہے ہیں ۔ خیر ان ممالک میں مقابلتاً کافی لوگ فوج میں شریک ہوتے ہیں ۔ لیکن اسلام کی بھونڈی نقل کا لفظ اسلئے استعمال کیا گیا ہے، کہ جس طرح اسلام کلی جنگ پر یقین رکھتا ہے، یہ لوگ بھی لفظی طور پر یا اصول کے طور پر کلی جنگ کا پرچار کرتے ہیں اور "اپنا آج قوم کے کل پر قربان کرتے ہیں" یہ نعرہ غیر اسلامی ہے کہ اسلام میں لڑائی اللہ اور رسولؐ کے لئے لڑی جاتی ہے ۔ بہر حال طریق کار میں بھی کافی فرق ہے کہ صرف چند لوگوں کو فوج میں رکھا جاتا ہے اور پوری قوم کی جنگ میں شرکت اس طرح نہیں جس طرح اسلام میں ہر مسلمان پر جہاد فرض ہے، وہاں سب کچھ سیاسی کمشنروں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے ۔ لیکن روس میں کمیونزم کے چاروں شانے چت گرنے کے بعد اب ان لوگوں نے بھی مغربی فلسفہ دفاع اپنا لیا ہے ۔ چینی افواج البتہ ایک نئی طرز اپنائے ہوئے ہیں ۔ جس کی اس عاجز کے پاس پوری وضاحت نہیں ہے ۔

### موازنہ

12 ۔ تو ظاہر ہوا، کہ غیروں کے فلسفہ دفاع اور اسلامی فلسفہ دفاع کے طریق کار میں کافی فرق ہے ۔ لیکن اصل فرق مقاصد کا ہے ۔ غیروں میں جنگ، اقتصادی مقاصد، ملک فتح کرنے، خاندانی دشمنی اور نظریہ ضرورت کے تحت لڑی جاتی ہے ۔ اسلام کے فلسفہ حیات میں جنگ اللہ



اور رسولؐ کی خوشنودی کے لئے لڑی جاتی ہے ۔ اپنی غیرت اور عقیدہ کی حفاظت کیلئے میدان میں نکلتے ہیں اور ملک فتح نہیں کئے جاتے، بلکہ لوگوں کے دلوں کو فتح کیا جاتا ہے ۔ میں نے اپنی کتاب جہاد کشمیر میں یہ پہلو بڑی تفصیل سے واضح کیا ہے، کہ ہنتے ہوتے ہوئے بھی ۔ جہاد کشمیر 48 ۔ 47 میں ہم نے بھارتیوں سے آدھے سے زیادہ کشمیر چھین لیا تھا ۔ اور فوجی طاقت میں توازن حاصل کر لیا تھا ۔ اگر بر وقت پکی فوج طریقے کے ساتھ کشمیر میں استعمال کرتے تو بھارتی فوج کو ہم وہاں پر اس طرح سے تباہ و برباد کرنے کے قابل ہو گئے تھے کہ وہ لوگ حیدر آباد کی طرف میلی آنکھ سے بھی نہ دیکھ سکتے ۔ لیکن ہم نے جہاد کے پاکیزہ عمل کی باگ و ڈور اپنے انگریز نوکروں کے ہاتھ میں دے دی ۔ انہوں نے فوج کو اس طرح بھونڈے طریقے سے استعمال کرایا ۔ اور ایسی سازشیں کیں اور ایسی غداریاں کرائیں کہ مقصد ہمارے دل میں بھارتی "سورما" سے ڈر پیدا کرنا تھا ۔ اور فائر بندی کرا کے بھارت کو سب کچھ دے کر ہمیں سیز فائر لائن پر بٹھانا تھا ۔ جیسے اب بیٹھے ہیں، کہ نظریہ جہاد کو پکا جمود دینا تھا ۔ اس سلسلہ میں جنرل اکبر خان طارق اور جنرل اکبر خان رنگروٹ کے انکشافات یا دوسرے انکشافات جو میں نے اپنی کتاب میں کئے ہیں ۔ اس سے ہماری آنکھیں کھل جانا چاہئیں ۔ جنرل گریسی اس ڈھٹائی تک گیا کہ سلطنت عثمانیہ اور مملوکوں کا فلسفہ جہاد ۔ انگریزوں کے فلسفہ دفاع کے سامنے نہ ٹھہر سکا ۔ تو نظریہ جہاد ایک فرسودہ نظام ہے ۔ اور کشمیر کے جہاد میں ہم نے جو عملی اسباق سیکھے ہیں ۔ ان کا ذکر بھی کسی تربیت کے دوران میں نہ کیا جائے گا ۔ کاش! میری قوم میری ساری کتابیں پڑھتی ۔ اور مجھے نہ تنگ کیا جاتا کہ میں اختصار کر کے نوالے ان کے منہ میں ڈالوں ۔ اے رب العالمین! تو مقلب القلوب ہے میرے مسلمان بھائیوں کو مومن کی فراست عطا کر دے ۔

## ہماری موجودہ دفاعی پالیسی

13 ۔ کتاب جہاد کشمیر سے پہلے یہ عاجز اپنی کتاب "تاشقند کے اصلی راز" اور پنڈورا باکس میں پچھلے، چھیالیس سالوں، کی سیاسی اور دفاعی پالیسی کا پورا جائزہ پیش کر چکا ہے ۔ کہ اس

سیاسی اور فوجی المیہ کے تحت ہم نے نوے ہزار فوجیوں سے ہتھیار ڈلوا کر، اپنے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگوالیا۔ البتہ اس کتاب میں ہم اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتے، کہ دفاع کے سلسلے میں آج تک ہمارے ملک میں کیا، کیا محنتیں ہوئیں۔ بے شک ہر لحاظ سے شہری لوگوں کو دفاع میں شریک کرنے اور ملک میں فوجی سامان کے سلسلہ میں بھرپور کوششیں جاری ہیں۔ باہر کے ملکوں سے سامان بھی حاصل کیا جارہا ہے وغیرہ۔ لیکن یہ ادھوری کوششیں ہیں۔ بنیادی پہلو ہماری نظر سے اوجھل ہے۔ اسلئے یہ عاجز ایک مکمل اسلامی فلسفہ دفاع کا ڈھانچہ یا خاکہ پیش کر رہا ہے۔

## جنگ کے مقاصد

14۔ اسلامی فلسفہ کے دفاع تحت سب سے پہلی چیز جنگی مقاصد ہیں۔ دفاع کے معاملات کو نہ مدافعانہ کہہ سکتے ہیں، اور نہ مصلحانہ۔ آج کل کے زمانے میں دفاع کا لفظ مصلحت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اور غیروں کے ملک پر قبضہ بھی اپنے "دفاع" کے تحت کر لیا جاتا ہے۔ قرآن پاک اور اسلام کے لحاظ سے جنگ کے مقاصد البتہ بالکل واضح ہیں کہ ہم خواہ مخواہ کسی کے ملک پر قبضہ نہیں کرتے۔ ہم خود اپنے اوپر اسلام کو مکمل طور پر نافذ کر کے اللہ کی فوج بن جاتے ہیں کہ غیر ہمیں غلامی میں نہ لیں اور ہماری عزت میں ہاتھ نہ ڈالیں۔ خلفاء راشدین کے زمانے میں جو جلدی فتوحات حاصل ہوگئیں۔ مسلمان امرا، ان کے حق میں نہ تھے۔ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کاش! ایران اور ہمارے درمیان آگ کا دریا ہوتا کہ ہم حفاظت سے اپنے علاقے میں اسلام پر مکمل طور پر عمل پیرا ہو کر لوگوں کیلئے نمونہ پیش کرتے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے احکام اس طرح نافذ کر کے ایسی ستھری زندگی گزاری جاتی ہے۔ حضرت علیؓ ان جلدی فتوحات کے نتائج کے بارے فکر مند تھے، کہ لوگ اسلام کو سمجھے بغیر دھڑا دھڑ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ اور اسکا نتیجہ صحیح نہ نکلے گا اور ایسے ہی ہوا کہ دنیا کی حب غالب آگئی۔ یہی کچھ پاکستان کے بنانے میں ہوا۔ بہر حال پاکستان بنانے کا بڑا مقصد بھی یہی تھا کہ ہم اسلامی زندگی اپنا کر لوگوں کیلئے نمونہ پیش کریں۔ اور ایسا تب ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ کی فوج بن کر رہیں۔ یہی کچھ ہم نے پاکستان میں



کرنا تھا۔ تو نہ بھارت، کشمیر پر غاصبانہ قبضہ کرتا۔ اور نہ بھارت کے مسلمانوں کے ساتھ وہ کرتا جو کر رہا ہے۔ ہمارے دانشور، حجاج بن یوسف کو ظالم کہتے تھے۔ میرا وہ ھیرو ہے کہ اس نے ہمیں عزت کی زندگی کی طرف مائل کیا۔ اور دو مسلمان عورتوں کی عزت کیلئے موجودہ پاکستان کے بڑے حصوں کی اینٹ سے اینٹ بجوادی۔ بہر حال اسلام سب سے پہلے اپنے ملک کے حالات ٹھیک کراتا ہے۔ اور جہاد کو طرز زندگی کے طور پر اپنانے کا یہی مطلب یا یہی مقاصد کارفرما ہیں۔

## پورا ملک ایک قلعہ

15۔ اسلام کے لحاظ سے پورے ملک کو ایک دفاعی قلعہ کی طرح ہونا چاہیئے، تاکہ اس کے عوام بنیان المرصوص کے طور پر اس قلعہ کا دفاع کریں۔ حضور پاک نے مدینہ منورہ میں یہی طریقہ رائج کیا۔ جنگ بدر کے بعد ہزار کوشش کے باوجود ابوسفیان اس قلعہ کے اندر جھانک بھی نہ سکا۔ بیسویں صدی میں پہلی جنگ عظیم کے بعد سلطنت عثمانیہ کے مدینہ منورہ کے آخری گورنر جناب فخری پاشا نے یہی طریقہ اپنایا، اور جنگ عظیم کے ختم ہونے کے دو سال بعد تک شریف حسین اور اس کے انگریز حواری مدینہ منورہ میں نہ جھانک سکے۔ پوری کہانی پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے کہ ایک ایک مجاہد نے اپنی ذمہ داری کیسے نبھائی کہ تمام مجاہدین کے دل جڑے ہوئے تھے۔ یہ ہے اسلامی فلسفہ دفاع کی بنیادی بات، کہ پوری قوم کو حربی سکھلائی دے کر ربط وضبط کے ساتھ اس طرح سے باندھ دیا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فوج بن جاتی ہے، کہ روحانی طور پر دل بھی جوڑ دیئے جاتے ہیں۔ ہمیں پاکستان کو اسی طرح سے اسلام کا ایک مستقر بنانا ہوگا، کہ کوئی دشمن اس کے اندر جھانک بھی نہ سکے۔ تو ظاہر ہوتا ہے، کہ اہل مغرب کا فوجی ڈھانچہ ایک فرسودہ نظام عسکریت ہے، جو غلامانہ ذہنیت رکھنے والے ملکوں میں اپنی چمک دمک کی بدولت کچھ عرصہ رائج رہ سکتا ہے مگر عوامی جذبہ کے حامل اور بیدار قوموں میں اس قسم کے فوجی ڈھانچوں میں کوئی کشش باقی نہیں رہی۔ یہ بلاشبہ ایک عوامی دور ہے۔ اور تیسری جنگ عظیم میں وہی قومیں زندہ رہیں گی، جن میں ربط وضبط ہوگا اور وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار

ہوں گی۔ راقم نے اپنی کتاب "کلاسیوٹز اور جنگ" تیسری جلد میں اس پہلو کی خوب تر وضاحت
کی ہے۔ اسی وجہ سے قوم کے رہنماؤں اور دانشوروں کو بار بار گزارش کر رہا ہوں کہ خدارا میری
کتابیں پڑھیں۔ میں مضامین اور چھوٹی کتابوں میں ان کے اختصار کرکے تھالی میں ٹکڑے رکھ
کر قوم کو کیسے پیش کروں۔ اب ذرا کراچی کے حالات پر نظر کریں۔ پشاور میں جوان دنوں
دسمبر95 میں تباہ کن دھماکہ ہوا۔ یا پہلے مصری سفارت خانہ اڑ گیا۔ یہ ڈاکے، یہ چوریاں، یہ
بدامنیاں ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزائیں ہیں کہ ہم نے غیروں کے کافرانہ نظاموں کو اپنایا
ہوا ہے۔ مسلمان جب اللہ کی فوج بن جاتے ہیں تو وہاں نہ کسی کے حقوق پر ڈاکہ مارا جاسکتا
ہے۔ اور نہ یہ بدامنیاں ہوتی ہیں۔ ان وسیع ضروریات کو بھی عاجز نے اپنی کتابوں میں جگہ جگہ
مثالیں دیتے ہوئے پھیلادیا ہے کہ قرآن پاک میں سب کچھ موجود ہے۔ اور اس ربط و ضبط والی
زندگی میں وہ لطف ہے کہ انسان حیران ہوجاتا ہے کہ دنیا کے قید خانہ کی زندگی مومن کے لئے
سہل ہوجاتی ہے۔ اور آخرت یعنی عالم امر میں داخل ہونے کی صحیح تیاری ہوجاتی ہے۔ ایسی ہی
زندگی کو اللہ تعالیٰ نے زندہ لوگوں کی زندگی کے نام سے موسوم کیا۔ اور ہم جس ذلت کی زندگی
سے دوچار ہیں یہ مردہ اور جاہلوں کی زندگی ہے۔

## اعجاز قرآن

16 ۔ مسلمانوں نے یہ فلسفہ کہاں سے سیکھا؟ اس کی ہدایت قرآن پاک میں ہیں۔ اور حضور
پاکؐ نے اپنی سنت سے ان ہدایات کی پیروی کی۔ پھر صحابہ کرامؓ نے جو حضور پاکؐ کے تربیت
یافتہ تھے، اس حکمت عملی کو آگے بڑھایا۔ لیکن یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں واضح
طور پر فرمایا۔ "کیا گمان کیا تم نے یہ کہ داخل ہوگے بہشت میں حالانکہ ابھی نہ ظاہر کیا اللہ تعالی
نے ان لوگوں کو جو جہاد کرتے ہیں۔ تم میں سے، اور ابھی نہ ظاہر کیا صبر کرنے والوں کو" اس
آیت سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جنت صرف جہاد کے راستہ سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ حضور
پاکؐ نے فرمایا کہ جنت تلواروں کے سایہ میں ہے۔ حضور پاکؐ اور آپؐ کے صحابہ کبارؓ اللہ کے
سپاہی بن کر اس دنیا میں تشریف لائے اور حضور پاک کی وفات کے بعد اگر کوئی کتاب لکھی گئی
یا لوگوں کو پڑھائی گئی تو وہ "علم مغازی" یعنی جنگ کے علم پر تھی۔ اس میں ذرا بھی شبہ نہیں



کہ جب تک مسلمان "علم مغازی" کو اولیت اور فوقیت دیتے رہے اور اس علم کے ماہر رہے تو
وہ دنیا پر غالب رہے۔ جب علم مغازی کو ثانوی یا ذیلی حیثیت دے دی گئی۔ اور دیگر علوم کو
آگے بڑھایا گیا، تو مسلمانوں کو ذلت و خواری دیکھنا پڑ گئی۔ اب کئی صدیوں سے علم مغازی،
اسلامی درس گاہوں سے مفقود ہوچکا ہے اور لوگ "سویلین" بن گئے کہ حکومت کرنا "سویلین"
کا حق ہے کہ حضور پاکؐ اور صحابہ کرامؓ سویلین تھے (نعوذ باللہ)۔ اور ہمارے ملک میں مجید
نظامی اور نوائے وقت اخبار، فن سپہ گری اور فوجیوں کا سب سے بڑا دشمن ہے وہ ہر وقت
"سولین سپر میسی" کے گیت گاتا ہے۔ لیکن جب فوج حکومت سنبھال لے تو بھیگی بلی بن جاتا
ہے۔ یحیٰ خان سے تو تمغہ بھی وصول کیا اور ضیاء الحق سے بھی اس کی گاڑھی چھنتی تھی۔ قرآن
پاک تو واضح اعلان کر رہا ہے۔ "بے شک اللہ تعالی نے خرید لی ہیں مومنوں سے جانیں ان کی،
اور مال ان کے جنت کے بدلے، وہ لڑائی کرتے ہیں اللہ کی راہ میں پس مارتے ہیں اور مارے
جاتے ہیں۔" بدقسمتی سے ایک سازش کے تحت جنگ کو اس طرح بھیانک بتایا جارہا ہے کہ
ہمارے لوگ جنگ کا نام سن کر کانپ اٹھتے ہیں۔ اور اہل یورپ خود ہر وقت جنگ کی تیاری
میں مصروف ہیں۔ تب ہی علامہ اقبالؒ چیخ اٹھے۔

یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر — باطل کے فال و فر کی حفاظت کے واسطے
مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر — ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے

## قرآن پاک کا حربی نظام

17 ۔ قرآن پاک ہمیں ایک عسکری یا حربی نظام عطا کرتا ہے، جو موجودہ زمانے کے لئے بھی
ہر لحاظ سے موزوں ہیں۔ اول تو ہم واضح کرچکے ہیں کہ مسلمان جنگیں کسی نظریہ ضرورت کے
تحت یا ذاتی مفادات کے لئے نہیں لڑتے، بلکہ اپنے عقیدہ اور ایمان کی حفاظت اور اللہ تعالی
کے احکام کے نفاذ یعنی حق کے لئے لڑتے ہیں۔ اور اسلام میں جنگ کا مقصد مخلوق خداوندی کو
طاغوتی طاقتوں سے آزاد کرانا ہوتا ہے اور دنیا سے فتنہ و فساد کو ختم کرنا ہوتا ہے۔ لہذا
مسلمانوں کی جنگ انسانوں پر رحمت خداوندی بن کر نازل ہوئی اور جہاں جہاں قرون اولی
میں مسلمانوں گئے وہاں اسلام آج بھی قائم و دائم ہے۔ ہم خلفاء راشدین کی دوسری کتاب میں
واضح کرچکے ہیں کہ حمص ایک دفعہ مسلمانوں کو وقتی طور پر چھوڑنا پڑا۔ لیکن جب وہاں

مسلمان دوسری دفعہ پہنچے تو لوگوں نے مسلمانوں کی آمد کو رحمت خداوندی سمجھا۔ دوم اسلام کچھ ٹھوس قسم کی حربی بنیادیں بھی قائم کرتا ہے جن کے مطابق تیار ہونے والی اللہ کی فوج، ایک دو دھاری تلوار کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے جس سے ٹکر لینے والی ہر چیز ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے۔ سلطنت روم اور سلطنت ایران کا یہی حشر ہوا۔ مومن دنیاوی ساز و سامان سے زیادہ اللہ پر یقین کو زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ اور یہ ایمان اس میں خیبر شکن قوتیں پیدا کر دیتا ہے۔ بے شک ساز و سامان کی اپنی جگہ بڑی اہمیت ہے۔ لیکن اسلام کے لحاظ سے فیصلہ کن حیثیت اس سپاہی کو دی گئی ہے جو ہتھیار کو استعمال کرتا ہے۔ بہر حال کلاسیوٹز اور ماوزے تنگ جیسے آدمی بھی انسان کو اولین حیثیت دیتے ہیں۔ اور ہمارا تو ایمان ہے

ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا (اقبالؒ)
اللہ کو پامردی مومن پہ بھروسہ

قرآن پاک نے مسلمانوں کو حزب اللہ کا پیارا نام دیا ہے جس کا ترجمہ ہم اللہ تعالیٰ کی فوج یا اللہ کے سپاہی کر رہے ہیں۔ کتاب اللہ کی چیدہ چیدہ آیات میں جنگ کی بنیادی قدریں بیان کی گئی ہیں، کہ مومن پر جہاد فرض ہے۔ اب اس فرض کو تب ہی پورا کیا جا سکتا ہے کہ ہر مسلمان حرب و ضرب کے تقاضوں سے آگاہ ہو۔ قلمی جہاد کرنے والوں، اور تالی بجانے والوں کا اللہ تعالیٰ یہ عذر کبھی قبول نہ کرے گا کہ وہ لڑائی کے طور طریقوں سے ناواقف تھے یا ہتھیار وغیرہ چلانا نہ جانتے تھے۔ ارشاد خداوندی ہے:۔ "کہا جاتا ہے ان کو کہ آؤ جنگ کرو اللہ کی راہ میں یا دفاع کرو۔ کہا انہوں نے کہ اگر ہم جنگ کرنا جانتے تو تمہارے ساتھ ضرور آتے۔ وہ اس روز ایمان کی نسبت، کفر کے بہت قریب تھے۔" یعنی فن سپہ گری سے نابلد ہونا کفر ہے۔ اور ہمارا مولوی تلوار کے نام سے ڈرتا ہے تو وہ کہاں کا مسلمان ہے؟

## کوئی عذر قبول نہیں

18 ۔ ایسا عذر پیش کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں "منافقین" کے نام سے یاد کیا ہے اور انہیں دردناک عذاب سے ڈرایا ہے۔ اب ہمارے ملک میں کئی صاحبان اسلام کے مایہ ناز فرزند بنے پھرتے ہیں۔ اور جہاد یا جنگ میں شمولیت تو دور کی بات ہے وہ جنگ کے تقاضوں سے بھی واقف ہونے کو تیار نہیں اور جنگ کی بات نہ کریں گے۔ تو ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو یوں فرمایا۔ "تو ان کے لئے بخشش مانگے یا ان کے لئے



بخشش نہ مانگے۔ اور اگر تو ان کے لئے بخشش مانگے ستر مرتبہ۔ نہیں۔ ہر گز اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا"۔ لہذا اسلام ایک ایسے نظام عسکریت کا دعوے دار ہے جس کے مطابق ہر مومن اللہ کا سپاہی ہونے کا فرض بخیر و خوبی پورا کر سکے اور اسے یہ عذر نہ پیش کرنا پڑے کہ وہ ہتھیار چلانا نہیں جانتا۔ جو لوگ مومنوں کی جماعت یعنی اللہ کی فوج میں شامل ہوتے ہیں وہ اس فرض سے بھی آگاہ ہوتے ہیں کہ انہیں فی سبیل اللہ لڑنا پڑے گا۔ اس لئے وہ لڑائی کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ لیکن جو لوگ حرب و ضرب کے فن سے بھی بیگانہ ہیں ان کے متعلق قرآن پاک میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔ "اور اگر ارادہ کرتے نکلنے کا البتہ تیار کرتے واسطے اس کے سامان لیکن ناخوش رکھا اللہ نے اٹھنا ان کا پس کاہلی سے بند کیا اور کہا گیا بیٹھے رہو، بیٹھنے والوں کے ساتھ۔" جہاد سے گریز کرنے والوں یا بہانہ تراشنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے تو اس کو سن کر انسان کانپ اٹھتا ہے۔ کیا ہم مسلمان ہیں کہ جہاد سے اس طرح گریز کر رہے ہیں؟ کوئی دنیاوی فوج اس لئے کھڑی کی جاتی ہے کہ اس کے سپاہی ضرورت پڑنے پر جنگ لڑیں، اپنی جانیں قربان کریں۔ کوئی سپاہی اگر جنگ سے گریز کرتا ہے تو اس کو گولی سے اڑا دیا جاتا ہے۔ اب ہم اللہ کی فوج ہیں اور جنگ کی تیاری کے لئے فن حرب سے بیگانہ رہیں تو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ کیا ہم مسلمان ہیں؟ تو میں اپنے موجودہ رہنماؤں یعنی مولویوں اور سیاستدانوں اور دوسری طرف دانشوروں وادیبوں سے گزارش کرتا ہوں۔ کہ پہلے فن سپہ گری سیکھ کر فن حرب سے آگاہی حاصل کریں تو تب تمہیں قرآن پاک کی باتیں سمجھ آسکیں گی۔ اور مسلمان کہلا سکو گے۔ امامت یا لیڈری کی باتوں کو چھوڑو۔ وہ تمہارے بس کی باتیں نہیں ہیں۔ وہ بڑے دل گردے کی باتیں ہیں۔ اور اس سلسلہ میں علامہ اقبال فرما گئے ہیں۔

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رخ دوست زندگی تیرے لئے اور دشوار کرے

## صف بندی اور بنیان المرصوص

19 ۔ ہر مومن پر لڑائی کی تیاری فرض ہے، لیکن کچھ اور اجتماعی ذمہ داریاں بھی ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے "بے شک اللہ محبت کرتا ہے ان لوگوں سے جو لڑتے ہیں اس کی راہ میں صف باندھے جیسے وہ سیسہ پلائی دیوار ہوں۔ اب اس حکم یا بیان پر دھیان دیں۔ اینٹوں کے ڈھیر کو

تو دیوار نہیں کہہ سکتے ۔ وہ دیوار کی صورت اس وقت اختیار کرے گی جب اینٹوں کو کسی
ترتیب کے ساتھ کسی مسالے کے ذریعے جوڑدیں اور اس ترتیب اور رابطہ کے بعد ہی ان اینٹوں
میں یگانگت و یک جہتی کا ظہور ہوتا ہے ۔ مگر جو کیفیت سیسہ پلائی ہوئی دیوار میں پیدا ہوتی ہے
وہ اینٹوں کی عام دیوار میں نہیں ہوسکتی ۔ ایرانی فوجیں اپنے آپ کو زنجیروں سے باندھ کر لڑتی
تھیں ۔ جنگ کاظمہ کا دوسرا نام جنگ سلاسل بھی ہے کہ ایرانیوں نے صفوں میں اپنے آپ کو
زنجیروں سے باندھا ہوا تھا ۔ جنگ یرموک میں رومیوں کے ایک دستہ نے بھی اپنے آپ کو
زنجیروں سے باندھا ہوا تھا لیکن دونوں جگہوں پر مسلمانوں کی سیسہ پلائی دیوار کے سامنے ان کی
زنجیریں کٹ گئیں ۔ ہماری قوم کو اس فلسفہ کے سمجھنے کی ازحد ضرورت ہے کہ پوری قوم صرف
فوجی رابطوں اور ضابطوں سے ہی سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن سکتی ہے ۔ یہ ذکر پوری قوم کے لئے
ہے کہ پوری قوم کو کم از کم یہ حالت اختیار کرنا ہوگی ۔ لیکن سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جانے کے
بعد مومنوں کو اس قابل ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے اور اللہ کے دشمنوں کو للکار سکیں ۔

## قوت کا استعمال

20 ۔ اب قرآن پاک کی روشنی میں ہم پیشہ ور فوج کی طرف مڑتے ہیں ۔ وہ اس طرح ہے کہ
سب سے پہلے خلیفہ دوم حضرت عمرؓ نے چھاؤنیاں بنانے کا حکم دیا اور خلفائے راشدین کے زمانے
میں کوفہ ، بصرہ ، جابیہ ، فسطاط اور قیروان وغیرہ کی چھاؤنیاں بنانے کا حکم دیا گیا ۔ یہ تو بڑی
چھاؤنیاں تھیں ۔ ان کے علاوہ لاتعداد چھوٹی چھوٹی فوجی چھاؤنیاں اور سرحدی چوکیاں تھیں ۔
فوج کی تنخواہ کا بندوبست کیا گیا ۔ وظائف مقرر کئے گئے ۔ پنشن کا بندوبست کیا گیا ، کہ اللہ تعالیٰ
کے اس سلسلہ میں واضح احکام موجود تھے ۔ "تیاری کرو ان کے لئے جس طرح تم استطاعت رکھتے
ہو قوت سے اور فوجی چھاؤنیوں سے ڈراؤ ان سے اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو ۔" یعنی قرآن
پاک کے مطابق فوجی تیاری حسب استطاعت اتنی مکمل ہو کہ اس کی وجہ سے دشمنوں پر اپنا
رعب بیٹھ جائے اور وہ خوف کھانے لگیں ۔ لیکن برا ہو دو سو سالوں کی غلامی کا ، کہ ہمارے
دانشوران باتوں کو نہیں سمجھتے اور ہمیں امن پسندی کی میٹھی لوری دے رہے ہیں ۔ اس سلسلہ



میں آجکل وزارت مذہبی امور میں ایک ڈاکٹر طفیل اور پہلے ہماری فوج کے ایک سولین ریٹائرڈ
افسر زبیری جو پیر بھی بنے ہوئے ہیں یعنی پیری مریدی کا شغل بھی کرتے ہیں ، لوگوں کو فن سپہ
گری سے نفرت دلانے کے مشن پر ہیں ، بہرحال فوجی تیاری دنیا میں آج بھی جنگ کا ایک
بنیادی اصول مانا جاتا ہے اور اس سے گریز کرنے والے لڑائی سے بہت پہلے ہی شکست تسلیم
کرلیتے ہیں ۔ ہمارے سب فوجی جانتے ہیں کہ لڑائی کا مقصد صرف دشمن کی فوج کو تباہ کرنا یا
شکست دینا ہی نہیں ہے بلکہ دشمن کے عزم اور قوت مدافعت کو بھی توڑا جاتا ہے اور
حضور پاکؐ سے یہ سبق سیکھ کر حضور پاکؐ کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ نے بھی یہی کچھ کیا ، تو
تب دنیا پر چھا گئے ۔ وہ قوم جو لڑائی کے لئے تیاری نہیں کرتی اس کا عزم مدافعت پہلے سے ہی
مفقود ہو چکا ہوتا ہے ۔ لہذا اسے زیر کرنے میں کوئی دیر نہیں لگتی ۔ تاریخ انسانی ایسے واقعات
سے بھری پڑی ہے جن میں اصول پر کاربند قوموں نے صحیح فوجی تیاریوں کے بل بوتے پر اپنے
حریفوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردیا ۔ آیئے اس کی مثال ہم جرمنی سے لیں ۔ پہلی جنگ عظیم میں
شکست کھانے کے بعد اتحادیوں کے کنٹرول کے باوجود انہوں نے کس طرح جنگ کی تیاری کی
پھر ان کے حملہ کرنے پر کسی نے ان کے سامنے چوں بھی نہ کی ۔ جنگ عظیم دوم سے پہلے ہی
انہوں نے فرانس کے مقبوضہ علاقہ سار پر قبضہ کیا ۔ پھر آسٹریا پر اور آخر میں چیکوسلواکیہ پر قبضہ
کیا ۔ دوسری جنگ عظیم میں انہوں نے فرانس کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردیا اور سارے یورپ پر
چھا گئے ۔ ہاں روس کیسے بچ گیا اور آخر میں جرمنی شکست کیوں کھا گیا ۔ ہم اس بحث میں نہ پڑیں
گے ۔ لیکن لڑنے والے کبھی نہیں مرتے ۔ جرمن قوم آج بھی زندہ ہے ۔

لیکن ہم مسلمانوں نے کسی سے کچھ بھی نہیں سیکھنا ۔ ہمارے پاس اپنی مثالیں موجود
ہیں ۔ یہ دنیاوی مثال صرف موازنہ کے طور پر لکھ دی گئی ہے ۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ اگر ہم
آٹھ کروڑ عوام کو اللہ کی فوج بنادیں اور موجودہ پیشہ ور فوج بھی ہمارے پاس ہو تو کیا دنیا کی
کوئی طاقت ہماری طرف دیکھنے کی بھی ہمت کرسکے گی ؟ بلکہ ہماری یہ قوت عالم اسلام میں ایسی
قوت پیدا کردے گی جس کو کوئی قلم بیان نہیں کرسکتا ۔ میں جب اپنے دانشوروں اور رہنماؤں
کے یہ بیانات پڑھتا ہوں کہ مسلمان ملکوں کی کوئی اجتماعی فوج ہو کہ مصیبت کے وقت ایک

دوسرے کی مدد کریں تو میں اپنا سرپیٹ لیتا ہوں۔ کہ مسلمان تو راکھ کا ڈھیر ہیں۔ عراق اور کویت کے جھگڑے میں آدھے ایک طرف اور آدھے دوسری طرف۔ پھر کتنا عرصہ ایران اور عراق آپس میں لڑتے رہے۔ آج افغانستان میں کیا ہو رہا ہے۔ ساری بات فلسفہ اور نظام حکومت کی ہے۔ اگر کسی ملک میں اسلامی فلسفہ حیات کے تحت اسلامی نظام حکومت نہیں۔ اور لوگ پورے طور پر دین میں داخل نہیں، تو اس ملک کو مسلمانوں کا ملک کہہ دیں کہ یہ برائے نام مسلمانوں کا ایک خطہ ہے۔ لیکن یہ ملک اسلامی ملک نہیں کہلا سکتا۔ پھر کونسا دفاع کونسی پالیسی؟ یہ اللہ اور رسولؐ کے ساتھ فراڈ ہے۔ پہلے ہم لوگ رسول عربیؐ کے اسلام کو سمجھیں اس کا پاکستان میں نفاذ کر کے اللہ کی فوج بنیں اور جو ملک ہماری نقل میں ایسا کریں۔ ان کا متحدہ دفاع ہو سکتا ہے۔ اب ہم متحدہ دفاع کس نظریئے کا کریں؟ اگر کوئی ملک ہماری طرح کافرانہ نظام کے تحت چل رہا ہے۔ تو اس کا دفاع کافرانہ نظام کا دفاع ہے۔ وقتی ضرورتوں کی حد ہوتی ہے۔ ہم کب سنبھلیں گے۔ اور کب مسلمان بنیں گے۔

## حربی نظام کا خلاصہ

21۔ ہم نے قرآن پاک کے اس حربی نظام کا خلاصہ پیش کر دیا ہے۔ گو یہ بڑا وسیع مضمون ہے اور اس نظام کو جاری کرنے کے لئے تین سطحوں کا ذکر پہلے کر دیا گیا ہے۔ اب اسلامی طرز جنگ کی حکمت عملی اور تدبیرات پر سرسری تبصرہ سے پہلے قرآن پاک اور سنت کی مدد سے جنگ کے کچھ اصولوں کی نشاندہی کر لی جائے تو پھر حکمت عملی اور تدبیرات کا بیان آسان ہو جائے گا۔ کہ ان اصولوں میں حکمت عملی اور تدبیرات کی طرف بھی سرسری اشارے موجود ہیں۔ اور اسلامی نظام حکومت کے خاکہ میں ہم نے جو میثاق مدینہ کا ذکر کیا تھا۔ اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے اور امن کے زمانے میں اللہ کی فوج بننے کے لئے۔ ان اصولوں کو اپنانا پڑے گا کہ یہ اصول پکے اور دائمی ہیں۔ غیروں کی طرح ان کو روز بروز تبدیل نہیں کیا جاتا۔ جو صاحب تفصیل میں دلچسپی رکھتے ہیں وہ میری کتاب "حضور پاکؐ کے جلال و جمال" کے سلسلہ میں جنرل احسان الحق ڈار کا تعارف پڑھیں۔





# قرآن پاک کے لحاظ سے جنگ کے اصول اور جہاد اکبر کا نفاذ

## اصول استقامت فی المقصد

اسلام کے لحاظ سے جنگ کے مقاصد پچھلے باب میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ وہ بہت بڑے مقاصد ہیں، جنہیں ہمیشہ ذہن میں رکھنا ہوتا ہے۔ کچھ فوری مقاصد بھی ہوتے ہیں جو ان بڑے مقاصد کے تابع ہوتے ہیں۔ فوجی تدبیرات یا حکمت عملی کے تحت فوری مقاصد بھی دے دیئے جاتے ہیں اور ترجیحات بھی مقرر کی جاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں قرآن پاک کی کئی آیات ہماری رہنمائی کرتی ہیں اور قرآن پاک میں اکثر جگہ احکام ہیں کہ جب تم وعدہ کر لو تو اس پر قائم رہو۔ بہر حال، ہم صرف ایک آیت کا ترجمہ لکھیں گے۔ "پس جب تو نے پکا ارادہ کر لیا تو پھر اللہ پر بھروسہ کر۔ بے شک اللہ توکل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔" اس ایک آیت مبارکہ میں مقصد پر قائم رہنے کے مضمون کو بیان کرتے وقت گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ ایک فوجی ذہن جس کو فوجی زندگی میں اکثر احکام ملتے رہتے ہیں کہ وہ مقصد حاصل کرو، یا یہ کرو وہ ان الفاظ کے جذبہ کو بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے۔ دراصل انسان کا ارادہ ہی ہر معاملہ میں روح رواں کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور جب اللہ پر بھروسہ کر کے پکا ارادہ کر لیا جائے، تو سبحان اللہ کیا ہی کہنے ہیں، کہ مقصد حاصل ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کے لئے مقصد حاصل کرنے کے لئے بنیادی تربیت کا بندوبست بھی کر دیا ہے۔ ہر مقصد حاصل کرنے سے پہلے نیت باندھی جاتی ہے۔ نماز شروع کرنے سے پہلے نیت باندھنا، روزہ سے پہلے نیت کرنا قربانی، زکوٰۃ، حج حتیٰ کہ سفر پر روانہ ہونے کی نیت کرنا، بلکہ گھوڑے یا کشتی پر سوار ہونے کی نیت وغیرہ بھی ہے، تو دین فطرت کی شان نرالی ہے کہ مقصد کے لئے نیت باندھو اور پھر توکل کرو۔ حضور پاکؐ نے اس سلسلہ میں اپنے صحابہ کرامؓ کی عملی طور پر جو تربیت کی اس کا بیان ہو چکا ہے اور صحابہ کرامؓ نے استقامت فی المقصد کو جس طرح نبھایا اس کے نتائج دنیا کے

سامنے ہیں ۔ یہ اصول امن کے زمانے اور مومن کی زندگی کا بنیادی اصول بھی ہے ۔ اسی وجہ سے پہلے باب میں سیاست کو غیر اسلامی نظریہ کہا گیا کہ وعدہ کو توڑ دینا تو بات ہی کوئی نہیں ۔ سیاست کا مطلب ہی یہ ہے کہ کام چلاؤ ۔ اور اصول توڑے جاتے ہیں ۔

## اصول ایمان ویقین

2 ۔ اسلام کے لحاظ سے جنگ کا دوسرا بڑا اصول یہ ہے، کہ ہر کارروائی ایمان و یقین سے کی جاتی ہے اور انفرادی و اجتماعی طور پر اپنا فلسفہ حیات اور مومن کے مقاصد زندگی پیش نظر ہوتے ہیں ۔ اسلامی تعلیم کا مرکز ثقل قلب انسانی ہے جس کی تربیت پر خاص توجہ دی جاتی تھی ۔ اور اب بھی دی جانی چاہیئے ۔ یہ روحانی تربیت اللہ کے ذکر، حضور پاکؐ پر درود و سلام بھیجنے اور بزرگوں کے ادب کرنے سے حاصل ہوتی ہے ۔ جب اس طرح صحیح معنوں میں ایک مومن تیار کرلیا جائے ۔ تو وہ ایمان کی قوت سے مسلح ہو کر زندگی کی آزمائشوں سے گزرتا ہے ۔ ہتھیار یا مشین ثانوی یا ذیلی حیثیت رکھتے ہیں ۔ اس زمانے میں بھی ایک آدمی اگر چاند ماری میں بڑا ماہر ہے لیکن کم دل ہے اور میدان جنگ میں اس کی ہمت نہیں ہوتی کہ شست لے کر فائر کرسکے، تو بھلا اس کے ماہر ہونے کا کیا فائدہ ؟ اور یقین جانیں کہ ہم نے میدان جنگ میں ایسے آدمی دیکھے ہیں اور ایسے بھی دیکھے کہ امن کے زمانے میں اچھے سپاہی نظر نہ آتے تھے، لیکن میدان جنگ میں ان کی قوت ایمانی عود کر آئی اور انہوں نے کارہائے نمایاں انجام دیئے ۔ اس سلسلہ میں ارشاد ربانی ہے ۔ "مت ڈرو (یا بزدلی دکھاؤ) اور مت غم کھاؤ (یعنی گھبراؤ نہیں) ۔ تم ہی غالب رہوگے اگر تم ایمان والے ہو ۔" تو بات ساری ایمان والی ہے اور ہم نے حضور پاکؐ کی تربیت یافتہ فوج کے کارہائے نمایاں بیان کردیئے کہ ایمان والوں نے ہمیشہ کس طرح سے اپنے سے تین گنا زیادہ دشمن کو پاش پاش کردیا ۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد انگریزوں نے یہ تجزیہ کیا، کہ سب سے آگے والے مورچوں میں ایک پلٹن کی ایک کمپنی سے کتنے جوان دشمن پر شست باندھ کر فائر کرتے تھے، تو آگے سے پتہ چلا کہ صرف دس فیصد جوان دشمن کو دیکھ کر فائر کرتے تھے، باقی صرف ٹریگر دبا دیتے تھے ۔ مشہور جرمن جنگی ماہر کلاسوٹز کہتا ہے کہ جنگ،



کے معاملات ان سے معلوم کیئے جائیں جو جنگ میں شرکت کرچکے ہوں ۔ اب راقم ذاتی رائے دے رہا ہے کہ انگریزوں کے زمانے میں ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، کہ رات کے وقت تو ایک فیصد فائر تو سوچ سمجھ سے ہوتا تھا اور دن کے وقت چند لوگ ذاتی بچاؤ کے لئے دشمن کو دیکھ کر فائر کرتے تھے ۔ ورنہ اکثر ٹریگر دباتے رہتے تھے ۔ لیکن ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں میرے عظیم ساتھیوں نے شاید ہی کوئی گولی ضائع کی ہو ۔ اور پوری جنگ کے دوران رائفل اور لائٹ مشین گن کا فالتو بارود آگے نہ منگوایا گیا ۔ صرف گرنیڈ یا بکتر بند توڑ بارود زیادہ آگے منگوایا گیا کہ ضرورت ایسی پڑی ۔ اصول یہ تھا کہ ایک گولی ایک دشمن اور اس پر عمل اس طرح کیا گیا کہ فائر بندی کے وقت ڈوگرئی کا میدان جنگ، دشمن کی لاشوں سے پٹا پڑا تھا ۔ اور اپنے تقریباً ایک صد شہداء کے مقابلے میں تقریباً سات سو بھارتی واصل جہنم ہوئے، کہ دو سال بعد بھارتی لوک سبھا اس سلسلہ میں چیخ و پکار کر رہا تھا ۔ لڑائی کی یہ مثال صرف دفاع سے دی گئی ہے لیکن جارحانہ کاروائی کے دوران اکثر ایسے ہوتا ہے کہ گشتی دستے دشمن کے علاقے میں جاتے بھی نہیں اور جھوٹی خبریں دیتے ہیں ۔ حملہ میں کئی آدمی راستے میں لیٹ جاتے ہیں اور مقصود پر چند ہی جوان پہنچتے ہیں ۔ لیکن مسلمان کی یہ شان نہیں ۔ وہ سارے کے سارے لڑتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ ارشاد ربانی ہے کہ "اگر ہوں تم میں سو تو غالب آئیں گے ایک ہزار پر ۔" اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں بڑی حکمت پنہاں ہوتی ہے ۔ وہ کئی باتوں کو ایک فقرہ میں بیان کردیتا ہے ۔ اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ کافروں میں دس فیصد لوگ لڑتے ہیں ۔ یعنی سو میں سے دس لڑیں گے تو ان پر دس مسلمان غالب آئیں گے کہ وہ قوت ایمانی کے ساتھ لڑ رہے ہوتے ہیں ۔ جناب حضور پاکؐ کی جنگوں میں ہر جگہ کم نفری نے زیادہ نفری کو شکست دی اور خلفائے راشدین کے زمانے میں اس اصول کو قائم رکھا گیا ۔ اسلام کے عظیم فرزند جناب مثنیٰ بن حارث فرمایا کرتے تھے، کہ اسلام سے پہلے دس ایرانی سو عربوں پر حاوی تھے ۔ عرب جب مسلمان ہوگئے تو اب دس عرب سو ایرانیوں پر حاوی ہیں ۔ اور بعد میں جنگ قادسیہ اور جنگ نہاوند میں مسلمانوں نے اس کا عملی ثبوت دیا ۔ اور شام کے محاذ پر جنگ یرموک سے بہتر کوئی مثال نہیں مل سکتی کہ چالیس ہزار مجاہدین نے ایک لاکھ بیس ہزار رومیوں کو نہ صرف شکست دی بلکہ ان

کے ستر ہزار جوان کھیت رہے ۔ اور مرتا وہی ہے جو لڑتا ہے ۔ بے شک اہل روم بھی بڑی
بہادری سے لڑے ۔ لیکن ارشاد ربانی کے آگے سب ہیچ ہے اور راقم یہ سب کچھ ستمبر ۱۹۶۵ء میں
اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہے ۔ یہاں پر ایک واقعہ کا بیان ضروری ہے ۔ قیصر روم ہرقل کافی مدبر
اور جہاندیدہ آدمی تھا اور فوجی حکمت عملی کا ماہر تھا ۔ جنگ یرموک میں رومیوں کی شکست نے
اس کو حیران کر دیا ، تو اس نے بھگوڑوں کو اکٹھا کیا اور ان سے پوچھنے لگا کہ تم لوگ سازو
سامان اور نفری کی برتری کے باوجود مسلمانوں سے کیوں شکست کھا گئے ؟ ایک تجربہ کار اور سن
رسیدہ آدمی نے جواب دیا ۔" مسلمانوں کے اخلاق ہماری نسبت بہت بلند ہیں ۔ وہ لوگ رات
بھر عبادت کرتے ہیں اور دن میں روزہ رکھتے ہیں ۔ وہ کسی شخص کے جذبات کو مجروح نہیں
کرتے اور ایک دوسرے کے ساتھ مساویانہ سلوک کرتے ہیں ۔ دوسری طرف ہم شراب کے
عادی ہیں ، عہد شکنی کرتے ہیں اور کمزوروں کو دباتے رہتے ہیں ۔" چنانچہ یہ پہلو بھی پوری قوم
کے لئے ہے ، کہ پوری قوم کو پورے طور پر اسلام میں داخل ہونا ہوگا ۔ اور حکومت کو احکام
جاری کرنے ہوں گے کہ سب لوگ فرائض پورے کریں ۔ اب حکومت میں اگر ان لوگوں کو
بٹھا دیا جائے ۔ جو جمعہ کی نماز بھی مشکل سے پڑھتے ہوں ۔ تو پھر اسلامی نظام کیسے نافذ ہو ۔

## قوت ایمانی کے نتائج

3 ۔ اس سلسلے میں قوت ایمانی کے نتائج کو اس عاجز نے اپنی اسلامی تاریخ کی کتابوں کے ہر
باب کے آخر میں بیان کیا ، کہ اس کی تربیت ہمارے آقاؐ نے مجاہدین کو قرآن پاک کے ذریعہ
سے دی تھی ۔ ارشاد ربانی ہے ۔" کتنی بار چھوٹی فوج بڑی فوج پر غالب آئی ہے اللہ کے حکم سے ۔
بلکہ اللہ تعالیٰ کفار کو اس طرح تنبیہہ کرتا ہے ۔" اور تم کو تمہاری فوج ہر گز کام نہیں آئے گی ۔
اگرچہ تعداد میں بہت ہو اور اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے ۔" چنانچہ یہ بڑا ہی وسیع مضمون ہے
کلاسیوٹز مادی وسائل کے ساتھ اخلاقی وسائل یا اخلاقی قوتوں کے فوائد کو تسلیم کرتا ہے اور اس
کی کتابوں کے ترجمہ کے وقت اس چیز پر تبصرہ کر دیا گیا ہے ۔ کلاسیوٹز کے مطابق جب طاقت یا
وسائل میں کمی ہو ، تو بہتر تدبر اور اخلاقی قوتوں کی مدد سے دشمن کے ساتھ توازن پیدا کیا جاسکتا



ہے ۔ لیکن ہمارے آقاؐ اور آپؐ کے تربیت یافتہ اس اصول سے آگے نکل گئے ، کہ گو ، ہر جنگ
میں وہ دشمن سے کم تعداد میں تھے لیکن انہوں نے پہلے مرحلہ میں دشمن کے ساتھ اخلاقی قوتوں
سے توازن پیدا کیا اور دوسرے مرحلہ میں دشمن کو پاش پاش کر دیا ۔ جنگ بدر ہو یا جنگ یمامہ
جنگ قادسیہ ہو یا جنگ اجنادین ہر جگہ یہی کچھ کیا ۔ اول حکمت عملی کے ذریعہ توازن پیدا کیا
اور کوئی فرق رہ گیا ، تو تدبیرات کے تحت اس کو پورا کیا ۔ پھر قوت ایمانی سے دشمن کو تہس
نہس کر دیا ۔ ایسی قوت ایمانی پیدا کرنے کے لئے خاص تربیت کی ضرورت ہوتی ہے جو از خود
ایک وسیع مضمون ہے کہ بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے جمہوریت نواز اور مادر پدر آزاد
لوگ ایسا نہ کر سکیں گے ۔ ان کی پہچان یہ ہے کہ امن کے زمانے میں ان کی بخیلت اور تیز زبان
پہچانی جاسکتی ہے اور حضور پاکؐ کے زمانے میں کوئی کام نہ کیا اور نہ بعد میں کوئی کام کیا ۔ انہی
سے پہلے آزاد فکر خارجی پیدا ہوئے اور پھر یہ معتزلہ بنے ۔ آج بھی ایسے لوگ ہمارے درمیان
موجود ہیں اور عقلی گھوڑے دوڑاتے رہتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے بارے میں اس طرح
گویا ہوتے ہیں ۔" اگر نکلتے ساتھ تمہارے نہ زیادتی کرتے تم کو مگر فساد میں ۔ اور البتہ گھوڑے
دوڑاتے درمیان تمہارے ۔ چاہتے ہیں تمہارے واسطے فتنہ اور تم میں بعض لوگ ان کی باتیں
سنتے ہیں یا ان کو مانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے ظالموں کو ۔" ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ
تعداد میں دلچسپی نہیں کہ زیادہ تعداد ہو تو کیا فائدہ ۔ اس سے وہ تھوڑے بہتر ہیں جو قوت ایمانی
سے سرشار ہوں ۔ دیکھ لیں آج دنیا بھر میں مسلمانوں کی تعداد نوے کروڑ سے زیادہ ہے اور یہ
تعداد ہمیں کچھ فائدہ نہیں دے رہی ، کہ ہم میں قوت ایمانی کی کمی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کہتے
ہیں کہ اسلام کا فلسفہ دفاع ( جہاد بالسیف ) سیاسی فلسفہ ( کلی جہاد ) کے تابع ہے اور ہمارے نظام
حکومت کو اسلامی فلسفہ حیات کے تابع ہونا چاہیئے کہ پوری قوم کی تربیت کی ضرورت ہے اور یہ
تربیت کیسے ہو اس کا ذکر آگے آئے گا ۔ لیکن بہت اختصار کے ساتھ ، کہ یہ خاکہ ہیں ۔ اور پوری
تربیت کا کام ۔ وحدت فکر و وحدت عمل کے اصولوں کے تحت ہوگا ۔ جس کا سلیبس ، قومی
معاملات کی وزارت کا بنانا ہوگا جس کے کچھ اصولوں کا پہلے باب میں ذکر ہو چکا ہے ۔

## اصول مصابرت

4 - ایمان و یقین کے اصول کا ایک مددگار اصول بھی ہے جو اخلاقی قوتوں کو بڑھاتا ہے ۔ گو یہ عنصر بھی ایمان و یقین کا حصہ ہے لیکن اس کو الگ اور تیسرا اصول بنا کر پیش کرنے میں ایک خاص مقصد ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اس پہلو پر کافی زور دیا ہے ۔ وجہ یہ ہے کہ انسان فطری طور پر جلد باز ہے ۔ وہ جلد نتائج حاصل کرنے کے لئے جلد بازی کر جاتا ہے ۔ اور جب جلدی نتائج نہ نکلیں تو کہنا شروع کر دیتا ہے کہ "اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں ۔" یعنی امید پر گزارہ کرتا ہے ۔ امید بے شک اچھی چیز ہے ۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "لاتقنطوا من رحمتہ اللہ ۔" لیکن اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نہ دیر ہے اور نہ اندھیر ۔ اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کس کام کو کب ہونا چاہیئے ۔ اس لئے ہم اس اصول مصابرت کو الگ کر کے بیان کر رہے ہیں کہ دیر ہو جانے کی صورت میں صبر سے کام لیا جائے کہ ہم لوگ "دیر" یا "زمان" کے معاملات کو نہیں سمجھ سکتے ۔ جو لوگ فوج سے وابستہ ہیں، ان کو معلوم ہے کہ جنگ کی تیاری اور تربیت میں ہر سطح پر بڑے کتابی اور عملی امتحان آتے ہیں ۔ اور ان کا اکثر بڑی صبر آزما گھڑیوں کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے ۔ علاوہ ازیں خود جنگ کے دوران ہر سطح پر امتحان اور انتظار کے پرچے بڑے سخت ہوتے ہیں ۔ لطف کی بات یہ ہے کہ جنگ میں بڑا چوکنا رہنا پڑتا ہے اور جلدی یا بروقت کارروائی کی بھی ضرورت ہوتی ہے ۔ تو جو لوگ فوجی ذہن نہیں رکھتے ان کو یہاں تضاد نظر آئے گا کہ ایک طرف جلدی دوسری طرف صبر ۔ تو گزارش ہے کہ جلدی اور صبر میں توازن پیدا کرنا پڑتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وجہ سے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ۔ "اے ایمان والو! صبر کرو اور باہم مصابرہ کرو ۔ اور فوجی رابطہ رکھو اور ڈرو اللہ سے ، کہ تم فلاح پاؤ" سبحان اللہ! کیا شان ہے کہ ایک فوجی ذہن ان الفاظ کی تہہ میں غوطہ پر غوطہ لگاتا رہے گا ۔ اور اس کو یہ معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے میری ہی یونٹ یا ادارہ کے لئے یہ احکام جاری کئے ہیں کہ میں اس ادارہ یا یونٹ میں ہر کام ان اصولوں کے تحت کروں اور کراؤں ۔ پہلے انفرادی صبر کی تلقین پھر اجتماعی صبر کی، کہ ایک دوسرے کی صبر کے پہلو سے مدد کرو ۔ یا صبر کی اجتماعیت پیدا کرو ۔ اور یہ ملا جلا صبر اس فوجی رابطہ کی بنیاد



ہے جو فوج یا بنیان المرصوص کی عمارت کا ڈھانچہ ہوتا ہے ۔ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی موجودگی اور اپنے ڈر کا بھی ذکر کر دیا، کہ ایسا کر کے سب کام مجھ پر چھوڑ دو تاکہ تم فلاح پاؤ ۔ یعنی ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ رہنے کی بات نہیں ۔ پہلے کارروائی کرو اور پھر اللہ پر نتیجہ کو چھوڑو ۔ یعنی توکل والا پہلو بھی آگیا ۔ صبر کا ذکر قرآن پاک میں اکثر مقامات پر ہے ۔ لیکن ہم صرف ایک جگہ کا ذکر کرتے ہیں جہاں ارشاد ربانی ہے ۔ "اے ہمارے رب! ڈال ہمارے اوپر صبر اور ثابت رکھ قدم ہمارے (یعنی ہمیں ثابت قدمی عطا فرما) اور مدد دے ہم کو اوپر کافروں کے"

یہ دین فطرت ہے ۔ صبر کا اصول یا قوت ایمانی کا اصول ، جنگ کے اصول (RPINCIPLES OF WAR) کے طور پر مغربی دنیا نے نہیں اپنایا ۔ ہاں دوسری جنگ عظیم کے بعد (MORAL) یا اخلاقی قوت کو ایک اصول تسلیم کر لیا گیا، کہ نفسیاتی طور پر دشمن کے حملے بھی شروع ہو گئے ہیں ۔ اس لئے اخلاقی قوتوں کو بڑھایا جائے ۔ بہر حال وہ لوگ اخلاقی قوتوں کو دنیاوی جنگ کے مقاصد کے طور پر بڑھا سکتے ہیں اور دین فطرت کے اصولوں کی یہ بھونڈی نقل بھی، نہیں کہ دین فطرت نے آج سے چودہ سو سال پہلے یہ اصول پیش کئے ۔ گو صبر کے سلسلہ میں دوسری جنگ عظیم کا مشہور انگریز فیلڈ مارشل منٹگمری اپنی ایک کتاب میں تسلیم کرتا ہے کہ ٹامی (انگریز سپاہی) جنگوں میں اس لئے کامیاب ہوتا ہے کہ وہ میدان جنگ میں سخت حالات میں دوسرے یورپین سپاہیوں کے مقابلے میں چند لمحے زیادہ ٹھہر جاتا ہے ۔ یعنی وہ ذرا زیادہ صابر ہے ۔ بہر حال انگریز سپاہی کو یہ مزاج یورپ کی سرد ہواؤں اور گلف سٹریم کی گرم رووں کی ملاوٹ کے توازن نے دیا اور مسلمان سپاہی کو اللہ تعالیٰ نے یہ دس گناہ بہتر شرف اس کی قوت ایمانی کی وجہ سے عطا کر دیا ۔ اللہ تعالیٰ مسلمان سپاہی کو ثابت قدم رہنے کی بار بار تلقین کرتا ہے ۔ اور ثابت قدمی صبر سے ہی حاصل ہوتی ہے ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔ "اے ایمان والو! جب دشمن کے دستے کے ساتھ ٹکراؤ ہو تو ثابت قدم رہو اور ذکر کرو اللہ کا کثرت سے تاکہ تم فلاح پاؤ" اب ذکر کے بارے اور جگہ بھی بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دل کو اطمینان نصیب ہوتا ہے ۔ ہرقل کے سامنے ایک تجربہ کار رومی بھگوڑے کا ذکر ہو چکا ہے جس نے ہرقل کو بتایا کہ مسلمان رات کا ذکر کرتے تھے ۔ اور اوپر والی آیت میں

فلاح کا بھی ذکر ہے تو یہ بات ہم پر واضح ہو جاتی ہے کہ صبر، مصابرہ، ذکر اطمینان، ثابت قدمی ان سب چیزوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور یہ سب فلاح کا ذریعہ ہیں۔ سورۃ انفال میں جہاں تعداد کے موازنہ کا ذکر ہے، تو وہاں الفاظ یہ ہیں۔" اگر ہوں تم میں سے بیس صبر کرنے والے غالب آئیں گے دو سو پر۔" سید سلیمان ندوی اور ہمارے مطالعہ میں فرق یہ ہے، کہ ہمارے لحاظ سے صبر، مصابرہ، ذکر، اطمینان، ثابت قدمی وغیرہ سب پہلو جہاد کی تیاری کا حصہ ہیں اور سید صاحب کے لحاظ سے یہ صرف اوصاف ہیں۔ اور انہوں نے سیرۃ کی کتابوں میں ایسا ہی لکھا ہے۔ اس عاجز کے مطابق صبر مجاہدوں کا ایک خاص وصف ہے اور یہ ہے اسلامی طرز جنگ کا اصول مصابرہ، جس کے تحت فوج کو تربیت دینے کی ضرورت ہے لیکن یہ کام بنیادی طور پر گھروں اور مسجدوں سے شروع ہوتا ہے۔ ایسے اصولوں کی لوری مسلمان بچوں کی مائیں ان کو اپنی آغوش میں دیتی ہیں۔ اور مکتبوں میں ان پر عمل ہوتا ہے۔ اسلام ایسی تعلیم کے حق میں نہیں، جہاں کالجوں میں بیٹھ کر ڈینگیں ماری جائیں اور آزاد فکری کا یہ حال ہو کہ بچے مادر پدر آزاد ہو جائیں۔ اور ہر گزرنے والے کو ڈر لگ جاتا ہے کہ شاید یہ بچے کس وقت بھر کر اس کی عزت کو خراب کر دیں۔ چنانچہ اس اصول مصابرہ میں جو ربط و ضبط کا ذکر ہے، اس کو ہم ایک الگ اصول کے طور پر بیان کریں گے کہ ربط و ضبط کے معاملات اور زیادہ وسیع ہیں۔ بہر حال یہ اصول بھی ایک قومی ضرورت ہے کہ پوری قوم کی اس سلسلہ میں تربیت کی جائے۔

## اصول ربط و ضبط

5۔ اسلام اور قرآن پاک کے لحاظ سے یہ جنگ کا چوتھا بڑا اصول ہے۔ عام طور پر اسے غیروں نے بھی ایک جنگی اصول تسلیم کیا ہے۔ شاید اس اصول کی شکل و صورت کچھ مختلف ہو اور وقت اس میں تبدیلی لاتا رہا ہو، کہ اٹھارہویں صدی تک یورپ میں جنگ بھی ڈرل کے طور پر اصول ربط و ضبط کے تحت لڑی جاتی تھی۔ اٹھارہویں صدی سے پہلے کی یورپ کی عسکری تاریخ میں جنگ کا کوئی مفید سبق نہیں ملتا۔ بس لکیر کے فقیر والا معاملہ تھا۔ اور جنگ بعض جگہ کھیل کے بھی مشابہ رہی۔ اسی وجہ سے اہل یورپ ان جنگوں کو "جنٹلمین وارز" بھی کہتے ہیں۔



بہر حال اٹھارہویں صدی میں فریڈرک اعظم نے ڈرل کے طور پر جنگ لڑنے کی راہ نکالی اور ربط و ضبط کو ایک اصول مانا گیا۔ دین فطرت کی شان البتہ نرالی ہے۔ اس میں پہلے روز ہی سے ربط و ضبط پر بہت زور دیا گیا۔ بلکہ یہ بھی خیال پایا جاتا ہے کہ ہمارا لفظ "رابطہ" یا "ربط" سپین میں رجمنٹ بن گیا۔ اور اب انگریزی لفظ ضبط پر بہت زور دیا گیا۔ رجمنٹیشن ( REGIMENTATION ) کے اندر جو بے پناہ رابطے ضابطے سموئے ہوئے ہیں اور یورپ کے مادر پدر آزاد معاشرے کی قومی زندگی میں یہ لفظ جو آج تک قائم ہے، تو یہ لفظ اہل یورپ کا نہیں ہو سکتا، کہ اس لفظ کا یورپ کی زبان میں کوئی ماخذ بھی نہیں ملتا۔ ہم اس لفظ یا اسلام کے رابطے کا ذکر اسلام کے قلعہ کے عنوان کے تحت اور حربی نظام کے تحت سیسہ پلائی دیوار کے طور پر بیان کر چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سیسہ پلائی دیوار، ربط و ضبط کے اشتراک سے بنتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔" تحقیق اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے جو لڑتے ہیں اس کی راہ میں گویا وہ سیسہ پلائی دیوار ہیں"۔ سبحان اللہ! اس آیت کی کیا فوجی شان ہے۔ حضور پاکؐ اور خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں مومنینؓ نے سیسہ پلائی دیوار بن کر جنگیں لڑیں۔ ایسا صرف دفاع میں نہیں ہوتا تھا کہ وہ کوئی "ساکن" دیوار بن جاتے تھے۔ ایسی ساکن یا ٹھوس دیوار بننے کی کوشش تو ایرانی اور رومیوں نے کی جس کا ذکر ابھی کیا گیا ہے۔ لیکن مسلمانوں کی یہ سیسہ پلائی دیوار متحرک بھی ہو سکتی تھی۔ جناب سعدؓ بن ابی وقاص کی سرداری میں مسلمانوں نے مدائن پر قبضہ کرنے کے لئے دریائے دجلہ کو سیسہ پلائی دیوار بن کر پار کیا۔ پوری کہانی پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ لیکن صرف ایک کہاوت کافی رہے گی کہ شہر میں مشہور ہو گیا" دیواں آمدند" " دیواں آمدند" یعنی دیوؤں کی فوج آ گئی اور چند لمحے بعد یزدجرد، کسریٰ، ایران شہر کو چھوڑ کر فرار ہو گیا اور دار الحکومت پر مسلمانوں کا پرچم لہرا رہا تھا۔ یہ سب ذکر راقم کی خلفاء راشدین کی پہلی کتاب میں موجود ہے۔ کہ مسلمان غازی سیسہ پلائی دیوار کیسے بنتے تھے، اس کی وضاحت تو خود رب العالمین اس طرح کرتا ہے۔" ان کے دلوں کو باہم الفت سے جوڑ دیا، اگر تو خرچ کرے جو کچھ زمین میں ہے پورا۔ نہیں الفت پیدا کر سکتا ان کے دلوں میں لیکن اللہ نے ان کے دلوں کو جوڑ دیا الفت سے۔ تحقیق وہ غالب حکمت والا ہے" اب اس بیان کے فلسفہ میں جائیں کہ دولت یا

مادی ذرائع سے دل نہیں جوڑے جاسکتے ۔ دل الفت اور محبت سے جوڑے جاسکتے ہیں اور ایسی محبت، وحدت فکر سے پیدا ہوتی ہے ۔ اور اسلام کے لحاظ سے یہ "فکر" اللہ اور رسولؐ کی غلامی ہے یہ غلامی کا ملاجلا جذبہ "کل مومن اخوۃ" کی بنیاد پر ہے اور یہ قلبی وحدت، اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے ۔ میدان جنگ میں یہ میسر ہوجائے تو سرور سے دل بھر جاتے ہیں اور اس سلسلہ میں راقم نے جس محبت کو محسوس کیا اور میرے شہید رفقاء جو کچھ میرے پاس چھوڑ گئے یہ اسی کے نتائج ہیں کہ میرے جیسا کم علم اور بے مائع عاجز آج اس قسم کے نظریوں پر قلم اٹھا رہا ہے کہ یہ محبت اور قلبی وحدت پورے قافلہ اسلام کے ساتھ پیدا ہوجاتی ہے اور یہ بنیان المرصوص، زمان و مکان کو بھی اپنے محیط میں لئے ہوئے ہے ۔ اور ایسی وحدت آپ کو ہمیشہ "زندہ" رکھے گی ۔ قرآن پاک میں ذکر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے حق تعالیٰ سے ایک مرتبہ عرض کی ۔ "کہ اے میرے اللہ! تو مردوں کو کیونکر زندہ کرتا ہے" کچھ وضاحت کے بعد، اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا "پس لو چار پرندوں میں سے اور ان کو "مانوس" کر دو اپنی طرف ۔ پھر کر دو، ان کے ٹکڑے ٹکڑے پہاڑ پر (یعنی ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پہاڑ پر پھیلا دو) پھر بلاؤ ان کو ۔ چلے آویں گے تیرے پاس دوڑتے ہوئے اور جان لو یہ کہ اللہ غالب ہے اور حکمت والا ہے" ۔ عربی لفظ "فصرھن" کے معنی "مانوس" کے لفظ کے طور پر کئے گئے ہیں ۔ لیکن اس عربی لفظ کے صحیح معنی مانوس سے بہت زیادہ بڑھ کر ہیں ۔ اس میں انکو گوندھنے کے علاوہ گہرے قلبی لگاؤ والا پہلو بھی آتا ہے اور دین فطرت کا رابطہ وضابطہ قلب کی ایک کیفیت ہے، جس کی مثال نہیں ملتی اور جس کے بیان کرنے کے لئے ہمارے پاس الفاظ موجود نہیں ہیں ۔ ظاہر ہے کہ ربط وضبط کا اصول وسیع تر ہے ۔ اس کے لئے تربیت گھروں اور مسجدوں کے ذریعہ سے ہوتی ہے ۔ حضور پاکؐ نے اپنے رفقاءؓ کی یہ تربیت مدینہ منورہ میں کی، گو اس کی بنیاد مکہ مکرمہ میں باندھی گئی تھی ۔ اس اصول کو اپنانے کے لئے ہمیں اپنی پیشہ ور افواج اور قوم میں ربط وضبط پیدا کرنے اور اندرونی وحدت کے لئے مفصل ہدایات جاری کرنے کی ضرورت ہے ۔ کہ اس کی تربیت گھروں، مسجدوں اور سکولوں میں کس طرح ہو اس کام کے لئے فلسفہ اطاعت امیر اور اسلام کی امامت کے طریقوں کو بیچ میں لانا پڑے گا کہ ہمیں ہر سطح پر ایسے اماموں کی ضرورت ہوگی جو ۔



دے کے احساس زیاں تیرا لہو گرما دے — فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کر دے (اقبالؒ)

## اصول حفاظت یا تحفظ

6 ۔ اسلام کے لحاظ سے پانچواں اصول حفاظت سے تعلق رکھتا ہے ۔ یہ اصول دوسرے لوگوں کے جنگ کے فلسفہ میں بھی موجود ہے جس کو SECURITY کہہ لیں یا PROTECTION وغیرہ ۔ اس کو ہر سطح پر جاری کرنا پڑتا ہے ۔ غیروں نے مختلف سطحوں پر اس ضرورت کے مختلف نام رکھے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے "خذوا حذرکم" کے دو الفاظ میں تمام پہلو واضح کر دیئے ۔ اور ارشاد ربانی ہے ۔ "اے ایمان والو! لو بچاؤ، اپنا پھر نکلو متفرق یا اکٹھے" ۔ یعنی اپنی حفاظت کے اصول کو ہر وقت مدنظر رکھ کر طریق کار وضع کرو ۔ خواہ گروہ ۔ گروہ کے طور پر کام کر رہے ہو یا اجتماعی طور پر کسی ایک جگہ پر کام کر رہے ہو ۔ اس اصول کے تحت اول حکم حضور پاکؐ نے یہ دیا" کہ جب دو ہو تو ایک کو اپنا امیر بنالو" ۔ یعنی اسلام کے ہر فلسفہ کے لئے آمریت کی ضرورت ہے ۔ یہی وجہ تھی کہ حضور پاکؐ اگر مدینہ منورہ سے باہر ایک دن یا چند میل کے فاصلے پر بھی جاتے تھے تو مدینہ منورہ میں اپنا ایک نائب مقرر کر کے جاتے تھے ۔ جنگ احد کے بعد جب آپؐ کفار کے تعاقب میں صرف حمراالاسد تک نکلے تو بھی جناب ابن ام مکتومؓ کو اپنا نائب بنا گئے ۔ بلکہ جنگ خندق کے بعد مدینہ منورہ کے ساتھ بنو قریظہ کا محاصرہ کیا تو پھر بھی جناب ابن ام مکتومؓ کو مدینہ منورہ میں نائب بنایا ۔ لیکن جب ذمہ داری زیادہ ہوتی تھی، تو نائب کوئی چیدہ شخصیت ہوتی تھی ۔ حضرت عثمانؓ جناب سباعؓ بن عرفطہ جناب عبداللہؓ بن رواحہ وغیرہ کو بھی بعض حالتوں میں مدینہ منورہ میں نائب چھوڑا ۔ بلکہ مہم تبوک کے وقت جناب علیؓ کو نائب چھوڑ گئے ۔ حفاظت کا یہ اصول ہوتا ہے کہ ہر سطح پر عملی طور پر امیر ہو ۔ اس کے علاوہ حضور پاکؐ نے حفاظت کے طریقوں کو راز میں رکھنے کی ہدایات کیں اور عملی طور پر بھی ایسا کیا ۔ جنگ خندق کے وقت کفار خندق کو دیکھ کر حیران رہ گئے کہ خندق چند دن پہلے کھودی گئی تھی ۔ بلکہ مدینہ منورہ کے گرد خندق حکمت عملی کے تحت ضروری بھی تھی ۔ کہ خندق کے کھودے جانے کے بعد مدینہ منورہ کا دفاع آسان ہوگیا تھا اور مدینہ منورہ میں چند مجاہدین کو چھوڑ کر حضور پاکؐ دور دور تک مہمات پر جاسکتے تھے ۔ نزدیک قبائل کی بغاوت کے

باوجود اس خندق کی وجہ سے حضور پاکؐ کی وفات کے بعد خلیفۂ اول جناب صدیق اکبرؓ جناب اسامہؓ کو مہم کو اتنا دور بھیج سکے۔ تو حفاظت کے اصول کی پابندی جتنی اسلام نے سکھلائی ہے اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ صلح حدیبیہ کی شرط کے تحت اس سے اگلے سال جب حضور پاکؐ مکہ مکرمہ عمرہ کے لئے گئے، تو ہتھیار ساتھ نہ لے جانے کا معاہدہ تھا۔ اس لئے حضور پاکؐ نے مکہ مکرمہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر اپنا اسلحہ ایک دستہ کی حفاظت کے تحت رکھا کہ ضرورت پڑنے پر اسلحہ کا استعمال کیا جاسکے۔ اور عمرہ کے دوران اس دستے کے ساتھ باقاعدہ رابطہ تھا۔ حضور پاکؐ کے زمانے میں رات کا پہرہ، پاسورڈ، امراء کارات کو سنتریوں کا ملاحظہ کرنا، غرضیکہ حفاظت کا ہر پہلو مدنظر رکھا جاتا تھا۔ اور ہم ایسی باتوں کی تفصیل میں جاچکے ہیں اور ارشاد ربانی ہے "پسند کرتے ہیں کافر، کاش کہ غافل ہو تم ہتھیاروں اپنے سے اور اسباب اپنے سے پس جھک آویں اوپر تمہارے جھک آنا یکبارگی۔" یعنی اللہ تعالیٰ نے تنبیہہ بھی کردی ہے۔ اسلامی فلسفہ حیات کے مطابق البتہ حفاظت کا مضمون بہت وسیع ہے اور اسلامی طرز حکومت میں جس طرح ہر چھوٹے بڑے کو امن یا حفاظت میسر ہے اس کی مثال نہیں ملتی کہ ہمارے آقا فرما گئے تھے کہ حیرہ سے اکیلی عورت مکہ مکرمہ حج کے لئے پہنچے گی۔ اور جناب صدیق اکبرؓ نے پہلے خطبہ میں فرمایا "کہ تمہارا سب سے طاقت ور آدمی میرے سامنے کمزور ترین ہے کہ میں اس کو کسی کا حق نہ چھیننے دوں گا۔ اور تمہارا سب سے کمزور آدمی میرے لئے بہت طاقت ور ہے۔ جب تک میں اس کو اس کا حق نہ دلادوں۔" یہ اقوام متحدہ میں جو بنیادی حقوق یا انسانی حقوق کی زبانی جمع تفریق ہوتی رہتی ہے۔ اور غاصب کو کوئی نہیں پوچھتا کہ بھارتی، کشمیر میں کتنا ظلم کررہے ہیں۔ اسلام نے حفاظت کے تحت اس پر جس طرح عمل کیا۔ اس کے لئے قومی رابطے وضابطے، صبر اور ایمان ویقین یا وعدہ پورا کرنا سب چیزوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

## اصول حرکت اور بھرپور کارروائی

7 ۔ اسلام کے لحاظ سے چھٹا جنگی اصول حرکت اور بھرپور کارروائی ہے۔ انگریز بھی دوسری جنگ عظیم تک حرکت (Mobility) کو ایک جنگی اصول مانتے رہے، لیکن جنگ کے بعد اس



اصول کی بجائے لچکداری کے اصول (FLEXABILITY) کو اپنالیا گیا۔ جس کے بیچ حرکت کا پہلو کچھ قائم ہی رہتا ہے، اس لئے زیادہ اعتراض کی گنجائش نہیں۔ لیکن اسلام کے لحاظ سے چونکہ اصول ٹیکے ہیں، تو ہمارے لحاظ سے حرکت میں برکت ہے۔ اور حرکتی چال یا MANEVOURE حالات جنگ میں فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے۔ ویسے بھی حرکت ایسی ہو کہ دشمن کچھ نہ سمجھے کہ کیا ہونے والا ہے۔ یہ سب اسلام کے طریق کار ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ میں اپنی مثال دیتا ہے اور ارشاد ربانی ہے۔ "ہر روز وہ ایک نئی شان میں ہوتا ہے۔" یعنی اپنی ذات وصفات کے مقامات بھی حرکت پذیر یا نئی شان میں ہوتے ہیں۔ اسی طرح حضور پاکؐ کا فرمان بھی ہے کہ مومن کے مقامات میں بھی معراج ہوتی ہے۔ اور بے شک جو کل والے مقام پر ہے وہ گھاٹے میں رہا۔ پھر قرآن پاک میں زمین، چاند اور سورج سمیت سیاروں کا ذکر کیا کہ وہ فضا میں تیرتے ہیں۔ یعنی وہ بھی حرکت میں ہیں۔ زمین کا اپنے محور کے گرد گھومنے کا ذکر کیا، کہ ہر چیز کتنی تیزی سے حرکت کررہی ہے یا بڑھ رہی ہے۔ ہم اس پہلو کی وضاحت تو پہلے کرچکے ہیں کہ دین اسلام ایک متحرک دین ہے، نماز میں حرکت، زکوٰۃ اور قربانی میں مال یا صدقے والی چیزوں کی حرکت۔ اور حج میں حرکت۔ حضور پاکؐ نے متحرک طرز جنگ اختیار کیا جنگ بدر میں اپنی چنی ہوئی زمین پر متحرک دفاع یا وقتی دفاع اپنایا۔ جس کو جارحانہ حرکت دے کر دشمن کو پاش پاش کردیا۔ مدینہ منورہ کے مستقر کی حفاظت متحرک دفاع اور گشتی دستوں سے کی۔ جنگ احد میں دفاع کرنے کی بجائے آپؐ اچانک دشمن کے ایک بازو پر نمودار ہوگئے۔ جنگ خندق بھی ایک مجہول دفاع نہ تھا۔ بلکہ وقتی دفاع تھا۔ کہ دفاعی لائن تھی اور حرکت کی گنجائش تھی۔ مودودی صاحب نے اپنی جہاد کی کتاب میں جو "مصلحانہ دفاع" اور "مدافعانہ دفاع" وغیرہ کی باتیں کی ہیں ان کا اسلام کے یا کسی فن جنگ کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ہر دفاع مدافعانہ بھی ہوتا ہے اور جارحانہ بھی۔ مصلحت کے طور پر نہ کنارہ کشی کی جاتی ہے نہ کوئی ساکن شکل وصورت اختیار کی جاتی ہے۔ مشہور جرمن جنگی ماہر کلاسیوٹز نے بھی ایسی بے معنی باتوں کا مذاق اڑایا ہے اور علامہ اقبالؒ نے بھی کئی جگہ ایسے لوگوں پر پھبتی کسی ہے کہیں کرگسوں کا ذکر کیا ہے اور کہیں برے پر قاعدہ شیر کے اظہار کی بات کی ہے۔ اگر کوئی

صاحب لاعلمی یا کم مطالعہ کی وجہ سے یہ سب کچھ لکھتے رہے ہیں تو الگ بات ہے۔ ورنہ سازش بھی ہو سکتی ہے۔ تو مودودی صاحب کی کتاب جہاد فی الاسلام میں اس جہاد کے بارے تو کوئی بات نظر نہیں آتی جو حضور پاکؐ اور آپؐ کے رفقاءؓ نے کیا۔ یہ عاجز مودودی صاحب کی نیت پر ہرگز شک نہ کرے گا۔ لیکن انہوں نے جہاد کو بے جان کیا۔ شاید کہیں سے غلط تاثرات لئے۔ یہ ان کی "فیلڈ" نہ تھی۔ انہیں اس فن پر ہرگز قلم نہ اٹھانا چاہیئے تھا۔ بہر حال متحرک طرز دین والوں کو اللہ تعالیٰ نے "سیروا فی الارض" یعنی دنیا کو چل پھر کو دیکھنے کی تاکید کی ہے۔ اور یہاں مدافعانہ اور مصلحانہ باتوں کی بجائے متحرک اور بھرپور کارروائی کی باتیں زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب قسم اٹھاتا ہے تو بھی ایسی چیزوں کا ذکر کرتا ہے جو متحرک اور بھرپور کارروائی والی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔ "قسم ہے ان دوڑنے والوں کی شور کرتے ہوئے۔ پھر آگ لگتے ہیں، شگاف کرنے کو۔ پھر تاخت و تاراج کرتے ہیں دشمن کو صبح کے وقت۔ پس غبار اڑاتے ہیں غبار اڑانا پس گھس جاتے ہیں دشمن کی جماعت میں۔" مودودی صاحب نے برگیڈیئر گلزار احمد کی کتاب کا پیش لفظ لکھتے وقت قرآن پاک کے ان اشاروں کے سلسلہ میں برگیڈیئر گلزار کے بیانات کے سلسلہ میں واللہ اعلم کا لفظ استعمال کیا۔ کہ وہ زمان و مکان اور اس کائنات کی تخلیق کی باتوں کا علم نہ رکھتے تھے جن کا ذکر ہم دوسرے باب میں کر آئے ہیں۔

صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو اول بھی ہے اور آخر بھی ہے۔ اور اس کو سب زمانے زمانہ حال کی طرح نظر آتے ہیں۔ اس نے اس زمانے کی جنگ کا ایک نظارہ پیش کیا ہے۔ کہ جیسے غبار اڑاتے ہوئے شور کرتے ہوئے بکتر بند دستے پیش قدمی کرتے ہوئے دشمنوں کی صفوں میں گھس جاتے ہیں۔ توپ خانہ کی توپیں فائر اگل رہی ہوتی ہیں اور پیدل دستے صبح سویرے یا پو پھٹتے دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں وغیرہ۔ پورا بیان زمانہ حاضرہ کی جنگ اور بھرپور حرکت والی جنگ کا نظارہ پیش کرتا ہے تو اسی وجہ سے ہم نے حرکت اور بھرپور کارروائی کو اصول جنگ مانا ہے۔ اب قرآن پاک کا ایک اور بیان سنیں "قسم ہے ان کی جو زور سے آگے بڑھتے ہیں۔ غوطہ لگاتے ہیں اور جھپٹنے والوں کا جھپٹنا۔ اور ہوا میں تیرنے والوں کا تیرنا۔ پس آگے نکل جاتے ہیں، ایک دوسرے سے آگے نکل جانا پس تدبیر کرتے ہیں کام کی۔" اب قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ



یہ موجودہ زمانے کے ہوائی جہازوں کے حملوں اور آپس میں لڑائی (DOG FIGHT) کا نظارہ نظر آتا ہے۔ تو ظاہر ہوا کہ دنیا کے سپہ سالار اعظمؐ اور ہمارے آقاؐ اور دو جہانوں کے سردارؐ نے قرآن پاک کے ان اصولوں کے تحت متحرک اور بھرپور طرز جنگ کو اپنایا۔ اور دشمن کو اپنی مرضی کے وقت اور مرضی کی زمین پر لڑائی کے لئے مجبور کیا۔ لیکن حکمت عملی اور تدبیرات کے تحت متحرک طرز جنگ کو اپنانا کوئی آسان کام نہیں۔ دشمن کوئی کچی گولیاں بھی کھائے ہوئے نہیں ہوتا۔ اس لئے متحرک طرز جنگ کے لئے بہت زیادہ ہدایات کی ضرورت ہے، اور ہر سطح پر ہدایات کا رنگ شاید مختلف بھی ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر حکمت عملی کے تحت پوری قوم کو مسجدوں کے ذریعہ سے اور ہر سطح پر امراء کے احکام کے تحت "متحرک" کرنا ہوگا۔ یعنی ہاتھ پر ہاتھ دھرنے والی یا تالیاں بجانے والی قوم نہیں بلکہ ایک بھرپور کارروائی والی متحرک قوم جو صراط مستقیم پر رواں دواں ہے۔ پھر اسی حکمت عملی کے تحت پیشہ ور افواج یا ان کے بڑے گروہوں کو لچکدار قسم کا متحرک طریقہ اختیار کرنا ہوگا۔ کہ خاص اور اہم مقامات پر کچھ "وقتی ساکن" دستے چھوڑنے ہوں گے یا اصول حفاظت یا اصول ضرورت کو بھی مدنظر رکھنا ہوگا۔ تدبیرات کے طور پر تو یہ بڑا وسیع مضمون ہے اور جنگ کے مرحلہ در مرحلہ حالتوں کے لئے بڑی تفصیلی ہدایات جاری کرنا ہوں گی۔ اس سلسلہ میں کچھ بنیادی ضرورتوں کے خاکے آگے پیش کئے جا رہے ہیں۔ لیکن اپنی اپنی سطح پر تدبیرات کو اسلامی حرکت کے اصولوں کے تحت تراشنا ایک بہت ہی وسیع مضمون ہوگا۔ جو فوج کے ماہرین کو تیار کرنا ہوگا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس زمانے کی جنگوں کا نظارہ پیش کر کے اہل حق پر احسان فرمایا۔ کہ وہ ہر زمانے کے لئے اپنے آپ کو جنگوں کے لئے تیار کریں۔

## اصول غیرت

8 ۔ اسلام کے لحاظ سے زندگی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور اللہ تعالیٰ غیرت مند زندگی کاٹنے کے احکام دیتا ہے۔ اس لئے اسلامی طرز جنگ کا ساتواں بڑا اصول غیرت ہے۔ کہ بے غیرت آدمی اپنے دین یا عقیدہ کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ جنگ احد کے وقت ابو سفیان نے بڑماری کہ وہ

جنگ جیت کر جارہے ہیں ۔اور کافی باتوں کے بارے بڑبڑاتا رہا۔ لیکن حضور پاکؐ نے اپنے
رفقاءؓ کو جواب سے منع فرمایا۔ لیکن جب ابو سفیان نے اگلے سال اسی وقت بدر کے مقام پر
فیصلہ کن جنگ کی دعوت دی ۔تو حضور پاکؐ نے حکم دیا کہ جواب دیا جائے ۔اور جواب یہ تھا
؟" بے شک اگر ہمارے اللہ کو منظور ہوا" اب حضور پاکؐ تو چوتھی ہجری میں اپنے مجاہدین
کو لے کر بدر کے مقام پر پہنچ گئے ۔اور ابو سفیان نے نہ آنا تھا اور نہ آیا۔ قحط سالی کا بہانہ بنا کر
راستے سے واپس مڑ گیا۔ اسی طرح صلح حدیبیہ کے دوران حضور پاکؐ پرامن طور پر مکہ مکرمہ،
عمرہ کے لئے گئے تھے ۔نہ آپ کا جنگ کا ارادہ تھا، اور نہ تیاری ونفری تھی کہ سولہ سو مجاہدین
ساتھ تھے ۔لیکن جب حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر ملی، گو خبر غلط تھی ۔تو خبر سنتے ہی سب
صحابہ کرامؓ کو بیعت رضوان کا شرف حاصل ہوا۔ جس کو قرآن پاک میں فتح مبین کا نام دیا گیا۔
کہ یہ شہادت پر بیعت تھی ۔جنگ احد میں بھی شہادت پر بیعت ہوئی اور جنگ یرموک میں
جناب عکرمہؓ بن ابو جہل اور آپ کے رفقاء کی شہادت پر بیعت جنگ جسر میں جناب ابو عبیدؓ
ثقفی کے قبیلہ کی شہادت پر بیعت ۔امام حسینؓ کی راہ حق پر پورے کنبہ کے ساتھ باطل کے
ساتھ ٹکر ۔غرضیکہ اسلامی غیرت کی ایسی کئی مثالیں کتابوں کے اس سلسلہ میں موجود ہیں ۔ہم
بھی ذرا گریبان میں منہ ڈالیں ۔کہ آج ہماری تعداد نوے کروڑ ہے ۔لیکن ہم مغلوب قوم ہیں ۔
باقیوں کو تو چھوڑیں کہ ہنود اور یہود جن کو ہم غلامی کے زمانے میں خاطر میں نہ لاتے تھے، آج وہ
ہمیں خاطر میں لانا تو درکنار، مٹانے پر تلے ہوئے ہیں ۔اور اس مقصد میں ہمارے دشمنوں کو
کافی کامیابی حاصل ہو چکی ہے ۔کہ اتنی تعداد کا کیا فائدہ جس میں جان نہ ہو ۔بد قسمتی سے امن
پسندی کی لوری دینے والوں نے ہمیں اس طرح بنا دیا ہے کہ ہماری غیرت ختم ہوتی جاتی ہے ۔
حالانکہ قرآن پاک میں واضح احکام ہیں اور ارشاد خداوندی ہے ۔" اے ایمان والو! جب میدان
جنگ میں کفار سے مقابلہ ہو جائے تو پیٹھ نہ پھرنا۔" بے شک اس آیت مبارکہ کا تدبیراتی پہلو
بھی ہے ۔لیکن حکمت عملی کے تحت میدان جنگ یا محاذ جنگ سے پسپائی کی اجازت ضرور ہے ۔
اور قرآن پاک کے مطابق ایسی پسپائی تب ہو سکتی ہے کہ کسی بہتر زمین یا بہتر تعداد کے ساتھ
دشمن کو اپنی مرضی کے مطابق، مرضی کے وقت شکست دی جائے ۔خلیفہ اول کے زمانے میں



جنگ اجنادین کے وقت یرموک کی وادی کو چھوڑ کر اور جنوب کی طرف کوچ کر کے ایک قسم
کی پسپائی کے بعد رومیوں کی طاقت کو اجنادین کے میدان میں پاش پاش کیا گیا۔ جنگ یرموک
کے وقت بھی حمص، اور قساریہ تک کے علاقوں سے پسپا ہو کر مسلمان لشکر وادی یرموک میں
اکٹھے ہوئے اور وہاں پر اہل روم کو ایسی شکست دی کہ ہرقل ایشیاء کو آخری سلام دے کر
قسطنطنیہ پہنچ گیا۔

اسی طرح ایران کے محاذ پر بھی جنگ جسر کے بعد گو تدبیراتی طور پر پسپائی اختیار کی گئی
کہ اس کے بغیر چارہ نہ تھا لیکن اس کے جلدی بعد جنگ بویب کے بعد حکمت عملی کے تحت
پسپائی اختیار کر کے شرف کے مقام پر اجتماع ہوا۔ پھر وہاں سے آگے بڑھ کر قادسیہ کے مقام پر
ایرانی سلطنت پر پہلا بھرپور وار کیا۔ جنگ نہاوند جس کے بعد ایرانی سلطنت ہمیشہ کے لئے مٹ
گئی اور ایران، اسلام کا ایک مستقر بن گیا، اس میں تدبیراتی طور پر ایسی پسپائی اختیار کی گئی کہ
دشمن کو اپنی طرف " کھینچا" اور جب دشمن " کھچاؤ" کی وجہ سے توازن کھو بیٹھا تو اس کو نہاوند
کے مقام پر تہس نہس کر دیا گیا۔ لیکن دشمن کو اپنی طرف " کھینچنا" بڑا مشکل تدبیراتی عمل ہے
کہیں ایسا نہ ہو جو ہم نے ۱۹۷۱ء میں سیالکوٹ کے محاذ پر کر دیا ۔اب قرآن پاک کے الفاظ کی
گہرائی میں جایا جائے تو وہ یہ ہیں کہ میدان جنگ میں مقابلہ کے وقت پیٹھ نہ پھیری جائے ۔ان
الفاظ میں راز ہے اور فلسفہ بھی ہے ۔کہ اس طرح انسان میدان جنگ میں ڈٹ کر مقابلہ کرتا
ہے ۔راقم نے یہ طریقہ جنگ عظیم دوم کے دوران، جاپانیوں کو اپناتے دیکھا۔ جس کے اتنے
زیادہ تدبیراتی فوائد حاصل ہوتے تھے کہ انسان حیران ہو جاتا تھا ۔اور اتنے زیادہ " فوائد " کا
حکمت عملی پر بھی اثر ہوتا ہے ۔راقم کے ساتھیوں اور ماتحتوں نے کچھ ایسا ہی نمونہ ستمبر ۱۹۶۵ء
کی جنگ میں لاہور محاذ پر ڈوگرئی کے مقام پر دیا۔ بے شک ان میں سے اکثر اللہ اور رسولؐ کے
نام پر قربان ہو گئے ۔لیکن لاہور بچ گیا اور وہ ایک بنیان المرصوص کا نظارہ ضرور دکھا گئے اور
بہت کچھ وہ اس عاجز کے پاس بھی چھوڑ گئے ۔ان کے جسد ایک گنج شہیداں کے طور پر لاہور کے
فوجی قبرستان کی شان کو دوبالا کر رہے ہیں ۔اصول غیرت کے سلسلہ میں قرآن پاک کے ایک
اور بیان کا ذکر بھی ضروری ہے ۔ارشاد ربانی ہے ۔" تو تم ہمت نہ ہارو ۔اور خود صلح کی طرف

دعوت نہ دو اور تم تو غالب ہو، اور اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ وہ ہرگز تمہارے اعمال کو کم نہ کرے گا"۔ اس بیان میں اللہ تعالیٰ ڈٹ جانے کی تاکید کرتا ہے۔ اور صلح کے سلسلہ میں بھی پہل کاری سے منع ہے کہ " صلح " میں کچھ کمزوری کے پہلو کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ تب ہی اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔ کے الفاظ سے ہمیں ڈھارس بندھائی۔ دوسرے باب میں ہم موت کا ذکر تفصیل سے کر آئے ہیں کہ زندگی ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور مسلمان کو موت تحفہ کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔ قرون اولی کے مسلمان جہاں گئے اور جب ان سے پوچھا گیا کہ تم کون لوگ ہو تو انہوں نے بڑا ہی پیارا جواب دیا" ہم لوگ ایسی قوم ہیں جو موت کے ساتھ اتنی ہی محبت کرتے ہیں، جتنی تم لوگ زندگی کے ساتھ محبت کرتے ہو۔" یعنی موت کے سلسلہ میں مسلمان کا غیروں سے فرق واضح کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح ایک مجاہد کا دس کافروں کے برابر ہونے کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ تو یہ تمام باتیں غیرت، یعنی اسلامی غیرت یا ملی غیرت سے پیدا ہو سکتی ہے۔ مضمون بے شک وسیع ہے کہ تکبر کو غیرت نہ سمجھ لیا جائے اور ہماری غیرت اللہ اور رسولؐ کے لئے ہے اور جس میں یہ غیرت نہیں وہ مسلمان نہیں۔ اور جانوروں میں بے غیرت خنزیر ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس کا گوشت اور خون تک ہمارے اوپر حرام ہے کہ اس کا استعمال ہمیں بے غیرت بنا دے گا۔ لیکن آج ہم دنیا میں ان لوگوں سے بھی بدتر ہیں جو سوّر کو کھاتے ہیں۔ تو اپنے گریبان میں منہ ڈالیں کہ ایسا کیوں ہے اور اللہ تعالیٰ ہماری حالت کو ٹھیک کیوں نہیں کرتا۔ تو اپنا دل جواب دے گا۔ کہ کیا ہم مسلمان ہیں؟

وضع میں تم نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود یہ مسلماں ہیں! جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود (اقبالؒ)

افسوسناک بات یہ ہے کہ ہم نے جو مشرقی پاکستان میں ایک سازش کے تحت نوے ہزار فوجیوں سے ہتھیار ڈلوائے۔ اس سلسلہ میں جو تاویلیں پیش کی جاتی ہیں تو میں اپنا سر پیٹ لیتا ہوں۔ کوئی کہتا ہے یہ جنگ احد کی طرح شکست تھی (نعوذ باللہ) احد میں شکست ابو سفیان کی تھی جو ناکام لوٹا۔ کوئی کہتا ہے کہ ہتھیار بند فوجی صرف ساٹھ ہزار تھے۔ میں کہتا ہوں کہ ایک ہزار جوانوں کا لڑے بغیر ہتھیار ڈالنا بھی بے غیرتی ہے اور یہ تاویلیں کیوں پیش ہو رہی ہیں۔ میں اسی وجہ سے ۱۹۷۱ء کے وسط میں مشرقی پاکستان گیا۔ اور بے شک وہاں لڑائی لڑنا



ناممکن تھا۔ تو بڑوں کو سوچنا چاہیئے تھا کہ عزت کس طرح بچائیں گے۔ میں نے لکھ کر دیا کہ ہمیں لڑ کر چین، یا برہما کی طرف نکلنے کی پہلے سے تجویز بنانا چاہیئے تھی۔ یہ جو کچھ ہم نے کیا۔ یہ بے غیرتی ہے اور سبق اب بھی سیکھنے کو تیار نہیں۔ یہی ہمارا المیہ ہے۔ کہ غیرت اور عزت کی موت۔ اسلامی فلسفہ حیات کی اولین ضرورت ہے۔ اور دوسرے باب میں اس پہلو کو خوب تر واضح کر دیا گیا تھا۔ اب مثالوں سے وضاحت ہے۔ کہ اسلامی فلسفہ حیات پر عمل کیسے کیا جاتا ہے۔

## اصول جستجو اور متفرق باتیں

9 ۔ قرآن پاک ایک سمندر ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں جس کا قرآن پاک میں جواب نہ مل سکے۔ شیخ اکبر جناب محی الدین ابن عربیؒ نے اس سلسلہ میں ہمارے لئے راہ نکالی اور آپ ہر بات کا جواب قرآن پاک میں تلاش کرتے تھے۔ ان کو جواب کسی ایک آیت یا لفظ میں مل جاتا تھا۔ اور اس لفظ کی برکت سے ان کو حضور پاکؐ کی سنت سے پوری تفصیل مل جاتی تھی۔ حضور پاکؐ کی سنت کی بزرگوں نے یہی وضاحت فرمائی ہے۔ مودودی صاحب ایک لفظ اکثر لکھتے تھے کہ فلاں مزاج شناس رسولؐ تھا اور مودودی صاحب کے مداح، خود مودودی صاحب کے لئے بھی یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اور خدا اگر ایسا ہی ہو کہ ہم تو ہر مسلمان کے لئے دعا کرتے ہیں کہ وہ مزاج شناس رسولؐ ہو۔ البتہ اس سلسلہ میں حضور پاکؐ کی حدیث مبارکہ بھی ہے کہ جو کچھ میرے ساتھ منسوب کیا جائے اس کے بارے میں میرا تصور کر کے تجسس کیا جائے کہ واقعی ایسا ہے۔ لیکن یہ بڑا مشکل عمل ہے۔ ایسا کرنے کے لئے اول تو یار غارؓ کی طرح عاجزی کی ضرورت ہے کہ انؓ کو حضور پاکؐ کی شان بیان کرنے سے ڈر لگتا تھا کہ بے ادبی یا کوتاہی نہ ہو جائے۔ اور ہم عقلی گھوڑے دوڑا کر حضور پاکؐ کی باتوں کا عام آدمیوں کی باتوں کے ساتھ موازنہ شروع کر دیں تو پھر معاملہ ادھر ہی ختم ہو جاتا ہے۔ تو ظاہر ہوا، کہ حضور پاکؐ کا مزاج شناس بننے کی کوشش سے پہلے حضور پاکؐ کو حاضر و ناظر ماننا پڑتا ہے۔ اگر ہماری بسم اللہ ہی غلط ہو کہ ہم حضور پاکؐ کو ایسا نہ مانیں تو مزاج شناسی کس کی کریں؟ اسی اصول کو صحیح ثابت

کرنے کے لئے دوسرے باب میں حضور پاکؐ کے حاضر و ناظر ہونے پر صحیح بخاری کی حدیث مبارکہ لکھ دی تھی۔

ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں راقم کو یہ خیال وارد ہوا کہ ہر مسئلہ کا حل حضور پاکؐ اور بزرگوں کی وساطت سے تلاش کیا جائے۔ چنانچہ جنگ کے ہر مسئلے کا ایک ایسا حل سامنے آجاتا تھا جو اس سے پہلے نہ کبھی سنا تھا اور نہ سیکھا تھا اور شاید یہی وجہ تھی کہ جنگ کے تین چار ماہ بعد کوئٹہ سے واپس آکر میں اپنے بڑے بھائی ملک فیروز خان کے ساتھ جب شہداء کو نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے لئے گیا، تو وہ جگہ نہ پہچان سکا جہاں پر ہم سولہ دن جنگ لڑتے رہے۔ صوبیدار میجر چنار گل نے روکا اور بتایا، کہ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ میرے بڑے بھائی جو فوجی تھے، وہ یہ یقین نہ کرسکے کہ کوئی فوج اتنے دن ایسی "تنگی" یا غیر اہم جگہ پر لڑائی لڑ سکے گی۔ مجھے ان کو بتانا پڑا کہ یہ جگہ اس وقت مجھے "درہ دانیال" کی طرح نظر آتی تھی اور پھر اپنی ساری باتیں اور کاروائیاں یاد آئیں تو خود حیران ہوا۔ "کہ ہم وہاں سے یہ سب کچھ کیسے کرسکے"؟ تمام فوجی کاروائیاں جو ہم نے وہاں کیں ایک کتاب کا مضمون ہیں۔ کہ ہر عمل خود بخود سامنے آجاتا تھا۔ بہرحال عاجزی کے ساتھ تجسس کے ذریعے قرآن پاک اور حدیث مبارکہ میں جواب مل جاتے ہیں۔ اور یہ عاجز آج تک "اجتہاد" کے چکر میں نہیں پڑا۔ کہ اجتہاد وہ کرائے جس کو ضرورت ہو اور اس کا نفاذ بھی کرسکے۔ اور پچھلے ابواب میں واضح کرچکے ہیں کہ بحث برائے بحث تو تفرقہ کا باعث بنتی ہے۔ بہرحال اگر اس اصول جستجو کا صحیح استعمال کریں تو قرآن پاک اور سنت مبارکہ میں متعدد ایسے اصول اور احکام ملتے ہیں کہ جن کی مدد سے ہم اپنی حکمت عملی اور تدبیرات کے تمام تانے بانے اسلامی فلسفہ حیات کے تابع کرسکتے ہیں۔ ہر قوم کا اپنا اپنا مزاج ہے، اور مسلمانوں کو ان اصولوں کے تحت جنگ لڑنا ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں یا ہمارے آقاؐ نے ان کی نشاندہی کی ہے۔ اور یہ اصول لکھنے میں مقصد یہ تھا کہ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں اور غوطے لگائے جائیں مثلاً تدبیراتی طور پر قرآن پاک کے کئی احکام سے مدد لی جاسکتی ہے۔ جس میں خاص کر عقب سے حملہ، دشمن کا تعاقب، جنگ سے قبل تیاری، دفاعی تجاویز، سامان جنگ، جنگی قیدیوں سے سلوک، عہد کی پابندی، دشمن کی چالوں سے باخبر



رہنا، سازش اور کانا پھوسیوں کی ممانعت، خفیہ سرگرمیوں کا قلع قمع، باہمی مشورہ متعدد فوجی ضرورتوں کے لئے واضح احکام، قرآن پاک میں موجود ہیں۔ جن پر تفصیلی مضامین لکھے جاسکتے ہیں لیکن ہم نے اختصار کے طور پر ان ضرورتوں کی نشاندہی کردی ہے کہ فوجی تربیت کے دوران اگر ایسی فوجی ضرورتوں کے لئے قرآن پاک کے ذکر یا حوالے سے کام شروع کیا جائے۔ اور لڑائی میں ان ہدایات پر عمل کیا جائے تو فتح ہماری ہوگی۔ اور امن کے زمانے میں جہاد اکبر کی تربیت کے وقت ان اصولوں سے استفادہ کیا جائے۔ کہ اسلام کے لحاظ سے امن کے زمانے میں جہاد اکبر کی حالت سے ہماری زندگی کے مقصود حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ اور یہ اصول امن کے زمانے میں بھی اتنے اہم ہیں جتنے جنگ کے دوران۔

## حضور پاک کی سنت سے مدد

10 ۔ اسی طرح حضور پاکؐ کے اقوال یا سنت میں بے حساب فوجی ہدایات اور اصول ہیں جن میں سے ایک دو کا بیان یہاں ضروری ہے کہ اول حضور پاکؐ نے فرمایا "الحرب خدعۃ" کہ جنگ میں دھوکا ہوتا ہے، تو اصول یہ ہے کہ جنگ میں دشمن کو دھوکا دو اور اس کو حیران کردو اور خود دشمن سے دھوکا نہ کھاؤ۔ اب جنگ کی ہر سطح پر SURPRISE & DECEPTION کا استعمال افواج میں عام ہوتا جاتا ہے۔ اور ہمارے آقا آج سے چودہ سو سال پہلے اس ضرورت کے بارے حکم دے گئے تھے۔ اور اپنی ہر جنگ میں انہوں نے دشمن کو حیران کردیا۔ جنگ بدر میں اچانک متحرک دفاع اپنایا۔ اور دشمن اس کی مضبوطی کو نہ سمجھ سکا اس کے ساتھ ٹکرایا اور پاش پاش ہوگیا۔ جنگ احد میں حضور پاکؐ اچانک دشمن کے بازو پر نمودار ہوگئے اور اس کو جنگ کے لئے مجبور کردیا۔ اور جنگ خندق کا بھی ذکر ہوچکا ہے۔ اور راقم کی خلفائے راشدینؓ کی چاروں کتابوں میں بے شمار اسباق اسی کتاب کے طرز بیان پر کئے گئے ہیں۔ اس سے ایک اور فوجی سبق بھی نکلتا ہے کہ ہر کاروائی میں طریق کار میں کچھ تبدیلی کی جائے۔ علاوہ ازیں قرآن پاک میں پو پھٹتے دشمن کی صفوں میں گھس جانے والی بات اہم ہے اور DAWN ATTACK اب دنیاوی فوجوں میں عام ہوگیا ہے۔ لیکن حضور پاکؐ نے ایک

اور سبق سکھلایا کہ سورج اگر موافق ہو تو جوابی کارروائی یا "الھاؤ" کے بعد بھرپور کارروائی
سورج ڈھلنے کے بعد کی جائے۔ حضور پاکؐ نے اس سلسلہ میں زبانی احکام دیئے اور صحابہ کرامؓ
نے اس طریق کار کو اپنایا۔ انہوں نے کسی صورت میں اس اصول سے روگردانی نہ کی۔ جنگ
نہاوند میں جب ایرانیوں کو اپنی طرف "کھینچا" گیا اور جوابی کارروائی مقصود تھی تو دوپہر سے
پہلے اس وقت کے ایک فوجی ماہر جناب مغیرہؓ بن شعبہ نے سالار لشکر کو جوابی کارروائی کا مشورہ
دیا۔ لیکن سالار لشکر جناب نعمانؓ بن مقرنؓ نے کہا کہ "ایسا نہیں ہوگا۔ آقا کا حکم ہے کہ یہ
کارروائی بعد دوپہر ہی ہو" تفصیل راقم کی خلفاء راشدین کی پہلی کتاب میں موجود ہے۔ جنگ
نہاوند کا مکمل مطالعہ اس سلسلہ میں آنکھیں کھول دیتا ہے۔ اور بعد دوپہر جوابی کارروائی کا فائدہ
یہ ہوتا ہے کہ دشمن کے پاس روشنی کے دوران ردعمل کا وقت نہیں ہوتا۔ اور یہی چیز بھرپور
کارروائی کو لاگو ہے۔ یہ بڑا اہم نکتہ ہے اور فلسفہ جنگ میں ہم نے غیروں سے کچھ نہیں سیکھنا۔
اس عاجز کی انیس کتابیں ان اسباق سے بھری پڑی ہیں۔ اور جو کام اپنوں کی نقل میں
کیا جائے اس میں سرور ہے اور لطف ہے۔ سکندر، چنگیز، نپولین مارلبرو، گڈیرین، رومیل،
منٹگمری، دیول اور براڈلے کی کارروائیوں میں ہمارے لئے کیا لطف ہے۔ اور لیڈل ہارٹ یا فلر
کی کتابوں میں کیا ملے گا۔ "تعصب" یا ہم خوامخواہ مرعوب ہوں گے۔

وہ آنکھ کہ ہے سرمہ افرنگ سے روشن — پرکار و سخن ساز ہے، نمناک نہیں ہے (اقبالؒ)

## دفاعی ٹیکنالوجی

11 ۔ بدقسمتی یہ ہے کہ جو آدمی اپنوں کی نقل کے بارے کہتا ہے، اس پر یہ الزام لگایا جاتا ہے
کہ یہ آدمی چاہتا ہے کہ نیزوں اور بھالوں سے لڑائی ہو۔ خیر نیزوں اور بھالوں کا وقت بھی شاید
دوبارہ آجائے۔ اور پاکستان میں آزادی کے وقت یہ موقع آیا تھا۔ اس وقت اگر ہم نیزے اور
بھالے بھی اٹھا لیتے تو عزت رہ جاتی اور کشمیر بھی مل جاتا۔ لیکن جب لڑنے کا جذبہ ہی مفقود تھا۔
اور سب بھروسہ غیروں کے دیئے ہوئے ہتھیاروں اور بارود پر تھا، تو جنگ کی تو تجویز ہی نہ بنی۔
لڑائی کی تجویزیں بنتی رہیں اور فائر بندی کا انتظار تھا۔ درحقیقت ستمبر ۱۹۶۵ء اور دسمبر ۱۹۷۱ء کے
واقعات کو مکمل جنگ (War) نہیں کہہ سکتے۔ کہ یہ جھڑپیں تھیں۔ بہرحال اب اگر جنگ کی



تیاری کرنا ہے تو ساتھ دفاعی ٹیکنالوجی کی بھی ضرورت ہوگی، اور اس کا انحصار ملک کی ٹیکنالوجی
پہ کرنا ہوگا۔ یعنی اس سلسلہ میں بھی اپنے آپ پر بھروسہ کرنا ہوگا۔ قرآن پاک کی سورۃ حدید میں
ہماری توجہ اللہ تعالیٰ اس طرف مبذول کراتا ہے، کہ دھاتوں کے استعمال میں بڑے فائدے
ہیں۔ اور جن تیز رفتار چیزوں کی اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھائی ہے اور ہم ذکر کر چکے ہیں تو وہ بھی اللہ
تعالیٰ ہمیں آگاہ کر رہا تھا کہ ایسا زمانہ آئے گا کہ جنگ میں ایسے ہتھیاروں کی ضرورت ہوگی۔
حضور پاکؐ اور خلفاء راشدینؓ کے زمانے میں مجاہدین یمن بھی گئے تھے کہ وہاں پر نئے ہتھیاروں
کا استعمال سیکھیں اور ایسے ہنر سیکھنے سے حضور پاکؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ غیروں سے نہ سیکھے
جائیں۔ اس لئے غیر اگر ہمیں ٹیکنالوجی یا دفاعی ٹیکنالوجی سکھلائیں تو ضرور ان سے یہ سب کچھ
سیکھا جائے، اور اپنی افواج کو سامان حرب کے سلسلہ میں خود کفیل کیا جائے تاکہ ان کی
ضرورتیں ملک ہی میں پوری ہو سکیں۔ لیکن مجھے غیروں پر شک ہے۔ انکی ہر "مدد" کے ساتھ
کوئی سازش "وابستہ" ہوگی۔

بہرحال یہ وسیع مضمون ہے اور اس کے لئے علم، ہنر اور ذرائع کی ضرورت ہے اور غیر یہ
نہ چاہیں گے کہ ان سب علوم پر ہمیں دسترس حاصل ہو جائے۔ نیوکلر یا اٹامک طاقت کے
سلسلہ میں قوم آگاہ ہے کہ غیر کس طرح ہماری مخالفت کر رہے ہیں۔ تو اس سلسلہ میں ہمیں
اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ہوگا۔ اور ایمان کی ایک ایسی سطح ہے کہ تمام علوم آپ کے سامنے ہاتھ
باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں: اس لئے اگر قوم کا ایمان و یقین درست ہو گیا تو ٹیکنالوجی بھی
حاصل ہو جائے گی۔ لیکن اس کی اہمیت سے انکار نہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ ہمارے ہاتھوں میں تب
دے گا جب اس سلسلہ میں محنت کریں گے۔ بہرحال یہاں پر صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ ہمیں
فوجی تدبیرات اور حکمت عملی کی بنیاد بناتے وقت زیادہ انحصار اس ساز و سامان پر کرنا ہوگا جو
اپنے ملک میں سے حاصل ہو سکے۔ اور باقی جو کچھ باہر سے مل جائے اس کو بھی انعام خداوندی سمجھ
کر قبول کیا جائے۔ اس سلسلہ میں ہم مزید وضاحت نہ کریں گے کہ مضمون بہت لمبا ہو جاتا ہے

## حضور پاکؐ کا اسلام

12 ۔ ہمیں یہ تسلیم کر لینا چاہیئے۔ کہ حضور پاکؐ کے اسلام پر باطل والوں نے پردے ڈال

دیئے ہیں۔ اور سازش جاری ہے۔ کتابوں کے اس سلسلہ میں راقم نے تمام تر واقعات تاریخوں سے لئے ہیں۔ جائزوں میں قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کے حوالوں کے علاوہ حضور پاکؐ کے رفقاء کے عملوں سے مثالیں دی ہیں۔ لیکن قارئین کو ان میں سے کئی باتیں نئی معلوم ہوں گی لیکن اگر اسلام کی تاریخ کا بامقصد اور تحقیقی مطالعہ کیا جائے تو عجیب و غریب راز افشا ہوتے ہیں۔ مختلف عقائدی گروہ، بحث برائے بحث کو پرلطف بنانے کے لئے خوامخواہ کوئی حدیث گھڑ لیتے تھے۔ تفرقہ پیدا کرنے والوں نے کیا کچھ نہ کیا۔ یہ بڑے وسیع مضامین ہیں۔ لیکن ہم نے چند ضروری باتوں سے پردے، ہٹائے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام کی بنیادی بات وحدت فکر اور وحدت عمل ہے۔ ایک خبر پڑھی تھی کہ مکہ مکرمہ میں ایک اجتماع ہونے والا ہے، جہاں تمام گروہی اختلافات مٹانے کی کوشش کی جائے گی۔ ہمارے لحاظ سے حضور پاکؐ کے اسلام کا نفاذ فقہ وحدت یا فقہ عسکریت کی مدد سے کیا جاسکتا ہے۔ یہی نصیحت مرحوم آغاخان نے ہمیں ۱۹۵۰ میں کی۔ کہ ہم پہلے سو سال کے اسلام کا مطالعہ کریں، جہاں ہمیں وحدت فکر و وحدت عمل والا اسلام تلاش کرنا ہوگا۔ پھر اس کا نفاذ کرنا ہے۔ اور آگے اولی الامر اور مشاورت کے معاملات تو آسان ہیں۔ مشکل یہ ہے۔

آہ اس راز سے واقف ہے نہ ملا نہ فقیہہ — وحدت افکار کی بے وحدت کردار ہے خام
قوم کیا چیز ہے، قوموں کی امامت کیا ہے — اس کو کیا سمجھیں یہ بے چارے دو رکعت کے امام

(اقبالؒ)

## اسلام کا نفاذ

13 ۔ تو ہمارے لحاظ سے اسلام وہ ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور میں نے تفصیل سے کتابیں بھر دی ہیں۔ یہ سب کچھ اس چھوٹی کتاب میں بیان نہیں ہو سکتا۔ میں نے بارش کا پہلا قطرہ بن کر تحقیق کی بسم اللہ کر دی ہے۔ یہ فقہ وحدت ہے یا فقہ عسکریت ہے۔ نظام مصطفیٰ ہے، اور نظام جہاد ہے۔ پوری قوم اللہ کی فوج ہے۔ ان کو بنیان المرصوص بنانا ہے تو ترجیحات کے طور پر۔ اس کو مندرجہ ذیل سات مرحلوں کے تحت نافذ کیا جاسکتا ہے۔



## پہلا مرحلہ۔ تنظیمی تربیت

14 ۔ پوری قوم کو منظم کرنا ہوگا۔ البتہ اس کے لئے قومی تنظیم کی ضرورت ہے۔ جس کے لئے اصول میثاق مدینہ سے لینے ہوں گے۔ لیکن ان چند فقروں سے نہیں جو مولانا شبلیؒ نے سیرۃ النبیؐ کی کتابوں میں لکھ دیئے ہیں۔ بلکہ ان چالیس کے قریب اصولوں سے جو ابن اسحٰق اور ابن سعد کی کتابوں میں موجود ہیں اور کتاب کے پہلے باب میں یہ وضاحت کر دی تھی۔ کہ اب یہ میری کتاب "حضور پاکؐ کے جلال و جمال" کا حصہ ہیں۔

## دوسرا مرحلہ

15 ۔ پوری قوم کو نظام میں باندھنے کے لئے کچھ اصول بنانے ہوں گے اور جس کا مختصر ذکر آگے آتا ہے۔

## تیسرا مرحلہ۔ فن سپہ گری کی تربیت

16 ۔ کہ پوری قوم کو عسکری تربیت کس طرح دی جائے۔

## چوتھا مرحلہ۔ عسکری تنظیم

17 ۔ قوم کی عسکری تنظیم کرنا کہ وہ ملک کے دفاع میں شریک ہوسکے۔

## پانچواں مرحلہ۔ رابطہ

18 ۔ یعنی پیشہ ور افواج اور قوم کی عسکری تنظیموں میں رابطہ پیدا کرنا

## چھٹا مرحلہ۔ پیشہ ور افواج کی تنظیم نو

19 ۔ ان افواج کو اس طرح منظم کرنا کہ ان کا زیادہ انحصار ملکی وسائل پر ہو

## ساتواں مرحلہ۔ ملک کی دفاعی حکمت عملی اور تدبیرات

20 ۔ ملک کی دفاعی حکمت عملی اور تدبیرات کو اسلامی خطوط اور اپنے مزاج کے مطابق ڈھالنا

## وضاحت

21 ۔ کہہ دینے میں تو یہ باتیں بڑی آسان معلوم ہوتی ہیں ۔ لیکن ان باتوں پر عمل کرنے کے لئے وسائل کی ضرورت ہے اور حکومت کے باقی شعبوں کو بھی اسی طرح چلانا ہوگا ۔ کہ دوغلا پن نہ ہو ۔ یا معاملات آدھا تیتر اور آدھا بٹیر نہ بن جائیں ۔ ہم جو کچھ بیان کر چکے ہیں ، اس میں ذرائع ابلاغ ، تعلیم ، قانون اور انصاف کو تو پہلے ہی دفاع کے ساتھ برابری دینا ہوگی کہ یہ بھی بنیادی مدیں ہیں ۔ اس لئے ان سب مدوں کے لئے کم سے کم اتنے اصول تو بنانے ہوں گے جتنے دفاعی فلسفہ کے لئے بنائے گئے ہیں یہ کام ماہرین کو کرنا ہوگا ۔ البتہ مادی ذرائع کے لئے وحدت والی پالیسی بنانا ذرا مشکل کام ہے اور اس سلسلہ میں ہم پہلے باب میں ایک خاکہ دے چکے ہیں ۔ وہاں چند اصل لکھ دیئے گئے ہیں ، کہ ان ذرائع کو ایسے اصولوں کے تحت چلانا ہوگا جو اسلامی فلسفہ حیات کے تابع ہوں ۔ پھر ان باتوں پر عمل پیرا ہونے کے طریق کار اور مرحلے مقرر کرنا ہوں گے اور قومی وحدت یا دینی امور کے لئے ایک وزارت بنانا ہوگی جو قوم میں وحدت فکر اور وحدت عمل پیدا کرے ۔ چنانچہ اس نئی دینی وزارت کو "فقہ وحدت" کے تحت بنانا ہوگا ۔ اس کے بعد اب ہم پوری قوم کو اللہ کی فوج بنانے کے سلسلہ میں بنیادی باتوں اور مرحلوں کی مزید وضاحت کرتے ہیں ۔

### پہلا مرحلہ ۔ تنظیم

22 ۔ اول ضرورت یہ ہے کہ پوری قوم کو منظم کیا جائے ۔ اسلام میں شرکت منظم ہو کر کی جاتی ہے اور ہر فرد کسی منظم ادارے کے تحت اور کسی امیر کے تحت بڑی تنظیم یا فوجی تنظیم کا حصہ ہوتا ہے ۔ اور بالکل اسی طرح ، جس طرح ایک سپاہی ، اپنی سیکشن کے ذریعے سے اپنی پلٹون ، کمپنی ، بٹالین ، بریگیڈ ، ڈویژن ، کور اور آرمی کا ایک ممبر یا حصہ بن جاتا ہے ۔ ہمارے خیال کے مطابق یہ کام صوبائی حکومتوں کے سپرد ہونا چاہیئے اور ملک میں کتنے صوبے ہوں ۔ یہ بات اتنی اہم نہیں ۔ البتہ موجودہ لسانی یا ثقافتی نام تبدیل کر کے اسلامی نام رکھے جائیں جو ان صوبوں میں پہلے مسلمان فاتحین یا فقراء کے نام ہو سکتے ہیں ۔ یعنی صوبوں کا نام ایسے ہوں جن



سے گروہ بندی کی بو نہ آئے ۔ بہر حال ہر فرد کو کسی نہ کسی مسجد اور مسجد کے امیر (امام) کے ذریعے سے قوم کی اس تنظیم میں شامل ہونا پڑے گا ۔ لیکن ان مسجدوں کو ایسا بنانا پڑے گا ، کہ ان کا امام واقعی امیر ہو اور یہ ماہرین پیدا کریں اور ان مسجدوں میں مومن کی اذان شروع ہو ۔

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود — ہوتی ہے بندہ مومن کی اذان سے پیدا (اقبالؒ)

ہر فرد کو اپنی مرضی کے مطابق مسجد کے چناؤ کی اجازت ہوگی لیکن ایک دفعہ جگہ چن لی جائے تو ہر روز بلاوجہ تبدیلی کی اجازت نہ ہوگی ۔ ہاں اگر کوئی آدمی پیشہ کی وجہ سے یا نقل مکانی کے سبب رہائش گاہ میں تبدیلی کر دے تو اس کو نئی مسجد کا رکن بننا ہوگا ۔ یہ ایک خاکہ ہے لیکن اس میں رنگ بھرنا ہوگا ۔ اور تفصیلی ہدایات بعد میں جاری کرنا ہوں گی ۔

### دوسرا مرحلہ ۔ تنظیمی تربیت

23 ۔ حضور پاکؐ کا فرمان ہے ، اللہ کی قسم اگر انؐ کو بچوں اور عورتوں کا خیال نہ ہوتا تو وہ ان تمام گھروں کو جلا دیتے جہاں سے مرد مسجدوں میں نہیں آتے ۔ اول تو اس حکم میں اسلام کی آمریت کا پہلو ہے کہ اسلام جمہوریت نہیں ۔ دوم اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسجدوں میں ہمیں تنظیمی اور روحانی تربیت دی جاتی ہے ۔ مسجد اور مسجد میں تربیت کا ذکر بڑی تفصیل چاہتا ہے اور اسلام میں با مقصد نماز کا حکم ہے ۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے — ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات (اقبالؒ)

ہماری موجودہ نمازوں اور اذانوں کے بارے علامہ یوں فرما گئے ۔

تری نماز میں باقی جلال ہے نہ جمال — تری اذان میں نہیں ہے مری سحر کا پیام (اقبالؒ)

چنانچہ ان نمازوں کو با مقصد بنانے کے لئے ان کی ادائیگی اس طرح ہونا چاہیئے کہ وہ ہمارے اندر قلبی اور جسمانی وحدت پیدا کریں ۔ اور ہم ربط وضبط اور اطاعت امیر کے اصولوں کو سیکھیں ۔ کیونکہ ان مسجدوں میں قرون اولی کے مسلمان جب مل کر سجدہ کرتے تھے تو یہ سماں بندھ جاتا تھا ۔

وہ سجدہ روح زمیں جس سے کانپ جاتی تھی — اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب (اقبالؒ)

تو ہمیں اپنی موجودہ نمازوں کی بجائے بہت کچھ کرنا ہوگا اور موجودہ حالت کو چھوڑنا ہوگا کہ۔

تیرا امام بے حضور، تری نماز بے سرور — ایسی نماز سے گزر، ایسے امام سے گزر (اقبالؒ)

گزارش ہو چکی ہے کہ نماز کا پہلو بہت وسیع ہے کہ اسلام باجماعت نماز کا دعویٰ دار ہے دراصل لفظ صلوۃ کے وسیع تر معانی ہیں اور اس کے ترجمہ "نماز" میں وہ بات نہیں آتی ۔ صلوۃ کا مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ ہم حالات سے آگاہی کے لئے اکٹھے ہوں اور اپنے لئے راہ عمل کو سوچیں اور امیر کے حکم کے مطابق اپنی ذمہ داری کو سنبھالیں ۔ قرون اولی میں جب کوئی اجتماع مقصود ہوتا تھا تو "صلوۃ" "صلوۃ" پکارا جاتا تھا اور لوگ مسجد میں اکٹھے ہو جاتے تھے ۔ چنانچہ ہم مسجد میں اس لئے بھی اکٹھے ہوں گے کہ اپنی ذمہ داریاں سن لیں ۔ وہاں ہی محلے یا گاؤں کے معاملات کو حل کریں گے ۔ ہمسایوں کے حقوق پورے کریں گے ۔ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہونے کی راہ نکالیں گے اور نماز کے سلسلہ میں فضول اختلافات کہ ہاتھ کہاں باندھیں یا قرات کیسے پڑھیں وغیرہ، ان سب کو مٹانا ہوگا، بلکہ نماز کے فلسفہ میں جا کر روحانی، قلبی اور جسمانی وحدت کے ذریعے اسلام کے وحدت فکر اور وحدت عمل کے نظریہ پر عمل کرنا ہوگا ۔ نماز سے ہمارے اندر وحدت پیدا ہوتی ہے ۔ ہم صف بندی یا جنگ میں مورچہ بندی کے اصول سے آگاہ ہوتے ہیں ۔ حکم ماننے کی عادت پیدا ہوتی ہے ۔ محبت اور الفت پیدا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو جوڑ دیتا ہے کہ روحانی و جسمانی وحدت ہوتی ہے علاوہ ازیں صفائی کا خیال ہوتا ہے کہ نماز کی تیاری ہے ۔ اور حضور پاکؐ کے فرمان کے مطابق وضو مومن کا اسلحہ ہے ۔ اس کی وضاحت چند الفاظ میں نہیں ہو سکتی ۔ بس اتنا سمجھیں کہ وضو سے انسان کی تمام حسوں میں وحدت اور یک رنگی پیدا ہو جاتی ہے ۔ یعنی بدن کا ذرہ ذرہ اور ہر خلیئے میں توازن آجاتا ہے جس کے سلسلہ میں اب سائنس بڑے عقدے کھول رہی ہے ۔ تو نماز جنگ یا جہاد کی تیاری ہے ۔ علاوہ ازیں روزہ بھی جنگ کی تیاری کی تربیت دیتا ہے اور صبر سکھلاتا ہے ۔ کہ ہم جو اصول مصابرہ کا ذکر کر چکے ہیں، تو صبر ہی سے اس اصول پر عمل پیرا ہونے کی تربیت ہوتی ہے ۔ علاوہ ازیں روزہ، ایمان و یقین کی ایک ارفع مثال ہے کہ فرد کا تعلق اپنے اللہ سے ہوتا ہے، کہ روزہ میں سوائے فرد اور اللہ کے کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ فلاں کا روزہ ہے یا نہیں ۔ روزے کا



اخلاقی پہلو بھی ہے، کہ ہاتھ کا روزہ، کان کا روزہ، آنکھ کا روزہ وغیرہ ۔ یعنی تمام شر والی باتوں سے دوری اختیار کی جائے تو تب روزہ ہو سکتا ہے ۔ اسی طرح قربانی اور زکوۃ میں خیرات بانٹنے سے بھی تعلقات بڑھتے ہیں ۔ اور امیر و غریب ایک ہوتے ہیں ۔ اس لئے اسلام کے لحاظ سے امیر مسجد یا امیر محلہ ہی اسلام پر عمل پیرا ہو کر اپنے لوگوں کو بنیادی تربیت دے گا ۔ اور اوپر والی یونین کونسل اور تھانہ کی تنظیمیں اس تربیت کو بہتر طور پر منظم کرنے میں مدد دیں گی ۔ البتہ ہماری مسجدوں میں درس نظامیہ کے زمانے کے جو خطبات موجود ہیں، ان سے ضرور مدد لی جائے گی ۔ لیکن تعلیم و تدریس اور محلہ کے کاموں کے لئے اس زمانے کی ضرورت کے مطابق تربیت کے لئے ہدایات لکھنا پڑیں گی ۔ یعنی لوگوں کو اپنی ذمہ داری پوری کرانے کے لئے مرکزی حکومت خطبات کا بندوبست کرے گی، جو مسجدوں میں دیئے جائیں گے ۔ بے شک یہ بھی بڑا وسیع مضمون ہے ۔ لیکن موجودہ تفرقات والے خطبے ختم کرنے ہوں گے اور تقریر برائے تقریر کی حوصلہ شکنی کی جائے گی ۔ یعنی خطبات ایسے نہ ہوں ۔

لبھاتا ہے دل کو کلام خطیب — مگر لذت شوق سے بے نصیب (اقبالؒ)

اس سلسلہ میں محلہ کے لوگوں کو کئی حصوں میں بانٹنا ہوگا ۔ اول بچوں کی تربیت اور ان کے لئے کم از کم دینی تعلیم کا معیار اور نصاب مقرر کرنا ہوگا ۔ جس میں لڑکوں کے لئے الگ اور لڑکیوں کے لئے الگ درس بنانے ہوں گے ۔ پھر محلہ کی عورتوں کی تربیت کے لئے طریق کار وضع کرنا ہوں گے ۔ اور مردوں کو بھی دو حصوں میں بانٹنا ہوگا ۔ کہ جوان مرد اور زیادہ عمر والے مردوں کے الگ الگ گروہ بنانے ہوں گے ۔ اب کچھ خطبات عام قسم کے ہوں گے جو جمعہ والے دن یا کسی خاص دن دیئے جائیں گے اور ان میں پوری قوم یعنی چھوٹے بڑے سب کی تربیت پر چند باتیں ہوں گی ۔ اور ہر جمعہ کا خطبہ الگ ہوگا ۔ لیکن عام تربیت کے لئے نصاب اور اوقات مقرر کرنے ہوں گے، کہ جوانوں یا بوڑھوں کو مسجدوں میں کس وقت کتنی کتنی تربیت دی جائے ۔ یہ سب ضرورتیں اور خاکے ہیں ۔ اس سلسلہ میں مکمل ہدایات مرکزی حکومت کو جاری کرنا ہوں گی ۔ اور عمل صوبائی حکومتوں کی ذمہ داری ہوگی ۔

## تیسرا مرحلہ۔ سپہ گری کی تربیت

24 ۔ بے شک تنظیمی تربیت ایک جاری و ساری معاملہ ہے اور اس کو قائم رکھا جائے گا۔ لیکن ساتھ ہی سپہ گری کی تربیت بھی دینا ہوگی۔ اور ہم مرحلہ کے طور پر اس کو اس لئے بیان کر رہے ہیں کہ تنظیمی تربیت کے بعد ہی سپہ گری کی تربیت دی جا سکتی ہے۔ ہم یہ بھی واضح کر چکے ہیں کہ ہر مسلمان پر جہاد فرض ہے اور جہاد میں تب ہی شرکت ہو سکتی ہے، کہ انسان کو فن سپہ گری کی شدبد ہو۔ اس لئے پوری قوم کو فن سپہ گری سیکھنا ہوگی۔ یہ تربیت بھی مسجدوں اور محلوں کے تحت ہوگی۔ اور اس کی بھی کم از کم دو قسمیں ہوں گی۔ ایک بنیادی سپہ گری جس میں ایک آدھ ہتھیار اور بچاو کے طریقے یا اپنے علاقے اور محدود قسم کے دفاعی مسئلے سکھلائے جائیں گے، یہ سب لوگوں کے لئے لازمی ہوگی۔ اور عورتوں کی کافی تعداد کو اس میں شریک ہونا ہوگا۔ اس سے بڑھ کر کچھ عسکری ضروریات کی سپہ گری ہوگی کہ قوم کے وہ افراد جو گھر کو چھوڑ سکتے ہوں ان کو اس عسکری تنظیم کا حصہ بھی بننا ہوگا جس کا ذکر ہم چوتھے مرحلے میں کریں گے۔ اس لئے ان لوگوں کو کچھ فالتو تربیت بھی دینا ہوگی کہ وہ اپنے گھروں سے دور ہو کر قوم کی دوسری عسکری ضرورتوں کو پورا کرنے میں مددگار ثابت ہوں۔ یاد رکھنے والی بات یہ ہے کہ فن سپہ گری سے نابلد قومیں مٹ جاتی ہیں یا ذلت کا شکار ہو جاتی ہیں اور دین فطرت نے تو پہلے ہی دن سے پوری قوم کو جہاد میں شرکت کا حکم دیا۔ ورنہ۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے ؎ ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات (اقبالؒ)

## چوتھا مرحلہ یا ضرورت۔ قوم کی عسکری تنظیم

25 ۔ عام اور بنیادی سپہ گری سے بڑھ کر کچھ خاص قسم کی سپہ گری میں بھی عام سویلین کام کر سکتے ہیں اور سرکاری ملازمین جن کی تعداد بارہ لاکھ کے قریب ہے۔ ان کو اس قسم کی سپہ گری کی تربیت دینے کی سفارش پہلے بھی کی جا چکی ہے۔ یہ کام آج کل جانباز فوج کے ذریعہ سے محدود طریقوں پر کیا جا رہا ہے کہ ان کو کچھ ذمہ داریاں دی گئی ہیں۔ یعنی دشمن کے ہوائی جہازوں کے خلاف کاروائی کرنا۔ یا ملک کے حفاظتی کاموں اور اندرونی دفاع میں حصہ لینا۔ یعنی



دشمن کے چھاتہ بردار یا فضائی فوج کے خلاف کاروائی کرنا، ذرائع آمد و رفت اور اہم مقامات کی حفاظت وغیرہ۔ جانباز افواج البتہ وزارت دفاع اور جنرل ہیڈ کوارٹر کے تحت مرکزی حکومت کا ایک حصہ ہیں۔ لیکن یہ کام صوبائی حکومتوں کو کرنا چاہیئے۔ اور اب ایسی سولین عسکری تنظیمیں بہت زیادہ ہو جائیں گی کہ ہر تھانہ میں کم از کم ایک یا دو بٹالین رضاکار عسکری فوج ہوگی۔ بعض جگہ یہ نفری زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ہر تھانہ میں ایسی عسکری تنظیمیں رکھنا ہوں گی۔ جو گاؤں گاؤں اور محلہ محلہ میں لوگوں کو دونوں قسم کی سپہ گری کی تربیت دیں اور خاص کر لوگوں کو عسکری تنظیموں میں جوڑ کر ایسی کئی بٹالین بنائیں جو اپنے علاقہ کا دفاع اور ضروریات بھی پوری کر سکیں اور کچھ بٹالینز دور دراز علاقوں میں یا محاذ جنگ پر جا کر وہاں کی عسکری تنظیموں یا پیشہ ور افواج کی مدد کر سکیں۔ ان عسکری تنظیموں کی تربیت تو صوبائی حکومتوں کی ذمہ داری میں ہونا چاہیئے کہ لوگوں کا زیادہ واسطہ صوبائی حکومت کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن ان فوجوں کا استعمال وزارت دفاع اور پیشہ ور افواج کے دفاعی۔ فلسفہ کے تحت ضروریات کے مطابق اس طرح سے ہو، جس طرح آجکل ملکی دفاع میں جانباز فوج یا سکاؤٹس یا رینجرز وغیرہ کو ذمہ داریاں دی گئی ہیں۔ امید واثق ہے کہ یہ تنظیمیں پیشہ ور افواج سے کافی ذمہ داریاں لے لیں گی اور ملکی دفاع اور زیادہ مضبوط ہوگا۔ اور اسطرح جب ملک کے چپہ چپہ میں مردان خدا اللہ کے راستہ پر لڑنے کو تیار ہوں گے تو یہ سماں ہوگا:۔

صف جنگاہ میں مردان خدا کی تکبیر ؎ جوش کردار سے بنتی ہے خدا کی آواز (اقبالؒ)

## پانچواں مرحلہ یا ضرورت۔ پیشہ ور افواج اور سولین عسکری تنظیموں کا رابطہ

26 ۔ یہ سولین عسکری تنظیمیں ملک کے دفاع میں ریڑھ کی ہڈی کا کام دیں گی۔ اور پیشہ ور فوج کے لئے سیکھے ہوئے جوان جلدی میسر ہو جائیں گے جن کو صرف پیشہ ور فوج کی تربیت میں باندھنا ہوگا۔ یعنی وہ بنیادی سپہ گری تو جانتے ہوں گے اور خاص خاص پیشہ ور کاموں کی

تربیت بھی جلد حاصل کرلیں گے ۔ یہ عسکری تنظیمیں ویسے تو سارے ملک میں پھیلی ہوئی ہوں گی اور وزارت دفاع ان میں سے کچھ تنظیموں کو فضائی و بحری افواج کے ساتھ منسلک کر دے گی ۔ جانباز فوج کے استعمال کے سلسلہ میں کچھ STANDING OREDERS FOR WAR لکھے جاچکے ہیں ۔ اول تو وہ مل جائیں گے ۔ ورنہ اسی قسم کے اصولوں پر قوم کی عسکری تنظیموں کو لڑاکا یا بندوبستی ہیڈ کوارٹروں کے ساتھ ضرورت کے تحت اس طرح سے وابستہ کیا جائے گا کہ وہ ملکی دفاع میں بھرپور حصہ لے سکیں ۔ بے شک یہ تفصیلی ہدایات ہونگی جس میں اول سوال نفری، تنظیم اور معیار کا ہوگا، اور پھر ضرورت کے مطابق پیشہ ور افواج کی متعدد ذمہ داریاں ان لوگوں کو دینا ہوں گی اور پیشہ ور فوج کو خاص اور مشکل دفاعی کاموں کی ذمہ داری دی جائے گی ۔

## چھٹا مرحلہ ۔ پیشہ ور افواج کی تنظیم نو

27 ۔ تینوں پیشہ ور افواج کی تنظیم نو کرنا ہوگی ۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے کی تاریخ اور روایات کو دفن کرنا ہوگا ۔ ہمارے رجمنٹل جھنڈوں پر قط العمارہ، سرنگا پٹم، دہلی، کابل اور قندھار کے نام ونشان ہیں ۔ ان باتوں کو بھول جانا ہوگا ۔ یہ فخر کی باتیں نہیں ۔ یہ غلامی کے زمانے کی یادگاریں ہیں ۔ ہمیں تو حضور پاکؐ اور خلفائے راشدین کے زمانے کے کارناموں پر فخر کرنا سیکھنا ہوگا ۔ بہرحال بری افواج کی تنظیم نو کے سلسلہ میں تو کچھ خاکہ یا اصول وضع کئے جاسکتے ہیں لیکن بحری اور فضائی فوج کے سلسلے میں ہماری سمجھ محدود ہے ۔ یہ کام ہم ان کے ذہن پر چھوڑ دیں گے کہ وہ صاحبان بنیادی باتوں کو یاد رکھیں ۔ البتہ بری فوج کی بنیاد، ان ہتھیاروں پر ہونا ہوگی جو ملک میں موجود ہیں اور حاصل ہو سکیں ۔ وہ بھاری ہتھیار اور گولہ بارود جو ہمارے پاس باہر کے ملکوں سے آیا ہوا ہے یا آیا ہے اس کو انعام خداوندی ضرور سمجھا جائے، کہ شاید اور بھی ملتا رہے گا ۔ لیکن ایسے سامان کو استعمال کرنے میں سخت کفایت شعاری کی ضرورت ہوگی ۔ اس کے علاوہ سولین عسکری تنظیموں سے ہمیں کافی پیدل فوج مل



جائے گی ۔ اسلئے موجودہ پیدل فوج میں کافی تعداد کو "کمانڈو" یا "شبخونی مجاہد" یا "کفن پوش" مجاہدین میں تبدیل کرنا ہوگا ۔ خاص کاموں کو جاننے والے سولین کو ڈرائیور، گاڑیاں ٹھیک کرنے کے کام اور وائرلیس کے کاموں میں پہلے سے ریزرو بنادیا جائے گا تاکہ بوقت ضرورت فوج کے خاص محکموں یعنی رسالہ، توپخانہ، سگنل یا ایم ٹی وغیرہ کے لئے بھی ریزرو لوگ موجود ہوں اسطرح کچھ "رجمنٹیں" "وقتی" طور ہو سکتی ہیں ۔ جن کا محدود سٹاف امن کے زمانے میں قائم رہے گا ۔ اور جنگ میں ریزرو کی مدد سے ان کی نفری پوری ہوجائے گی ۔ علاوہ ازیں امن کے زمانے میں بہت افسروں کو تربیت دی جائے تاکہ جنگ میں جب افواج میں وسعت یا پھیلاؤ ہو تو افسر موجود ہوں کہ چند دن یا چند ماہ کی تربیت سے افسر نہیں بن سکتے اور سب سے ضروری بات یہ ہے کہ افواج کو مکمل مذہبی تربیت دینا ہوگی کہ فی الحال یا پچھلے کئی سالوں سے یہ حالت رہی ہے:-

میں نے اے میر سپہ تیری سپہ دیکھی ہے
قل ہواللہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام (اقبالؒ)

## ساتواں مرحلہ یا ضرورت ۔ حکمت عملی اور تدبیرات میں تبدیلی

28 ۔ افواج کی تنظیم نو، سامان جنگ کا جائزہ، دفاعی ٹیکنالوجی کے معیار اور سولین عسکری تنظیموں کی پیشہ ور افواج سے رابطے کے بعد ہمیں اپنی حکمت عملی اور تدبیرات دونوں میں کافی تبدیلیاں لانی ہوں گی ۔ ہماری افواج کو صرف لڑائی (Battle) لڑنے کی تربیت دی جاتی ہے اور ہم فائر بندی تک چند دن لڑائی جاری رکھ سکتے ہیں ۔ آنے والی جنگیں بڑی بھیانک ہوں گی ۔ اور چند دن کی بات نہ ہوگی ۔ بڑی تیاری کی ضرورت ہوگی ۔ سرحدی علاقوں کے دفاع کی ترجیحات مقرر کرنی ہوں گے، کہ کہاں پر کتنی پیشہ ور افواج کے بھرپور تعیناتی کی ضرورت ہوگی اور کہاں زیادہ کام سولین عسکری تنظیموں سے لینا ہوگا ۔ پھر جارحانہ اقدام کے بھی کئی مرحلے اور سطحیں بنانا ہوں گی ۔ اور یہ کام پیشہ ور افواج نے کرنا ہوگا ۔ عسکری تنظیمیں فتح کئے ہوئے علاقوں کا بندوبست اور ذرائع آمدورفت کی حفاظت کا کام کریں گی ۔ اور ہمارے دفاعی فارمیشنوں کو آہستہ آہستہ آگے "رینگنا" ہوگا ۔ لیکن پوری تجویزات یا طریق کار کو ایسی کھلی

کتاب میں زیر بحث نہیں لایا جاسکتا۔ہم یہاں پر کتاب کے دوسرے باب کی طرف واپس جاتے ہیں کہ ہمیں مکمل طور پر اسلامی فلسفہ حیات کی پیروی کرنا ہوگی۔جب تک ہم اپنے علاقوں میں اسلامی فلسفہ حیات کو نہیں اپناتے۔تو آگے جو علاقے ہم فتح کریں گے ان لوگوں کو ہمارے پاس دینے کیلئے کیا ہوگا۔وہ بے چارے جو بندوں کی محکومی میں پس رہے ہیں۔وہاں ہم نے اللہ کی حاکمیت کو جاری وساری کرنا ہوگا۔تو بات یہاں آکر ختم ہوتی ہے کہ فتویٰ دینے سے نظام جہاد کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں۔یہ ایک طرز زندگی ہے اور امن کے زمانے میں اس کو ربط وضبط کے ساتھ اجتماعی طور پر جاری کرنا پڑتا ہے کہ محلہ،گاؤں یونین کونسل، تھانہ، تحصیل، ضلع اور صوبہ سے لے کر ملک تک پوری قوم کو امیروں کے تحت اللہ کی فوج بنانا ہوگا۔میرے ایک بزرگ اکثر فرماتے ہیں کہ میں اس سلسلہ میں وضاحتوں پر وقت نہ ضائع کروں۔پس سیدھی بات ہے کہ یہ اللہ کی فوج کسی دنیاوی فوج کے مقابلہ یا موازنہ میں ربط وضبط، اطاعت امیر، مصابرت، ایمان ویقین وغیرہ کی ضرورتوں میں ہزار درجہ بہتر ہوگی۔پھر ہمارا دشمن ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے جو اس بنیان المرصوص سے ٹکرائے گا وہ پاش پاش ہوجائے گا۔بات ساری اسلامی فلسفہ حیات اور مومن کے مقاصد زندگی کی ہے۔ان پہلوؤں کی وضاحت کردی ہے۔اور ان اصولوں کے تحت جہاد ہم مومنوں کیلئے طرز زندگی۔یعنی زندگی گزارنے کا طریقہ ہے۔یعنی دونوں جہان میں سرخروئی مل گئی اور کثرت سے یہ دعا مانگی جائے۔ربنا اتنافی الدنیا حسنتہ وفی الاخرہ حسنتہ

صاحب توفیق قارئین! اگر آپ کے خیال میں یہ عاجز حق پر ہے۔تو پھر یہ خیالات پھیلانے میں میری مدد کریں کہ چند کتابیں خرید کر دوستوں کو تحفتہً دیں۔



ساتواں باب

# معاشی معاملات، اور مادی ذرائع کے لئے فلسفہ

## تمہید

اس زمانے کا سب سے مشکل مسئلہ معاشی یا مالی معاملات کے سلسلہ میں پالیسی بنانا ہے۔اور اس میدان میں یہ عاجز کوئی سفارشات پیش کرنے کے قابل نہیں۔سوائے اس کے کہ قرآن پاک اور سنت نبویؐ میں حلال وحرام اور اوامر ونواہی سب صورتوں میں بڑی تفصیلی ہدایات ہیں۔اور اللہ تعالیٰ نے توفیق دی، کہ رزق حلال میسر ہوتا رہا۔اور اس میں بہت برکت ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھے نصیب کیا اس کا شکر ہے۔

## نذرالحق لون صاحب

2 - میرے ایک محسن جناب نذرالحق لون صاحب، البتہ اسلام یا احکام الہٰی کی روشنی میں ان ضروریات کا گہرا مطالعہ کرچکے ہیں۔اور اس سلسلہ میں مختلف مدوں پر انہوں نے کئی کتابچے یا مسودے بھی شائع کئے ہیں۔اور ملک کے کئی اداروں کے سربراہ رہے۔وہ مجھ پر بہت مہربان ہیں۔اور میری ان کتابوں کے سلسلہ میں انہوں نے میری بڑی رہنمائی کی۔اور اس سلسلہ میں ان کا رویہ بڑا حقیقی ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ "اول تو ہمارے ملک میں بامقصد مضامین یا کتابیں پڑھنے والوں کو انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے۔اور ہر آدمی کی کوشش ہوتی ہے کہ کتاب مفت ملے۔اور مصنف بے چارے کے بارے میں ان کو خیال ہوتا ہے کہ یہ کوئی امیر آدمی ہے اور اپنی شہرت کے لئے کتابیں مفت بانٹتا پھرتا ہے"۔بہرحال انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ میں ہرگز کتابیں لوگوں کو تحفتہً نہ بھیجوں اور مفت بھی نہ بانٹوں۔اس لئے میں نے صرف چند غریبوں میں کتابیں مفت باٹتیں۔

## مخیر ادارے

3 - لیکن انہوں نے خود مجھ سے تقریباً تیرہ ہزار روپوں کی میری کتابیں خریدی ہیں۔جو

دوستوں کو تحفتہً بھی دیتے ہیں۔ غریبوں میں مفت بھی بانٹتے ہیں۔ اور انہوں نے جو ادارہ فروغ اسلام کھول رکھا ہے۔ اس کی لائبریریوں میں بھی رکھی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ میری کتاب جس کسی کو تحفتہً دیں گے، اس کے اثرات ہوں گے۔ علاوہ ازیں ہمارے محلہ کی مشہور مسجد ذی شان بھی انہوں نے بنوائی ہے۔ لیکن مسجد کو چلانے کی "سیاست" میں وہ شامل نہیں ہوتے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق حلال میں جو برکت ڈالی ہے۔ اس کو دیکھ کر انسان حیران ہو جاتا ہے۔ اسلام کے مالی اور معاشی نظام کے بارے میں جو کچھ مجھے سوجھ بوجھ ہے، وہ انہی کی وجہ سے ہے۔ اور تمام مالی مسائل کے حل پر ان کے پاس سفارشات موجود ہیں۔

## چند جھلکیاں

4 ۔ لیکن ان مالی اور معاشی معاملات کی تفصیل اتنی زیادہ ہے کہ میں ان کو اپنی کتاب کا حصہ نہیں بنا سکتا۔ صرف چند جھلکیاں دے رہا ہوں، کہ ہمارے پاس تمام احکام اور ہدایات قرآن پاک اور سنت نبویؐ میں موجود ہیں۔ اور یہ جھلکیاں میں نے برادرم نذرالحق لون صاحب کے مختلف کتابچوں وغیرہ سے اخذ کی ہیں، کہ میری اپنی اس سلسلہ کی تحقیق صفر کے برابر ہے۔ میں نے پہلے باب میں ابن خلدون کی جن تحقیقوں کا ذکر کیا تھا۔ اس سلسلہ میں معاشیات کے بارے میں ان کی تحقیق بھی میں نذرالحق لون صاحب کے کتابچوں سے پیش کر رہا ہوں۔ جس کو پڑھ کر قارئین حیران ہوں گے، کہ شاید ابن خلدون نے یہ سب کچھ ہمارے حالات پر تبصرہ کیا ہے۔

## طرح طرح کے ٹیکس

5 ۔ ابن خلدون کہتا ہے:۔ "جب حاکم کے خود ذاتی مصارف اور اس کی داد و دش اس قدر بڑھ جائے کہ ملک کی آمدن ان کی کفایت نہ کر سکے، تو ملکی محصول اور خراج کو بڑھا دیا جاتا ہے۔ پھر جب اہل سلطنت عیش پسندی میں اور آگے بڑھتے ہیں، تو ملکی محاصل کو اور بڑھانا پڑتا ہے۔ یہاں تک کہ عوام کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملکی آمدنی گر جاتی ہے۔ اور ادھر تمدنی ضرورتیں بدستور بڑھتی رہتی ہیں۔ تو لامحالہ صاحب اقتدار کو اس الجھن کا حل یہی نظر آتا ہے کہ



اموال تجارت پر طرح طرح کے ٹیکس لگائے جائیں۔ چنانچہ بازاروں میں مال فروختی پر اور شہروں میں اشیائے تجارت پر جو کچھ آمدنی حاصل ہو اس میں سے حکومت کا ٹیکس بھی وصول ہو۔

## بیش از بیش اخراجات

6 ۔ ابن خلدون نے کئی اور تبصرے بھی کئے جو آج کل بھی اپنائے جا رہے ہیں۔ وہ کہتا ہے۔ "ملک میں عیش پسندی بڑھ جائے اور طرح طرح کے تکلفات کی عادات و رواج پا جانے کی وجہ سے جب اہل اقتدار کے اخراجات بیش از بیش ہو جاتے ہیں اور ملک کا محصول و خراج ان توقعات و اخراجات کی کفایت نہیں کرتا۔ اور یوں سلطنت مجبور ہوتی ہے کہ محاصل ملکی بڑھا کر ملک کی آمدنی بڑھائی جائے۔ تو کبھی اشیائے تجارت کی درآمد و برآمد پر چنگی قائم کی جاتی ہے۔ اور بازاری اموال تجارت کی آمدنی پر ٹیکس لگایا جاتا ہے۔ اور اگر چنگی کی رسم پہلے سے جاری ہو تو اس کی مقدار اور بڑھا دی جاتی ہے اور کبھی عاملوں اور خراج کے محصلوں کو نچوڑا اور سونتا جاتا ہے۔"

## غسل خانوں کی زیبائش

7 ۔ اب ذرا دھیان دیں کہ ان کافرانہ نظاموں کے تحت کیا کچھ نہیں کیا جاتا۔ اسلام میں تو حاکم وقت کو دوسری چادر کے استعمال کے بارے میں بھی سوال کیا جا سکتا ہے۔ یہاں صدر اور وزیراعظم کی رہائش گاہوں کے غسل خانوں کے تزئین کے لئے کروڑوں روپے خرچ کئے جاتے ہیں اور غریب کو سردی اور بارش میں سر چھپانے کے لئے جگہ میسر نہیں۔ وزیروں اور سرکاری نوکروں کے غیر ملکوں میں علاج اور سیر کے لئے کروڑوں روپے خرچ کئے جاتے ہیں۔ اور غریب کے لئے دو وقت کی روٹی نہیں۔ گاؤں میں جو کچھ پیدا ہوتا ہے۔ شہر تک پہنچنے کے لئے اس پر چونگی، پولیس کے لئے "ماہانہ" درمیانی لوگوں کے ٹھیکوں، دلالی اور رشوت کی وجہ سے اس چیز کی قیمت پانچ گنا ہو چکی ہوتی ہے۔ شہروں میں جو کچھ بنتا ہے اس کی قیمت گاؤں تک پہنچنے تک پانچ گنا ہو چکی ہوتی ہے۔ نکمے لوگ، تجارت میں اور سرکار کے دفتروں میں بیٹھے ملک کی آدھی دولت لوٹ رہے ہیں۔ سود، سٹا، کافرانہ بینک کاری، خیانت، خراب مال بیچنا کیا کچھ نہیں ہو رہا ہے۔ کسی کو یہ تو خیال ہی نہیں کہ اس نے ایک دن اللہ کے ہاں جواب دینا ہے۔ اور اس سب

کے اثرات غریب اور شریف آدمیوں پر پڑتے ہیں کہ ان کے لئے زندگی گزارنا مشکل ہو گئی ہے۔ عوام کو بے وقوف بنا کر ان کے نام پر حکومت کر کے اپنے گھر بھرے جاتے ہیں ۔ یہ قومی نمائندے کیا کچھ نہیں کر رہے ۔ اور کچھ نہ ہو تو کروڑوں روپے کے قرض لے لئے جاتے ہیں ۔ جو بعد میں معاف کرلئے جاتے ہیں ۔ سمگلنگ ، بلیک مارکیٹ ، چوری ، ڈاکے یہ سب غلط معاشیات کی پالیسی سے ہو رہے ہیں ۔ لیکن اسلامی نظام میں یہ لوگ ایسا نہ کر سکیں گے، تو تب ہی یہ لوگ اسلامی نظام کے خلاف ہیں ۔ اسلامی نظام میں دفاع کا خرچ آدھے سے بھی کم ہو جائے گا ۔ جس کا ذکر پچھلے ابواب میں ہو چکا ہے ۔ سرکاری دفتروں میں آدھے سے زیادہ لوگ نکمے بیٹھے رہتے ہیں ۔ اور یہ حکومت کے خزانے پر بوجھ ہیں ۔ اس لئے معاشی پالیسی بنانے کے لئے اول تمام ملکی ذرائع کے سلسلہ میں پالیسی کی ضرورت ہے ۔ دوم اسلام میں یہ حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اپنے تمام لوگوں کے لئے ذرائع کا بندوبست کرے کہ وہ عزت کے ساتھ زندگی گزاریں ۔ البتہ اسلام یہ ذمہ داری کبھی نہیں اٹھاتا کہ سب بے روزگاروں کو نوکریاں دیں گے یا جن لوگوں کو روزگار نہ ملے گا ۔ ان کو کچھ ماہانہ الاونس دیا جائے ۔ اسلام کبھی مفت خوروں اور "محتاجوں" کی کوئی فوج بنانے کی راہ نہ نکالے گا ۔ بلکہ ہر آدمی کو اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کے راہ کی طرف رہنمائی کرے گا ۔ جب ایک آدمی نے حضور پاکؐ کے سامنے بے روزگاری کی شکایت کی تو سرکار دو عالمؐ نے اسی کا ایک پیالہ فروخت کروا کر اس کو ایک کلہاڑی خرید کر دی کہ اس سے لکڑیاں کاٹ کر بازار میں لے آیا کرے اور بیچا کرے ۔ ملک میں اتنے ذرائع موجود ہیں کہ عزت اور غیرت والے آدمی کے لئے بے پناہ مواقع ہیں اور ذرائع ہیں یہ سفارشی خطوط ۔ یہ سفارشی نوکریاں یہ سفارشی لائسنس ۔ یہ لوگوں کو پلاٹ دینا کہ وہ دس گناہ قیمت پر آگے بیچ دیں ۔ یہ اسلامی مساوات کی نفی ہوتی ہے ۔ اسلام میں ہر ذرائع کے استعمال کے ہر آدمی کے لئے برابر مواقع ہیں ۔ اور یہ بڑا ہی وسیع مضمون ہے ۔ اسلامی طرز حکومت ہر آدمی کو غیرت کی زندگی دیتی ہے

## ملی جلی مالی پالیسی

8 ۔ چنانچہ اول ترجیح انسان کی طرف ہوتی ہے کہ ہم اسلامی فلسفہ حیات کے تحت واضح کر چکے ہیں کہ انسان ہی کائنات کا مرکز ہے اور یہ اسلامی حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ اس کی ایسی



تربیت کرے اور اس کو ایسے مواقع فراہم کرے کہ اس کو انسان کی زندگی کے مقصودوں کے بارے آگاہی ہو جائے ۔ اور اپنی حیثیت یا عقل و شعور یا ہنر کی مدد سے وہ دنیاوی کاموں میں اللہ کی فوج میں باعزت زندگی گزارے ۔ غیروں کے کافرانہ نظاموں میں ووٹ کی پرچی کو وہ بے چارہ اپنا تقدس سمجھتا ہے اس کو یہ نہیں معلوم کہ اسلام اس کو اپنی فوج میں بلند ترین مقام پر پہنچ جانے کے مواقع بھی دیتا ہے ۔ بہرحال سمجھنے والی بات یہ ہے کہ پہلے باب میں حکومت کے خاکے کا جو چارٹ بنایا گیا تھا ۔ تو ہر پہلو کے بارے اسلامی پالیسی بنا کر تمام طرز حکومت کی باتوں اور معاشرہ کی ضرورتوں کو شیر و شکر کرنا ہوگا ۔ اور زراعت ، تجارت ، کارخانے ، معدنیات اور سب مادی ذرائع کے لئے ایک ملی جلی معاشی پالیسی بنانا ہوگی ، جس سلسلہ میں نذرالحق لون صاحب نے اپنے کتابچوں میں قرآن پاک کی متعدد آیات مبارکہ کی مدد سے ان سب پہلوؤں کی وضاحت کی ہے ۔ جس سب کو اس کتاب کا حصہ تو نہیں بنایا جا سکتا ۔ لیکن ان آیات کے الفاظ کا حوالہ دینا ضروری ہے ۔ کہ جب اسلامی نظام کے تحت ملک کی معاشی پالیسی بنائی جائے تو ان آیات مبارکہ سے مدد لی جائے ۔ آپ دیکھیں گے کہ موجودہ حالت میں ہم نے ان تمام احکام کو پس پشت ڈال دیا ہے ۔

الف ۔ اور آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ ۔ اور نہ ان کو حکام کے سامنے پیش کرو ۔ کہ کھا جاؤ جانتے بوجھتے لوگوں کا مال گناہ کے ساتھ ۔ (سورۃ بقرۃ ۱۸۸)

ب ۔ پس اگر تم میں سے ایک شخص دوسرے پر اعتماد کر کے کوئی امانت اس کے سپرد کرے تو جس پر اعتماد کیا گیا ہے اسے امانت ادا کرنا چاہیئے ۔ اور اللہ یعنی اپنے پروردگار کے غضب سے ڈرنا چاہیئے ۔ (سورۃ بقرۃ ۲۸۳)

پ ۔ اور جو کوئی غلول (پبلک کے مال میں خیانت) کرے ۔ وہ اپنے خیانت کئے ہوئے مال سمیت قیامت کے روز حاضر ہوگا ۔ (سورۃ عمران ۱۶۱)

ت ۔ جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور دوزخ میں ڈالے جائیں گے ۔ (سورۃ نسا ۱۰)

ٹ ۔ چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت ۔ دونوں کے ہاتھ کاٹ دو ۔ (سورۃ مائدہ ۳۸)

ث ۔اے لوگو جو ایمان لائے ہو ۔شراب اور جوا، اور بت اور فال کے تیر (یا پانسے) تو شیطانی کام ہیں ان سے پرہیز کرو۔ (سورۃ مائدہ ۹۰)

ج ۔ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لئے خرابی ہے ۔اور جو لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں ۔(سورۃ مطففین ۱ اور ۲)

چ ۔جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے ۔جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو ۔یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی تو (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سود (لینا) حالانکہ سودے کو خدا نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام تو جس شخص کے پاس خدا کی نصیحت پہنچی اور وہ (سود لینے سے) باز آگیا تو جو پہلے ہو چکا وہ اس کا اور (قیامت میں) اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے اور جو پھر سود لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں (جلتے) رہیں گے ۔(سورۃ بقرۃ ۲۷۵)

ح ۔مومنو! خدا سے ڈرو، اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو ۔(سورۃ بقرۃ ۲۷۸)

خ ۔اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ (کہ تم) خدا اور رسول سے جنگ کرنے کے لئے (تیار ہوتے ہو) اور اگر توبہ کر لو گے (اور سود چھوڑ دو گے) تو تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے ۔جس میں نہ اوروں کا اور نہ تمہارا نقصان ہے ۔(سورۃ بقرۃ ۲۷۹)

د ۔اگر قرض لینے والا تنگ دست ہو تو (اسے) کشائش (کے حاصل ہونے) تک مہلت (دو) اور اگر (زر قرض) بخش دو تو وہ تمہارے لئے زیادہ اچھا ہے، بشرطیکہ سمجھو ۔(سورۃ بقرۃ ۲۸۰)

ر ۔اے ایمان والو! دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ اور خدا سے ڈرو، تاکہ نجات حاصل کرو ۔(سورۃ عمران ۱۳۰)

ڈ ۔اپنی لونڈیوں کو قحبہ گری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ بچنا چاہتی ہوں، محض اس لئے کہ تم دنیاوی زندگی کے فائدے حاصل کرنا چاہتے ہو ۔(سورۃ نور ۔۳۳)

ز ۔جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں میں فحش کی اشاعت ہو ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک سزا ہے ۔(سورۃ نور ۔۱۹)

(فحش پھیلانے والے ذرائع کاروبار والے لوگ اپنے گریبان میں منہ ڈالیں)



ژ ۔اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو خریدتا ہے کلام دل فریب تاکہ اللہ کی راہ سے بھٹکا دے ایسے لوگوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے ۔(سورۃ لقمٰن ۔۳۶)

(لہو ولعب اور ذہنی عیاشی والا ادب پھیلانے والے یہ ضرور پڑھیں)

## حلال اور حرام

9 ۔ اوپر بیان شدہ آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے آمدن کے کچھ ذرائع کو حرام قرار دیا ہے "یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ کسی چیز کو "حلال" یا "حرام" قرار دینا اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ "خاص" ہے ۔حتیٰ کہ انبیاء بھی حلال اور حرام کے معاملے میں دخل دینے کے مجاز نہیں ۔ملاحظہ ہو سورۃ التحریم کی پہلی آیت مبارکہ ۔چونکہ "حلال" اور "حرام" قرار دینا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے، تو بلاشک وشبہ جو قانون کسی "حرام" کو "حلال" یا "حلال کو" حرام" کرتا ہے تو وہ اپنے نفاذ کے ساتھ ہی خود بخود اپنے "خدا" ہونے کا مدعی ہو جاتا ہے ۔معاذ اللہ ۔اب ہم ساری قوم ذرا سوچیں کہ ہمارا سارا معاشی نظام "حرام" کی کمائی ہے یا ہم حلال اور حرام کو ایک دوسرے کے بیچ ملا رہے ہیں ۔تو سب حلال بھی حرام ہو جاتا ہے کہ دودھ میں کسی چیز کا ایک پلید قطرہ گر جائے ۔تو دودھ پلید ہو جاتا ہے ۔

10 ۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ضرورت مندوں کا مسئلہ بھی حل کر دیا ۔اب ذرا مندرجہ ذیل آیات مبارکہ کی طرف توجہ دیں ۔

ا ۔کوئی ہے کہ اللہ کو قرض حسنہ دے کہ وہ اس کے بدلے اس کو کئی حصے زیادہ دے گا ۔اور خدا ہی روزی کو تنگ کرتا ہے اور (وہی اسے) کشادہ کرتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے ۔(سورۃ بقرۃ ۲۴۵)

ب ۔اگر تم اللہ کو (اخلاص اور نیت) نیک (سے) قرض دو گے تو وہ تم کو اس کا دوچند دے گا اور تمہارے گناہ بھی معاف کر دے گا اور اللہ قدر شناس اور بردبار ہے ۔(سورۃ تغابن ۔۱۷)

ج ۔اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کو نیک (اور خلوص نیت سے) قرض دیتے رہو اور جو نیک عمل تم اپنے لئے آگے بھیجو گے اس کو اللہ کے ہاں بہتر اور صلے میں بزرگ تر پاؤ

...رۃ مزمل ۔۲۰)

## قرض کا بقایا ہونا

11 ۔ شرک کے بعد جس چیز سے اللہ تعالیٰ کو انتہائی نفرت ہے وہ حقوق العباد کا غصب کرنا ہے یہاں تک کہ وہ شہید (جس کی شہادت اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہو چکی ہو) بھی اگر اس حالت میں شہید ہوا ہو، کہ اس پر کسی کا قرض بقایا ہو تو وہ انعامات (جن کا وہ شہید ہونے کی وجہ سے حقدار بن چکا ہے) اس وقت تک معطل رہیں گے جب تک کوئی اس کا قرض ادا نہیں کر دیتا یا قرض دار خود اس کو معاف نہیں کر دیتا۔

## قرض حسنہ

اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقوق العباد کی مد میں ایک انتہائی محبوب عمل "قرض حسنہ" ہے۔ جس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگ سکتا ہے کہ باوجود بے نیاز، غنی اور بے پرواہ ہونے کے وہ اس قرض کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ اب بتایئے کہ اللہ تعالیٰ کی آواز "کوئی ہے" سننے کے بعد منہ پھیرنے والا صاحب استطاعت مسلمان اپنا ایمان بچا سکتا ہے؟ لیکن فیصلہ دینے سے پہلے اس بات پر غور کر لیں کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اللہ تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہنا ایک ایسا قابل تعزیر جرم رہا ہے کہ اس کی سزا متعین کر دی گئی تھی اور حالات یا واقعات کی وجہ سے اس میں کمی بیشی ناممکن بنا دی گئی تھی یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت میں قرض حسنہ دینا انکم ٹیکس آرڈیننس ۱۹۷۹ء کی دفعہ ۱۲(۷) کی رو سے مفروضہ سودی آمدنی کے اضافہ اور پھر اس پر ٹیکس کا باعث بنا دیا گیا تھا۔ انہی نذر الحق صاحب نے موجودہ رومن قانون کے تحت ہی اللہ تعالیٰ کی اس نافرمانی کے سلسلہ میں 1985ء میں ایک رٹ پیش کی۔ جس پر بحث کے دوران ایسے نکتے سامنے آئے کہ حکومت وقت کو شرم آئی۔ اور انہوں نے یہ آرڈیننس منسوخ کر دیا

## سٹے بازی

12 ۔ یہاں صرف اتنا ہی عرض کر دینا کافی ہے کہ سٹے بازی جوئے ہی کی ایک قسم ہے جو کہ



سورۃ المائدۃ کی آیت ۹۰ جو اوپر درج کی جاچکی ہے کی رو سے حرام ہے۔ لیکن یہاں ہمارے ملک میں اس کی کھلی اجازت ہے۔

13 ۔ پہلے باب میں عالم اور جاہل کے سلسلہ میں کچھ مثالیں دی تھیں۔ اب اس آخری باب میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ علم یا جہالت کے سلسلہ میں فرمایا ہے۔ اس کی جھلکیاں دینا ضروری ہے

ا۔ خدا سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں، جو صاحب علم ہیں۔ بیشک خدا غالب (اور) بخشنے والا ہے۔ (سورۃ فاطر ۔۲۸)

ب۔ کہو بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ (اور) نصیحت تو وہی پکڑتے ہیں جو عقلمند ہیں۔ (سورۃ زمر ۔۹)

ج۔ جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے، خدا ان کے درجے بلند کرے گا۔ اور خدا تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔ (سورۃ مجادلہ ۔۱۱)

د۔ (اے محمدؐ) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے (عالم کو) پیدا کیا ○ جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا ○ پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے ○ جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا ○ اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جس کا اس کو علم نہ تھا۔ (سورۃ علق ۔۱ تا ۵)

ر۔ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر فرض ہے۔ (فرمان رسولؐ)

س۔ ہم نے پہلے باب میں واضح کر دیا تھا۔ کہ اسلام کس قسم کی تعلیم یا علم کے حصول کے احکام دیتا ہے۔ اگر چارٹ کو غور سے دیکھیں تو اخلاقی فلسفہ کو اسلام ترجیح دیتا ہے۔ اور مادی ذرائع کے لئے اخلاق کے تابع فلسفہ بنایا جاتا ہے۔ نہ کہ مالی معاملات اس حرام طریقے پر چلائے جاتے ہیں کہ اخلاق بھی ختم ہو جائے۔ کہ قرآن پاک میں انسان کی پیدائش کو "احسن تقویم" کہا گیا۔ اور ہمارے آقاؐ اس دنیا میں خلق عظیم لے کر تشریف لائے۔

## ہمارے دانشور

14 ۔ اب ہمارے ملک میں جن لوگوں نے عالم ہونے یا دانشور ہونے کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے

کہ ان لوگوں نے قرآن پاک کے جو احکام زیر بحث آچکے ہیں ۔ وہ پڑھے ہیں ۔ اور ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے کچھ نہیں کرتے تو یہ لوگ ہر گز مسلمان نہیں اور بے دین ہیں اور اگر یہ کچھ نہیں پڑھا تو وہ ہر گز عالم یا دانشور نہیں ہو سکتے بلکہ جاہل مطلق ہیں ۔ اسلام کے لحاظ سے انسان سب کچھ ہے ۔ اور معاشیات بہت معمولی معاملات ہیں ۔ حضرت عمرؓ کی خلافت میں، ان کو بتایا گیا کہ لوگ جزیہ یا ٹیکس سے بچنے کے لئے دھڑا دھڑ مسلمان ہو رہے ہیں ۔ اور سرکاری خزانے کا بڑا نقصان ہو رہا ہے ۔ آپ نے فرمایا ۔ ہم سرکاری خزانے بھرنے کے لئے یہ سب کچھ نہ کر رہے ہیں لوگوں کے دلوں کے حالات اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں ۔ برائے نام مسلمان، کل پورے مسلمان ہو سکتے ہیں ۔

15 ۔ معاشی معاملات اور مالی ضرورتوں کے لئے چند اور آیات مبارکہ لکھی جاتی ہیں ۔

الف ۔ نیکی اس چیز کا نام نہیں ہے کہ تم نے مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر لیا ہے ۔ بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی ایمان لائے اللہ پر اور یوم آخر پر اور ملائکہ اور کتاب اور نبیوں پر اور مال دے اللہ کی محبت میں اپنے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور مدد مانگنے والوں کو اور خرچ کرے غلامی سے لوگوں کی گردنیں چھڑانے میں ۔ (سورۃ بقرۃ ۱۷۷)

ب ۔ خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو اور احسان کرو اللہ احسان کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے ۔ (سورۃ بقرۃ ۱۹۵)

پ ۔ شیطان تم کو ناداری کا خوف دلاتا ہے اور (بخل جیسی) شرمناک بات کا حکم دیتا ہے ۔ مگر اللہ تم سے بخشش اور مزید عطا کا وعدہ کرتا ہے ۔ (سورۃ بقرۃ ۔ ۲۶۸)

ت ۔ اور تم نیک کاموں میں جو کچھ خرچ کرو گے وہ تم کو پورا پورا واپس ملے گا اور تم پر ہر گز ظلم نہ ہو گا ۔ (سورۃ بقرۃ ۔ ۲۷۲)

ٹ ۔ (راہ اللہ میں خرچ کے مستحق) وہ تنگ حال لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں ایسے گھر گئے ہیں کہ زمین میں اپنی روزی کمانے کے لئے دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے ۔ (سورۃ بقرۃ ۔ ۲۷۳)

ث ۔ اللہ، سود کا مٹھ مار دیتا ہے اور صدقات کو نشو و نما دیتا ہے ۔ (سورۃ بقرۃ ۲۷۶)



ج ۔ تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے، جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو، جنہیں تم عزیز رکھتے ہو ۔ (سورۃ عمران ۔ ۹۲)

چ ۔ اور نیک سلوک کرو اپنے ماں باپ کے ساتھ اور اپنے رشتہ داروں اور نادار مسکینوں اور قرابت دار پڑوسیوں اور اجنبی ہمسایوں اور پاس بیٹھنے والے ساتھیوں اور مسافروں اور اپنے لونڈی غلاموں کے ساتھ ۔ (سورۃ نسا ۔ ۳۰)

ح ۔ اور تمہارے غلاموں میں سے جو (فدیہ دے کر آزادی حاصل کرنے کا) معاہدہ کرنا چاہیں ان سے معاہدہ کر لو اگر تم ان کے اندر کوئی بھلائی پاتے ہو ۔ اور (اس فدیہ کی ادائیگی کے لئے) ان کو اللہ کے اس مال میں سے دو جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے ۔ (سورۃ نور ۔ ۳۳)

خ ۔ اور یہ جو تم سود دیتے ہو تا کہ لوگوں کے اموال میں اضافہ ہو تو اللہ کے نزدیک وہ ہر گز نہیں بڑھتا ۔ بڑھوتری تو ان اموال کو نصیب ہوتی ہے جو تم اللہ کے لئے زکوۃ میں دیتے ہو ۔ (سورۃ روم ۔ ۳۹)

د ۔ اور جن لوگوں نے ہمارے بخشے ہوئے رزق میں کھلے اور چھپے طریقہ سے خرچ کیا ۔ وہ ایک ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جس میں گھاٹا ہر گز نہیں ہے اللہ ان کے بدلے ان کو پورے پورے اجر دے گا بلکہ اپنے فضل سے کچھ زیادہ ہی عنایت کریگا ۔ (سورۃ فاطر ۔ ۲۹ ۔ ۳۰)

ڈ ۔ اور ان کے مالوں میں سائل اور نادار کا حق ہے ۔ (سورۃ ذاریت ۔ ۱۹)

ذ ۔ (اور دوزخ کی آگ سے محفوظ) وہ لوگ ہیں جن کے مالوں میں ایک طے شدہ حصہ ہے مدد مانگنے والوں اور محروم کے لئے (یعنی انہوں نے اپنے مال میں ان کا باقاعدہ حصہ مقرر کر رکھا ہے (سورۃ معارج ۔ ۲۴ ۔ ۲۵)

ر ۔ (اور نیک لوگ) اللہ کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں مسکین اور یتیم اور قیدی کو اور کہتے ہیں کہ ہم محض اللہ کی خوشنودی کے لئے تمہیں کھلاتے ہیں ۔ تم سے کسی بدلے یا شکریہ کے خواہش مند نہیں ۔ (سورۃ دہر ۸ ۔ ۹)

ڑ ۔ اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی اور بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے

منع کرتا ہے۔(سورۃ نحل۔۹۰)

ز۔اور وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں ؟ کہو کہ جو ضرورت سے زائد ہو۔(سورۃ بقرۃ۔۲۱۹)

16 ۔ یہ آیات مبارکہ ہیں جن کو مدنظر رکھ کر اسلام کی معاشی پالیسی تعین کی جائے گی۔اس وجہ سے دوسرے باب میں اسلامی فلسفہ حیات کے تحت مومن کی زندگی کے مقاصد پر بھرپور بحث ہو چکی ہے۔کہ ہم اپنے آپ کو مادیات کا غلام نہیں بناتے۔ہماری معاشی پالیسی اللہ کے احکام کے تحت تعین کی جائے گی اور یہ احکام بالکل واضح ہیں۔

## احکامات عدل واحکامات حاپ تول

17 ۔ احکامات عدل واحکامات ناپ تول کے بارے میں چند آیات قرآنی:۔

ا۔اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی اور بے حیائی اور ظلم وزیادتی سے منع کرتا ہے۔(سورۃ نحل۔۹)

ب۔اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو اللہ تمہیں بہت نصیحت کرتا ہے بیشک اللہ سنتا (اور) دیکھتا ہے۔(سورۃ نسا۔۵۸)

پ۔اے ایمان والو اخدا کے لے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔انصاف کیا کرو یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔(سورۃ مائدہ۔۸)

ت۔کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو گو وہ (تمہارا) رشتہ دار ہی ہو۔(سورۃ انعام۔۱۵۳)

ٹ۔انصاف کرو بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔(سورۃ مجرات۔۹)

ث۔اے قوم! ماپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں خرابی نہ کرتے پھرو۔(سورۃ ھود۔۸۵)

اور جب (کوئی چیز) ماپ کر دینے لگو تو پیمانہ پورا بھرا کرو اور (جب تول کر دو۔تو) ترازو سیدھی



رکھ کر تولا کرو۔یہ بہت اچھی بات اور انجام کے لحاظ سے بھی بہت بہتر ہے۔(سورۃ بنی اسرائیل ۳۵)

ج۔ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لئے خرابی ہے۔جو لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں۔اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں۔(سورۃ مطففین ۱تا۳)

چ۔کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اٹھائے بھی جائیں گے۔(یعنی) ایک بڑے سخت دن میں جس دن (تمام) لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔(سورۃ مطففین ۴تا۶)

ح۔اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہ ہو گیا۔(سورۃ احزاب۔۳۶)

خ۔کہہ دو کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم مانو۔اگر نہ مانیں تو اللہ بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔(سورۃ عمران۔۳۲)

18 ۔ یہ کچھ بیان کرنے میں مقصد یہ ہے کہ قرآن پاک ام الکتاب ہے سب اصغر و اکبر اس میں موجود ہے۔اور معاشی معاملات کے سلسلہ میں چند احکام قرآنی کا ذکر کر دیا گیا ہے۔کہ ہم نے غیروں سے نہ کچھ سیکھنا ہے نہ ان کی نقالی کرنا ہے۔

19 ۔ پہلے باب میں جو مادی ذرائع کے لئے فلسفہ کا ذکر کیا گیا ہے اس کے معاشی پہلو کا یہ خاکہ ہے۔آگے ہر ذرائع پر تفصیلی ہدایات ماہرین لکھیں گے۔اور اخلاقی فلسفہ کی جھلکیاں اور شریعت کے پہلو کی جھلکیاں پہلے باب میں دی گئی تھیں کہ علماء کے بائیس نکاۃ اور میثاق مدینہ کی 33 شقوں کی مدد سے تفصیلی ہدایات لکھی جائیں گی۔اور اب آگے کتاب کے ان ابواب کی وضاحتوں کے لئے چند ضمیمہ جات دیئے جا رہے ہیں، کہ قارئین کو یہ پہلو سمجھ آجائے کہ یہ عاجز بھرپور تحقیقات کر چکا ہے۔ہزاروں خطوط میں دینی جماعتوں، دانشوروں، اخبار نویسوں، فوجی افسروں وغیرہ عام لوگوں کو لکھ چکا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی ذمہ داری پوری کریں۔اور ان کا فرانہ نظاموں سے توبہ کریں۔نفس لوامہ اور نفس ملہمہ کے مرحلے اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں۔آیئے ہم اپنی 48 سالوں کی ذلت کی زندگی پر ندامت کریں۔اور اللہ کے سپاہی بن جائیں۔کریں۔

# 8 اکتوبر 94ء کے دینی جماعتوں کو خط کی جھلکیاں

8 اکتوبر 1994ء کو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ سعادت عطا کی، کہ میں دینی سیاسی جماعتوں کے سربراہوں کے نام لکھ کر، اور سپریم کورٹ، شرعی عدالت، پوری قوم خاص کر فوجی صاحبان، صحافیوں، دانشوروں اور دیگر علماء کرام کو ایک کھلا خط لکھوں۔ اور ان کو ان کی اللہ تعالیٰ کی طرف ذمہ داری یاد دلاؤں۔ اس خط کی کچھ جھلکیاں دی جارہی ہیں کہ یہ خط میری کتاب "شان حبیبؐ" میں ضمیمہ الف کی طور پر بھی شامل ہے۔ اور ویسے اللہ تعالیٰ نے مجھے اس خط کی ہزاروں کاپیاں تقسیم کرنے کی سعادت بخشی۔

2 - 12 نومبر 92 کو شرعی عدالت میں جو سیاسی یا فقہی گروہ بندی کے خلاف مقدمہ میں بیانات دیئے گئے اور وہ اخبارات میں شائع ہوئے، اس خط میں ان کا اختصار بھی ہے۔ کہ غیر ہمیں کافرانہ جمہوری نظام میں جکڑ گئے ہیں۔ ساتھ ہی ان غیروں نے بے دین بے کردار اور ابن الوقت لوگوں، قادیانیوں، اور چھپے قادیانیوں کی ایک "کھیپ" تیار کی، جس کو ہماری حکومت اور ہر شعبہ زندگی پر مسلط کر گئے اور آج تک یہ لوگ ہم پر "مسلط" ہیں۔ علاوہ ازیں وہ ذکر تھا کہ میں نے ۳۰ نومبر ۹۲ کو دینی جماعتوں کو جو ۵۷ صفحات کا ایک working paper بھیجا، کہ قرآن پاک اور سنت نبویؐ سے ثابت ہے کہ موجودہ جمہوری سیاسی نظام اسلام کی ضد ہے۔ جہاں لوگوں کو اللہ کا شریک بنادیا جاتا ہے۔ وطن کی پوجا ہورہی ہے، تو اس مسودہ کو اپنی سوچوں کا بنیاد بنا کر ان کافرانہ نظاموں سے توبہ کریں اور ہم سب مل کر اسلامی نظام تلاش کریں۔ جس کا خاکہ بھی ساتھ نتھی تھا۔

3 - علاوہ ازیں میں نے دینی جماعتوں کی طرف اپنی متعدد خطوط خاص کر ۲۰ جنوری ۹۳ کے خط کا ذکر کیا۔ کہ امریکہ والے غدار اسلام آصف نواز کو "ایوب ثانی" بنا کر ہم پر مسلط کرنا چاہتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کے مارشل لاء سے بچالیا ہے۔ اور سیاسی افراتفری کی پیشین



بینی کی تھی۔ کہ اسلامی طاقتیں متحد ہو کر اس "خلا" کو پر کریں۔ لیکن میری نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوا اور میں نے جو پیشین بینی کی تھی، کہ اکتوبر ۹۳ کے کافرانہ جمہوری انتخابات میں مسلمان جماعتیں بری طرح مار کھائیں گی۔ پھر ایسے ہی ہوا۔ اور اس کے بعد بھی میں نے خط لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے میری ساری پیشین بینیاں پوری کیں۔ اور دینی جماعتیں توبہ اور ندامت کریں۔ اور آگے اس کتاب کے ضمیمہ "ب" اور "ج" میں میری جن کتابوں پر تبصرے ہیں۔ یا ضمیمہ "د" میں میری جدوجہد میں جہاں ان کتابوں کی اشاعت کا ذکر ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے ان کی اشاعت کی راہ پیدا کی یا سبب بنایا، تو دینی جماعتیں ان کتابوں کو پڑھیں۔ اور اپنے لئے نشان راہ تلاش کریں۔

4 - علاوہ ازیں اس خط میں اپنے دفاعی نظام پر بھی پورے تبصرے تھے کہ ستمبر ۶۵ کی جنگ کے ایک بڑے کرتا دھرتا۔ ایئر چیف مارشل نور خان پر ستمبر ۹۴ میں جا کر وارد ہوتا ہے، کہ ہمارا دفاعی نظام ناقص ہے اور" کہتا ہے کہ ستمبر ۶۵ کی جنگ شروع کر کے پاکستان کے سربراہوں نے غلطی کی" بلکہ مایوسی بھی پھیلائی۔ اور ذوالفقار بھٹو کی سازشوں کے معاملہ پر سوالات کے باوجود پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔ لیکن یہ عاجز ان جنگوں سے پہلے اپنے بڑوں کو پیشین بینی کر کے ان کی غلطیوں سے آگاہ کر چکا تھا اور جنگوں کے بعد بھی حوصلہ افزاء سفارشات بھیجیں کہ نظام جہاد کو اپنا کر ہم عزت کی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

5 - بہرحال میں نے اس خط میں کوئی لگی لپٹی نہ رکھی اور یہاں تک گیا کہ مولانا کے لفظ سے وہ دستبردار ہوں کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ اور ڈیڑھ ڈیڑھ اینٹ کی مسجدیں بنا کر یہ لوگ اللہ اور رسولؐ کے ساتھ فراڈ کر رہے ہیں۔ اور رسول عربیؐ کے اسلام سے نابلد معلوم ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اس شیعہ، سنی، بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث وغیرہ کی فرقہ بندیوں سے توبہ کریں اور صرف مسلمان بنیں۔ ویسے فقہی گروہ بندی کا تو اسلام میں تاریخی طور پر بھی کوئی بنیاد بندھنے کا وجود نظر نہیں آتا۔ یہ تو بعد کے علماء۔ جب اپنی کم علمی کی وجہ سے کسی طریق وکار کا ثبوت نہ پیش کر سکتے، تو کسی الگ فقہ یا مسلک کی آڑ لے لیتے تھے۔ یا کچھ طبقاتی حسد کارفرما رہے تو ہم نے جو اپنے "اماموں" یا "لیڈروں" یا "پیروں" کو بہت اونچے

مقامات دے دیئے ہیں وہ سر آنکھوں پر ۔ وہ بڑے عظیم لوگ تھے اور میں ان سب کے پاؤں کی خاک کے برابر بھی نہیں ۔ لیکن بعض صاحبان غلو کر کے ان بزرگوں کو حضور پاکؐ کی نبوت میں "شرکت" دینے سے گریز نہیں کرتے ۔ اس کا قلع قمع کیا جائے اور ہم سب مل کر یہ نعرہ لگائیں کہ ہر زمانے میں "رہبر و رہنما مصطفیٰؐ مصطفیٰؐ" ہیں ۔ ہماری ایسی غلط رویوں سے کچھ لوگوں نے علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ کو بھی حضور پاکؐ کی نبوت میں "شرکت" دینا شروع کر دی ہے ۔ اور حضور پاکؐ کی بجائے سر سید کو دو قومی نظریہ کا بانی بنادیا ہے ۔ (نعوذ باللہ) بہرحال اس کتاب کے موجودہ بیانات کو بڑے اختصار کے ساتھ یہ عاجز اس خط یا متعدد اور خطوط کی مدد سے دینی سیاسی جماعتوں کی خدمت میں پیش کرتا رہا ہے ۔ اور اب کئی طریقوں سے یہ لوگ ملی یک جہتی کونسل کے نام یا کئی اور ناموں سے کچھ متحد ہونے کی کوشش کر رہے ہیں ۔ لیکن مجھے نہیں بلاتے یا اہمیت نہیں دیتے ۔ مجھے اس کی ذرا بھر پرواہ نہیں کہ میں سب کچھ اللہ اور رسولؐ کے لئے کرتا ہوں اور نہ مجھے شہرت چاہیئے نہ حکومت، کہ میری عمر اب زیادہ کام کی اجازت نہیں دیتی ۔ لیکن موجودہ صورت میں ان دینی جماعتوں کا طریق کار غلط ہے ۔ پہلی ضرورت اسلام کے نظریہ پر متحد ہونے کی ہے ۔ کہ کونسا اسلام، فرقہ بندی یا فقہی گروہوں والا اسلام ۔ یا رسول عربیؐ کا اسلام اور جو کچھ یہ لوگ آج تک کرتے رہے ہیں اس پر ندامت کریں ۔ دوسری ضرورت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی موجودہ تنظیموں کو توڑنے کا اعلان کریں ۔ اور صرف مسلمان بن کر منظم ہوں ۔ اور اب اس کتاب میں بیان شدہ نظام اسلام کا خاکہ بھی یہ عاجز ان لوگوں کی مدد کے لئے شائع کر رہا ہے ۔ اب آگے ان کی قسمت ۔ اسلام نہ جدید ہے اور نہ قدیم ۔ اس میں کوئی "مجدد" نہیں ہو سکتا ۔ شیخ احمد سرہندیؒ میرے سر کے تاج ہیں ۔ انہوں نے کبھی مجدد ہونے کا دعویٰ نہ کیا ۔ یہ بیسویں صدی کے عبدالحکیم سیالکوٹی کے دماغ کی اختراع ہے ۔ اور اب دیو بندی صاحبان ہر صدی کے لئے ایک مجدد کے دعویٰ دار بن گئے ہیں ۔ اجتہاد کے دروازے البتہ کوئی بند نہیں کر سکتا ۔ اس کا نام تجسس اور تحقیق ہے جس کے کچھ اصول ہیں ۔ اور تمام اصغر و اکبر علوم قرآن پاک میں موجود ہیں ۔ ان کو تلاش کرنے کی ضرورت ہے ۔ اور زمانے کی ضرورتوں یا مروجہ رواجوں کو مدنظر رکھ کر سب باتیں زمانہ حال کی زبان میں پیش کرنا ہوتی ہیں ۔ اور اس عاجز نے



اپنی تمام تر کتابیں خاص کر ضخیم کتاب "حضور پاکؐ کا جلال و جمال" شائع کر کے قوم کے لئے تحقیق اور تجسس کی بسم اللہ کر دی ہے کہ رسول عربیؐ کا اسلام کیا ہے ۔ اور اس کتاب میں مزید یہ بسم اللہ کر دی ہے کہ رسول عربیؐ کے اسلام کو کیسے نافذ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی نظام حکومت کے خدوخال کیا ہیں ۔ ہماری دینی جماعتیں اس اسلام سے نابلد ہیں ۔ ہم کہتے ہیں کہ اکیسویں صدی اسلام کی صدی ہے ۔ باقی نظام فیل ہو گئے ہیں ۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا فضل رحمن، سمیع الحق، نورانی، نیازی یا حسین احمد خواہ قاضی ہو یا حافظ اس سلسلہ میں دنیا کی رہنمائی کریں گے؟ خدارا میری ان تحقیقات کو پڑھیں ۔ اور رسول عربیؐ کے اسلام کو سمجھنے کی کوشش کریں جس میں قوت اور شوکت کا پیغام ہے ۔ تب ہی علامہ اقبالؒ پکار اٹھے "میں نہ عارف نہ مجدد، نہ محدث نہ فقیہ ۔ مجھ کو معلوم نہیں کیا ہے نبوت کا مقام ۔ لیکن وہ نبوت ہے مسلمانوں کے لئے برگ حشیش جس میں نہ ہو قوت اور شوکت کا پیام ۔"

6 ۔ علاوہ ازیں مولوی اور دینی جماعتیں "کوئیں کی مینڈکیں" ہیں ۔ انہوں نے ہمیں سیاسی گروہ بندی یا فرقہ بندی کے بغیر کچھ بھی نہیں "دیا" ۔ جہاد کو طرز زندگی کے طور پر اپنانے کے فلسفہ یا اسلامی نظریہ حیات سے نابلد یہ لوگ صراط مستقیم کی بجائے ہمیں پیچھے مڑنے یا انقلاب کے چکروں میں ڈال کر زمین یا مادیت میں "گھسیڑ" کر "حب الدنیا اور کراہت الموت" میں مبتلا کر رہے ہیں یہ دو رکعت کے امام نہ آزادی کے وقت نہ اب قوم کی رہنمائی کر سکے ۔ میں اپنے کام کو حرف آخر ہرگز نہیں کہتا ۔ یہ تحقیق کی بسم اللہ ہے ۔ اور ایماندار دانشوروں کو دعوت دے رہا ہوں کہ وہ لوگ اس تحقیق کے آگے بڑھائیں ۔ کہ ہم دنیا کے وارث ہیں ۔ ویسے مولوی میرا "ھیرو" بھی ہے ۔ کہ اسلام کے ساتھ کچھ وابستی تو ہے ۔ اور وہ "سوکھے" دانشوروں سے ہزار درجہ بہتر ہے ۔

7 ۔ اب لوگ پوچھتے ہیں کہ دینی سیاسی جماعتوں پر میرا "حملہ سیدھا" تھا ۔ ان کے لئے عزت نفس کی بات تھی ۔ یا اجتماعی طور پر ان کے ساتھ وابستہ لوگوں کے لئے ایک بڑا چیلنج تھا ۔ یہ لوگ، یہ سب کچھ کیسے برداشت کر گئے ۔ تو گزارش ہے کہ ان لوگوں نے اسلام کے نام پر ایک ایک ٹریڈ یونین بنائی ہوئی ہے ۔ اور ان کی پوزیشن وہی ہے جو گاؤں کی کسی مسجد کے مولوی کی

ہوتی ہے کہ یہ لوگ "ٹکڑے اڑا" رہے ہیں ۔ عزت نفس وغیرہ کے الفاظ ان لوگوں کی لغت میں نہیں ہیں ۔ نورانی صاحب اور ستار نیازی جب اکٹھے ہوتے تھے تو ایک جگہ ان کو نزدیک سے دیکھنے کا موقع ملا ۔ میں نورانی کے "حجاب اکبر" دیکھ کر حیران ہو گیا اور نیازی کو کہا کہ خدارا اس لیڈر سے امت محمدیؐ کو بچاؤ ۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ لیفٹیننٹ جنرل خواجہ اظہر اور میجر جنرل حافظ محمد حسین انصاری نے اتنی عمر فوج میں ضائع کی اور عام جہان دنیا کی "لیڈری" کے بارے بھی اتنے "کورے" ہیں کہ نورانی کو اپنا لیڈر بنالیا ۔ میں نے تو اپنے خط کی کاپی بھی نورانی صاحب کو دینا مناسب نہ سمجھی اور ہمارے محلہ میں ہمارے ایک بزرگ کی وفات پر جب اس نے "سیاست" بکھیرنی شروع کر دی ۔ تو میں نے اس کو "خاموش" کیا تھا، ستار نیازی میں جذبہ ہے لیکن اس نے اپنے سکول ٹیچر ہونے والے "بنیادی پیشہ یا رویہ" میں کوئی ارتقاء نہیں کیا اور میں نے ان دونوں لیڈروں کو کئی سال پہلے بتا دیا تھا ۔ کہ اس "برہمنوں" یا "پادریوں" والے نام کی پارٹی کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ۔ ہاں یہ لوگ حضور پاکؐ کی شان میں البتہ کوئی بے ادبی یا گستاخی نہیں کرتے ، تو چند محبان رسولؐ ان کے گرد اکٹھے ہو جاتے ہیں ۔ جس طرح لوگ طاہر القادری کے گرد اکٹھے ہو گئے تھے ۔

8 ۔ **طاہر القادری** ۔ طاہر القادری نے حضور پاکؐ کی شان کو سمجھنے کی کوشش کی تو بہت کچھ حاصل کر لیا ۔ اور اس کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تلوار عزت والی چیز ہے اور اسلام کے پھیلاؤ میں تلوار والوں نے بڑا کام کیا لیکن کسی تکبر کے چکر میں پڑ کر ایک طرف انقلاب لانے اور دوسری طرف عوام کا رہنما بننے پر اتنا زور دے دیا ۔ کہ اللہ تعالیٰ کی آمریت والی بات کو پس پشت ڈال دیا 89 ۔ 1988 میں بڑی خط و کتابت ہوئی ۔ میں نے اس کو سمجھایا کہ وہ گمراہی کی طرف جا رہا ہے ۔ اور جب وہ کچھ نہ مانا تو میں نے اس کو خط کی کاپی دیتے ہوئے معاملات رب نبی محمدؐ کے سپرد کر دیئے ۔ تو قادری نے اپنے ایک "پروردہ" سے مجھے طنز آمیز خط لکھوایا کہ میں اپنی "ولایت" کا اس پر رعب جما رہا ہوں ۔ تو اس عاجز نے صرف اتنی گزارش کی کہ میں تو ولایت کی الف، ب کو بھی نہیں سمجھتا ۔ میں نے تو قرآن پاک کا حکم مانا ہے ۔ کہ جب آپس میں کوئی فیصلہ نہ کر سکو تو معاملہ اللہ اور رسولؐ کے سپرد کر دو ۔ اور میں نے یہ کچھ کیا ۔ اس کے بعد



طاہر القادری جن چکروں میں رہا ۔ یا اب سیاست سے کنارہ کش ہو گیا ہے ۔ وہ بھی "دو رکعت کے اماموں" کی صف میں آ گیا ہے ۔ ساری خط و کتابت کی کاپیاں میرے پاس موجود ہیں ۔

9 ۔ **جمعیۃ العلماء اسلام** ۔ ہندو کانگرس کی ذیلی جماعت جمعیت العلماء ہند نے اب اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا ہے ۔ حالانکہ اس کا مفتی محمود، پاکستان بنانے کے "گناہ" میں شریک نہ تھا ان کا سیاسی اور دینی وارث فضل رحمن ، باپ کی اس بات پر فخر کرتا ہے ، اور آجکل بے نظیر کے ساتھ پتنگیں اڑا رہا ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ اس کو اب بھی ہدایت دیو بند کے ذریعہ سے بھارت سے ملتی ہے ۔ اور ایسے آدمی کو میں اسلام علیکم کہنے کو تیار نہیں ۔ تب ہی اس کے ایک "پروردہ" حافظ حسین احمد کو خط بھیجتا رہا ۔ جس نے ایک دفعہ رابطہ بھی باندھا ، تو میں نے حافظ حسین احمد کو کہا ، کہ فضل صاحب سے پیچھا چھڑاؤ اور امت محمدیؐ کو اس کے "شر" سے بچاؤ ۔ اس جماعت کے دوسرے گروپ کے سمیع الحق ، میرے جاننے والے ہیں ۔ کچھ معتدل آدمی ہیں ۔ لیکن اکوڑہ خٹک کے درس کے تعلیم یافتہ مولویوں کا ایک گروپ اور کچھ پنجاب کے دیو بندیوں نے یہ گروہ بندی سیاسی انعامات حاصل کرنے کے لئے اپنائی ہوئی ہے ۔ لیکن فضل اور سمیع کے گروہ "متحد" ہونے کو تیار نہیں ۔ البتہ فضل صاحب اور نورانی صاحب جو ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کو تیار نہیں ۔ وہ "غیر فطری سیاسی اتحاد" کر لیتے ہیں ۔ یہ ہیں ہمارے "مولانا" جن کو میں نے اس "خطاب" سے دستبردار ہونے کی گزارش کی ہے ۔

## جماعت اسلامی

10 ۔ اس جماعت کا بڑا گہرا مطالعہ کرنا پڑا ۔ میرا بڑا لڑکا ڈاکٹر محمد خالد ریاض ۱۹۶۹ء سے ان کے ساتھ کام کرتا رہا اور اب بھی ان سے متاثر ہے ۔ مودودی صاحب کے معاون خصوصی ملک غلام علی مرحوم میرے ہم مکتب اور علاقے کے تھے ۔ چودھری رحمت الٰہی کو بھی جانتا ہوں ۔ جماعت اسلام کے فاؤنڈر ممبر امین الدین اصلاحی اور غازی عبد الجبار جو بعد میں جماعت سے الگ ہو گئے ۔ ان میں اصلاحی صاحب کے ایک لڑکے کے ساتھ اور غازی جبار سے ذاتی تعلقات رہے ۔ مودودی صاحب نے بڑی اچھی تنظیم کی بنیاد ڈالی ۔ لیکن کسی اچھے ذہن یا بہتر فہم والے آدمی کو

اوپر نہ آنے دیا۔ تو معاملات طفیل صاحب کے ہاتھوں میں چلے گئے۔ جس نے یہ اعلان کر کے اپنا مذاق اڑاوایا کہ یحییٰ خان ملک کو اسلامی آئین دے گا۔ یا اب قاضی حسین احمد کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ "کہ ظالمو قاضی آگیا" جماعت اسلامی کو "پرورش" کرنے والے بھی بہت مل جاتے ہیں کہ چودہ کروڑ تو صرف نواز شریف کی حکومت نے دیا، کہ کشمیر کا جہاد جس کو مودودی صاحب "حرام" کر گیا تھا۔ اب وہ "حلال" ہو گیا ہے۔ آج میرے خط کے بعد حسین احمد کہہ رہا ہے کہ شاید اگلے انتخاب میں وہ حصہ نہیں لیں گے کہ یہ نظام خراب ہے۔ اگر یہی کچھ ۱۹۹۳ء میں کرتے تو بے نظیر کی بجائے نواز شریف وزیر اعظم ہوتا۔ یا کوئی اور تماشہ بن گیا ہوتا۔ کیونکہ یہ جماعت رسول عربیؐ کے اسلام پر عمل پیرا ہونے کو تیار نہیں۔ تو اتنے منظم لوگ اب صرف ٹریڈ یونین ہیں۔ اور کافی امیر جماعت ہے۔ تنخواہ دار گروپ کافی عرصہ یہی طریق کار اپنائے رکھے گا۔ اسلام لانا ان کے بس کی بات نہیں۔ میں ان میں پروفیسر خورشید کو بھی ایک دفعہ زبانی اور کئی خطوط سے سمجھا چکا ہوں کہ رسول عربیؐ کے اسلام کو سمجھیں۔ لیکن ان لوگوں پر اثر نہیں ہوتا۔

## متفرق

11 ۔ اور کس عالم یا مولوی کو خطاب کرتا۔ اہل حدیث کے سات گروہ ہیں۔ میں نے صرف ساجد میر کو خط لکھا ہے۔ اہل حدیث میں حافظ سعید کا گروہ کشمیر جہاد میں اچھا کام کر رہا ہے۔ ان کو بہت کچھ لکھ چکا ہوں۔ لیکن یہ لوگ بھی اپنی تنگ نظری پر نظر ثانی کرنے کو تیار نہیں۔ آج کل داعی تحریک خلافت چرب زبان ڈاکٹر اسرار جو کبھی مجلس شوریٰ کا ممبر بھی رہا۔ کبھی انقلاب کی غیر اسلامی بات کرتا ہے۔ کبھی سندھیوں کے ساتھ بے انصافی کی بات کرتا ہے کہ اتنا غیر مستقل مزاج آدمی میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ بشیر محمود کی کتاب "حیات بعد الموت" پر جو اوٹ پٹانگ تبصرہ کیا اس سلسلہ میں یہ عاجز اس کو ایک خط لکھ چکا ہے جس کا اس نے جواب نہیں دیا۔ اور یہ تبصرہ اب کتاب سے حذف کیا جا رہا ہے۔ اور نہ وہ اور نہ تلمیذ قرآن کا داعی ڈاکٹر نصیر احمد ناصر میرے کسی خط کا جواب دینے کو تیار ہے۔ کہ ان کا ہر مضمون اور وعظ تضاد سے بھرا ہوتا ہے آغا مرتضیٰ پویا کو اس لئے خطاب کرتا ہوں کہ مسلم اخبار کو مسلم بناؤ۔ اور اہل تشیع نے جو فقہ جعفریہ کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ وہ فقہ حنفیہ کی ڈیمانڈ کے خلاف رد عمل ہے۔



ورنہ پانچ فی صد آبادی والے اہل تشیع کا فقہ پورے ملک میں کیسے نافذ ہو سکتا ہے۔ تو مرتضیٰ پویا کے ذریعہ سے اہل تشیع کو سمجھاتا ہوں کہ آیئے ہم فقہ محمدیؐ کا نفاذ کریں جو نظریہ جہاد کا دوسرا نام ہے۔ بد قسمتی سے اہل تشیع اصحاب ثلاثہؓ کے سلسلہ میں حضرت علیؓ کی سنت کو بھی نہیں اپناتے۔ اور ان عظیم بزرگوں کو معاویہ صاحب کے برابر لا کھڑا کرتے ہیں اور اہل سنت جو دراصل سنہ جماعت (جماعت والے سال) کی پیداوار ہیں وہ معاویہ صاحب کو حضرت علیؓ کے برابر لے آتے ہیں۔ اور عاشق رسولؐ جناب ابو طالبؓ کے اسلام پر شک کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ان باتوں کو بھول جاؤ اور ہم سب یہ نعرہ لگائیں "رہبر و رہنما مصطفیٰ"

12 ۔ میں اپنی خلفاء راشدین کی کتابوں میں امیر معاویہ صاحب کے دفاع میں بھی بہت کچھ لکھ چکا ہوں۔ اور یہاں تک چلا گیا کہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا تھا کہ اولاد رسولؐ جو اولاد علیؓ بھی تھی ان کے دامن کو "دنیاوی بادشاہی" سے گندہ کرتا۔ اور بغیر اس بادشاہی کے انہوں نے "شاہ جی" کہلانا تھا۔ اور اس ضرورت کیلئے اللہ تعالیٰ نے امیر معاویہ کی سیاست کو مشیت ایزدی کے طور پر استعمال کیا کہ ان کے بغیر کوئی دوسرا آدمی شاید یہ کام کر ہی نہ سکتا۔ یہ لکھ چکنے کے بعد آہستہ آہستہ خیالات میں تبدیلی آتی گئی کہ حضور پاکؐ کے فرمان کے مطابق جناب عمارؓ بن یاسرؓ کو باغیوں نے شہید کیا۔ تو امیر معاویہ۔ باغی تھا۔ امیر معاویہ نے عمرو بن عاص سے جناب محمدؓ بن ابو بکرؓ کو گدھے کی کھال میں سلوا دیا۔ اور امت محمدیؐ پر اپنے فاسق و فاجر بیٹے کو مسلط کر گیا۔ جو اتنی خراب مثال ہے کہ اب بھی ہم اس بلا سے چھٹکارا حاصل نہیں کر رہے۔ تو کیا سب خراب مثالوں کا بانی انہوں نے ہونا تھا؟

13 ۔ امیر معاویہ نے حضرت علیؓ پر تبرا بھجوایا۔ میں امیر معاویہ پر تبرا نہ بھیجوں گا۔ کہ لوگ کہتے ہیں صحابہ کرامؓ کی عزت کرنا چاہیے۔ جس نے خود صحابہ کرامؓ کی عزت نہ کی۔ اس کے بارے میں اس کا معاملہ اس اور اس کے خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ لیکن اب معاویہ صاحب کی سیاست میں اسلام کی کوئی بات مجھے نہیں نظر آتی۔ اگر میں غلط ہوں تو مجھے ٹھیک کیا جائے۔ مجھے اہل تشیع کے ایک دوست کی بات بڑی پسند ہے کہ وہ لوگ تو حضرت عمرؓ کے اسلام پر چلنے کو تیار ہیں۔ خدارا اس معاویہ کے اسلام سے وہ دور رہنا چاہتے ہیں۔ تو ایک اور ثبوت آگیا کہ سیاست کی اسلام میں کوئی جگہ نہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

# کتاب "حضور پاک کا جلال و جمال" وضاحت اور تبصرے

فقر جنیدؒ و بایزیدؒ تیرا جمال بے نقاب — شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کا نمود

## کتاب لکھنے کا مقصد۔ رسول عربی کا اسلام کیا ہے اور اس کو کیسے نافذ کیا جائے

## پیر کرم شاہ کا تبصرہ

یہ کتاب مصنف کی کتاب جلال مصطفیٰ" کا وسیع تر (مقابلتاً ضخامت تین گنا) اور نظر ثانی شدہ ایڈیشن ہے۔ کہ جلال کے پہلو پر بھی نظر ثانی کے علاوہ بہت زیادہ اضافے ہیں۔ گو جمال کا پہلو پہلی دفعہ بیان کیا جارہا ہے۔ پیر صاحب کرم شاہ الازہری جج سپریم کورٹ کا کتاب۔" جلال مصطفیٰ" پر تبصرہ کا اختصاریہ ہے۔"اس کتاب کا مخصوص پہلو یہ ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ پر بڑے انوکھے انداز سے اظہار خیال کیا گیا ہے۔ میں نے حضور پاکؐ کے غزوات پر بڑے قابل قدر مصنفین کے نگارشات پڑھے تھے۔ لیکن اس مصنف نے جس اچھوتے انداز میں اس مضمون پر حقیقت افروز تبصرے کیئے ہیں، وہ انفرادی حیثیت کے حامل ہیں۔ زمینی حالات کا جائزہ، اپنی مرضی کے میدان جنگ کا انتخاب، قلیل لشکر سے دشمن کے برتر لشکر کو شکست دینا، دشمن کو زمان و مکان کے تحت ایسی جگہ پر صف آراء ہونے پر مجبور کرنا کہ اس کی عددی اور اسلحہ کی برتری ناکارہ ہوجائے وغیرہ۔ غزوات نبوی کی ایسی خصوصیات کسی اور کتاب میں نہیں ملتیں اور میرے کئی سابقہ تصورات ہی درہم برہم ہوگئے۔ کہ میں بھی جنگ احد کو مسلمانوں کی شکست سمجھتا رہا۔ لیکن مصنف نے قرآن پاک کے حوالوں یا جائزوں سے اس جنگ میں حضور پاکؐ کی جنگی مہارت اور عقبریت کو جس طرح بیان کیا، اس جیسی انسان کی جنگی تاریخ



میں مثال نہیں ملتی، کہ شکست ابو سفیان کی تھی جو نامراد لوٹا۔ اور ایسا سب کچھ اپنے وسائل سے کرنا۔ وغیرہ۔ اس کتاب میں تمام مسلمان ممالک کے لئے نشان راہ ہے۔"

نوائے وقت اخبار کی بصیرت کالم لکھنے والے ملک کے عظیم مفکر میاں عبدالرشید مرحوم کے مطابق مصنف نے کتاب کا لفظ لفظ حضور پاکؐ کے عشق میں ڈوب کر لکھا۔

## جنرل ڈار کا تعارف

۲۔ کتاب ہذا کا تعارف لکھنے اور مصنف کو روشناس کرانے کی سعادت، پاکستان کی بری فوج کے محسن مرحوم و مغفور میجر جنرل احسان الحق ڈار کو نصیب ہوئی۔ جنہوں نے چھ صفحات میں بہت کچھ لکھا، کہ ان کے مطابق وہ اپنے آپ کو کتاب کے مضمون پر بحث کے قابل تو نہ سمجھتے تھے بلکہ ان کو جو عزت دی گئی کہ وہ پیش لفظ لکھیں اور ان کو جو حضور پاکؐ کی خاک راہ سے مستفیض ہونے کا شرف ملا۔ اس کے تحت انہوں نے لکھا، کہ کتاب کی علمی اور عقلی افادیت سے قطع نظر انداز بیان اس قدر پیارا ہے کہ خود بخود دل میں تحریک پیدا ہوتی ہے، اور آنکھوں میں طوفان اٹھتا ہے۔ کہ قلب و نظر کی یہ کیفیت بیان کرنا مشکل ہے۔ اسلامی فلسفہ حیات کے بارے بیان عملی نقطہ نظر سے کسی داستان پارینہ کے سایہ کے طور پر نہیں، بلکہ روزمرہ کی سائنسی اور تکنیکی تصادم کو مدنظر رکھ کر ان کے خیال کے مطابق پہلی دفعہ پیش کیا جارہا ہے۔ اور یقیناً اسلامی دفاع (یعنی نظریہ جہاد کا عملی پہلو) تو پہلی مرتبہ پیش کیا گیا ہے۔

## ترتیب

۳۔ کتاب" جلال مصطفیٰ" کے کل آٹھ ابواب تھے۔ اور ساتھ ایک ضمیمہ تھا۔ لیکن اس نئی کتاب کے تعارف اور پیش لفظ کے ابواب کے علاوہ ستائیس مزید ابواب ہیں۔ سترہ متعلقہ نقشے اور پانچ چارٹ یا خاکے ہیں۔ تمام ابواب کو ایک دوسرے کے ساتھ رابطوں میں باندھ دیا گیا ہے۔ اور کسی باب کے اندر جہاں کوئی متعلقہ پہلو مختصر یا چند الفاظ میں ہے، وہاں ساتھ یہ بھی لکھ دیا ہے کہ اس، کی باقی تفصیل کس باب میں ہے۔ یعنی جس طرح قرآن پاک اپنی تفسیر آپ ہے یا احادیث مبارکہ۔ کے ذریعہ سے با مقصد نظریات۔ کو اجاگر کیا جاتا ہے تو ان طرق وکار کی

نقل کرنے کی ادنیٰ کوشش کی گئی ہے۔

## وضاحتیں

۴۔ پیش لفظ مصنف نے خود لکھا۔ جس میں کتاب لکھنے کے مقاصد، ترتیب، کتاب کے نام کی وجہ تسمیہ کے بیانات کے علاوہ کہتا ہے کہ ماضی کو حال کی زبان میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ مستقبل کے لئے نشان راہ تلاش کی جائے۔ وہ پس منظر کی پوری تصویر کھینچتا ہے کہ کتاب کے ماخوذ کیا ہیں۔ تمام پرانی تاریخوں اور احادیث مبارکہ کی کتابوں اور راویوں پر بھرپور تبصرے کرتا ہے۔ بلکہ موجودہ زمانے کے حضور پاکؐ پر لکھی گئی کتابوں کا ذکر کر کے واضح کرتا ہے کہ رسول عربیؐ کے اسلام پر کب اور کیسے کیسے پردے پڑتے رہے اور ان کو کیسے ہٹایا جاسکتا ہے۔ مصنف اپنے تمام تر تبصروں اور جائزوں کو قرآن پاک کے بیان شدہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تابع کر دیتا ہے۔ اور جہاں غلط العام واقعات کی نشاندہی کرتا ہے وہاں بھی سند میں قرآن پاک کے حوالے پیش کرتا ہے اور کچھ احادیث مبارکہ کو مثال کے طور پر پیش کرتا ہے کہ یہ قرآن پاک کے الفاظ سے مطابقت نہیں رکھتیں۔

## ابتدائی ابواب

۵۔ کتاب کا پہلا باب یا ابتدایہ دراصل اسلامی فلسفۂ حیات یا مومن کے مقصود حیات کا مختصر بیان ہے کہ ہم کیا ہیں کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں یعنی صراط مستقیم کیا ہے۔ اس میں مقصد یہ ہے کہ قاری آگے کتاب میں بیان شدہ واقعات اور جائزوں و تبصروں کو اس تناظر میں سمجھے یا پرکھے اور جنرل ڈار مرحوم و مغفور اس سے بہت متاثر ہوئے۔ دوسرا باب اسی بیان شدہ صراط مستقیم اور رہبری کی وضاحت ہے۔ اس باب کو قصص الانبیاء بھی کہہ سکتے ہیں کہ تمام جانے پہچانے انبیاء کی زندگی کے تاریخی اور روحانی پہلو کے ذریعہ سے وضاحت کی گئی ہے کہ خیر کس کو کہتے ہیں۔ اس سے اگلا یعنی تیسرا باب شر یا باطل فلسفوں اور گمراہی پر ہے کہ بے شک اسلام کے لحاظ سے خیر و شر دونوں کا ایک اللہ ہے۔ اور اس باب میں شر کی ابتدا شیطان اور اس کے چیلوں کی کارکردگی، ان کے اثرات، گمراہی اور باطل فلسفوں کو زمانہ حال کی زبان میں آج تک موجودگی اور ہمارے ان کو اپنا لینے کی مکمل کہانی ہے۔



## تاریخ عالم اور روحانی پہلو

۶۔ کتاب کا چوتھا باب بعثت رسولؐ کے وقت کے تاریخ عالم اور دنیا و جہان کے ساتھ جغرافیائی تانے بانے ملاتا ہے جہاں اس وقت تک کی دنیا کی تمام بڑی بڑی سلطنتوں پر مختصر تبصرے ہیں اور اس زمانے کے حالات کو بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ سب نقشہ اول میں دکھایا گیا ہے۔ ساتھ ہی روحانی پہلو کی وضاحت کے لئے نقشہ دوم ہے جس میں حضرت ابراہیمؑ پیغمبر کے راہ حق میں سفر اور حضرت اسمٰعیلؑ کے مکہ مکرمہ (خانہ کعبہ) میں آباد ہونے کے خاکے ہیں۔ یہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ اس باب میں تاریخ عالم اور روحانی پہلوؤں کو شیر و شکر کر دیا ہے۔ پانچویں باب میں حضور پاکؐ کی ولادت سے نبوت تک اہل مکہ اور سرزمین کے تمام عرب قبائل کے مختصر حالات کو نقشہ سوم کی مدد سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کے زمانے سے حضور پاکؐ کی بعثت کا تاریخی پہلو کیا تھا اور معاشرے کا رنگ کیا تھا۔ ساتھ ہی شجرہ نسب کے تین خاکے ہیں جن کو ایک نظر دیکھنے سے تمام قبائل اور حضور پاکؐ اور عظیم صحابہ کرامؓ کے سب آباؤ اجداد کی پہچان سے اگلے تمام بیانات سمجھنے آسان ہو جاتے ہیں۔ کہ ان تین صفحات کے خاکے وہ کچھ بیان کرتے ہیں جو چالیس صفحات میں بھی بیان نہ کیا جاسکتا۔

## جمال مصطفیؐ

۷۔ کتاب کا چھٹا باب شخصیت کی تکمیل کے بعد آفتاب رسالتؐ کے طلوع اور اس کے اثرات پر ہے اور دیدار عام کے جمال کی جھلکی کے اثرات جن تقریباً سو کے قریب صحابہ کرامؓ پر ہوئے ان سب کے خاندانوں سمیت حالات کے علاوہ تمام مخالفین اور ان کے خاندانوں کے حالات ہیں بلکہ مخالفین کا ایک الگ خاکہ پر شجرہ نسب بھی دیا گیا ہے۔ ساتویں باب میں حضور پاکؐ کی مکی زندگی کے جمال کی جھلکیوں کو بہت وسعت کے ساتھ قرآن پاک کے نزول کے حوالوں کی مدد سے بیان کیا گیا ہے۔ تمام مکی سورتوں کے فلسفہ اور واقعات کو شیر و شکر کر دیا گیا ہے کہ معراج کے ساتھ نبوت کی تکمیل ہوئی اور تان اس پر ٹوٹتی ہے۔

نہ ہو جلال تو حسن و جمال بے تاثیر      نرا نفس ہے اگر نغمہ ہو نہ آتشناک

## غیروں کی سازش

۸۔ حضور پاکؐ کے جلال کی جھلکیاں تو مکی زندگی میں بھی دیں۔ لیکن اب اجتماعی جلال کا وقت آگیا تھا۔ جس کو سن کر آج بھی لنڈن اور واشنگٹن والے تھرتھرا جاتے ہیں یہاں مصنف پروفیسر آرنلڈ اور غیروں کی اس سازش سے بھی پردے اتارتا ہے کہ وہ سب لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمان صرف مکی زندگی پر کاربند رہیں اور مذہب ہر کسی کا ذاتی اور نجی معاملہ رہے اور وہ تمام سازش والے مکی زندگی سے اپنے آپ کو متاثر بتاتے ہیں۔ ان کی دشمنی اسلام کے دین ہونے سے ہے۔ اور مصنف ثابت کرتا ہے کہ غلام کذاب کی سازش ہو یا سرسید یا الطاف حالی ہوں۔ یا آج کی ہماری تبلیغی جماعت ہو۔ یہ سب اس سازش یا اس سازش کے اثرات کے تحت کام کر رہے ہیں بلکہ اس سازش کے اثرات علامہ شبلیؒ، سید سلمان ندویؒ، مودودی صاحب، اخبار نوائے وقت اور آج کے تقریباً سب سیاستدانوں، علماء، دانشوروں، ادیبوں اور صحافیوں پر بھی ہیں۔

## فلسفہ ہجرت اور روحانی وحدت

۹۔ اس تناظر میں مصنف آٹھواں باب ہجرت اور فلسفہ ہجرت پر لکھتا ہے جو باب اپنی قسم کا آپ ہے۔ کہ اس پہلو پر آج تک کوئی مواد نہیں ملتا۔ کہ ہجرت پناہ یا حب الدنیا کے لئے نہیں کی جاتی۔ بلکہ عہد و پیمان کے تحت اس میں کچھ مقصود ہوتے ہیں۔ جو اس ہجرت کی مدد سے حاصل کئے جاتے ہیں۔ مصنف بیعت عقبہ اول اور عقبہ ثانی۔ ان کے شرکاء ان کے الفاظ اور واقعات کو اس تفصیل سے بیان کرتا ہے کہ آدمی حیران ہو جاتا ہے کہ ہماری تاریخیں ان واقعات سے کیوں خالی پڑی ہیں۔ حبشہ اور مدینہ منورہ کی ہجرتوں کا موازنہ کرتا ہے۔ ساتھ بھارت کے مسلمانوں اور افغانستان کے مسلمانوں کی ہجرت کے موازنہ کے ذریعہ امت کے لئے صراط مستقیم کی نشاندہی کرتا ہے۔ نواں باب مدینہ منورہ کے زمینی، تزویراتی، تدبیراتی جائزوں کے تحت مدنی سورتوں کی مدد سے مدینہ منورہ کے ایک فوجی مستقر کے طور پر پیش کرنے کے علاوہ مصنف واضح کرتا ہے کہ تمام تر کارروائی روحانی وحدت و اندرونی وحدت کے نظریاتی پہلو کا شاہکار ہے۔ کہ سیاسی وحدت کے لئے میثاق مدینہ کی ۳۳ شقیں تبصرے کے ساتھ بیان ہیں۔



اور ہماری موجودہ تاریخوں میں کل پانچ چھ شقیں نظر آتی ہیں۔ علاوہ ازیں یہاں جنگ بدر سے پہلے کی آٹھ فوجی کارروائیاں بھی نقشہ چہارم کی مدد سے بیان کی گئی ہیں۔ کہ فوجی لحاظ سے مدینہ منورہ موزوں ترین عسکری مستقر تھا۔

## جلال مصطفیؐ

۱۰۔ کتاب کا دسواں، بارھواں، چودھواں، سولھواں، اٹھارواں، انیسواں، بیسواں اور اکیسواں ابواب کتاب "جلال مصطفیؐ" کے آٹھ نظر ثانی شدہ ابواب ہیں جن میں سے ہر ایک باب کو تقریباً ڈیڑھ گنا وسعت دے دی گئی ہے اور جلال مصطفیؐ کے نو نقشوں کہ اب کتاب میں نقشہ پنجم، ہفتم، ہشتم، دہم، دوازدہم، پانزدہم اور ہفت ازدہم کے طور پر دکھایا گیا ہے۔ یہ سب بالترتیب جنگ بدر، جنگ احد، جنگ خندق، جنگ حدیبیہ، صلح حدیبیہ و جنگ خیبر، جنگ موتہ جنگ حنین وطائف اور تبوک کے مہم کی کہانیاں ہیں۔ دراصل کتاب جلال مصطفیؐ جس سے پیر کرم شاہ اتنے متاثر ہوئے وہ اتنا کچھ ہے۔ اس کتاب میں حضور پاکؐ کے زمانے کی باقی مہمات کو تین چار صفحات پر کتاب کے ایک ضمیمہ میں بیان کیا گیا تھا۔ لیکن اب ان واقعات کو ترتیب کے ساتھ اپنے وقت کے لحاظ سے نویں، گیارھویں، تیرھویں، پندرھویں، اور سترھویں ابواب میں پانچ نقشوں (چہارم، ششم، نہم، یازدھم، اور سیازدہم) کی مدد سے پورے تدبیراتی اور تزویراتی جائزوں کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ "تو مصلحت در دین ما جنگ شکوہ" کا مولانا رومی کا فرمان صحیح طور پر سمجھ میں آتا ہے۔

## اسلام کا پھیلاؤ اور وفود کی آمد

۱۱۔ کتاب کا بائیسواں باب۔ وفود کی آمد کی کہانی ہے جس کو چوتھے باب میں بیان شدہ قبائل کے تعارف اور نقشہ سوم میں قبائل کی نشاندہی کے ساتھ شیر و شکر کر دیا ہے۔ یہ ۹۸ وفود ہیں۔ اور ہماری آجکل کی کتابوں میں تاریخ کے طور پر سات، آٹھ وفود کا ذکر ملتا ہے کہ ہاں وفد بھی آئے تھے۔ یہاں مدینہ منورہ میں وارد ہونے والے ہر وفد کی تعداد اور تزویراتی پہلو کا بیان ہے کہ کس مہم یا جنگ کے اثرات یا تبلیغ کی وجہ سے ایسے وفود آئے اور مختلف عقائد اور روایات رکھنے

والے لوگوں کو حضور پاکؐ نے کس طرح اللہ کی فوج بنا دیا کہ آپؐ کے غلاموں نے چند سال
میں پوری دنیا فتح کر ڈالی۔

## سربراہان ممالک کو دعوت اسلام

۱۲۔ کتاب کے تیئیسویں باب میں جانی پہچانی دنیا کے سربراہان ممالک اور عرب کے بڑے بڑے
خود مختار قبائل کے سربراہوں کو دعوت اسلام دینے کے پیغامات کی تفصیل ہے۔اس باب کے
تانے بانے چوتھے باب اور نقشہ اول سے ملائے گئے ہیں۔کہ بعثت رسول کے وقت تاریخ و
جغرافیہ کے تانے بانے اور امت واحدہ یا نیو ورلڈ آرڈر شیر و شکر ہو جائیں۔چوبیسواں باب
دیدار عام کے آخری ایام کی جھلکیاں دیتا ہے جس میں حجتہ الوداع کے علاوہ حضور پاکؐ نے
زمانے کو جو تسلسل دیا اس کو پس منظر کی مدد سے اختصار کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے کہ دین
کی تکمیل ہو گئی۔اور مصنف نے جگہ جگہ حضور پاکؐ کی شان کے سلسلہ میں بہت عاجزی پر زور
دیا ہے کہ جب یار غار بھی عاجز ہے تو ہم کو اور عاجزی کرنا چاہیئے۔

## نظریہ جہاد

۱۳۔ پچیسواں باب اسلام کے فلسفہ دفاع یا نظریہ جہاد کے عملی پہلو پر ہے۔جس پر جنرل ڈار
مرحوم و مغفور کا تبصرہ بیان ہو چکا ہے۔یہ باب قرآن پاک کے احکام کا اس سلسلہ میں نچوڑ ہے۔
کہ جہاد مسلمانوں کیلئے طرز زندگی ہے۔اور یہاں فتووں سے کام نہیں چلتا۔اسکے لئے تیاری ہر
وقت جاری رہتی ہے۔گو مصنف نے یہاں سب کچھ قرآن پاک اور سنت کے حوالوں سے لکھا
ہے اور تاریخی مثالوں سے واضح کرتا ہے کہ اس فلسفہ پر پردے کیسے ڈالے گئے اور اب بھی
سازش کیا ہے۔تب ہی وہ مودودی صاحب کی کتاب جہاد فی الاسلام کو قرآن پاک اور سنت
کے حوالوں سے اسلام کے ساتھ ایک بڑا مذاق کہتا ہے۔چھبیسواں باب دراصل اختتامی
وضاحت ہے جہاں اسلام کے نظام حکومت، حاکم وقت اور لوگوں کی ذمہ داریوں کی جھلکیاں اور
خاکے ہیں۔اور مصنف ثابت کرتا ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں اسلام نے کوئی نظام حکومت نہیں
دیا۔وہ لوگ اسلام کو دین نہیں سمجھتے۔اس کے بارے میں آگے وہ کہتا ہے کہ ان خاکوں میں



"ماہرین" رنگ بھر سکتے ہیں۔اور مصنف ایسی تفصیل میں نہیں جا سکتا۔ستائیسواں باب
"مومنیت" پر ہے کہ مصنف کچھ ہستیوں کی شکر گزاری کو بیان کرتا ہے۔

## اللہ کی رحمت جوش میں

۱۴۔ اللہ تعالیٰ کے راز نرالے ہیں۔پیر کرم شاہ اور مولانا سمیع الحق کی سفارشات کی نہ پرواہ
کرتے ہوئے ضیاء الحق اور اس کے دوست چھپے قادیانی جسٹس آفتاب نے کتاب "جلال مصطفیٰ"
کی سول میں تو پذیرائی نہ ہونے دی۔لیکن اس سے پہلے یہ بری فوج کی ہر یونٹ میں پہنچ چکی تھی
اور ۱۹۹۲ء میں فوج کے ہر خطیب کو یہ کتاب خاص مطالعہ کے لئے دی گئی ہے۔اور دونوں
ایڈیشن فوج میں جگہ جگہ پہنچ چکے ہیں۔اگر اسی زمانے میں سول میں بھی پذیرائی ہو جاتی، تو شاید
مصنف کتاب کے آٹھ ابواب کو اب ستائیس ابواب تک یہ وسعت نہ دیتا۔لیکن مصنف اس
نئی کتاب کی اشاعت کی کوئی امید نہ رکھتا تھا اور کہتا تھا اس نے جو لطف اٹھانا تھا وہ تحقیق
کرتے کرتے اٹھا لیا۔اب آگے "سائیں دی مرضی" اور یہ بات جون ۹۳ میں اپنی ایک تصنیف
میں لکھی تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آ گئی۔(کتاب پنڈورا باکس کے صفحہ ۱۰۴ سے استفادہ کریں)
۱۵۔ کتاب ہذا پر چند بزرگوں کے تبصروں کے کچھ اختصار پیش کئے جاتے ہیں۔

## بریگیڈیئر صدیق کا تبصرہ

۱۶۔ بیاسی سالہ بریگیڈیئر صدیق ستی ایک بہت بڑے سکالر اور کشمیر کے پہلے جہاد کے ہیرو ہیں۔
وہ لکھتے ہیں" میں علامہ یوسف عبداللہ، مولانا آزاد اور مولانا اشرف علی تھانوی کی لکھی ہوئی
قرآن پاک کی تفسیریں پڑھ چکا ہوں۔لیکن یہ کتاب قرآن پاک کی بہتر اور عملی تفسیر ہے اور
ایسا کام کوئی ولی اللہ ہی کر سکتا ہے۔" اسلام کے یہ عظیم فرزند جو قرآن پاک کی انگریزی میں
تفسیر لکھ رہے تھے اکتوبر ۹۵ میں وفات پا گئے ہیں۔

## جنرل امیر حمزہ کا تبصرہ

۱۷۔ ستمبر ۱۹۶۵ء اور دسمبر ۱۹۷۱ء کی دونوں جنگوں میں سلیمانکی محاذ پر بھارت کے کئی مربع میل
کے علاقوں پر قبضہ کرنے والی افواج کے کمانڈر میجر جنرل امیر حمزہ ھلال جرأت، ستارہ جرأت

نے بری فوج کے چیف آف سٹاف جنرل وحید کو اپریل ۱۹۹۴ء میں ایک خط لکھا" کہ ان دنوں جو فوجی بارکوں اور چھاؤنیوں میں جگہ جگہ "ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ" کے بورڈ لگے ہوئے ہیں۔ یہ ایک لیپاپوتی ہے کہ ان باتوں کو ہماری فوج میں کوئی بھی نہیں سمجھتا کہ ان پر عمل کیسے کریں" ان پہلوؤں کو سمجھنے کے لئے، غیروں کے تزویراتی اور تدبیراتی فلسفہ جنگ کی نقالی کی بجائے، ہمیں سب کچھ اپنے رہنما حضرت محمد مصطفیٰؐ کی سنت سے سیکھنا ہوگا۔ اور یہ باتیں کتاب "حضور پاکؐ کے جلال و جمال" میں بڑی خوبصورتی سے بیان کی گئی ہیں۔ آپ کے سب فوجی افسروں کو یہ کتاب پڑھنا چاہیئے۔" جنرل وحید نے میجر کے عہدہ پر جنرل حمزہ کے ماتحت کام کیا تھا۔ لیکن یہ بدقسمت انسان، اور اس کا پرائیویٹ سیکرٹری بریگیڈیئر افضل بدقسمت ہی رہے۔ بلکہ یاددہانی کے باوجود انہوں نے اس کتاب کے ملنے کو بھی اکنالج نہ کیا، جو جنرل امیر حمزہ نے ان کو تحفتاً بھجوائی تھی۔

۱۸۔ جنرل امیر حمزہ نے پاکستان آرمی جرنل کے ایڈیٹر کو خط لکھ کر سختی سے تاکید کی کہ غیروں اور کافروں کے تجربات سے اس جرنل کو ناپاک کرنے کی بجائے ہمارے حضور پاکؐ نے جو فلسفہ جنگ پر احسان فرمایا ہے۔ اس کو کتاب "حضور پاکؐ کے جلال و جمال" سے نقل کر کے اپنے جرنل کے صفحات کو معطر اور منور کرے۔ لیکن افسوس کسی اوپر کی سازش کی وجہ سے یا خود ایڈیٹر کرنل غلام جیلانی کا رویہ کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا۔ غلام جیلانی بے چارہ حضور پاکؐ کی شان کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ تو میں نے پاکستان آرمی جرنل میں مضمون لکھنے بند کر دیئے ہیں۔

۱۹۔ جنرل موصوف نے ایک لمبے چوڑے خط میں مجھے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ یہ کتاب لکھ کر میں نے امت مسلمہ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ پھر کتاب کے لفظ لفظ کو سراہتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کے مطابق مفکر اسلام مولانا رومیؒ نے جس طرح فرمایا "مثنوی و معنوی ہست قرآن در زبان پہلوی"۔ میں شاعر تو نہیں لیکن کچھ الفاظ زبان سے نکل پڑے ہیں جو یہ ہیں۔

یہ کتاب کیا ہے حضور پاکؐ کا جلال و جمال      بیان سیرت مصطفیٰ باصفا و با کمال



## سید شبیر حسین کا تبصرہ

۲۰۔ اسلام کے عظیم فرزند، پاکستان کے مایہ ناز اور اس وقت شاید ملک کے سب سے زیادہ عمر رسیدہ صحافی اور درجن سے زیادہ کتابوں کے مصنف سید شبیر حسین لکھتے ہیں۔

" حضور پاکؐ کے جلال و جمال جیسے حقیقت پسندانہ تجزیوں اور بامقصد تحقیق والی کوئی اور کتاب میری نظروں سے نہیں گزری۔ مصنف نے نہایت جرأت کے ساتھ جہاد کے اسلامی تصور سے وہ تمام پردے اتار دیئے ہیں جو مسلمان علماء اور دانشوروں نے اپنی آرام طلبی، بزدلی اور کوتاہ بینی کی بنیاد پر ڈال رکھے تھے۔ وہ کہتا ہے کہ مولوی نے جہاد اور قتال کو دو مختلف شعبوں میں ڈال دیا ہے، کہ عام مسلمان خون کے کھیل سے دور رہے۔ اور کئی دانشوروں نے جہاد کو بظاہر ظالمانہ عمل قرار دیا ہے۔ اس نے انکشاف کیا ہے، کہ جناب رسول پاکؐ کی رحلت کے بعد پہلے سو سالوں میں جو چالیس کتابیں لکھی گئیں ان کا نام "مغازی" یعنی علم جنگ تھا۔ فقہ، سیرت یا حدیث کے الفاظ اسلام میں مزید ایک سو سال بعد آئے۔ مصنف کا یہ احساس کہ وہ "حضور پاکؐ کا سپاہی" ہے۔ نے اس کو بے پناہ جرأت، حوصلہ اور دانش سے نواز دیا ہے۔ تقریباً چھ سو بڑے صفحات کی کتاب میں اتنا زیادہ مواد اکٹھا کیا اور اتنے عقدے کھولے، کہ شاید کوئی اور صاحب یہ کچھ مشکل سے کر پائیں گے۔"

۲۱۔ ناموس رسولؐ پر قربان ہونے والے غازی ملک میاں محمد شہید کے بھائی ملک نور محمد نے مصنف کو بہت کچھ لکھا لیکن اکثر جائزوں میں علامہ اقبالؒ کے تفکر کے استعمال نے ان کو حیران کر دیا۔ اسی چیز کو عاشق رسولؐ میجر سلطان اکبر اس طرح بیان کرتے ہیں کہ مصنف کو شعر و شاعری کے ساتھ زیادہ رغبت نہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت علامہ اقبالؒ کے شعر الہام کے طور پر ان کے سامنے آتے رہے۔ کرنل راجہ رشید احمد ستارہ جرأت نے جو کتاب کے سلسلہ ماہیئے کے بند لکھے ان کا اردو میں ترجمہ جذبہ کے ساتھ انصاف نہ کر سکے گا۔ ایک انجنیئر عبدالمجید صاحب، کتابیں مجھ سے خرید کر دوستوں میں مفت بانٹتے پھرتے ہیں اور اتنے متاثر ہوئے ہیں کہ خود جو کچھ شان حبیبؐ میں شائع کر رہے ہیں اس کا حساب نہیں۔ ایک ایڈووکیٹ محمود احمد اور کرنل حبیب الرحمن نے ایسے تبصرے بھیجے کہ مجھ پر بھی رقت طاری

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

# جہاد کشمیر ۴۸-۱۹۴۷ء

## کتاب کا پس منظر

ملک کے عظیم دانشور سید شبیر حسین جن کا ضمیمہ "ب" پر کتاب "حضور پاک کا جلال و جمال" پر تبصرہ موجود ہے۔ وہ اس کتاب کا یہ پس منظر بیان کرتے ہیں۔ "جہاد کشمیر ۴۸-۱۹۴۷ء کی اس تقریباً سات سو صفحات کی کتاب کی اشاعت کے منصوبے کی ابتداء ۱۹۹۰ء کے شروع میں ہوئی۔ اور یہ میجر جنرل ریاض اللہ مرحوم کے ذہن کی تخلیق ہے۔ ڈائریکٹر جنرل انٹر سروسز پبلک ریلیشنز کی حیثیت سے ان کو احساس ہوا، کہ اکثر و بیشتر تصانیف صرف حکمرانوں کو "پاک و صاف" ظاہر کرنے کے لئے لکھی جاتی ہیں اور اس طرح قوم کو اندھیرے میں رکھنے کی سعی ہوتی ہے۔ انہیں غالباً احساس تھا کہ "تعلقات عامہ" کا بے رحم ہتھیار ہر لحظہ تاریخ بلکہ روزمرہ کے عمل اور رد عمل کو مسخ کرتا رہتا ہے۔ اس احساس کے تحت انہوں نے میجر ریٹائرڈ امیر افضل کو کشمیر کی پہلی جنگ کے بارے کتاب لکھنے پر آمادہ کیا۔ اور لکھ کر معاہدہ کیا، کہ کتاب مصنف کے نام پر شائع ہوگی جس میں کوئی رد و بدل نہ ہوگا۔ تمام اخراجات انٹر سروسز کے ذمہ ہوں گے۔ مصنف کو تمام خرچ کے ۱۸ فیصد اعزازیہ کے طور پر دیا جائے گا جس میں آدھا مسودہ تیار ہونے کے ایک ماہ کے اندر اور باقی آدھا چھ ماہ کے اندر غیر مشروط طور پر ادا کر دیا جائے گا۔ اس کے انگریزی ایڈیشن کا مجھ سے تیار کرانے کا فیصلہ ہوا۔ جس کا لکھ کر معاہدہ میجر امیر افضل کے مسودہ کے تیار ہونے کے بعد کرنا تھا۔ کہ یہ کتاب بین الاقوامی ضرورت کے لئے اختصار سے تیار کرنا تھی اور میجر امیر افضل نے وسیع تر دو جلدوں کی کتاب تیار کرنا تھی، کہ کوئی پہلو پوشیدہ نہ رہ جائے تو اس نے معائدہ کی آخری تاریخ کے ختم ہونے سے دو ماہ پہلے یکم اکتوبر ۱۹۹۱ء کو ۱۸۰۰ سو صفحات



کا پچاس ابواب کا دو جلدوں کا مسودہ تیار کر لیا۔ لیکن اس سے دو ماہ پہلے اگست ۱۹۹۱ء میں جنرل ریاض اللہ دنیا سے چل بسے اور ان کا تمام پروگرام بھی رک گیا۔ وہ شخص دور بین بھی تھا اور دلنواز بھی۔ مگر اللہ نے اسے جلدی اٹھالیا۔

## مصنف کی دل شکنی

۲۔ کتابوں کے مصنف لوگ ہی یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک کتاب کو تیار کرنے میں کس قدر خون جگر صرف ہوتا ہے۔ اور پھر اس کا قارئین تک نہ پہنچنا کتنا بڑا عذاب ہوتا ہے۔ یہی کچھ ہے جو امیر افضل کے ساتھ اس عمر میں ہوا۔ میجر جنرل ریاض اللہ مرحوم کے جانشین، میجر جنرل جہانگیر نصر اللہ۔ اور پھر جنرل اسلم بیگ کی جگہ مقرر ہونے والے چیف آف آرمی سٹاف جنرل آصف نواز کے ساتھ امیر افضل نے طویل خط و کتابت کی کہ مسودہ جہانگیر نصر اللہ کو دے دیا تھا کہ کتاب معاہدہ کے مطابق شائع کی جائے یا مل جل کر کوئی صورت نکالی جائے کہ جہاں کروڑوں روپے ادھر ادھر خرچ ہو رہے ہیں۔ چند لاکھ اس کتاب کو کسی اور سے شائع کرانے پر خرچ کر دیئے جائیں یا مصنف کو اعزازیہ کی بجائے کچھ مزدوری دی جائے۔ لیکن مصنف کے لئے ہر طرف سے مایوسی کے بغیر کچھ نہ تھا۔ وہ معاملات اس وقت کے صدر غلام اسحٰق کے پاس بھی لے گیا۔ اپنے خرچوں کا ذکر کیا کہ وہ ڈیڑھ سال صبح و شام محنت کے علاوہ کئی ہزار اپنی جیب سے بھی خرچ کر چکا تھا۔ اس نے متعدد جرنیلوں اور بڑے لوگوں کو اپنے ان خطوط کی کاپیاں بھی دیں۔ لیکن کوئی اس کی ڈھارس بندھانے کے لئے آگے نہ بڑھا۔ اب اتنی ضخیم کتاب کی دو بہت بڑی بڑی جلدیں تو معائدہ کی ضرورت تھی کہ فوج کے لئے یہ کتاب عسکری تاریخ کا کام کرے۔ پبلشرز ویسے انکشافات کے ڈر سے آگے نہ آ رہے تھے۔ مصنف کے پاس اتنی دولت کہاں تھی کہ سات آٹھ لاکھ روپے خرچ کر کے یہ کتاب شائع کرتا۔ خوش قسمتی سے مصنف نے مسودہ کی فوٹو کاپی اپنے پاس رکھ لی تھی۔ اب آپ موجودہ کتاب کو دو جلدوں کی کتاب کا "اختصار" کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اختصار واقعات کا حلیہ بگاڑ دیتا ہے۔ اس لئے میرے لئے یہ نئی کتاب ہے۔ کہ ایک سال مزید محنت کر کے اور کئی ہزار روپے اپنی جیب سے خرچ کر کے مصنف نے کتاب کو موجودہ شکل و صورت دی ہے۔ اور اب اس کی اشاعت کا خود اہتمام کر کے وہ رقم بھی اپنی جیب

سے خرچ کر کے قوم کے سامنے نئے انکشافات کے ذریعہ سے نئے امکانات کی نشاندہی کی ہے۔

## مصنف کے تاثرات

۳۔میں سید شبیر حسین کا شکر گزار ہوں کہ ان کو اللہ تعالیٰ کلمہ حق کہنے کی توفیق دے رہا ہے۔ اور انہوں نے یہ کچھ لکھ دیا۔لیکن جو کچھ میرے ساتھ ہوا۔اور اللہ تعالیٰ نے مجھے جو صبر عطا کیا کہ میں یہ المیہ برداشت کر گیا۔وہ تفصیل میری کتاب "پنڈورا باکس" میں ہے۔ریاض اللہ مرحوم کے جانشین ، میجر جنرل جہانگیر نصراللہ نے جس بدکرداری کا مظاہرہ کیا۔یا جو جھوٹ بولے یا کرنل اشفاق حسین نے میری کتاب پر جو تبصروں کے جھوٹے پلندے اکٹھے کئے کہ وہ مودودی صاحب کا اپنا "امام" اور "مرشد" سمجھتا ہے اور میں مودودی صاحب کے بارے میں جو سچ اس کتاب میں بھی لکھ چکا ہوں۔وہ چاہتا تھا کہ میں وہ نہ لکھوں۔بہرحال یہ سب باتیں ثبوتوں کے ساتھ میں نے جنرل آصف نواز کو لکھ کر بھیجیں۔اور وہ میرے بیٹوں کی طرح تھا۔اور تین پشتوں کی خاندانی دوستی تھی۔تو وہ ان لوگوں سے بھی بڑھ کر میرا دشمن بن گیا۔دراصل ۱۳ اکتوبر ۱۹۹۱ء کے پاکستان ٹائمز میں سید شبیر حسین نے پیشگی جو تبصرہ کر دیا کہ مصنف نے اس اینگلو۔امریکن بلاک کی سازش کا کھوج نکال لیا ہے جو انہوں نے جنوب مشرقی ایشیاء کے مسلمانوں کے خلاف جاری رکھی ہوئی ہے۔تو اس کے بعد آصف نواز نے اگست ۹۲ میں اپنے ایک ماتحت میجر جنرل۔اب لفٹیننٹ جنرل معین الدین حیدر سے مجھے دو لاکھ روپے میری "مزدوری" کی بھی مجھے طریقہ سے پیش کش کرادی۔بشرطیکہ میں کتاب کی اشاعت سے دستبردار ہو جاؤں اور جو سچ تلاش کیا ہے۔اس کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دوں۔(نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے میری رہنمائی کی اور میں نے اللہ اور رسول کا چور بننے سے انکار کر دیا۔

## آصف نواز کی کمینگی

۴۔قارئین! میرے ساتھ جو کچھ آصف نواز نے کیا، کسی فوجی ادارے میں ایسی کمینی حرکت ملک سے بے وفائی۔اور روایت کی پامالی کی مثال نہ ملے گی۔اور ۵ ستمبر ۹۲ کو ملک کے اس وقت کے صدر کو اور ۱۰ اکتوبر ۹۲ کو شرعی عدالت میں اس عاجز نے درخواست دے دی کہ آصف



نواز فوج کے سربراہ کی کرسی پر بیٹھنے کا حق کھو چکا ہے۔آصف نواز اور اس کے ماتحتوں کو ان خطوط کی کاپیاں دیں۔لیکن کہیں غیرت مندی کا مظاہرہ نہ ہوا۔تو رب نبی محمدؐ کو مجھ پر رحم آگیا آصف نواز سے کرسی بھی خالی کرادی۔اور غلام اسحٰق اور نواز شریف جنہوں نے میری گزارش پر دھیان نہ دیا تھا۔ان کو حکومت سے ہٹا دیا۔اور کچھ عرصہ بعد آصف نواز کی قبر سے اس کے مردہ کو بھی باہر پھینکوا دیا۔کہ لوگ عبرت پکڑیں۔میں نے نئے فوجی سربراہ جنرل عبدالوحید کو ان تمام عبرتناک واقعات اور اپنی خستہ حالی کے بارے دو درجن خطوط لکھے۔اس کے ماتحتوں کو بھی کاپیاں دیں۔اور اب تک یہ سلسلہ جاری ہے کہ آخر ۱۹ دسمبر ۱۹۹۵ء کو میں نے معاملات رب نبی محمدؐ کے سپرد کر دیئے ہیں۔اور صدر سے لے کر ہر ذمہ دار کو اس خط کی کاپی بھی دے چکا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ میرا اللہ مجھ سے انصاف کرے گا۔کہ جنرل وحید کا رویہ آصف نواز سے بدتر معلوم ہوتا ہے۔حالانکہ وہ مجھے ذاتی طور پر جانتا ہے۔اور وہ بھی میرے بیٹوں کی طرح تھا۔لیکن بے چارے کی بدقسمتی۔

## کتاب کی اشاعت ضروری تھی

۵۔جہاد کشمیر کتاب میں نے اپنے پاس سے اتنا خرچ کر کے کئی مقاصد کی وجہ سے شائع کی۔اول کہ تلاش کیا ہوا سچ ضائع نہ ہو جائے۔دوم ملک میں اس سچ کو پھیلاؤں۔سوم مسودہ پر اعتراضات کئے جا سکتے تھے۔اور ہماری سست قوم میں سے کون ہاتھ سے لکھے ہوئے مسودے کو پڑھتا۔بس جھوٹے تبصرے ہوتے۔اب کتاب شائع کر کے میں سچ کو سامنے لایا ہوں کہ لفظ لفظ کسی اتھارٹی کی مدد سے لکھا۔اور تبصرے کر کے واقعات کے نتائج اور نتائج کے اثرات کو اپنے سچ کے ثبوت میں پیش کیا کہ سرکاری تاریخ کی سو سے زیادہ غلطیاں نکال کر۔ہر تضاد اور ہر مہمل بیان اور اسی تاریخ سے غلطیاں کے ثبوت پیش کر کے جنرل وحید کو لمبے چوڑے خطوط لکھے۔اس کے ماتحتوں کو کاپیاں بھجیں۔تاریخی ادارے اور اس کے سربراہوں کو ان کوتاہیوں سے آگاہ کیا۔۱۹ اگست ۹۵ سے ۱۹ دسمبر ۹۵ کے میرے یہ خطوط پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں کہ میں نے لکھا کہ اللہ اور رسولؐ کے نام کے خطوط سے تو دریائے نیل نے بھی بہنا شروع کر دیا تھا۔اور

سے خرچ کر کے قوم کے سامنے نئے انکشافات کے ذریعہ سے نئے امکانات کی نشاندہی کی ہے۔

## مصنف کے تاثرات

۳۔ میں سید شبیر حسین کا شکر گزار ہوں کہ ان کو اللہ تعالیٰ کلمہ حق کہنے کی توفیق دے رہا ہے۔ اور انہوں نے یہ کچھ لکھ دیا۔ لیکن جو کچھ میرے ساتھ ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے جو صبر عطا کیا کہ میں یہ المیہ برداشت کر گیا۔ وہ تفصیل میری کتاب "پنڈورا باکس" میں ہے۔ ریاض اللہ مرحوم کے جانشین، میجر جنرل جہانگیر نصر اللہ نے جس بد کرداری کا مظاہرہ کیا۔ یا جو جھوٹ بولے یا کرنل اشفاق حسین نے میری کتاب پر جو تبصروں کے جھوٹے پلندے اکٹھے کئے کہ وہ مودودی صاحب کا اپنا "امام" اور "مرشد" سمجھتا ہے اور میں مودودی صاحب کے بارے میں جو سچ اس کتاب میں بھی لکھ چکا ہوں۔ وہ چاہتا تھا کہ میں وہ نہ لکھوں۔ بہر حال یہ سب باتیں ثبوتوں کے ساتھ میں نے جنرل آصف نواز کو لکھ کر بھیجیں۔ اور وہ میرے بیٹوں کی طرح تھا۔ اور تین پشتوں کی خاندانی دوستی تھی۔ تو وہ ان لوگوں سے بھی بڑھ کر میرا دشمن بن گیا۔ دراصل ۱۳ اکتوبر ۱۹۹۱ء کے پاکستان ٹائمز میں سید شبیر حسین نے پیشگی جو تبصرہ کر دیا کہ مصنف نے اس اینگلو۔ امریکن بلاک کی سازش کا کھوج نکال لیا ہے جو انہوں نے جنوب مشرقی ایشیاء کے مسلمانوں کے خلاف جاری رکھی ہوئی ہے۔ تو اس کے بعد آصف نواز نے اگست ۹۲ میں اپنے ایک ماتحت میجر جنرل۔ اب لفٹیننٹ جنرل معین الدین حیدر سے مجھے دو لاکھ روپے میری "مزدوری" کی بھی مجھے طریقہ سے پیش کش کرا دی۔ بشرطیکہ میں کتاب کی اشاعت سے دستبردار ہو جاؤں اور جو سچ تلاش کیا ہے۔ اس کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دوں۔ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے میری رہنمائی کی اور میں نے اللہ اور رسول کا چور بننے سے انکار کر دیا۔

## آصف نواز کی کمینگی

۴۔ قارئین! میرے ساتھ جو کچھ آصف نواز نے کیا، کسی فوجی ادارے میں ایسی کمینی حرکت ملک سے بے وفائی۔ اور روایت کی پامالی کی مثال نہ ملے گی۔ اور ۵ ستمبر ۹۲ کو ملک کے اس وقت کے صدر کو اور ۱۰ اکتوبر ۹۲ کو شرعی عدالت میں اس عاجز نے درخواست دے دی کہ آصف



نواز فوج کے سربراہ کی کرسی پر بیٹھنے کا حق کھو چکا ہے۔ آصف نواز اور اس کے ماتحتوں کو ان خطوط کی کاپیاں دیں۔ لیکن کہیں غیرت مندی کا مظاہرہ نہ ہوا۔ تو رب نبی محمدؐ کو مجھ پر رحم آگیا آصف نواز سے کرسی بھی خالی کرا دی۔ اور غلام اسحٰق اور نواز شریف جنہوں نے میری گزارش پر دھیان نہ دیا تھا۔ ان کو حکومت سے ہٹا دیا۔ اور کچھ عرصہ بعد آصف نواز کی قبر سے اس کے مردہ کو بھی باہر پھینکوا دیا۔ کہ لوگ عبرت پکڑیں۔ میں نے نئے فوجی سربراہ جنرل عبد الوحید کو ان تمام عبرتناک واقعات اور اپنی خستہ حالی کے بارے دو درجن خطوط لکھے۔ اس کے ماتحتوں کو بھی کاپیاں دیں۔ اور اب تک یہ سلسلہ جاری ہے کہ آخر ۱۹ دسمبر ۱۹۹۵ء کو میں نے معاملات رب نبی محمدؐ کے سپرد کر دیئے ہیں۔ اور صدر سے لے کر ہر ذمہ دار کو اس خط کی کاپی بھی دے چکا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ میرا اللہ مجھ سے انصاف کرے گا۔ کہ جنرل وحید کا رویہ آصف نواز سے بدتر معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ مجھے ذاتی طور پر جانتا ہے۔ اور وہ بھی میرے بیٹوں کی طرح تھا۔ لیکن بے چارے کی بد قسمتی۔

## کتاب کی اشاعت ضروری تھی

۵۔ جہاد کشمیر کتاب میں نے اپنے پاس سے اتنا خرچ کر کے کئی مقاصد کی وجہ سے شائع کی۔ اول کہ تلاش کیا ہوا سچ ضائع نہ ہو جائے۔ دوم ملک میں اس سچ کو پھیلاؤں۔ سوم مسودہ پر اعتراضات کئے جا سکتے تھے۔ اور ہماری سست قوم میں سے کون ہاتھ سے لکھے ہوئے مسودے کو پڑھتا۔ بس جھوٹے تبصرے ہوتے۔ اب کتاب شائع کر کے میں سچ کو سامنے لایا ہوں کہ لفظ لفظ کسی اتھارٹی کی مدد سے لکھا۔ اور تبصرے کر کے واقعات کے نتائج اور نتائج کے اثرات کو اپنے سچ کے ثبوت میں پیش کیا کہ سرکاری تاریخ کی سو سے زیادہ غلطیاں نکال کر۔ ہر تضاد اور ہر مہمل بیان اور اسی تاریخ سے غلطیوں کے ثبوت پیش کر کے جنرل وحید کو لمبے چوڑے خطوط لکھے۔ اس کے ماتحتوں کو کاپیاں بھیجیں۔ تاریخی ادارے اور اس کے سربراہوں کو ان کوتاہیوں سے آگاہ کیا۔ ۱۹ اگست ۹۵ سے ۱۹ دسمبر ۹۵ کے میرے یہ خطوط پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں کہ میں نے لکھا کہ اللہ اور رسولؐ کے نام کے خطوط سے تو دریائے نیل نے بھی بہنا شروع کر دیا تھا۔ اور

میں سب جنرلوں کے لئے وہی دعا مانگ رہا ہوں ۔ جو میرے آقا نے دو عمروں کے لئے مانگی ان
میں سے ایک عمر فاروق اعظمؓ بن گیا اور دوسرے عمرو بن ہشام ۔ ابو جہل بن گیا ۔ اور یہ بھی لکھا
کہ "لکڑ کے سپاہی" نہ بنیں ۔ لیکن جنرل عبدالوحید پر کوئی اثر نہ ہوا ۔ اور کہیں سے میری دلجوئی نہ
ہوئی ۔ اب جنرل وحید نے ملازمت میں توسیع نہ لے کر قوم پر کوئی احسان نہیں کیا ۔ وہ توسیع
لینے کے قابل نہ تھا کہ اس کو حالات نظر آرہے تھے ۔ کہ اس نے دنیاوی طور پر بہت فائدے
اٹھالئے ہیں ۔ اور ایک طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو کرسی سے ہٹادیا کہ وہ آنے والے واقعات سے
نپٹنے کی اہلیت نہ رکھتا تھا لیکن جو کچھ اس نے کیا ۔ انشاء اللہ اس کے ساتھ آصف نواز سے بدتر
ہوگا ۔ اللہ کرے جنرل جہانگیر کرامت کو مومن کی فراست مل جائے اور وہ میرے ساتھ بھی
انصاف کرائے ۔ اور جو میں نے سچ تلاش کیا ہے ، اپنی فوج کو اس کے مطالعہ کی راہ پر لگائے کہ
ابھی تک تو فوجی ایسے ڈرے ہوئے ہیں کہ لائبریریوں کے لئے بھی یہ کتاب نہیں لی گئی جہاں
پاکستان دشمن کاہن یہودی کی کتابیں بھی رکھی جاتی ہیں ۔

## برگیڈیئر صدیق کا تبصرہ

۶ ۔ کتاب " حضور پاکؐ کے جلال و جمال " کے سلسلہ میں جن برگیڈیئر صدیق ستی اب مرحوم و
مغفور کے تبصرہ کا ذکر ہو چکا ہے ۔ ان کی بہادری اور تجاویز کے تحت مارچ ۱۹۴۸ء میں پونچھ میں
محصور شدہ بھارتی فوج کا برگیڈیئر پریتم سنگھ ہتھیار ڈالنے پر تیار ہو گیا تھا ۔ لیکن انگریز جنرل
گریسی کی غداری اور لیاقت علی کی ملی بھگت سے وہاں تین دن کی فائربندی کر کے قوم کے ساتھ
جو بے ایمانی ہوئی ، وہ بات کتاب میں پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے ۔ چنانچہ یہ مرحوم و مغفور
برگیڈیئر صدیق ستی اس کتاب جہاد کشمیر پر روزنامہ اخبار نیوز مورخہ ۹ فروری ۱۹۹۵ء میں جو تبصرہ
لکھ گئے جس کو بعد میں ماہنامہ Concept نے بھی شائع کیا اس کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے

" میجر امیر افضل خان کی کتاب جہاد کشمیر میں کشمیر کی فائربندی سے پہلے کے جو تمام
واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ حقیقت پر مبنی ہیں ۔ مجاہدین کافی حد تک بھارتیوں کو کشمیر سے
بھگا کر وسیع علاقہ جات پر قبضہ کر چکے تھے ، لیکن ان تمام کامیابیوں کو ناکامیوں یا شکستوں میں



ایک سازش کے تحت اس طرح تبدیل کیا گیا ، کہ جنرل اکبر خان ، کرنل حسن خان اور مجھے
کشمیر کے محاذوں سے ہٹا کر ہمارے بجائے ہماری جگہوں پر ایسے افسران کو تعین کیا جاتا رہا ۔ جو
لوگ ان احکام پر عمل پیرا ہوتے تھے جو لندن کے وار آفس سے پاکستان آرمی کے جنرل گریسی
کے ذریعہ سے ان کو پوشیدگی میں دیئے جاتے تھے ۔"

" پاکستان کا پہلا وزیراعظم لیاقت علی خان ، ایک پناہ گیر تھا ، وہ کشمیر میں جنگ کو جاری رکھنے کی
بجائے اپنے مفاد اور نئے ملک میں اپنے خاندان کی جڑیں مضبوط کرنے کی کھیل میں مصروف تھا
اس کی اس کمزوری کا انگریز جنرلوں نے خوب فائدہ اٹھایا ، کہ وہ اس خطہ کو بھارتی برتری کے
تحت لانا چاہتے تھے ۔ یہ بڑی دوررس تجویز تھی کہ پاکستان اسلامی دنیا کی رہنمائی نہ سنبھال لے
اس کو روکنا برطانیہ کے لئے ضروری تھا ۔ انگریز جنوب مشرقی ایشیاء کی ایک فوجی طاقت رہ چکے
تھے اور ان کو معلوم تھا کہ اس خطہ کی فوجی قوت کے دنیا پر کیا اثرات ہوں گے ۔ اور پاکستان
اگر ایسی فوجی طاقت بن گیا ۔ تو بین الاقوامی دنیا پر اس کے بڑے اثرات ہوں گے ۔"

" میجر امیر افضل کو لوگ کافی عرصہ یاد رکھیں گے کہ وہ بہت زیادہ محنتی اور سچا محقق اور
سکالر ہے جو لگی لپٹی نہیں رکھتا ۔ اس نے اپنے تمام تر بیانات اور ان کی تفصیل کو صحیح اور سچے
صحیفوں اور ریکارڈوں سے تلاش کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ۔ اور اس جہاد میں شرکت
کرنے والے لوگوں میں جو لوگ ابھی تک زندہ ہیں ۔ ان سے ان بیانات کی چھان وبین کرائی
اور ان کے نقطہ نظر کو بھی سنا ۔ ایسی تحقیق کے لئے اس نے اپنے آپ کو بڑے لوگوں یا
سالاروں تک محدود نہ کیا ۔ بلکہ وہ ایک عام مجاہد اور رضا کار سے پرسش کر کے معاملات کی تہ
میں غوطہ زن ہوتا رہا ۔ کہ یہ لوگ ایک جذبہ کے تحت ، جہاد کشمیر کے شروع ہی میں ایسے جہاد
میں شریک ہوگئے تھے ۔ میجر امیر افضل کو دوسری جنگ عظیم میں برطانیہ کے مانے ہوئے ایک
جنگی وقائع نگار برگیڈیئر ڈسمنڈینگ Desmond Young کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا تھا
اور پاکستان بن جانے کے بعد محکمہ تعلقات عامہ میں ہونے کی وجہ سے اس کو ہماری بری فوج
کے انگریز سربراہ جنرل ڈگلس گریسی کے ساتھ بھی کام کرنے کا موقع ملا ۔"

" ان پیشہ ورانہ صلاحیتوں اور تجربات کی مدد سے مصنف نے اپنی کتاب جہاد کشمیر کے لئے ایسا

اور اتنا زیادہ مواد اکٹھا کر لیا۔ جس کی مثال نہیں ملتی۔ پاکستان کی بری فوج کے جنرل ہیڈ کوارٹر نے بھی، جو کوئی کاغذات یا دستاویزات ان کے پاس موجود تھیں۔ مصنف کو ان کی کاپیاں دیں لیکن اصلی بات یہ ہے کہ مصنف نے ان تمام کاغذات کو اپنی مومن کی فراست کی مدد سے پرکھا اور اس وجہ سے اس کو انگریز جنرلوں کی "سازشوں" ارادوں اور طریق وکار کو سمجھنے میں آسانی ہوئی۔

"اس خطہ میں انگریزوں کی ایسٹ انڈین کمپنی نے عملداری اور بادشاہت حاصل کرنے کیلئے۔ جس طرح غداریوں، سازشوں اور دوستوں کو دوستوں سے لڑانے یا بے وفائیوں یا بدمعاشیوں سے کام لیا۔ وہ کچھ ہماری تاریخوں میں موجود ہے لیکن افسوس ہم ادھر دھیان نہیں دیتے۔"

"ایسٹ انڈیا کمپنی کے سامنے بڑا مقصد یہ تھا کہ چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کو لالچ دے کر اور بے وفا و بددیانت بنا کر اپنے ساتھ ملا لیا جاتا تھا۔ جو لوگ اس گندی کھیل میں حصہ دار نہ بنتے تو ان کے درباریوں اور ماتحتوں کو رشوت دے کر اپنے ساتھ ملا لیا جاتا تھا۔ اور ان کے ذریعہ سے اس حاکم کو ذلت آمیز اور اوچھے ہتھیاروں کی مدد سے منظر سے ہٹا لیا جاتا تھا۔ ہمارے انگریز حکمرانوں کا راج انہوں نے اس بددیانتی والی پالیسی کی کمپنی کے وارث کے طور پر حاصل کیا تھا۔ اگر ہمیں یہ منظر یاد رہتا تو یہ کوئی دانائی والی یا اچھی بات نہ تھی کہ ہم نے اپنی بری افواج کا کنٹرول انگریز افسروں کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس غلطی کا نتیجہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اور میجر امیر افضل نے ثبوتوں کے ساتھ یہ نتائج اور اثرات اپنی کتاب کا حصہ بنا دیئے ہیں۔"

۷۔ سید شبیر حسین کے پاکستان ٹائمز میں 13 اکتوبر 1991ء کے جس پینگی تبصرہ کا ذکر ہو چکا ہے۔ برگیڈیئر صدیق ستی کے بیانات اس پر تصدیق کی مہر لگا دیتے ہیں۔ اب ذرا سید شبیر حسین کا مزید تبصرہ پڑھیں۔

## تحقیق کے ذرائع

۸۔ میجر امیر افضل نے اتنی ضخیم اور پردہ شکن کتاب تیار کرتے وقت تحقیق کا دامن مستقل طور پر تھامے رکھا۔ انہوں نے کم و بیش دو صد کتابوں کا مطالعہ کیا۔ جن کے حوالے کتاب کے صفحہ



صفحہ پر موجود ہیں۔ اور تقریباً اتنے ہی اشخاص کا انٹرویو لیا جن کا کشمیر کے جہاد کے ساتھ کسی نہ کسی شکل میں تعلق رہا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے فوج کی کئی یونٹوں کے ساتھ خط وکتابت کر کے واقعات کی چھان بین کی۔ اور زمین، جہاں جنگ لڑی گئی اس کا گہرا مطالعہ کیا۔ جنرل ریاض اللہ نے البتہ جی ایچ کیو کے تاریخی ادارے کے تمام کاغذات اور کئی اور مقامات سے متعدد کاغذات حاصل کر کے ان کو دیئے، کہ انہوں نے اس سلسلہ میں کم از کم سات آٹھ مقامات پر جہاد کشمیر پر سیمینارز کرائے جن کے روداد یا مصنف نے خود سنیں یا ان کو وڈیو سنائے گئے۔ میں نے کتاب کے حصہ اول کے پچیس ابواب کا جنرل ریاض اللہ کی زندگی میں مطالعہ کر لیا تھا۔ جس کی کاپی ان خود نے مجھے دی تھی۔ کہ میں نے دوسرے مرحلہ میں اس پروجیکٹ پر کام کرنا تھا۔ ریاض اللہ کتاب کے لفظ لفظ کے لئے اس زمانے میں مصنف کے ساتھ معلوم ہوتے تھے، کہ کتاب کے لئے انہوں نے اپنا پیش لفظ بھی تیار کر لیا تھا۔ جس کو پکی شکل کتاب کے باقی ابواب پڑھ کر دینا تھی۔ ان کی وفات کے بعد البتہ مصنف نے مجھے باقی ابواب بھی دکھا دیئے۔

## کتاب کی ترتیب

۹۔ مصنف جغرافیائی پہلو کو پہلے باب میں، اور متعلقہ زمینی پہلو ہر باب میں خوبصورتی سے بیان کرتا ہے۔ وہ تاریخی پس منظر کو ڈوگرہ راج کی ظلم کی گھڑیوں تک پہنچاتا ہے۔ اور برصغیر میں مسلمانوں کی سیاسی بیداری، مسلم قومیت، ہندو ذہنیت اور ان کی سازشوں اور کشمیری مسلمانوں کی آزادی کی تحریکوں کو جہاد کے بسم اللہ تک تانے بانے ملا کر ثابت کرتا ہے کہ کشمیر جغرافیائی، تاریخی، سیاسی، روحانی اور قانونی طور پر پاکستان کا حصہ ہے۔ کتاب پڑھنے سے جہاد کے سلسلہ میں ایک طرف بھاری قربانیاں دوسری طرف کوتاہیاں سب کچھ آنکھوں کے سامنے ابھر آتا ہے۔ مصنف نے نہایت جرأت سے جہاد کے اسلامی تصور سے وہ تمام پردے اتار دیئے ہیں جو مسلمان علما۔ اور دانشوروں نے اپنی آرام طلبی، بزدلی اور کوتاہ بینی کی بنا پر ڈال رکھے تھے۔ جس کا ذکر میں مصنف کی کتاب "حضور پاکؐ کے جلال و جمال" پر تبصرہ کے وقت

کر چکا ہوں ۔(ضمیمہ ب)

## انگریزوں کا حیلہ فرنگی

۱۰۔ مصنف متعدد کتابوں، سرکاری کاغذوں اور واقعات کی مدد سے حیلہ فرنگی کے مقاصد کی اس طرح سے وضاحت کرتا ہے، کہ انگریزوں نے اپنی اس خطہ پر حکومت کے دوران ابن الوقت اور بے کردار لوگوں کی ایک "کھیپ" تیار کی، جس کو جاتے جاتے ہم پروہ "مسلط کر گئے" ۔اور اپنی فوج انگریز جرنیلوں کے حوالے کر کے ہم نے بہت بڑی غلطی کی ۔انہوں نے جہاد کے راستے میں ہر قدم پر روڑے اٹکائے اور ۳۱ دسمبر ۱۹۴۸ء کی فائر بندی کے ذریعہ سے لنگڑے لولے پاکستان کو لنگڑا لولا آزاد کشمیر دے کر انہوں نے ہمیں موجودہ فائر بندی / کنٹرول لائن پر ایسے بٹھایا کہ ۴۷ سالوں سے ایک ہزار میل لمبی لائن پر بھارت اور پاکستان کی افواج ٹھک ٹھک کر رہی ہیں ۔ اور اینگلو ۔امریکن بلاک اپنا کنڈم فوجی سامان ہمیں بیچ رہا ہے ۔یا برصغیر ان کی منڈی ہے ۔ فروری ۱۹۴۸ء تک شمال میں ہم ہندواڑہ اور بانڈی پورہ کے نزدیک پہنچنے کے علاوہ جلدی درہ زوجیلہ کی طرف پیش قدمی کرنیوالے تھے ۔مشرق میں درہ بانہال، رام بن اور وسط میں تھنہ منڈی اور پیر پنجال تک کے علاقے آزاد کرائے جا چکے تھے ۔جس کی نشاندہی نقشہ سیاز دہم پر ہے لیکن ۲۰ اپریل ۱۹۴۸ء کو جنرل گریسی نے ہمارا ہمدرد بن کر جس خط کے ذریعہ سے ہمیں بے وقوف بنایا، کہ ہم بھارتیوں کو نوشہرہ ۔پونچھ ۔اوڑی لائن سے آگے نہ بڑھنے دیں گے، تو ہم سے غلط فوجی اقدام کرا کے فائر بندی سے ایک ماہ پہلے تک، یہ تمام وسیع علاقے بھارت کو دلا دیئے اور چونکہ بھارت اتنا کچھ "ہضم" نہ کر سکتا تھا تو آتش بازی کا ڈرامہ کرا کے فائر بندی کرا دی اور جہاد کو پکا جمود دلوا دیا ۔اور ایسی شہادتیں بھی پیش کیں کہ ساری جنگ دہلی اور پنڈی میں بیٹھے انگریز "سنڈیکیٹ" کی ایک جنگی مشق تھی ۔مصنف اینگلو امریکن بلاک کی جنوب مشرقی ایشیا کے مسلمانوں کے خلاف سازش اور ہمیں لنگڑا لولا پاکستان دینے کے پس منظر میں بھی جاتا ہے اور اس کے مطابق پنڈی سازش کا مقدمہ انگریز ایجنٹوں کی "پرووکیشن" کے تحت پاکستان کے خلاف ایک سازش تھی کہ آئندہ کوئی سچی بات نہ کرئے۔



## مصنف کے تاثرات

۱۱۔ اب یہ عاجز اپنی قوم کے بارے کیا کچھ کہے کہ یہ لوگ نہ سچ ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ سچ اور حقیقت سننے پر تیار ہوتے ہیں اور کچھ لوگ یہ شکایت کرتے ہیں کہ قوم کو کوئی آدمی سچ بتلاتا ہی نہیں یا لکھتا ہی نہیں ۔ایسی ہی ایک شکایت کے سلسلہ میں ۱۸ جنوری ۱۹۹۵ء کی روزنامہ اخبار "نیوز" میں کرنل محبوب الہیٰ کے ایک مضمون کے چند اقتسابات یہ ہیں ۔

### کرنل محبوب الہیٰ کا تبصرہ

۱۲۔ قابل اور صحیح قسم کے مورخین کی ہمارے ملک میں ہرگز کوئی کمی نہیں ۔لیکن کیا ہم سچ سننے کے لئے تیار ہیں ؟ شاید یہ بیان زیادہ صحیح ہے کہ ہماری قوم میں سچ سننے کی ہمت نہیں یا سچ سننے کے قابل نہیں ۔یا یہ کہیئے کہ کڑاہی ۔توے کو سیاہ کہتی ہے "ہماری اس حالت کے لئے ہم پوری قوم برابر کے ذمہ دار ہیں ۔اس سلسلہ میں ایک ہی مثال کافی ہے کہ میجر امیر افضل خان اپنی کتاب جہاد کشمیر کے پیش لفظ میں، جہاد کشمیر ۴۸ ۔۱۹۴۷ء کے سلسلہ میں ۱۸۰۰ صفحات کی دو جلدوں کی کتاب کے مسودے کا ذکر بھی کرتا ہے ۔کہ یہ سب کام اس نے ایک لکھے ہوئے معاہدہ کے تحت کیا ۔اور بڑی محنت اور جانفشانی سے اپنی ضرورت کو پورا کیا ۔لیکن اس نے جو سچ تلاش کیا، وہ برسر اقتدار طبقہ کے لئے اتنا "کڑوا" ثابت ہوا کہ وہ اس مسودے کو جلا دینے پر تیار ہو گئے ۔اس سلسلہ میں وہ مصنف کو بھی "خریدنے" پر تیار تھے ۔اور معاہدہ کے مطابق "اعزازیہ" دینے کی بجائے وہ اس کو کچھ "مزدوری" دینے پر تیار تھے ۔کہ تمام تر تحقیق کو ردی کے ٹوکرے میں پھینک دیا جائے ۔میجر امیر افضل نے اس بے عزتی اور اللہ کے چور بننے کے عمل والے معاملہ میں شریک ہونے سے انکار کر دیا ۔اور بعد میں اپنی کوشش سے دو جلدوں کی کتاب کو موجودہ ایک جلد میں تبدیل کیا اور بے شمار رقم اپنی جیب سے خرچ کر کے جہاد کشمیر ۴۸ ۔۴۷ پر ایک مستند اور متوازن کتاب شائع کر دی ۔

۱۳۔ "مصنف نے بھارتی ذرائع سے جو شواہد اکٹھے کئے، ان کی مدد سے ثابت کرتا ہے کہ پاکستان نے بھارتی فوجی مشینری کو کشمیر میں تباہ کرنے کے پانچ سنہری مواقع گنوا دیئے ۔انگریز جرنلوں

نے ہر معاملہ اور ہر وقت پر ہماری غلط رہنمائی کی اور ہمارے ساتھ غداری کی۔ ایک سازش کے تحت قبائلی مجاہدین اور اپنی فوج کو غلط مواقع، غلط جگہوں اور غلط طریقوں سے استعمال کیا۔ اوران کوتاہیوں کے نتیجہ کے طور پر ہمیں ۱۹۷۱ء جیسے المیہ سے دوچار ہونا پڑا۔"

۱۴۔ "جہاد کے شروع ہی میں قبائلی مجاہدین کو جان بوجھ کر بارہ مولا کے پاس روک دیا گیا کہ بھارتی فوج سری نگر کے اردگرد اپنے دفاع کو مضبوط کرلے۔ مارچ ۱۹۴۸ء تک کشمیر کے وسیع علاقے آزاد کرا لئے گئے تھے لیکن انگریز جنرلوں کی غداری سے وہ علاقے بھارتیوں کو واپس دلا کر یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو فائر بندی کر دی گئی۔ ہمیں، مسلمان مجاہدین کی بھارتی "سورماؤں" پر برتری کے دوبارہ احیا کی بجائے باندھ کر بھارتیوں سے مار دلوائی۔ ستمبر ۶۵ء کی جنگ ہم سے شروع کرائی گئی۔ لیکن ہمیں تیار نہ ہونے دیا۔ کہ وہ پیدل فوج یا پلٹنیں جو ہم نے اکتوبر ۱۹۶۵ء میں کھڑی کیں۔ وہ اگر اگست ۶۵ء میں کھڑی کرلیتے تو ہماری پوزیشن بہتر ہوتی۔ کہ ہمارے پاس بھارت کے مقابلہ میں بہتر توپخانہ اور بہتر بکتر بند دستے تھے۔ لیکن پیدل فوج جو کھڑا کرنا آسان تھی اس کی کمی کی وجہ سے ہم بھارت کو شکست نہ دے سکے۔ اور ہمارا وہ "شوشہ" کہ ہم مشرقی پاکستان کا دفاع مغربی پاکستان سے دہلی کی طرف پیش قدمی کرکے کریں گے "پاش پاش ہو گیا۔"

۱۵۔ ۱۴ ستمبر ۱۹۷۰ء کا دن میرے لئے یادگار رہے گا جس دن بھاری بھرکم اور "حد درجہ پر اعتماد" جنرل یحییٰ خان نے ایوب ہال میں افواج پاکستان کے تقریباً چھ سو افسران سے خطاب کیا۔ اور یہ اعلان کیا کہ اس ملک کو چلانے کے لئے فوج کی چھتری یا چھاتہ کی ہمیشہ سے ضرورت رہے گی۔ تو میجر امیر افضل خان پیچھے والی صفوں سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور گرجدار آواز میں کہا۔ "مسٹر پریذیڈنٹ! وقت آرہا ہے کہ ہمارا چھاتہ پاش پاش ہو جائے گا۔ اور تم ملک کے ٹکڑے ہونے پر صدارت کرو گے۔"

۱۶۔ کرنل محبوب الٰہی اپنے مضمون میں بہت کچھ لکھتے ہیں۔ اور میری جدوجہد کی مختصر کہانی بھی ضمیمہ "د" پر موجود ہے۔ کہ سید شبیر حسین نے اس کتاب کے پیش لفظ میں بالکل واضح کر دیا کہ پاکستان بن جانے کے بعد جہاد سے گریز کا اپنے حکمرانوں، دانشوروں اور جرنیلوں کی کوتاہ بینی کا



نتیجہ ہے۔ اور جہاد کشمیر کے بارے لکھتے ہیں۔

## بھارتی فوجی مشینری بچ گئی

۱۷۔ اگر ۴۸-۱۹۴۷ء کے جہاد کشمیر کو اس کے منطقی نتیجہ تک پہنچا دیا جاتا۔ اور کشمیر کو بزور شمشیر ہندو، سے چھین کر، پاکستان کا حصہ بنا دیا جاتا، تو پاکستانی قوم کے اندر نئی قوت از خود جنم لے لیتی۔ کتاب ہذا یہی پہلو واضح کرتی ہے۔ کہ انگریز جرنیلوں کے کئی اندرونی ہتھکنڈوں، کوتاہیوں اور تزویراتی (Strategical) اور تدبیراتی (Tactical) غلطیوں کے باوجود ہم کئی دفعہ اور خاص کر پانچ اوقات پر نہتے ہوتے ہوئے بھی کشمیر میں بھارتی فوجی مشینری کو تہس نہس کرنے کے قابل ہو گئے تھے۔ اس سلسلہ میں مصنف دسمبر ۱۹۴۷ء میں جھنگڑ دھرمسال کی فتح، فروری ۱۹۴۸ء میں نوشہرہ کے گرد اور مددگار مجاہدین کی "ٹانگیں باندھنے" اور "گلا گھوٹنے" کی کارروائیوں، مارچ ۱۹۴۸ء میں پونچھ کی عارضی فائر بندی کے ذریعہ سے بھارتیوں کو ہتھیار پہنچانے۔ ستمبر ۱۹۴۸ء میں حیدر آباد کے سقوط پر خاموشی اور آخری فائر بندی کے لئے آتش بازی کے ڈراموں کے واقعات کو خاص کر بڑی تفصیل سے بیان کر کے بھارتی حوالوں کے ذریعہ سے ثابت کرتا ہے۔ کہ ہم نے بھارتی فوجی مشینری کو کشمیر میں تباہ کرنے کے سنہری مواقع کھو دیئے یہ کسی مجذوب یا دیوانے کی بڑ نہیں۔ مصنف سادہ زبان میں تزویرات اور تدبیرات کے عمل پہلوؤں کو اس طرح واضح کرتا ہے کہ ایک غیر فوجی ذہن کو بھی فن سپہگری کی شد بد ہونے لگتی ہے۔

## دیگر مثالیں

۱۸۔ غلطیوں اور کوتاہیوں کے سلسلہ میں کئی مثالیں دے کر اکبر خان طارق کے اس نکتہ کو صحیح ثابت کرتا ہے۔ "کہ جموں کو ہم نے چھوڑ دیا لیکن جموں نے ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا" یہی کچھ میں نے ۱۳ اکتوبر ۱۹۹۱ء کے پاکستان ٹائمز میں اس کتاب پر پیشگی تبصرہ کے وقت ایوب خان کے الفاظ میں کہا تھا۔ اکبر خان کے مطابق قبائلی مجاہدین ہمارا فائر بھی ہیں اور حرکت بھی۔ لیکن ان کو غلط اوقات میں غلط جگہوں پر غلط طریقے سے استعمال کیا گیا۔ ضلع پونچھ کے ہمارے عظیم

فوجی اثاثہ سدھن اور عباسی قبائل کو پونچھ کے ساتھ "باندھ" دیا گیا۔ اور ان کے خصوصیات کا تزویراتی فائدہ نہ اٹھایا گیا۔ اپنی بری فوج کے بھونڈے استعمال، ان کو بغیر امدادی فائر کے جنگ میں جھونکنے اور باندھ کر بھارتی سورماؤں سے مروا کر مرعوب کرنے کی سازش پر مصنف لہو کے آنسو بہاتا ہے۔ کہ نہ حضور پاکؐ کے بتائے ہوئے زمان و مکان نہ اس زمانے کی تزویراتی زمان و مکان کا صحیح استعمال کیا گیا۔ وہ کہتا ہے کہ کلاسیوٹز کے فلسفہ جنگ کے مطابق بھارتی Exterior Lines پر کام کر رہے تھے۔ اور ہم Interior Lines پر تھے۔ بھارتی لمبا سفر کر کے اپنے "سر" کو کشمیر کی وادی میں لے گئے تھے۔ ہم ان کی "ٹانگیں" باندھ کر نہ صرف ان کے سر پر "چوٹیں" مارنے کے قابل تھے۔ بلکہ بدن کے ہر حصہ میں "چوبیں" بھی دے سکتے تھے۔ اور ہندو سورما ایسی مار کھاتا کہ وہ حیدرآباد کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی ہمت نہ کرتا۔

## المناک داستان، نظروں سے اوجھل

۱۹۔ مصنف کے تمام تر تجزیے اتنے حقیقت پسندانہ ہیں۔ کہ ہندو قوم میں اس وقت تک سپاہیانہ خواص نے جنم نہیں لیا تھا۔ لیکن افسوس کہ ہمارے ہر سطح اور قطع کے رہنما یہ سمجھنے سے عاری ہیں کہ میدان جنگ کی فتح کسی قوم کے نفسیات میں حیرت انگیز تبدیلی پیدا کرتی ہے۔ ایسی تبدیلی ہم پاکستانی مسلمانوں میں بھی پیدا ہوتی۔ ہم نئے ارادوں اور امکانات سے سرشار ہو کر اپنے اندر ناقابل شکست استحکام پیدا کرتے۔ پھر نہ صوبائی عصبیت کا وجود ہوتا نہ لسانی جھگڑے دکھائی دیتے۔ ہوتا یہ، کہ پاکستان کے دولخت ہونے کے بجائے بھارت ریزہ ریزہ ہو جاتا ہم نے یہ نادر موقع جو فطرت نے ہمیں ابتداء ہی میں فراہم کیا تھا اپنے حکمرانوں اور نوکر شاہی کی کم فہمی بزدلی اور خود فریبی کی وجہ سے ضائع کر دیا۔ اس میں کون لوگ مجرم تھے اور کن اشخاص نے اور کہاں کہاں غفلت اور بے عقلی سے یا دانستہ طور پر جہاد کشمیر کو ناکام کیا۔ کیوں ایک شجاع، خون آشنا اور موت سے بے خوف قوم کی تمام قربانیاں کارگر نہ ہو سکیں۔ یہ ایک المناک داستان ہے جو مستقل طور پر نگاہوں سے اوجھل رکھی گئی ہے۔

## باطل کا پاش پاش ہونا

۲۰۔ لیکن باطل کب تک حق پر پردے ڈالتا۔ بالآخر یہ کام میجر امیر افضل کے ہاتھوں سرانجام پایا



اور اس نے باطل کو پاش پاش کر دیا۔ اغلباً ان کے سوا کوئی اور شخص یہ بوجھ نہ اٹھا سکتا تھا۔ ہندو کے ساتھ تینوں جنگوں میں شامل رہنے کے ساتھ ساتھ امیر افضل کو ہر لحاظ سے اس احساس کہ وہ "حضور پاکؐ کا سپاہی" ہے نے بے پناہ جرأت، حوصلہ اور دانش سے نواز دیا ہے۔ ان کے اس غیر معمولی بلکہ عجیب و غریب امتزاج کا ذکر ان کی تصنیف "حضور پاکؐ کا جلال و جمال" میں مرحوم و مغفور جنرل احسان الحق ڈار بہتر الفاظ میں کر گیا ہے کہ میجر امیر افضل نے جدید جنگ کو ہاتھا پائی کی سطح سے لے کر اوپر سب سے اونچی تزویراتی سطحوں تک دیکھا۔ اور اس کا پرتو زیر نظر کتاب میں بھی ہر جگہ نظر آتا ہے۔ دراصل یہ تصنیف پاکستان میں تاریخ نویسی کے میدان میں نئے انداز اور حوصلے کی ابتداء ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ جھوٹ سے پردہ اٹھا کر قوم کے سامنے سچی باتیں کہنے والوں کا ایک جم غفیر جنم لے اور اس طرح قوم میں زندہ رہنے کے لئے عنوان از خود پیدا ہوں۔

## جنرل سید رفاقت

۲۱۔ جہاد کشمیر کی کتاب کے سلسلہ میں جن صاحبان نے حوصلہ افزائی کی یا تبصرے بھیجے وہ سب باتیں کئی صفحات میں ختم نہیں ہو سکتیں۔ لیکن میری خواہش تھی کہ جنرل سید رفاقت نے جس طرح کتاب "حضور پاکؐ کے جلال و جمال" کے سلسلہ میں اپنی دل کی آواز سے مجھے آگاہ کیا اور ضمیمہ "ب" پر یہ ذکر ہو چکا ہے۔ اس سلسلہ میں اسلام کے یہ عظیم فرزند، اپنی مومن کی فراست اور خداداد تدبر سے بھی قارئین کو ضرور خطاب فرمائیں۔ تو اب ان کے تاثرات آتے ہیں:

۲۲۔ میجر امیر افضل خان کی تصنیف "جہاد کشمیر" جس کا ذیلی عنوان "کوتاہیاں، غداریاں اور ان کے اثرات ہے، تحریک پاکستان سے لے کر پاکستان کی سیاسی تکمیل، پھر جغرافیہ کی تخریب اور نظریہ کی عجیب و غریب تعبیر کی تاریخ نویسی میں ایک منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا ہمہ گیری، وسعت؟ اور تحقیق کی گہرائی کے تہرے معیار پر مقابلہ مشکل ہے۔ بحیثیت ایک محقق، مصنف اور مجاہد اس مقام پر پہنچنے کے لئے امیر افضل خان، کن مشکل مقامات، کن کٹھن مراحل

اور کیسے کیسے تلخ تجربوں سے گزرے اس کا اندازہ وہی لگا سکتے ہیں جنہیں معلوم ہو کہ قطرے پہ گہر ہونے تک کیا گزرتی ہے ۔یہ داستان ساٹھ سال سے زیادہ کے عرصے اوپر چھائی ہوئی ہے اور اس طویل سفر میں ان کی ذہنی اور روحانی ارتقا ہوئی ۔ مشاہدہ گہرا، وسیع اور پختہ ہوتا گیا اور اعتقادات کو نت نئ تقویت اور اٹھان ملی ۔ایسی تصنیف نہ تو کسی طفل مکتب کا کام ہے اور نہ ہی کسی شوقیہ قلمکار کی کاوش ۔ کتاب کے ایک ایک صفحہ پر مصنف کے خون جگر کے چھینٹے اور نشان پڑے ہیں اور بعض اوقات پڑھنے والا اس خون جگر کی معطر خوشبو میں اس قدر کھو جاتا ہے کہ قرطاس پہ محفوظ واقعات پس منظر میں چلے جاتے ہیں ۔

۲۳ ۔مجھے ذاتی طور پر یہ فخر ہے، کہ امیر افضل کے ساتھ میری شناسائی، دوستی اور رفاقت نصف صدی کا قصہ ہے ۔دو چار دنوں کی بات نہیں ۔ہم 1950ء کے وسط میں ایک دوسرے سے متعارف ہوئے، جبکہ میں عسکریات کا طفل مکتب ( کیڈٹ ) تھا اور امیر افضل کیڈٹ کا بھیس بنا کر تماشائے اہل حرب دیکھ رہے تھے ۔ کیڈٹ کو موم مثال خام مواد سمجھا جاتا ہے جسے " سسٹم " جیسے چاہے ایک مروجہ اور جچے تلے سانچے میں ڈھال لے ۔ لیکن امیر افضل اس وقت بھی کسی گھسے پٹے سانچے میں ڈھلنے کے لئے نہ موم مثال تھا نہ خام مواد ۔ان کا دراز قد، کشادہ سینہ، مضبوط جسم، بلند آواز، پختہ خیال اور جنگ عظیم کا ذاتی تجربہ اور مشاہدہ ان کی شخصیت کو نمایاں انفرادیت بخشتے ۔اور یہ خوبیاں، کیڈٹ کے روایتی تشخص میں چھپانے کی ہزار کوشش کے باوجود ہر روز، ہر لمحہ کسی نہ کسی رنگ میں پھوٹ پڑتیں ۔ان کی حق گوئی اور بے باکی کا اس زمانہ میں بھی چرچا تھا ۔اور یہ خوبی عمر بھر ان کے ساتھ رہی ۔اسی خوبی نے جہاں انہیں بے مثال روحانی رفعتیں بخشیں، وہاں بے پناہ ذہنی اور جسمانی اذیتوں کا باعث بنیں ۔ ان دونوں کیفیتوں کا ذکر ان کی سب تحریروں میں اکثر اور بھرپور نظر آتا ہے ۔

۲۴ ۔امیر افضل خان نے انگریز کی اس سلطنت کو بخوب دیکھا، جہاں سورج کبھی غروب نہ ہوتا اور پھر وہ دور بھی قریب سے دیکھا، کہ جب انگریز کی سامراجی عظمت کا سورج ڈوب رہا تھا تو اس کی فطرت کا مکارانہ، ریاکارانہ اور سازشی جوہر اور رنگ میں طلوع ہو رہا تھا ۔جب انہوں نے افرنگ کی " تہذیبی عظمت " کے دبیز پردے کے پیچھے جھانک کے دیکھا تو انہیں حکمران کی ساحری



اور عیاری کے متعفن انبار کے سوا کچھ نہ دکھائی دیا ۔جلد ہی وہ یہ بھانپنے میں کامیاب ہو گئے ۔ کہ انگریز اپنی سلطنت کو سمیٹتے وقت سازشوں کا ایک وسیع جال پھیلاتا چلا جا رہا ہے ۔اور یہی نہیں بلکہ سازشی مکڑیوں کی ایک تنومند اور سرعت پیدائش میں ہنر مند نوع بھی اپنے ورثے کے طور پر چھوڑ رہا ہے ۔یہ جنس زمان و مکان کی تبدیلی اور ہوا کے رخ بدلنے کے ساتھ نت نئے جال بننے میں کمال کی مہارت رکھتی ہے ۔اور خلق خدا ان جالوں میں جکڑی سسک رہی ہے ۔

۲۵ ۔امیر افضل خان نے اپنی آنکھوں سے تقسیم ہند کے عمل کو دیکھا ۔انہوں نے وہ سازش پکتی دیکھی جس کا مقصد پاکستان کو مسلح افواج سے محروم رکھنا تھا اور جسے قائد اعظم کا فراست نے بے کار کر دیا ۔اسی سازش کا دوسرا پہلو وہ عمل تھا جس کے ذریعہ تقسیم کا جغرافیہ بدل دیا گیا اور جس کے متعلق بد قسمتی سے قائد اعظم کچھ نہ کر سکے ۔ گورداسپور ہندوستان کی جھولی میں ڈل دیا گیا اور کشمیر میں شرارت کے راستے کھول دیئے گئے ۔ماؤنٹ بیٹن کو مشترکہ گورنر جنرل بننے سے تو روک لیا گیا لیکن پنجاب اور سرحد میں انگریز گورنر تعینات ہو ہی گئے ۔ان عہدوں کا کشمیر کی بگڑتی ہوئی صورت حال سے گہرا تعلق ہے اور مصنف نے ان کے علاوہ ہزار دوسرے واقعات اور کوتاہیاں گنوائی ہیں جن کے باعث کشمیری آج تک محکوم و مظلوم ہے اور پچھلے پانچ سالوں میں اس کی حیرت انگیز قربانیوں کے باوجود کشمیر بین الاقوامی سازشوں کے چنگل سے نکلتا دکھائی نہیں دیتا ۔

۲۶ ۔ کشمیر کیسے اس چنگل سے آزاد ہو سکے ۔خود پاکستان اسی سازشی چنگل میں پھنسا ہوا ہے ۔ صبح آزادی سے ہی یہ مملکت خداداد ایک چو طرفی یلغار کی لپیٹ میں آ گئی ۔اس یلغار کے اثرات کچھ 1971ء میں جان لیوا ثابت ہوئے اور اب جسم مسلم سے روح محمدیؐ نکالنے کا عمل جاری ہے اور یوں مملکت کے اعضا پر تشنج طاری ہے اور وہ مملکت جسے محمدؐ سے وفا کے عوض لوح و قلم بخشے جانے تھے اس مملکت کا دامان تنگ ہو کر اس کی امیدوں اور ولولوں کی آخری منزل روٹی، کپڑا اور مکان تک محدود ہو کے رہ گئی ۔اس طرح اس مملکت کے عظیم محرکات کو چند مادی خرافات تک محدود کر کے رکھ دیا گیا ۔وہ پاکستان جسے قائد اعظمؒ اسلامی نظام حکومت کی مثالی تجربہ گاہ بنانا چاہتے تھے ۔چند ہی سالوں میں بوالہبی کی آماجگاہ، اسلامک سوشلزم کی تجربہ گاہ اور سیکولر

اسلام کی پناہ گاہ بنتا گیا۔ اور اب تو حالت یہاں تک پہنچی کہ پاکستان کو عالم اسلام میں اٹھتی ہوئی اسلامی انقلابی قوتوں کے خلاف، یہود و ہنود کے مفاد کے تحفظ کے لئے ایک قابل اعتماد محور کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔

۲۷۔ یہ چو طرفی یلغار جس کا ذکر میں نے ابھی کیا ہے، ان چار طبقوں کی حرص اور حصول اقتدار کی کوشش کا نام ہے جو روز اول سے ہی پاکستان کے مالی اور اعصابی وسائل پر قبضہ اور تسلط کے لئے کی جا رہی ہے۔ پہلا طبقہ ان مفاد کے مجموعے کا نام ہے جو نام کے مسلمان اور رنگ کے گندمی تو ضرور ہیں لیکن ان کے فکر کا منبع اور ان کے سجدوں کا رخ لندن اور واشنگٹن ہے۔ جنہیں اپنے مذہب، زبان اور تہذیب سے نفرت ہے اور جو انگریز کے جانے کے بعد اپنے آپ کو ارض پاکستان پر اس کا حقیقی جانشین اور خلیفہ تصور کرتے ہیں۔ وہ اقتدار پہ قابض رہنے اور ملکی وسائل کو ہضم کرنے کی لاانتہا صلاحیت رکھتے ہیں اور انہیں اپنے آقا کی بھرپور پشت پناہی حاصل ہے۔ دوسرا طبقہ جاگیرداروں، وڈیروں اور سرداروں پر مشتمل ہے جسے انگریز نے برصغیر میں اپنی نوعیت کے عجیب و غریب نظام حکومت کو چلانے کے لئے کھڑا کیا تھا۔ اور جسے انگریز سے وفاداری، اپنی مٹی سے غداری اور اپنے عقائد سے بیزاری کے عوض وسیع مراعات سے نوازا گیا۔ پہلا طبقہ اس دوسرے طبقے کے تعاون اور توسط سے عوام الناس پر ایک عصابی سہم و حواس کی کیفیت طاری کئے رکھتا ہے۔ مجبور و محکوم عوام پر الیکشن کے فریب کے ذریعہ خود مختاری کی تہمت تو لگا دی جاتی ہے لیکن اختیارات کی کھیپ پر اجارہ داری کسی اور کی ہے۔ ان دونوں طبقوں میں ایک تہذیبی بُعد کے باوجود ایک قدرتی رابطہ اور رغبت ہے اور وہ ایک دوسرے سے اپنے اپنے مخصوص مفادات کے تحفظ کے لئے، ہر وقت حالت تعاون میں ہیں۔ لہذا پہلے طبقے کو اپنے اختیار اور اقتدار کو قیم رکھنے کے لئے دوسرے طبقے کے وقار کو تقویت اور ابدیت دینا لازم ہے۔ تیسرا طبقہ جو کہ پاکستان میں بہت منظم اور متحرک ہے وہ ان سوشلسٹ دانشوروں پر مشتمل ہے، جنہوں نے رسولوں اور کتابوں کو چھوڑ کر کارل مارکس کے ہاتھوں بیعت کر رکھی ہے۔ اس گروپ میں ہر رنگ کے سوشلسٹ ملتے ہیں۔ گہرے سرخ رنگ سے ہلکے گلابی رنگ تک۔ لیکن رنگوں اور لہجے کا یہ فرق بھی ان کی اجتماعی حکمت عملی کا ایک حصہ ہے۔ وہ اپنے



جال کو ماحول کے رنگ کے مطابق "کیموفلاج" کر لیتے ہیں اور سادہ لوح شکار کو زیر دام لانے کے لئے اسی کی بولی بولنے کی مہارت بھی رکھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبح آزادی (14 اگست 47ء) کو داغ داغ اجالا اور شب گزیدہ سحر کا نام دیا۔ یہ لوگ ملوکیت اور نوآبادی نظام کے شکست و ریخت کے بعد سوشلزم کو ہی زمین کا اصلی وارث سمجھتے ہیں۔ سوویٹ سسٹم کے ٹوٹ جانے کے باوجود ان کے عزائم میں تبدیلی نظر نہیں آ رہی۔ وہ سیکولرزم کا پرچار کر رہے ہیں پاکستان کی جغرافیائی حدود کو مصنوعی قرار دیتے ہیں۔ ہندوستان کے ساتھ مل جل کے رہنے اور گھل مل کر کھانے پینے کی ہدایت کرتے ہیں۔ مسئلہ کشمیر کو پنجابی مولویوں کا جنون سمجھتے ہیں اور ضرورت کے وقت "کلچرل اسلام" رائج کرنا چاہتے ہیں جس میں شعائر اسلام دھمال، میلا، چمٹا، چادر اور قوالی ہیں۔ چوتھا طبقہ معذرت خواہانہ اسلام پسندوں کا ہے جس کی بنیاد امیر علی نے رکھی اور ڈھیر شہرت پائی اور یہ مرض مرزائیت کے روپ میں بھی ابھری جسے حکومت برطانیہ کی بھرپور اشیرباد ملی۔ یہ فتنہ ابھی تک پھل پھول رہا ہے اور کبھی زیرِ زمین اور کبھی زِبر زمین، کبھی جلوت میں کبھی خلوت میں، جسم و جان مسلم کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے۔

۲۸۔ امیر افضل خان ان چاروں طبقات سے بیزار ہیں، وہ جماعتی، اسلام کے علمبرداروں سے بھی بیزار ہیں وہ ان کی روح جہاد سے محروم فکری اساس کو رد کرتے ہیں اور ان طبقات کے زیر سایہ پھلنے پھولنے والے تفکرات اور ان کے اثرات کے خلاف مستقل اور مسلسل علم جہاد بلند کئے ہوئے ہیں۔

۲۹۔ راقم نے پاکستان کی صورت حالات، اس کے تشخص کے بگاڑ اور اس کے نظریہ کی تحلیل کا ذکر اس لئے ضروری سمجھا ہے کہ کشمیر اور اس کے مستقبل کا پاکستان سے گہرا تعلق ہے۔ کشمیر جس سے الحاق چاہتا ہے وہ جغرافیہ سے بھی بلند ایک نظریہ ہے۔ مصنف نے کشمیر کی جدوجہد کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے اس بات کو مرکزی حیثیت دے رکھی ہے۔ اب پچاس سال بعد ایک عجیب صورت ہے کہ جبکہ پچاس سال پہلے اہالیان کشمیر نظریہ پاکستان سے جذبہ، سمت، توانائی اور حرکت و ہمت حاصل کرتے تھے اب پچاس سال بعد اہالیان پاکستان مجاہدین و فدایان اس خطہ کشمیر کی طرف آس اور تحسین سے دیکھ رہے ہیں۔ کشمیر کے لکھ لٹ نوجوان خاک و خون

میں لوٹ پوٹ کے جس بے مثال طریقے سے رسم عشق نبھا رہے ہیں اس میں روح بلالی کی جھلک ہے اور پاکستانیوں کی غیرت کو للکار ۔ ہندوستان یہ فراڈ کب تک جاری رکھ سکے گا کہ اسے ایوان عالم میں اپنے سیکولر چہرے کو ثابت کرنے کے لئے ایک کروڑ کشمیریوں کو غلام رکھنا ضروری ہے! یہ منطق بڑی ڈھٹائی کے ساتھ پیش کی جاتی ہے کہ اگر کشمیری مسلمان ہندوستان کے ساتھ باندھ کے جکڑ کے نہ رکھے گئے تو ہندوستان کا سیکولرزم کا فلسفہ نفی ہو جائے گا بلکہ اس جنونی منطق کو ایک قدم اور آگے بڑھایا جاتا ہے اور کشمیری مسلمان کو غلامی کے پھندے میں جکڑے رکھنے کے لئے، ہندوستان میں بسنے والے بیس کروڑ مسلمانوں کو یرغمالی کی حیثیت دیدی گئی ہے اور نہایت بے شرمی اور دریدہ دلیری کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ جس روز ایک کروڑ کشمیری مسلمان پاکستان کے ساتھ مل گیا وہ دن بیس کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی کا آخری دن ہوگا ۔ بدقسمتی سے دنیا کے بڑے بااثر حصے میں اس جنونی منطق کو بڑی سنجیدگی سے سنا جاتا ہے ۔ اور جہاں تک "عالم اسلام" کا تعلق ہے وہاں نہ کوئی محمد بن قاسمؒ ہے نہ ہی کوئی محمود غزنویؒ اور شہاب الدین غوریؒ ۔ اس شیطانی منطق کے سامنے پاکستان کے اندر ایک سہم اور خوف پایا جاتا ہے جو ہماری شکست خوردہ ذہنیت کی علامت ہے جس سے روح محمدیؐ خارج کی جاچکی ہے ۔ یاد رہے کہ یہی منطق اور یہی دلائل تحریک پاکستان کے دوران بھی ہندو اور ان کے ہمدردوں نے بڑے لچھے دار لب و لہجہ میں دہرائی تھیں، لیکن اس وقت الحمدللہ مسلمانوں کو ایک ایسی قیادت میسر تھی جو دبنے، جھکنے اور بکنے کا نام نہیں جانتی تھی ۔ اسے اپنے کاز پہ اعتماد اور اپنے مولیٰ پر بھروسہ تھا وہ عقل کو محو تماشا چھوڑ کر آتش نمرود میں کود پڑنے کو تیار تھی ۔ لیکن ہندو، افرنگ اور ان کے پٹھو بھی خاموش نہیں بیٹھے، وہ پاکستان کی ودیعت اور وجود کو کمزور اور "دیمک خوردہ" بنانے کے لئے جتنے ہتھیار اور ہتھکنڈے استعمال کر سکتے تھے کر گئے اور کر رہے ہیں اور حق و باطل کی اسی ازلی اور ابدی جنگ کی زمان و مکان کی مقامی جھڑپیں امیر افضل خان کی کتابوں کا موضوع ہیں ۔ ان کی کتابوں کا مطالعہ واقعات سے واقفیت حاصل کرنے، تاریخ سے سبق سیکھنے اور عبرت حاصل کرنے اور سب سے بڑھ کر اپنے ازلی دشمن سے نپٹنے کے لئے عزم و ہمت اور حوصلہ حاصل کرنے کے لئے نہایت ضروری ہے ۔ پاکستان میں



شاید ہی کوئی مصنف اس تہری ضرورت کو بیک وقت پورا کر سکتا ہے سوائے امیر افضل خان کے ۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس عظیم اور بروقت اور برمحل خدمت کی جزاء بخشے ۔

۳۰ ۔ امیر افضل خان سے یہ خدمت حاصل کرنے کے لئے انہیں اسلوب بیان بھی کیا خوب بخشا ہے ۔ وہ اپنی تحریروں میں تحقیق اور تجزیہ کی بھرپور صلاحیت ہونے کے باوجود اپنے اسلوب بیان زبان کے چناؤ اور الفاظ کے انتخاب میں سادگی اور سچائی سے قوت حاصل کرتے ہیں ۔ میں ان کی تحریروں کو اکثر تحیر کی کیفیت کے ساتھ پڑھتا ہوں کہ کیسے یہ شخص چند سو الفاظ پر مشتمل لغت کے سہارے اتنی گہری باتیں اور اتنی جاندار اور موثر نثر لکھ لیتا ہے ۔ پھر مجھے گویا غیب سے جواب مل جاتا ہے ۔ آخر حضورؐ کا سپاہی ہے اس کملی والے کا سپاہی ہے جن کے متعلق مولانا ظفر علی خان نے کہا تھا: "جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکا ۔ وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں ۔" اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس زور قلم میں مزید برکت بخشے ۔ مجھے تو ایسے لگتا ہے کہ علامہ اقبالؒ نے یہ قطعہ اپنے لئے نہیں امیر افضل خان کی تحریروں کے متعلق لکھا تھا جس میں علامہؒ کے الفاظ میں مصنف کے اسلوب بیان اور مضمون داستان پر جامع اور خوبصورت تبصرہ ہے:۔

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے    شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات
یا وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل    یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہب مردان خود آگاہ و خدا مست    یہ مذہب ملا و جمادات و نباتات

امیر افضل خان کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ جہاد کشمیر نے ہماری عسکری روح و روایات کی تشکیل میں کس قدر نمایاں اور کلیدی رول ادا کیا ۔ تاریخ جانتی ہے کہ آزادی سے قبل دو سو سال کے طویل عرصہ میں اس خطے نے جسے آج پاکستان ہونے اور کہلانے کا فخر ہے، سلطنت برطانیہ کے تسلط کو سہارا دینے کے لئے لاکھوں فوجی پیش کئے ۔ یہ جوانمردی سے لڑے، فدایانہ وار کئے ۔ بہتوں کے سینوں پہ وکٹوریہ کراس اور ملٹری کراس سجے ۔ لیکن حق یہ ہے کہ ان جوانوں کے دلوں میں ایک تشنگی اور ان کی روحوں پہ آلودگی چھائی رہی ۔ وہ بخاک و خون غلطیدہ تو ہوئے مگر رسم عشق سے ناآشنا رہے ۔ ان کے تگ و دو کا ایک عظیم مقصد مفقود تھا ۔ صحیح

آزادی کے چند ہی ہفتوں اور جہاد کشمیر کی ابتداء ہوئی تو گویا فوج میں صدیوں سے دبی ہوئی مقصدیت کی آواز نے ایک عظیم الشان انگڑائی لی اور عشق کی ایک ہی جست میں وکٹوریہ کی صلیب (کراس) سے مزین نسلوں کی اولاد حیدرؓ کے نشان سے روشناس ہو گئی۔ امیر افضل خان کرایہ کے سپاہی کا طوق اتار کے حضورؐ کا سپاہی اور غازی بن گئے اور جو مرا کرتے ہے اب شہید ہوئے جن کی ابدی زندگی کی بشارت خود قرآن پاک نے دی ہے۔ فوج نے اپنا قبلہ پالیا اور اسلام کو اپنے نئے تشخص کا عنوان ٹھہرایا۔ کشمیر میں لڑنے والے کمانڈوروں نے اپنے القاب تاریخ اسلام کے نامور سپہ سالاروں سے مستعار لئے۔ ان مبارک ناموں کو اپنانا ایک فرضی کارروائی نہ تھی بلکہ تجدید عہد تھا۔ خالدؓ و طارقؒ و قاسمؒ کے نقش قدم پہ چلتے ہوئے فتوحات کے نئے دروازے کھولنے کا۔ جب میدان جہاد میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا تو پوری فوج ایک عظیم تبدیلی اور روح و روایات کی تطہیر کے عمل سے گزر رہی تھی۔ جب نمائشی نمبر دینے کا وقت آیا تو جی ایچ کیو نے بسم اللہ کرتے ہوئے ۷۸۶ کا بابرکت نمبر اپنے لئے مختص کیا اور یہ نمبر آج بھی ہر گاڑی کے اوپر نمایاں ہے اور جی ایچ کیو کی پہچان ہے۔ پاکستان ملٹری اکیڈیمی کی بنیاد رکھی گئی تو کمپنیوں کے نام خالدؓ، طارقؒ اور قاسمؒ (اور بعد میں صلاح الدینؒ) رکھے۔ ہر کیڈٹ کے ماتھے پر نصر من اللہ وفتح قریب کا تاج سجادیا گیا۔ علی ھذا القیاس اس چیز کے باوجود کہ مکروہات کے کچھ دھبے ابھی تک عسکری مزاج میں باقی ہیں اس بات سے اتفاق کرنا ہوگا کہ مطہرات کی فہرست بھی طویل ہے اور خوش آئند بھی۔ یہ سب جہاد کشمیر کا بھی ذیلی ثمر ہے۔ الحمدللہ

۳۱۔ چلتے چلتے یہ بھی کہتا چلوں کہ میرے لئے وہ منظر بہت اذیت ناک اور درد انگیز ہے جہاں امیر افضل خان افواج پاکستان کے چند عہدیداروں کے ساتھ دست و گریباں ہیں۔ میری دعا اور خواہش تھی کہ وہ صورت حال ہی پیدا نہ ہوتی جہاں امیر افضل خان کو "اپنے بیٹوں جیسوں" کے خلاف اتنی طویل فہرست شکایات ترتیب دینا پڑی۔ برادرم امیر افضل کو میرا یہ مخلصانہ مشورہ ہے کہ وہ اس باب کو جیسا بھی ہے بند کر دیں اور گلے شکوے کے بے پھل دشت میں وقت ضائع اور توقعات مجروح کرنے کی بجائے اپنے نیک مقصد اور عظیم منزل کی طرف آگے بڑھ جائیں۔ یہ رونا دھونا اور تیر برسانا کافی ہو چکا یہ داستان بند ہونی چاہیئے۔ کشادہ دل اور



پدرانہ شفقت کے ساتھ یہ قبول کرلینا چاہیئے کہ ان کی بھی کچھ مجبوریاں ہونگی۔ امید ہے برادرم امیر افضل اس مشورہ کو شرف قبولیت بخشیں گے۔

سید رفاقت
راولپنڈی
(لفٹیننٹ جنرل)

8 رمضان المبارک 1416ھ

29 / جنوری 1996ء

۳۲۔ قارئین! کتاب اب آخری مرحلہ میں تھی۔ آپ خود اندازہ لگائیں کہ چوتھے باب میں اس عاجز نے جو ملکی حالات کا نقشہ کھینچا ہے وہ کچھ بھی جنرل صاحب نے چند الفاظ میں بیان کر دیا ہے بات سیدھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم، تدبر اور مومن کی فراست عطا کردی ہے۔ اور اس پایہ کے آدمی ہمارے ملک میں انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ ایسے عظیم لوگ میری حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ باقی جہاں تک افواج پاکستان کے عہدیداروں کے ساتھ "دست و گریبان" ہونے کی بات ہے جو میرے بیٹوں کی طرح ہیں تو میں وہ معاملہ پہلے ہی سے 19 دسمبر 95ء کو ہی رب نبی محمدؐ کو سپرد کر چکا ہوں جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس ذات پاک نے اسی دن فیصلہ کر دیا اور اسی دن فوج کے سربراہی ایک نیک اور ہر دل عزیز جنرل جہانگیر کرامت کو عطا ہو گئی۔ اب آگے کیا ہوتا ہے۔ میں بہت پر امید ہوں کہ مورخہ 27 جنوری تا فروری 96ء کے ہلال میں سہ افواج پاکستان کی طرف سے جو اعلان ہوا ہے اس نے بے دین طبقہ کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ کہ ملک کی روزانہ اخبارین بھی اس اعلان کو اپنے پہلے صفحات کی زینت بنا رہی ہیں۔ اور یہ عاجز تو فروری 1995ء میں یہ اعلان کر کے قوم کو ایک کھلا خط لکھ چکا ہے۔ کہ رسول عربیؐ کا اسلام آرہا ہے۔ یہی اگلے ضمیمہ کا عنوان ہے اور ہماری افواج نے تو اعلان بھی کر دیا ہے کہ "ہم اللہ کے سپاہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لشکر ہیں۔ مورخہ 3 فروری 1996ء کو لاہور کے مقام پر بری فوج کے نئے فوجی سربراہ جنرل جہانگیر کرامت نے بھی اعلان کر دیا۔ کہ ہماری فوج اسلام کی فوج ہے۔

ضمیمہ "د"

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سپاہی کا اعلان ۔رسول عربی کا اسلام آرہا ہے۔

عشق بلاخیز کے قافلہ سخت جان میں شمولیت کے لئے تیاری کریں

## جدوجہد کے تانے بانے

### ابتدائیہ

۷۶ سالہ میجر امیر افضل خان جو دوسری جنگ عظیم سے پہلے بقول ان کے متحدہ ہندوستان کی فوج میں "کرایہ کا سپاہی" تھا۔اس نے دوسری جنگ عظیم میں جنگی وقائع نگار کے طور پر متعدد فوجی یونٹوں کے مسلمانوں تک ، تحریک پاکستان کا پیغام پہنچایا۔اور یہ کام وہ اعلانیہ طور پر کرتا تھا، کہ ہندو کانگرس کے نمائندے اور کئی بے کردار اور ابن الوقت مسلمان فوجی افسر متحدہ ہندوستان کے گیت گاتے رہتے تھے۔جنگ کے بعد اور خاص کر ۱۹۴۶ء کی آخری سہ ماہی میں اس نے مسلم لیگ کی اخبار ڈان، انجام اور دہلی میں مسلمان اخباری نمائندوں کے ساتھ رابطہ باندھا۔اور مسلمان فوجیوں کی ایک مسلم لیگ "Cell" بنائی۔جنہوں نے فوج کے بٹوارے کے سلسلہ میں بعد میں اہم کام کئے۔

### ایک ثبوت

2 ۔ اس کے ثبوت کے طور پر ۱۹۹۰ء کے راولپنڈی کے ایک سیمینار میں انہوں نے میجر جنرل شیر علی کو "شرمندہ" کیا۔کہ وہ ان کے راستے میں رکاوٹ تھا۔اور ان کو قید کرنے کی دھمکیاں بھی دیتا رہتا تھا۔اور اس سیمینار میں بیٹھے بریگیڈیر گلزار احمد کی طرف اشارہ کیا کہ اس تحریک میں وہ ہمارے ساتھ تھے اور اس سلسلہ میں ایک ستون کے طور پر کام کرتے رہتے تھے۔

### خضر حیات کے خلاف کام

3 ۔ اپنے علاقہ سون سکیسر، ضلع خوشاب میں اپنے ہم جماعت میاں نذیر عالم مرحوم کی مدد کی،



جنہوں نے وہاں مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی۔اور ۱۹۴۴ء میں خضر حیات ٹوانہ کی مسلم لیگ کے ساتھ بغاوت کے بعد میاں نذیر عالم کے والد بزرگوار میاں رکن الدین مرحوم جو تحریک خلافت میں قید کاٹ چکے تھے، کو بھی مسلم لیگ میں لے آئے، کہ پہلے وہ مسلم لیگ کو ٹوڈیوں کی جماعت کہتے تھے۔اس کے بعد اپنی یونٹ سے لمبی چھٹیاں لے کر ۴۶۔۱۹۴۵ء کے انتخابات میں میاں رکن الدین مرحوم کی سربراہی میں علاقے میں تحریک پاکستان میں جو کام کیا تو میاں صاحب مرحوم کے چھوٹے بیٹے جو، ابھی زندہ ہیں، ان کے لئے میجر امیر افضل ایک مقدس ہستی ہے۔اور اپنے لمبے سفروں کے دوران امیر افضل نے تحریک پاکستان کے سلسلہ میں ہر ہم سفر تک پاکستان کی ضرورت کا پیغام پہنچایا۔

### جہاد کشمیر

4 ۔ کشمیر کے جہاد ۴۸۔۱۹۴۷ء میں شریک ہوئے۔اور فائر بندی کے ڈرامے اور تیاری کو وہ وسط دسمبر ۱۹۴۸ء میں ہی بھانپ گئے تھے۔اور اسی وقت احتجاج شروع کر دیئے۔تو ان کو دسمبر کے آخری ہفتے میں ایڈورس رپورٹ پر رکھتے ہوئے محاذ سے ہٹا کر ان کے رجمنٹل سنٹر میں بھیج دیا تو انہوں نے اسی زمانے سے اپنے بے چین دل سے ملکی معاملات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لینا شروع کر دیا۔جس کا ذکر آگے سید شبیر حسین شاہ کے الفاظ میں آتا ہے۔افسوس کہ کشمیر میں جو بہادری سے لڑے ان کو جیل میں ڈال دیا۔اور حیاء الدین اور شیر علی جنہوں نے انگریزوں کا کھیل کھیلا ان کو بہادری کے تمغے دے دیئے۔

### ڈھاکہ شہر کا کنٹرول

5. ۔ ۱۹۵۲ء میں جب مشرقی پاکستان میں زبان کا جھگڑا شروع ہوا اور ڈھاکہ میں کئی سولین مارے گئے۔تو ان کی پلٹن کو میلہ چھاؤنی سے ڈھاکہ پہنچی، اور ان کی کمپنی کو ڈھاکہ شہر کی ذمہ داری دی گئی۔انہوں نے بغیر گولی چلائے حالات کو کنٹرول کر لیا۔لیکن اوپر والوں کو لکھ کر دیا

کہ اسلام کے نفاذ اور عربی زبان کو اپنانے سے ہی دو خطوں کو اکٹھا کہا جا سکتا ہے۔

## کلمہ حق

6 ۔ فوجی نوکری کے دوران وہ کلمہ حق کے لئے مشہور تھے۔ اور جنگی منقوں میں ان کی سچی باتوں سے وہ بڑے لوگ سخت گھبراتے تھے۔ جنہوں نے اپنی شخصیتوں کے "قلعے" ریت کی بنیاد پر بنائے ہوئے ہوتے تھے۔ چنانچہ ان کو بحث و مباحثہ سے دور رکھا جاتا تھا۔ لیکن باکردار لوگوں میں ان کی بڑی قدر تھی۔ اور ان کے جونیئر تو ان کے ساتھ والہانہ محبت کرتے تھے۔

## تعمیری عمل

7 ۔ میجر امیر افضل کا ہر عمل تعمیری ہوتا تھا۔ اور ان کے ساتھیوں اور تربیت یافتہ فوجیوں نے ہر میدان میں اپنی عظمت کا مظاہرہ کیا۔ اور میدان جنگ میں ان کے ماتحت آخری آدمی اور آخری گولی تک لڑے۔

## مسلمان مجاہد

8 ۔ وہ ہمیشہ عملی طور پر ایک مسلمان مجاہد کا مظاہرہ کرتے رہے۔ نماز، روزہ کی پابندی، شراب اور شرابیوں سے نفرت۔ اور تمام غیر اسلامی شعائر کی وہ اعلانیہ مخالفت کرتے رہے۔ اور جب محکمہ تعلقات عامہ میں ہوتے، تو وہاں کے سولین وردی پوش افسروں کو فن سپہ گری کا ٹیکہ لگاتے رہتے تھے۔ کہ یہ میراثیوں والی پبلسٹی نہیں ہونا چاہئیے۔ ہمیں پوری قوم کو اللہ کی فوج بنانے کے لئے کام کرنا چاہئیے۔

## لڑائی لڑنے کا بوگس طریقہ

9 ۔ ۱۹۵۸ء میں میجر جنرل عبدالحمید اور اس کے "ٹولے" نے ایک عامیانہ جرمن لکھاری کی کتاب سے لڑائی لڑنے کے بوگس اور "نئے طریقہ" کو اپنی "کاوش" کے طور پر بری فوج کے سامنے پیش کیا۔ تو انہوں نے جگہ جگہ اس کی مخالفت کی۔ کہ یہ "ناپ" کر لمبے فاصلوں پر ہتھیار لگانے کو تدبیرات یا تزویرات کی بنیاد بنانا، لال بجھکڑ کی تجویزیں ہیں۔ یہ فیصلہ ہم میجروں پر



چھوڑا جائے کہ زمین کے لحاظ سے ہم اپنے ہتھیاروں سے کتنا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے سفارش کی کہ ہمیں زیادہ بھروسہ نفری پر کرنا چاہئیے جو وافر تعداد میں ہمارے پاس موجود ہے۔ اور بڑے ہتھیار یا ان کے فائر کو انعام خداوندی سمجھ کر بہت کفالت سے استعمال کریں، کہ یہ چیزیں ہمارے ملک میں بہت محدود تعداد میں ہیں۔ ان کی بات نہ سنی گئی۔ لیکن یہ نیا طریقہ ستمبر ۶۵ء کی جنگ میں ایک دن بھی نہ چل سکا۔ جو جنگ ہم خود نے "مول" لی تھی۔ اس سلسلہ میں بھی انہوں نے بہت شور مچایا کہ جنگ آرہی ہے اور ہم اس جنگ کے لئے تیار نہیں۔ لیکن اوپر والوں کو نہ جنگ نظر آتی تھی اور نہ وہ "لڑائی" اور "جنگ" میں فرق کر سکتے تھے بلکہ جنگ کے تقاضوں سے بھی نابلد تھے۔ اگست ۱۹۶۵ء میں ان کی تبدیلی لاہور سے مردان کر دی گئی۔ انہوں نے اس تبدیلی پر احتجاج کیا اور کہا" کہ مجھے جنگ نظر آرہی ہے۔ میں اپنے ماتحتوں سے اس نازک وقت میں الگ نہیں ہو سکتا۔" اور ان کی بات پوری ہوئی۔ اور یکم ستمبر سے وہ شور مچا رہے تھے کہ ہم محاذ پر جائیں۔

## لاہور بچ گیا

10 ۔ انہی کے مزید پروٹیسٹوں اور ان جیسے چند اور غیرت مند لوگوں کی وجہ سے ہے کہ ۶ ستمبر صبح دن چڑھے اگلے محاذ پر جانے کی بجائے ان لوگوں نے "حکم عدولی" کی۔ اور ایک ایک کر کے ۵ ستمبر بعد دوپہر محاذ پر جانا شروع کر دیا۔ اور جوانوں نے بروقت محاذ پر پہنچ کر لاہور کو بچا لیا۔ ورنہ بڑے بڑے کمانڈر اور ان کے سٹاف افسر 5/6 ستمبر کی رات ایک پارٹی میں مدعو تھے، یا اپنے گھروں میں سوتے رہے۔ اور جو پارٹی میں مدعو تھے وہ نشے میں دھت 6 ستمبر کو صبح نو بجے اٹھے، جب دشمن کے حملوں کے تین مرحلے ناکام بنائے جا چکے تھے۔ جنرل سرفراز اور بریگیڈیئر قیوم شیر ان میں شامل تھے لیکن جھوٹ کی بھی کوئی حد ہوتی ہے ان دونوں کو بہادری کے تمغے دے دیئے گئے۔

## جوابی حملہ

11 ۔ میجر امیر افضل 9 ستمبر 65ء کو اس جوابی حملہ میں شامل تھے۔ جس کے نتیجہ میں

بھارتی اپنے جنرل نرنجن پرشاد کی جیپ کو بی آر بی کے نزدیک چھوڑ کر واہگہ کی طرف بھاگ گئے۔ اور اس کے بعد فائر بندی تک میجر امیر افضل نے واہگہ محاذ کے سب سے آگے والے پوزیشن کی کمانڈ کر کے لاہور کو بچایا۔

## شوشہ اور افراتفری

12 - 11 / 12 ستمبر شام کو جب اوپر والے ایک "شوشہ" کی وجہ سے ساری فوج کو پیچھے بھگا رہے تھے۔ تو میجر امیر افضل نے پیچھے آنے سے انکار کر دیا۔ لیکن دوسری دفعہ تنبیہہ کے حکم کو مانتے ہوئے۔ وہ بی آر بی پر واپس آیا۔ لیکن اس کے اوسان ذرا بھر خطا نہ ہوئے اور اس نے اوپر والوں خاص کر برگیڈیئر قیوم شیر کو سمجھایا "خدارا اپنی عقل کے ناخن لو۔ بھارتی، اٹاری کی طرف بھاگ رہے ہیں اور تم لاہور کی طرف" بھارتیوں کو جب ہماری اس بھگدڑ کی خبر ملی تو وہ بھی واپس مڑے" لیکن سخت قربانی دیتے ہوئے اور بکتر بند دستوں کے کیپٹن سرور شہید کی مدد سے میجر امیر افضل نے 12 ستمبر کی رات کے وقت جو پوزیشن ان سے بے وقوفی سے خالی کرایا گیا، اس پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور آخری گولی تک لڑ کر اور عظیم قربانی دے کر لاہور کو بچایا۔ اور بھارتی جنہوں نے غلط خبر دے رکھی تھی کہ ان کا شالامار باغ پر قبضہ ہے۔ وہ اپنے سات سو جوانوں کی قربانی دینے کے باوجود بی آر بی تک بھی نہ پہنچ پائے۔ البتہ اسلام کا غدار جنرل آصف نواز 1992ء میں بھارتیوں کے قدموں سے شالامار باغ کو ناپاک کرانا چاہتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ توفیق نہ دی اور تب ہی اس کی بدبو سے تنگ آکر ایک دفعہ اس کی قبر بھی اس کو باہر پھینک چکی ہے۔

## محاذ چھوڑنے سے انکار

13 - میجر امیر افضل کو 18 ستمبر کو بھی احکام ملے کہ وہ محاذ کو چھوڑ کر مردان والی پوسٹنگ کے عمل کو پورا کرے۔ لیکن اس نے پھر احتجاج کیا۔ اور فائر بندی تک محاذ پر بھارتیوں کا اس طرح ڈٹ کر مقابلہ کیا کہ جنگ کے تین سال بعد 21 اپریل 69 میں بھارتی پارلیمنٹ میں سناٹا چھا گیا۔ جب ان کو پہلی دفعہ اپنی اس "خود کشی" والی جنگ کے نقصانات سے آگاہ کیا گیا



(روزنامہ نیوز 16 دسمبر 1994ء کرنل محبوب الٰہی کا مضمون)۔ دراصل جنگ سے پہلے اور جنگ کے دوران میجر امیر افضل کی سچی باتوں سے اوپر والے گھبرا گئے تھے کہ آنے والی فائر بندی کے بعد وہ ان کو "ننگا" کر دے گا۔ اور اس کو لاہور سے ہٹانا چاہتے تھے۔ جس میں آخر وہ لوگ چار ماہ بعد کامیاب بھی ہو گئے۔

## جھوٹ ہی جھوٹ

14 - فائر بندی کے بعد 24 ستمبر 65ء کو پستول ہاتھ میں لے کر وہ اپنے کچھ بڑوں کا "خاتمہ" کرنا چاہتا تھا۔ جنہوں نے نہ صرف کوتاہیاں کیں۔ بلکہ غلط خبریں دے کر قوم کے ساتھ بھی دھوکہ کیا۔ اور واہگہ محاذ جہاں پر میجر امیر افضل کے ماتحت یا ساتھ والے نو افسروں نے داد شجاعت دیتے ہوئے بی آر بی کے آگے دشمن کو روک کر جام شہادت نوش کیا۔ اور دو افسران پہلے یہ جام نوش کر چکے تھے۔ ان سب باتوں پر پردہ ڈالا جا رہا تھا۔ اور بری محاذ پر جہاں صرف دو افسران شہید ہوئے اور وہ بھی بی آر بی کے پیچھے بمباری سے ان میں سے ایک جو 5 / 6 ستمبر رات گھر میں سویا رہا اور دشمن کے ساتھ ایک دن بھی لڑائی نہ لڑی، کو نشان حیدر دینے کی سفارش کی جا رہی تھی (اور بعد میں دے دیا) تو میجر امیر افضل اپنا "کورٹ مارشل" کرانے پر تیار ہو گیا تھا۔ کہ اس طرح قوم کے سامنے سچی باتیں تو ظاہر ہوں گی لیکن اپنے پیارے رفیقوں کی منت سماجت کی وجہ سے وہ خاموش ہو گیا۔ اور پھر تحقیقی کاموں میں مصروف ہو گیا۔ اور اپنی پلٹن کی نئی تنظیم میں مشغول ہو گیا کہ پلٹن کا بے پناہ جانی نقصان ہوا تھا۔ جن سو شہداء نے لاہور کو بچایا، میجر امیر افضل نے ان کو ایک شہید گنج میں دفن کیا۔ نہ ان کے نام پر کوئی سڑک ہے نہ قوم کو خبر ہے کہ وہ کون تھے۔

## کافرانہ دفاعی نظام

15 - شروع 1966ء میں وہ ایک نئی پلٹن کھڑی کر کے کوئٹہ پہنچا کہ اوپر والے کسی بہانے سے کہ اس کو ترقی دی جا رہی ہے، اس کو لاہور سے ہٹانے میں کامیاب ہو گئے۔ میجر امیر افضل کو معلوم تھا کہ اس کا ترقی کا نمبر نہیں لیکن فوجی مفاد کی وجہ سے وہ خاموش تھا۔ کوئٹہ پہنچ کر اس

نے فوجی بحث مباحثوں میں اپنے ڈویژن کمانڈر اور سب افسروں کو بہت باور کرانے کی کوشش
کی کہ اس کافرانہ دفاعی نظام سے ملک کو نہیں بچایا جاسکتا۔ اور بعد میں جی ایچ کیو میں آجانے کے
بعد یہی کچھ یہاں بڑوں کو باور کرایا اور آخر مارچ 1969ء میں جنرل گل حسن کو لکھ کر دیا کہ
اس کافرانہ سیاسی اور دفاعی نظام کے تحت اگر ہم پچھلی جنگ سترہ دن لڑ سکے ہیں تو آنے والی
جنگ سات دن یا زیادہ سے زیادہ ستائیس دن لڑ سکیں گے۔

### ہلال اخبار کو اسلامی رنگ

16 ۔ 1967ء سے آکر اس نے فوج کے ہفتہ وار اخبار ہلال کو اسلامی رنگ دینا شروع
کردیا۔ اور 1969ء میں ایک عظیم سیرت نمبر کا اجراء کیا۔ اور فوج کو یہ باور کرانے کی
کوشش کی کہ ہم نے غیروں سے کچھ نہیں سیکھنا۔ دین فطرت کے پیروکاروں کے پاس سب
علوم اور ہنر قرآن پاک اور سنت نبوی میں موجود ہیں۔ اور 24 سال تک یہ سیرت نمبر دھوم
دھام سے جاری رہا۔ لیکن 1992ء میں غدار اسلام آصف نواز کے زمانے میں میجر جنرل جہانگیر
نصراللہ جس نے کتاب جہاد کشمیر کو شائع نہ ہونے دیا۔ اس کی اشاعت کو بند کر گیا اور کسی کے
کان پر جوں بھی نہ رینگی۔

### یحییٰ خان کو کھری کھری سنانا

17 ۔ 14 ستمبر 1970ء کو یحییٰ خان اور چھ سو افسروں کو ایوب ہال میں بتلایا کہ اس کا فوجی
چھاتہ پاش پاش ہونے والا ہے اور وہ ملک کے ٹکڑے کرنے پر صدارت کرے گا۔ اور 5 اکتوبر
1970ء کو ایک تفصیلی مسودہ اس کو لکھ کر دیا، کہ اس کافرانہ سیاسی اور عسکری نظام سے
ملک کو نہیں بچایا جاسکتا۔ شراب کی بوتلوں کو توڑ دو اور قوم کو صراط مستقیم پر گامزن کرو۔
ورنہ......

تو امیر افضل کو فوج سے ریٹائر کردیا گیا لیکن 1971ء میں پھر بلالیا کہ اخباروں کو
کنٹرول کرو اور مشرقی پاکستان کے حالات کا مطالعہ کرو۔ اس نے وسط 1971ء میں مشرقی
پاکستان کے چپہ چپہ کا دورہ کیا۔ اور جوانوں کی بہادریوں پر 20 مضامین لکھے۔ لیکن ساتھ



سفارش کی کہ اسلام کا نفاذ کرو۔ ورنہ لڑائی کی صورت میں وہاں سے فوج کو نکال کر عزت بچاؤ
(روزنامہ اخبار نیوز ۱۸ جنوری ۹۵ء کرنل محبوب الہیٰ کا مضمون)

### مگرمچھ کے آنسو اور امیر افضل کی للکار

18 ۔ سقوط ڈھاکہ کے بعد دسمبر 1971ء میں جنرل عبدالحمید، جب ایوب ہال میں چھ سو
افسروں کے سامنے مگرمچھ والے آنسو بہا رہا تھا۔ اور ایک سے ایک افسر اس کو برا بھلا سنا رہا تھا۔
تو میجر امیر افضل نے ان افسروں کو للکارا "کہ ان میں سے ستر فی صد 14 ستمبر 1970ء کو
اس ہال میں موجود تھے۔ جب میں نے کہا کہ یہ ہونے والا ہے۔ تم میں سے ایک آدمی کو ہمت
نہ ہوئی کہ اس پیش بینی اور کلمہ حق کی تائید کرتے۔ آج شکست خوردہ عبدالحمید پر شیر نہ بنو اور
ضبط سے کام لو۔" پھر جنرل عبدالحمید سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ "جس نے تم کو بے وقوف بنا
کر قربانی کا بکرا بنایا۔ وہ پشاور پہنچنے والا ہے اور ایئر مارشل رحیم اس کو یہاں پہنچانے والا ہے۔
اور جنرل گل حسن اس کو "حفاظت" دے گا۔ اگر ہمت ہے تو توبہ اور ندامت کرو۔ اور اب بھی
اللہ کے احکام کے نفاذ کا اعلان کر کے حالات کو ٹھیک کر سکتے ہو۔ ورنہ وقت نہ ضائع کرو۔ اور
بے عزتی کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

### بھٹو کو سچ سنانا

19 ۔ دسمبر 1971ء کے آخری دنوں میں اور بعد میں فروری 1972ء میں ذوالفقار علی بھٹو
کو اسی ایوب ہال میں کہا۔ "کہ سقوط ڈھاکہ فوجی المیہ کم ہے اور سیاسی المیہ زیادہ ہے۔ فوج کو
قربانی کا بکرا بنایا گیا۔ اور تم اور مجیب اس کے ذمہ دار ہو۔ اور ایک دن اس جہاں میں بھی اور
آخرت میں بھی پچھتاؤ گے کہ تم غلط فہمی میں ہو کہ تم بہت ہوشیار ہو، کوا بھی بڑا ہوشیار ہے لیکن
پھٹکار اور دھتکار سے نہیں بچ سکتا۔ تم شراب پینے کو معمولی بات سمجھتے ہو۔ یزید بن معاویہ بھی
صرف شراب کی وجہ سے بدنام تھا۔ بہرحال اب تم یہ ملک جمہوریت سے چلاؤ۔ ایوب خان اور
یحییٰ خان کی طرح ہمارے کندھے پر بندوق رکھ کر تو ملک کو نہ چلاؤ۔ اور یہاں تمہاری شہ پر مسٹر
برکی جو فوج کی ایسی تیسی کر رہا ہے۔ مجھے تو اب وردی پہنتے شرم آتی ہے۔ اور میں نے فوج سے

پنشن پر جانے کی درخواست دے دی ہے۔ اور یہ نہ سوچتا کہ میں تمہیں یہ کچھ کہہ رہا ہوں۔ سارا حال گواہ ہے۔ یحییٰ اور حمید کو یہاں ہی پہلے کھری کھری سنا چکا ہوں۔

## فوج سے پنشن اور پھر واپس بلالیا

20 ۔ فوج سے 1973ء میں پنشن تو ملی لیکن ان پر کڑی نگاہ رکھی گئی کہ وہ کس پارٹی کا آدمی ہے؟ جب تسلی ہو گئی کہ سب کو کھری کھری سناتا ہے۔ تو 1975ء میں دوبارہ فوج میں واپس بلا کر ان کو وردی پہنوادی، کہ کوئی اس کی تحقیقات کو استعمال نہ کرے۔ بہر حال 1977ء میں ضیاء الحق صاحب آگئے اور ذوالفقار علی بھٹو نے جہاں تخت حاصل کیا تھا۔ وہاں سے پرندوں کی اڑان کے ایک ہزار گز کے فاصلہ پر کال کوٹھری میں بھی رہا۔ پھر وہاں اس کو تختہ پر کھڑا کیا گیا "حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تقدیریں۔"

## ضیاء الحق سے امیدیں خاک میں مل گئیں؟

21 ۔ ضیاء الحق امیر افضل کے چھوٹے بھائیوں کی طرح تھا۔ اور اس سے وہ کافی امیدیں وابستہ کئے ہوئے تھے۔ کہ ضیاء الحق نے حکومت سنبھالتے ہی میجر امیر افضل کے پلٹن وال لیفٹیننٹ جنرل غلام حسن کے ذریعہ سے وہ مسودہ حاصل کیا جو انہوں نے 5 اکتوبر 1970ء کو یحییٰ کو دیا تھا۔ میجر امیر افضل نے اپنے طور پر میجر جنرل احسان الحق ڈار مرحوم کے ساتھ رابطہ کر کے پاکستان کی فوج کے لئے، حضور پاکؐ اور خلفاء راشدین کی جنگی حکمت عملی اور تدبیرات پر پانچ کتابیں لکھیں۔ مشہور جرمن جنگی فلاسفر کلاسیوٹز کی آٹھ کتابوں کا اردو میں ترجمہ کر کے ساتھ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ سے ثابت کیا کہ ہمارے پاس بہتر فلسفہ جنگ موجود ہے۔ ان میں سے کتاب "جلال مصطفیٰ" سے پیر صاحب کرم شاہ الازہری اتنے متاثر ہوئے کہ لکھا کہ ان کے اس سلسلہ میں اکثر پرانے تاثرات درہم برہم ہو گئے۔ کہ یہ کتاب قرآن پاک کے لحاظ سے حضور پاکؐ کی جنگی مہارتوں کا صحیح جائزہ ہے۔ لیکن ضیاء الحق نے الٹا، چھپے قادیانی جسٹس شیخ آفتاب کی مدد سے کتاب "جلال مصطفیٰ" کی پذیرائی روک دی۔ اور باقی کتابوں کو فوجی لائبریروں میں بند کر دیا۔ اور مرحوم جنرل ڈار کی فوج میں مزید ترقی روک دی۔ اور پھر ان کو گھر



پنشن پر بھیج دیا۔

## ضیاء الحق کا کوئی دین ایمان نہ تھا

22 ۔ یہ سب کچھ میجر امیر افضل کی سمجھ سے باہر تھا۔ لیکن اس کو ضیاء الحق کے ساتھ سیدھی ٹکر لینے کا موقع نہ ملتا تھا۔ کہ جہاں اکٹھے ہوتے۔ میجر امیر افضل، 1979ء سے فوج سے ریٹائر ہو جانے کی وجہ سے فوجی ممبری کا حق کھو چکا تھا۔ اور ان تقریبات میں اسے میزبان کی عزت ملحوظ رکھنے کا بھی خیال ہوتا تھا۔ اور ضیاء الحق بھی اس سے دور رہتا تھا۔ بہر حال میجر امیر افضل نے تبلیغ جاری رکھی اور ضیاء الحق کو جو کچھ لکھ کر بھیجا وہ ایک کتاب کا مضمون ہے۔ اور میجر امیر افضل پر واضح ہو گیا کہ ضیاء الحق کے گرد چھپے قادیانیوں کا گھیرا ہے۔ اور اس خود کا بھی کوئی پکا دین مذہب نہیں۔ بلکہ اس کو بریگیڈیئر صدیق ستی کے ذریعہ سے ثبوت مہیا ہوئے کہ وہ فوج میں آیا ہی قادیانیوں کی مدد سے تھا۔ اور اس نے کئی لبادے اوڑھ رکھے تھے۔ جن کو وہ تبدیل کرتا رہتا تھا۔ تو میجر امیر افضل نے 1985ء میں ضیاء کے مارشل لاء کی ذرا بھر پرواہ کئے بغیر ایک کتاب "تاشقند کے اصلی راز" اور "قادیانیوں کی سازشیں" لکھ دی۔ جس میں اپنے اور ضیاء سمیت کسی کو معاف نہ کیا۔ اور بے شک اپنے عسکری اور سیاسی المیہ پر یہ ایک عظیم کتاب ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ خدا نے کسی کو توفیق نہ دی کہ اس کتاب پر کوئی پابندی لگاتا۔

## خانہ کعبہ اور روضہ رسول کا بلاوا

23 ۔ میجر امیر افضل جس کو لوگ کئی سالوں سے حاجی صاحب پکارتے تھے۔ حج پر نہ جاتا تھا۔ کہ کعبہ کس منہ سے جاؤ گے" لیکن یہ سچی کتابیں لکھنے کے دوران یا ان کی پروف ریڈنگ کے دوران۔ اس کے اتنے آنسو بہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس پر رحم آگیا اور اس کے لئے اللہ کے گھر اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زیارت کا بلاوا آگیا اور 1986ء میں حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ وہاں کیا ہوا اس کی کچھ جھلکیاں میجر امیر افضل کی تازہ کتابوں "حضور پاکؐ کے جلال و جمال" اور جہاد کشمیر میں ملتی ہیں اور اگر بیوی ساتھ نہ ہوتی تو شاید وہ سب حدیں

پھلانگ جاتا کہ تان اس پر ٹوٹتی تھی کہ ٹھیک ہے، ہم گنہ گار ہیں ۔ اور یہ ذلت ہم نے خود مول لی ہے ۔ پر تو بھی تو اپنے نام اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے نام کی لاج رکھ کہ غیر تو کہتے ہیں، ہم تیرے ہیں ۔ ہمیں انسان کا بچہ بنادے اور ہماری عزت اور غیرت بحال کردے ۔

## دوسرا بلاوا

24 ۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ 1988ء کے شروع میں امریکہ جاتے ہوئے پھر میجر امیر افضل کو عمرہ کی سعادت نصیب ہو گئی ۔ اور خانہ کعبہ اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر ایسی پرامید جھلکیاں دیکھیں کہ وہ حیران ہو گیا اور امریکہ پہنچنے پر وہاں کی نام نہاد ترقی والی اور بناوٹی زندگی میں ظاہراً تو بڑا ستھرا پن اور صفائی نظر آتی تھی ۔ لیکن باطن میں اسے ایسا اندھیرا نظر آیا کہ اس نے زیادہ مقامات کو دیکھنا ہی پسند نہ کیا ۔ بلکہ وہاں زیادہ عرصہ بیٹھ کر مطالعہ میں گزارا ۔ کہ امریکہ کی بناوٹی زندگی میں اس کے لئے کوئی کشش نہ تھی ۔ البتہ جگہ جگہ اسلامک سنٹر دیکھ کر اس کی روح کو تسکین ہوئی، کہ اس اندھیرے گھپ میں بھی اسلام کے چھوٹے چھوٹے چراغ اس کو ٹمٹماتے نظر آئے ۔ لیکن اصل چیزیں اس کی خانہ کعبہ اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں دعائیں تھیں ۔ جو اس کی روح نے اس کے نفس پر بٹھا دیں ۔ اور 1990ء سے روس کے پاش پاش ہونے کے عمل، کشمیریوں میں جان پڑجانے، بوسنیا اور چیچنیا میں اللہ اکبر کے نعروں کی گونج میں اس کے لئے پیغام ہے، کہ اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے اسلام کے احیا کے لئے دعاؤں میں شرکت دے دی ۔ اور اب وہ بڑا پرامید ہے ۔

## ضیاء الحق کے پرخچے اڑ گئے

25 ۔ بہرحال جب 1988ء کے وسط میں وہ ملک میں واپس آیا ۔ تو جلد اس کے "دوست ضیاء الحق کے پرخچے بھی اڑ گئے ۔ اور اس کو افسوس ہوا کہ ضیاء صاحب نے ملک کو کچھ بھی نہ دیا بلکہ اسلام کے ساتھ وابستگی کو وہ ایک "معیوب" عمل بنا گیا ۔ اب باطل طاقتوں نے ظاہر ہو کر اسلام کا مذاق اڑانا تھا ۔ کہ گو، ملا بھی اس کا ہیرو ہے کہ اس نے کچھ اسلام کا نام تو قائم رکھا ہوا تھا ۔ لیکن اس کو ملک میں ایک مولوی بھی نظر نہ آیا، جو اسلام کو کچھ سمجھتا ہو ۔ اور وہ جناب



ابوذر غفاریؓ کی طرح گوشہ نشین ہونا چاہتا تھا ۔ کہ 1989ء اور 1990ء میں سیمینار شروع ہو گئے، کہ ہم اپنی جنگوں اور دفاعی معاملات کی چھان بین کریں اور غلطیوں کی نشاندہی کرنے کے بعد اپنے لئے صراط مستقیم تلاش کریں ۔ میجر امیر افضل جس کو اب سب لوگ اس کے قلمی نام "حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا سپاہی" سے پکارتے تھے ۔ وہ تو ایسے مواقع کا منتظر تھا ۔ اور اس نے جب اپنی تحقیقات یا مشاہدات کو ان سیمینارز میں پیش کیا ۔ تو آواز اٹھی کہ وہی جہاد کشمیر 48 ۔ 1947ء پر ایک بامقصد کتاب لکھے اور ۱۹۹۰ء ہی میں فوج کی طرف سے محکمہ تعلقات عامہ نے اس کے ساتھ ایسے معاہدے پر دستخط کر دیئے، کہ وہ ایک مستند، متوازن اور بامقصد کتاب لکھے ۔ جو کام اس نے ان نو سیمانارز کی روداد تقریباً دو سو کتابوں اور اتنے ہی مجاہدین کے انٹرویو کی مدد سے ایک سال میں مکمل کر لیا ۔ اور مقررہ وقت سے پہلے ۱۸۰۰ صفحات کی دو جلدوں کی کتاب کا مسودہ محکمہ تعلقات عامہ کے نئے ڈائریکٹر کو پیش کر دیا ۔ کہ جنرل احسان الحق ڈار کے بعد جنرل ریاض اللہ بھی میجر امیر افضل کو اس "میدان" میں اکیلا چھوڑ کے اللہ کا پیارا ہو گیا تھا ۔

## کتاب جہاد کشمیر، اور مایوسیاں

26 ۔ 1991ء اور 1992ء میں میجر امیر افضل کو کیا پاپڑ بیلنے پڑے اور اس نے کیا مایوسیاں دیکھیں، یہ ایک کتاب کا مضمون ہے ۔ اوروں کو تو چھوڑیں ۔ جنرل آصف نواز جو اس کے بیٹوں کی طرح تھا ۔ اور اس کے لئے اس نے دعائیں کیں کہ جس مقام پر وہ پہنچا، تو وہ اس کے راستے پر آکر کھڑا ہو گیا ۔ غلام اسحق، شرعی عدالت کوئی بھی اس کی مدد کرنے پر تیار نہ تھا ۔ اور اس کو کہا گیا کہ جو سچ اس نے تلاش کیا ہے ۔ اس کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائے ۔ اور اپنی محنت کی وہ کچھ مزدوری لے لے جو تقریباً دو لاکھ روپے بنتی ہے ۔ جہنم میں جائیں دو لاکھ روپے ۔ ان پر تو اس نے ٹھوکر ماردی ۔ لیکن اپنی تحقیقات کی اشاعت کیسے کرے ۔ یا اگر کچھ شائع کر لے تو اس کو قوم تک کیسے پہنچائے کہ اس کی تحقیقات کو کوئی پبلشر ڈر سے شائع کرنے کو تیار نہ تھا اور کوئی آدمی آگے شاید ان کتابوں کو بانٹنے کے لئے بھی تیار نہ ہو ۔

## قادیانیوں کی شرپسندی

27 ۔ قادیانیوں کو شرپسندی اور سازش کو وہ کافی عرصہ سے سمجھے ہوئے تھے کہ 1973ء میں ہم جیتی ہوئی بازی ہار گئے ۔ اور قادیانیوں کو اقلیت قرار دے کر ہم نے ان سازشیوں کو ایک کھلی چھٹی دے دی تھی کہ اب وہ اقلیت کے طور پر اپنا حق مانگیں ۔ چنانچہ 89 ۔ 1988ء میں پہلے شرعی عدالت میں اور 1993ء میں وہ سپریم کورٹ میں خود پیش ہوا ۔ کہ عدالت والے یہ پہلو سمجھیں کہ غلام کذاب کو پیدا کرنے والے نت نئے رنگوں میں قادیانیوں سے اسلام کو پاش پاش کرا رہے ہیں ۔ اور ہر قادیانی سلمان رشدی ہے اور واجب القتل ہے کہ وہ اسلام کو کافرانہ رنگ میں پیش کرتا ہے اور قرآن پاک کو اپنے کافرانہ معنی پہنا کر قرآن پاک کی بے حرمتی کر رہا ہوتا ہے ۔ سپریم کورٹ کے کچھ جج صاحبان یہ پہلو سمجھ گئے اور جسٹس عبدالقدیر چودھری کی سربراہی میں انہوں نے سینئر جج شفیع الرحمن سے اختلاف کر کے اعلان کر دیا کہ قادیانیوں کا اپنا کوئی مذہب نہیں ہے ۔ شفیع الرحمن نے میجر امیر افضل کو عدالت میں نکو بنانے کی کوشش کی تو امیر افضل نے اس کو کھری کھری سنائیں اور بعد میں اللہ تعالیٰ بھی اس کو عبرت سے دوچار کر چکا ہے ۔ امیر افضل کے ۔ مطابق یہ بھی ادھورا فیصلہ ہے ۔ قادیانیوں کو اسلام پر ڈاکے مارنے سے روکا جائے ۔ اس کے لئے دو قادیانی بھی ایک جگہ اجتماع نہیں کر سکتے ۔ اور ربوہ سمیت ان کی تمام عبادت گاہیں ۔ مسجد ضرار کی طرح ہیں ۔ ان کو قرآن پاک کی سورۃ توبہ کے حکم کے تحت ختم کیا جائے اور ہمارے صدر اور وزیر اعظم جو قسم اٹھاتے ہیں کہ وہ حضور پاکؐ کو آخری نبی مانتے ہیں ۔ اس پر عمل نہ کر کے وہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اور مسلمانوں کے ساتھ فراڈ کر رہے ہوتے ہیں ۔

## اللہ اور رسولؐ کے ساتھ فراڈ

28 ۔ لیاقت علی کے قوم کے ساتھ فراڈوں اور قرار داد مقاصد 1949ء کے ذریعہ سے لوگوں کا اللہ کا "شریک" بن جانے ۔ یا وطن کے بت کی پوجا کا ۔ یا قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کو حضور پاکؐ کی نبوت میں "شرکت" دینے کی باتوں سے تو وہ کافی عرصہ سے آگاہ تھا ۔ بلکہ مردود



سرسید کو جب دو قومی نظریہ کا بانی کہا جاتا ہے ۔ کہ ایک امت یا ایک قوم تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ذریعہ سے بنایا ۔ لیکن عدالتوں کے اندر بیٹھنے سے ہماری عدالتوں کے کھوکھلے پن کی باتیں کھل کر اس کے سامنے آگئیں کہ سپریم کورٹ خود تسلیم کر چکا ہے ۔ کہ اس گئی گزری قرار داد مقاصد کو اگر آئین کا سرخیل مان لین تو 1973ء کے سارے آئین کو تبدیل کرنا پڑتا ہے ۔ اس لئے گزارہ کرو ۔ اور اس قرارداد کو اسلام کا "تڑکا" ہی سمجھا جائے یعنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ فراڈ کیا جائے ۔ لیکن امیر افضل نے عدالت کے سامنے یہ ثبوت بھی پیش کر دیئے کہ سرسید اور غلام کذاب کو ایک ہی جگہ سے ایک جیسی ہدایات ملتی تھیں لیکن ہماری قوم پر کوئی اثر نہیں ہوتا ۔

## علماء اور دانشور کوئی خدمت نہیں کر رہے

29 ۔ ملا اس کا ہیرو ہے کہ اس کی وجہ سے اسلام کے ساتھ وابستگی تو ہے ۔ لیکن ایک سازش کے تحت ان ملا سے جو عالم کہلاتے ہیں ۔ تو وہ ایک طرف ہمارے بدن سے روح محمدؐ نکال رہے ہیں تو دوسری طرف نظریہ جہاد کو پاش پاش کر رہے ہیں ۔ ان میں شبلی صاحب اور مودودی صاحب وغیرہ شامل تھے ۔ ذرائع ابلاغ کیساتھ وہ 1943ء سے وابستہ تھا ۔ اور ان کے اندر ہوتے ہوئے اس کو معلوم ہو چکا تھا کہ کس "قماش" کے لوگ وہاں اکٹھے ہیں ۔ اور ذہنی عیاشی والے ادب یا ادب برائے ادب یا اسلامی فلسفہ حیات کے تابع نہ کر کے لکھاری یا شاعر ۔ جو قوم کے اذہان پر کافرانہ یلغار کر رہے تھے ان سب باتوں کو دیکھ کر وہ لہو کے آنسو بہاتا تھا اور اپنی تحقیقات اور مشاہدات نوٹ فارم میں اکٹھا کرتا رہا ، کہ شاید کبھی ان کی اشاعت کا بندوبست ہو جائے ۔ لیکن وہ بری طرح ناکام ہو رہا تھا ۔ اور تنگ آکر مئی 1993ء میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غداری اور ۴۶ سالوں کی اس ذلت کی زندگی کا اس نے ایک بہت ہی مختصر کتاب میں "پنڈورا باکس" کھول دیا ۔ کتاب اپنے جدامجد حضرت علیؓ کو منسوب کی ، کہ وہ بھی دنیاوی زندگی میں اسی طرح ناکام ہوئے تھے ۔ اور بد قسمتی سے کچھ لوگ آج بھی معاویہ صاحب کو ان کے برابر آن کر کھڑا کر دیتے ہیں اور کچھ لوگ اصحاب ثلاثہؓ جن کے ساتھ حضرت علیؓ

کو اتنی محبت تھی کہ بیٹوں کے نام ان کے اسماء پر رکھے ان کو آکر معاویہ صاحب کے برابر کھڑا کر دیتے ہیں۔اور خواہ مخواہ قوم فقہی گروہوں میں بٹ گئی ہے۔

## اللہ کی رحمت جوش میں

30 ۔ جنرل سید رفاقت کی مہربانی کہ، اس نے امیر افضل کو یاد دلایا کہ کتاب کے صفحہ ۲۰۴ پر تحقیقات سے لطف اٹھانے کا جن الفاظ میں اس نے ذکر کیا اور معاملات کو اللہ کے سپرد کیا۔ اس ایک فقرہ پر اس کے سب علم قربان اور آگے حضور پاکؐ کے جلال و جمال والی کتاب کے سلسلہ میں عاجزی یا معاملات رب نبی محمدؐ کو سپرد کرنے اور نتائج، سب باتیں پڑھ کر اس سید زادے اور کئی عاشقوں نے جو لطف اٹھایا۔ تو اللہ کی رحمت جوش میں آگئی۔ اور کتاب حضور پاکؐ کا جلال و جمال چند ماہ بعد شائع ہو گئی۔ اور بعد میں کتاب جہاد کشمیر بھی شائع ہو گئی۔ جن کا ذکر ضمیمہ "ب" اور "ج" پر ہو چکا ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک اور سعادت بخش دی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی دعائیں یاد دلائیں "کہ اے نادان میری کتاب قرآن پاک اور بڑے بڑے بزرگوں کی کتابوں کے اثرات نہیں ہوتے۔ تو اس غلط فہمی میں نہ پڑنا کہ تیری کتابوں کے کچھ اثرات ہوں گے۔ اور اس ملک میں کون کتابیں پڑھتا ہے یا خریدتا ہے؟ پس ایک کام کر کہ کچھ جاہل مولویوں کی میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شان کی فضول بحث کو ختم کرانے کیلئے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کو میرے الفاظ میں بیان کر کے معاملات میرے سپرد کر دے۔ تیرا کام مکمل ہو گیا ہے۔ تو نے ماضی کو حال کی زبان میں بیان کر کے مستقبل کیلئے نشان راہ کو قرآن پاک کے الفاظ سے بیان کر دیا ہے۔ اور اب ہر کتاب پر یہ دعا لکھتے رہو۔

رب نبی محمدؐ! تو مقلب القلوب ہے۔ ہماری حالت پر رحم فرما۔ کہ ہمیں عزت اور غیرت کی زندگی واپس دے کہ حضور پاکؐ کے جمال سے ہم اس خطہ کو منور اور معطر کر دیں اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلال سے غیرت حاصل کر کے جہاد کو طرز زندگی کے طور پر اپنا کر عشق بلاخیز کا قافلہ سخت جاں بن جائیں کہ میر عربؐ کو یہاں سے ٹھنڈی ہوائیں جائیں"



## اعلان حق

31 ۔ اب امیر افضل نے کتاب "شان حبیبؐ" بھی شائع کر دی ہے اور 8 اکتوبر 1994ء کو قوم کو ایک کھلا خط لکھ دیا ہے اور جگہ جگہ وہ یہ اعلان حق کرتا پھرتا ہے۔ باقی کام اس سے اللہ تعالیٰ نے کتابوں میں لکھوا دیا ہے۔ 11 جنوری 1995ء کو ایک بڑی مجلس میں اس نے یہ اعلان کیا۔ تو پولیس، اس کو گھسیٹ کر تھانے لے گئی۔ وہ خوش ہوا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پوری ہوئی کہ ان پر بھی پتھر پھینکے گئے تھے۔ اور اس کو جناب ابوذر غفاریؓ بھی یاد آئے کہ جب انہوں نے اعلان حق کیا تھا، تو ان کو بھی گھسیٹا گیا تھا۔ اس پر جنرل سید رفاقت نے یہ تبصرہ کیا "افسوس ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ اس کھردری چمڑی کے اندر کتنا حساس دل، کتنا روشن ضمیر، کس قدر وضیح کردار اور کتنا پرسوز دل چھپا پڑا ہے۔ اس سیدھے سادے جسم نے اپنی ساری زندگی حق کی سربلندی کی خاطر اور جھوٹ اور عیاری اور مکاری کو بے نقاب کرنے میں صرف کر دی ہے۔ اس چھوٹے سے سپاہی نے بڑے بڑے فرعونوں کو للکارا اور اس کے کلمۃ الحق کی صدا مصنوعی ایوانوں میں ہمیشہ زلزلہ کشاں رہی۔ وہ درباری رسم وراہ نہ اپنا سکا کہ وہ صرف آداب فقر و قلندری جانتا ہے"۔

مومن کی فراست والے کئی اور دانشوروں نے خاص کر سید ضمیر جعفری اور بشیر حسین جعفری وغیرہ نے بھی اس سلسلہ میں بہت کچھ لکھا۔

## زندہ اور بے چین دل سے پرکھ

32 ۔ اس سے پہلے سید شبیر حسین نے کتاب جہاد کشمیر کے پیش لفظ کے طور پر لکھا۔ "میجر امیر افضل کی فوجی ملازمت دوسری جنگ عظیم سے پہلے شروع ہوئی۔ اور اس نے تخلیق پاکستان اور باقی سب واقعات کو آنکھیں کھول کر دیکھا اور عام لوگوں کی طرح یہ نہ کیا، کہ دیکھنے کے باوجود کچھ نے دیکھا۔ انہوں نے ہر چیز کو نزدیک سے بھی دیکھا اور دور سے بھی دیکھا اور پوری نگاہ ڈالی۔ اور یہی چیز اس کو باقی لوگوں سے ممیز کرتی ہے کہ جو کچھ مادی آنکھوں سے دیکھا اسے اپنے زندہ اور بے چین دل سے پرکھا۔

## تاریخ عالم کا طالب علم

33 ۔ اور اس کی کتابیں اور بیانات بین الاقوامی سطح کے باطل فلاسفروں یعنی کارل مارکس یا برٹنڈرسل کیلئے بھی ایک چیلنج ہیں کہ میجر امیر افضل نے غیروں کے فلسفہ حیات پر بھی تبصرہ کیا ہے۔ اس کو نہ صرف یونانی فلسفہ کی کافی شدبد ہے ۔ بلکہ یونانی فلسفہ سے متاثر اسلامی فلاسفروں میں ابن سینا فرابی یا ابن رشد وغیرہ کو پڑھنے کے علاوہ مکمل طور پر اسلامی فلاسفروں جناب ابن عربیؒ اور جناب امام غزالی کا وہ بہت ہی مداح ہے ۔ وہ ہندو میتھالوجی ۔ اور غیروں کے اکثر نظریات کے علاوہ تاریخ عالم اور بین الاقوامی حالات کا بھی طالب علم ہے ۔ اور سب کچھ پڑھنے کے بعد اس نے اسلام کی عظمت پر اتنا کچھ لکھا اور بول اٹھا۔

"سارا جگ سوہنا بھلا ماہی نالوں تلے تلے"

## اعلان حق کی طاقت

34 ۔ اور اس کے اس سچ اور حق کے اعلان میں بڑا لطف ہے ۔ بڑی طاقت ہے ۔ بڑی قناعت ہے اور بڑی عزت ہے ۔ میجر امیر افضل جہاں کھڑا ہوتا تھا، صدر ایوب خان اور نواب کالا باغ جیسے لوگ خود آکر اس کو ملتے تھے ۔ ضیاء الحق بھی صدر بننے سے پہلے ایسے کرتا رہا اور یحییٰ خان جو ہر جونئیر کو "تو" کے لفظ سے بلاتا تھا ۔ میجر امیر افضل کے ساتھ ہمیشہ "آپ" کے لفظ سے مخاطب ہوتا تھا۔ امیر افضل کبھی کسی بڑے کے پاس اپنی یا اپنے بیٹوں کے لئے کوئی سفارش لے کر نہ گیا۔ وہ فوج میں سپاہی کے طور پر بھرتی ہوا اور خود کہتا ہے کہ میں کرایہ کا سپاہی تھا انگریز حکمرانوں کو بھی سچی باتیں سناتا تھا۔ لیکن وہ اس کی عزت کرتے تھے اور انہوں نے اس کو جنگی وقائع نگار بنا دیا۔ وہ کبھی کسی بڑے کو ذاتی غرض کیلئے ملنے کیلئے نہ گیا۔ جس کسی کو ملتا ہے اللہ اور رسولؐ کیلئے ملتا ہے۔ اس نے فوج میں 41 سال نوکری کی ۔ نہ کوئی زمین الاٹ کرائی اور نہ کوئی سرکاری پلاٹ لیا۔ اس نے کبھی کوئی جائیداد بنانے کی کوشش نہ کی۔ بلکہ توکل اور قناعت پر گزارا کیا۔ اور صرف رہائش کیلئے ایک راولپنڈی اور ایک گاؤں میں مکان بنایا۔ جو کچھ اس کے پاس بچ جاتا تو غریب برادری اور ان کے بچوں کی تعلیم پر خرچ کر دیتا ۔ ان کتابوں اور



اشاعت کے سلسلہ میں ۔ وہ کسی تجارت میں ہرگز مصروف نہیں ۔ کہ مارکیٹ سے آدھے سے بھی کم ریٹوں پر کتابیں پہنچاتا ہے ۔ کہ کچھ خرچ نکل آئے اور اس تبلیغ پر جو کچھ وہ خرچ کر رہا ہے ۔ اسکے بیٹے (خاص کر بڑا لڑکا) مالی امداد دے رہے ہیں ۔ کہ ہر مہینہ اس کا ڈاک خرچ سینکڑوں روپوں سے بڑھ جاتا ہے ۔ کہ وہ بذریعہ خطوط تبلیغ کرتا ہے ۔

## کلمہ حق اور سچائی کے عملی نتائج

35 ۔ میجر امیر افضل کو کبھی اپنے کسی سینئر یا جونئیر سے یہ معذرت نہ کرنا پڑی کہ وہ کوئی وعدہ پورا نہ کر سکا یا مقررہ وقت سے لیٹ ہو گیا۔ اس نے ایک پلٹن کھڑی بھی کی ۔ عارضی طور پر پلٹنوں کی کمانڈ بھی کی اور چھوٹی کمانڈ تو بہت کی ۔ لیکن ایک آدمی کے بغیر، کبھی کسی کو سزا نہ دی ۔ وہ بھی ایک مجبوری کی وجہ سے دی، کہ وہ آدمی تنبیہہ کے باوجود جھوٹ بولا ۔ اس کے ماتحت سپاہی یا عہدیدار جب کوئی غلطی کر بیٹھتے تھے تو اپنے صوبیداروں کو گزارش کرتے تھے کہ ان کو سخت سے سخت سزا صوبیدار صاحب ہی دے دیں ۔ میجر صاحب کے سامنے ان کو جو شرمندگی ہوگی ، اس سے ان کو بچایا جائے ۔ اور یہی تعلق تھا کہ اس کے ماتحتوں اور ساتھیوں نے ستمبر 1965ء میں عظیم قربانی دی ۔ اس کے ساتھ کے پٹھان کمپنی کمانڈر لفٹیننٹ جنرل غلام حسن اور برگیڈیئر شیر علی باز اس کے ساتھ رشک کرتے تھے، کہ ان کے پٹھان سپاہی ۔ میجر امیر افضل کے سامنے کوئی بات نہ چھپاتے تھے ۔ اور بے شک ان پختون سپاہیوں نے میدان جنگ میں اپنی اس سچائی اور وفاداری کو چار چاند لگا دیئے ۔ اور میجر امیر افضل جو جگہ جگہ اعلان حق کرتا پھرتا ہے ۔ تو اسے اپنی تحقیقات وغیرہ کی سچائی پر مکمل بھروسہ ہے ۔ کہ وہ ملک کے سربراہوں کو بھی "للکار" سکا۔ کہ اس کے مطابق اس کی اپنی کوئی رائے نہیں ۔ وہ ہر عمل، اللہ کے احکام کے تابع کر کے کسی اعلیٰ مقصد کیلئے کرتا ہے ۔ کہ مومن کے مقاصد حیات حاصل کئے جائیں ۔

36 ۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ میجر امیر افضل نے بھی ملکی خدمات کے علاوہ امت مسلمہ کی نظریاتی اور تحقیقاتی پہلو کے سلسلہ میں اتنی خدمت کی ہے جتنی سید جمال الدین افغانیؒ ، سید

قطب شہیدؒ اور علامہ اقبالؒ نے کی ہے، تو یہ بات زیادہ غلط نہ ہوگی۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اس نے عسکری فلسفہ کے سلسلہ میں قوم کی اتنی خدمت کی ہے جتنی کلاسیوٹز نے جرمن قوم کی خدمت کی یا جنرل فلر اور لیڈل ہارٹ نے انگریز قوم کی خدمت کی، تو یہ بات بھی جائز ہے۔ پاکستان کی جنگوں میں شرکت اور فوج کی تربیت و تنظیم کے سلسلہ میں جو کچھ اس نے کیا۔ وہ ایک کتاب کا مضمون ہے۔ لیکن ہمارے لوگ آگے سے یہ کہیں گے، کہ جو آدمی چالیس سال کی نوکری میں میجر کے عہدے سے اوپر نہ جاسکا اور اس کے ساتھ والے جنرل بن گئے۔ تو ان کو باور کرایا جاتا ہے کہ اس کی قسمت اچھی تھی۔ وہ بھی جنرل بن کر بھارت کے سامنے ہتھیار ڈالتا یا محاذ سے نامراد لوٹتا تو اس میں کیا شان ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اسکی پلٹن کی دو کمپنیوں کی عظیم قربانی سے ستمبر ۶۵ء میں لاہور کو بچایا۔ اور فائر بندی سے چند گھنٹے پہلے وہ دشمن کا قیدی بننے والا تھا، کہ وہ پکار اٹھا۔ رب "نبی محمدؐ! میرے لئے کوئی گولی نہ بنی تھی کہ مجھے ٹھنڈا کر دیتی۔ اب کافر کا قیدی بناؤ گے" تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آگئی۔ اور وہ دشمن کا گھیرا توڑ کر چند جانبازوں کے ساتھ بی آر بی پر پہنچ کر پھر جنگ میں مصروف ہو گیا۔ اور آج تک "مصروف" ہے اور اس کی "مصروفیت" رہتی دنیا تک زندہ رہے گی۔ کیا اس میں کوئی شک ہے؟

**نوٹ:** اس مضمون کا انگریزی میں اختصار کر کے میجر امیر افضل نے یہ تمام سعادتیں رب نبی محمدؐ کے دربار میں پیش کر کے 19 دسمبر 95 کے خط کا حصہ بنادی ہیں۔ جس خط کا ذکر کتاب میں اکثر جگہوں پر ہے۔ اور وہ خط جگہ جگہ بھیج دیا ہے جس کے آخر میں وہی دعا ہے جس سے یہ کتاب شروع کی گئی ہے۔ وہاں بھی اس خط کا ذکر ہے۔ اس خط پر صاحب دل لوگوں کے بڑے تبصرے اس کے پاس پہنچ رہے ہیں۔ ایک صاحب تو ڈر گئے۔ کہ ہماری قوم عذاب سے دوچار نہ ہو جائے تو میجر امیر افضل آجکل سلطان باہو صاحب کے اس ڈوہڑے کو گنگناتا رہتا ہے۔ کہ اے رب کرم اور فضل کرنا۔ کہ اگر انصاف کی بات ہو تو ہماری قوم بہت زیادہ قصوروار ہے ......

اور اللہ تعالیٰ سے گزارش کرتا ہے کہ عذاب کی چکی نہ چلانا اپنے حبیبؐ کے طفیل ہمارے دلوں کو پھیر دے اور ہمیں عزت کی زندگی عطا فرما۔





# میاں محمد نواز شریف کے نام کھلا خط

(جو نوائے وقت میں 4 نومبر 95 میں شائع ہوا)

(از میجر (ر) امیر افضل خان (حضور پاک کا سپاہی)

عزیزم محمد نواز شریف، اسلام علیکم!

نوائے قوت (۱۳ اکتوبر) میں الطاف گوہر کا آپ کے نام جو خط ہے۔ وہ اسلام دشمن طاقتوں کی پاکستان اور اسلام کے خلاف سازشوں کی ایک کڑی ہے۔ تو میں نے ضروری سمجھا، کہ اس سلسلے میں یہ عاجز بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنا فرض ادا کر دے۔ انیگلو امریکن بلاک والے اب کئی سالوں سے پچھتا رہے ہیں کہ یہ لنگڑا لولا پاکستان بنوا کر بھی انہوں نے غلطی کی۔ کہ امت واحدہ کا تصور اجاگر ہو گیا ہے۔ اور اس خطہ کے مسلمان ایک عظیم طاقت بن سکتے ہیں حالات نے یہ صورت اختیار کر لی ہے، کہ لوگ آپ کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ اور اگر آپ رسول عربیؐ کے اسلام کے نفاذ کا اعلان کر دیں۔ تو تمام باطل طاقتیں پاش پاش ہو جائیں گی اور اس خطہ سے ایسا جاندار اسلام سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارنا شروع کر دے گا کہ لندن اور واشنگٹن میں کپکپی طاری ہو جائے گی۔ اس لئے ابلیسی طاقتیں، الطاف گوہر جیسے لوگوں کی مدد سے آپ کو بھول بھلیوں میں ڈالنا چاہتی ہیں کہ آپ بے دین سیاست کے چکروں میں الجھے رہیں۔

الطاف گوہر بہت بڑی فہم و فراست کا حامل ہے۔ لیکن سرسید کی طرح وہ بھی نیچریہ ہے۔ اور جنت و دوزخ کو استعارے سمجھنے تک اکتفا کرتا ہے۔ ضیاء الحق دور میں، لندن سے ایک دفعہ وہ یہاں آیا اور ٹی وی پر بڑے فہم و فراست کی باتیں کیں، لیکن اسلام کے بارے کہنے لگا کہ کاش، اس کو کوئی آدمی عملی اسلام سمجھاتا۔ میں نے بہت کچھ لکھ کر بھیجا۔ لیکن آگے سے معلوم ہوا کہ الطاف کا مطلب یہ تھا کہ اسلام اب ایک عملی نظریہ نہیں رہا اور ہمیں زندگی کے ان اقدار کی پیروی کرنا چاہیئے جو اہل مغرب کی وساطت سے ہم تک پہنچ رہی ہیں۔ میں نے اس شخص کا

بہت گہرا مطالعہ کیا ہے۔

میں ستمبر 65ء کی جنگ میں قلم کی بجائے تلوار سے کام لے رہا تھا، تو پہلی دفعہ سیکرٹری وزارت اطلاعات کے طور پر میں نے الطاف گوہر کا نام سنا اور اس کی باتوں پر دھیان دیا تو اندازہ لگایا کہ شیخ اکرام اور بریگیڈیئر فضل الرحمان کے بعد اس وزارت کو ایک " سمجھدار " سیکرٹری چلا رہا ہے۔ اور دسمبر 1966ء میں جب محکمہ تعلقات عامہ میں پانچویں دفعہ واپس آیا تو الطاف کو بہت نزدیک سے دیکھنے کے مواقع میسر ہوئے۔

دراصل ستمبر 65ء کی جنگ ایک سازش تھی اور ایوب کو اس جنگ میں دھکا دے کر وہ کچھ کرنا تھا، جو ایوب کے ساتھ 1969ء میں ہوا اور پاکستان کے ساتھ دسمبر 1971ء میں۔ اور یہ عاجز اس سلسلے میں تین تفصیلی کتابیں لکھ چکا ہے۔ بہرحال میں نے آ کر دیکھا کہ اس جنگ نے ایوب کو ادھ موا کر دیا تھا۔ اور الطاف گوہر، اس کام پر لگا ہوا تھا کہ ایوب خان کی " ممی " کو اتنا اونچا لے جائے کہ ایک ہی دھکے کے ساتھ جب وہ دھڑام سے گرے، تو اس کا نام و نشان بھی مٹ جائے۔ اس لئے وہ کبھی ایوب کو ایشیاء کا ڈی گال بناتا تھا۔ کبھی غلام پرویز کے ذریعے سے ماڈرن اسلام کے چکروں میں ڈالتا تھا۔ فرینڈز ناٹ ماسٹر کتاب لکھوائی۔ دس سال کے سنہری دور کے جشن منوائے۔ تو اب ابلیسی طاقتوں نے بھٹو اور مجیب کے ذریعہ سے یاجوج ماجوج کی یلغار کرادی۔ اور یحییٰ خان ان کی پیٹھ " ٹھونک " رہا تھا۔ میں نے اختر ایوب کو 1965ء کی جنگ سے پہلے بتادیا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے اور ایوب خان جن کی وفاداری پر زیادہ بھروسہ کرتا ہے، وہی اس کی پیٹھ میں چھرا گھونپیں گے۔ تو اختر ایوب جس نے میرے ماتحت نوکری کی تھی اور ہمارے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ 1968ء میں وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔ لالہ! تم ٹھیک کہتے تھے۔ اب کوئی حل بتاؤ"۔ میں نے کہا میرے پاس تو اسلام کی چھتری ہے۔ جو اوڑھ کر تمہارے خان جی (ایوب کے بیٹے ان کو اس نام سے یاد کرتے تھے) کے دونوں جہان سنور سکتے ہیں۔ لیکن انہوں نے اپنے ہاں الطاف گوہر کو " پال " رکھا ہے جس نے ان کو اسلام سے بالکل بدظن کر دیا ہے اور ایوب کو زوال آگیا۔ بہرحال ایوب خان کے بعد جب یحییٰ خان آیا، تو الطاف گوہر نے اس کا " مشیر " بننے کی کوشش کی لیکن اس نے الطاف کو



" دھتکار " دیا۔ یحییٰ بنیادی طور پر " ہوشیار " آدمی تھا۔ وہ الطاف جیسے ہوشیار آدمی کو اپنے سے دور رکھنا چاہتا تھا۔ پھر جو طاقتیں یحییٰ خان سے ملک کو دولخت کرانا چاہتی تھیں انہوں نے یحییٰ خان کو مشاورت کے لئے بھٹو اور غلام کذاب کا پوتا ایم ایم احمد دیئے ہوئے تھے اور فوج کو قربانی کا بکرا بنا کر اور بے عزتی کا طوق پہنوا کر اس سازش کی تکمیل ہو گئی۔ جس کی بنیاد 48 - 1947ء کی کشمیر کی جنگ میں ہماری فوج کو بھونڈے طور پر استعمال کر کے باندھی گئی تھی۔ بھٹو نے بھی طاقت میں آنے کے بعد الطاف گوہر کو منہ نہ لگایا اور جب اس نے اپنے آقاؤں سے " بغاوت " کر کے نیکولر طاقت بننے کی کوشش کی۔ تو اس کے اپنے مشیروں عزیز احمد اور غلام اسحاق وغیرہ کی مدد سے پہلے اس کو تخت سے ہٹایا گیا اور پھر ضیاء کے ہاتھوں پھانسی چڑھایا گیا۔ یا افغانستان کی جنگ کی وجہ سے ضیاء کو طاقت پر براجمان رکھا گیا۔ ابلیسی طاقتوں کو الطاف گوہر جیسے آدمی کو گھاس ڈالنے کی ضرورت نہ پڑی۔ تو اس نے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا۔ کبھی مودودی صاحب کی تفہیم القرآن کو انگریزی میں ڈھالنے کی کوشش کی اور کبھی لندن میں بیٹھ کر اسلام کے ماڈرن " دانشوروں " کے خیالات کو کتابوں میں یا رسالوں میں اکٹھا کرنے کا کام کیا۔ وہ بلا کا ذہین اور ہوشیار آدمی ہے۔ اس کی بڑی اچھی یادداشت ہے۔ اس کی طرز تحریر میں کشش ہے۔ لیکن اس کی وقعت اب ختم ہو چکی ہے کہ کوئی اس پر اعتبار نہیں کرتا۔ پس زیادہ سے زیادہ اس کے ذریعہ سے آپ جیسوں کو بھول بھلیوں میں ڈلوانے کی تگ و دو کی جاتی ہے۔

آپ کی اہمیت ہے اور مجھے 1992ء کے شروع ہی میں معلوم ہو گیا تھا کہ آصف نواز کو آپ کا زوال لانے کے لئے آگے کیا جا رہا ہے۔ آصف نواز میرے بیٹوں کی طرح تھا اور جو کچھ اس سے میرے خلاف کرایا جا رہا تھا۔ تو میں نے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر اس کو 6 مارچ، 7 اپریل اور 27 اپریل 1992ء میں جو خطوط لکھے ان کی کاپیاں آپ کے وزیر جنرل عبدالمجید ملک اور سینیئر بریگیڈیئر ملک محمد حیات کو بھی دیں۔ کہ وقت کے ساتھ اس آصف نواز کو اپنے مقام پر رکھو۔ لیکن اس کو آگے کرنے والی ابلیسی طاقتوں نے اس کا رابطہ غلام اسحاق سے بندھوا دیا اور آپ کی حکومت کو بے جان کر دیا گیا۔ آگے بہت لمبی کہانیاں ہیں۔ میں نے 14 جون، 11 اگست اور 5 ستمبر 92ء کو غلام اسحاق کو جو خطوط لکھے ان کی کاپیاں آپ کو بھی

دیں اور 14 ستمبر 1992ء کو آپ کے پرائیویٹ سیکرٹری خیام قیصر نے مجھے جواب بھی دیا، کہ آپ کو میری باتوں کے ساتھ اتفاق ہے وغیرہ۔ آصف نواز نے بھی مجھے میری محنت کا کچھ "اعزازیہ" دے کر مجھ سے جان چھڑانے کی کوشش کی لیکن اس کے نمائندہ میجر جنرل معین الدین حیدر مجھے سچ کی اشاعت سے دستبردار نہ کرا سکا۔ تو معاملات وہیں کے وہیں رہے۔ آصف نواز نے قدیر گل کے ساتھ مل کر آپ کے خلاف سازش جاری کی۔

آصف نواز جو ایوب خان کی طرح چھوٹے دل کا مالک تھا۔ وہ میرے سچے خطوط کی تاب لانے کے قابل نہ تھا اور میں نے 14 جون 1992ء کو صدر غلام اسحاق کو لکھ دیا تھا، کہ آصف نواز کو میرے ان سچے خطوط نے ادھ موا کر دیا ہے اور وہ ہر وقت کسی ان جانے خطرے سے ڈرتا رہتا ہے۔ میں اس کی اس خاندانی کمزوری سے بھی آگاہ تھا کہ وہ جو کچھ "تجویز" کرتے ہیں اس کے صحیح نتائج حاصل نہ ہوں، تو وہ الجھنوں کو برداشت نہیں کر سکتے اور جس طرح آصف نواز نے سیاچین کے معاملات پر پردہ ڈالا کہ اس کو بھارت یاترا کی دعوت بھی مل جائے۔ شہریار اپنے بیٹے کی منگنی بھی بھارت میں کر آئے اور بھارتی جنرل کو وہ شالامار میں چائے پلانے کی دعوت بھی دے رہا تھا۔ جس کو ہم نے ستمبر 65ء میں عظیم قربانی دے کر بھارتیوں کے قدموں سے ناپاک نہ ہونے دیا تھا۔ تو یہ سب کچھ میری برداشت سے باہر تھا۔ میں نے آپ سب کو کاپی دیتے ہوئے 5 ستمبر 1992ء کو غلام اسحاق کو اور 10 اکتوبر 92ء کو شرعی عدالت وغیرہ سب کو لکھ دیا کہ آصف نواز نے چیف آف سٹاف کی کرسی پر بیٹھنے کے اپنے حق کو ختم کر دیا ہے۔ یہ بڑی افسوسناک بات ہے، کہ غلام اسحاق نہ شرعی عدالت نہ آپ لوگ ٹس سے مس ہوئے۔ لیکن بڑی سرکار نے فیصلہ کر دیا اور جنوری 1993ء میں اس کو کرسی سے ہٹا دیا۔

جس زمانے میں غلام اسحاق اور آپ لوگ آصف نواز کی موت کے سلسلوں میں مقدمے کر رہے تھے تو فطرت کھڑی ہنس رہی تھی۔ کہ آصف نواز کو اس کی قبر نے باہر پھینک دینا تھا۔ بہرحال 1993ء میں اس عاجز نے غلام اسحاق، جنرل عبدالوحید اور آپ کو جتنے خطوط لکھے وہ ایک کتاب کا مضمون ہے اور گزارش کی گئی کہ اپنے جھگڑے ختم کرو۔ ان کافرانہ نظاموں سے توبہ کرو اور اللہ رسولؐ کے نظام کے نفاذ کے سلسلے میں کام کرو۔ دینی سیاسی جماعتوں کو جو خطوط لکھے



وہ بھی بہت زیادہ ہیں۔ لیکن افسوس معاملات وہاں کے وہاں ہیں اور آپ سب اسلام پسندوں کو باطل اور ابلیسی طاقتیں تگڑم ناچ نچا رہی ہیں لیکن آپ کو بات سمجھ نہیں آ رہی۔

میرے پاس سب خطوط کی کاپیاں موجود ہیں۔ میں نے 28 فروری اور پھر 12 اپریل 93ء کو غلام اسحاق اور آپ کو جو خط لکھا، تو میں نے صاف کہا کہ یہ جوتیوں میں دال بانٹ کر۔ آپ اپنا معاملہ ختم کر رہے ہیں۔ اللہ کے راستے پر آؤ۔ لیکن آپ نہ سمجھے۔ اور آپ لوگوں کے راستے الگ ہو گئے۔ لیکن آپ کی طرف میرا 4 جولائی 93ء کا خط بڑا اہم تھا۔ "کہ آشیانے سے گر جانے کے بعد چڑی کا بچہ دوبارہ اڑنے کے قابل نہیں رہتا۔" اللہ تعالیٰ نے آپ کو بحال کر دیا ہے۔ اب اسلام نافذ کرو، ورنہ پچھتاؤ گے۔

15 جولائی 1993ء کو آپ کے سیکرٹری خیام قیصر نے مجھے خط لکھا، کہ آپ میرے مشوروں پر عمل کریں گے۔ لیکن ابلیسی طاقتوں نے آپ کو غلط راستوں پر لگا دیا۔ اور آپ پھر ایک دفعہ کافرانہ سیاسی نظام میں کود گئے۔ اگر اس وقت بھی اسلام کے نفاذ کا اعلان کر دیتے تو فتح آپ کی تھی۔ لیکن آپ نے ایسا نہ کیا تو میں نے 16 نومبر 1993ء کو آخری تنبیہ کر دی، کہ آپ نے زیادہ ووٹ حاصل کرنے کے باوجود کچھ حاصل نہ کیا۔ اب توبہ اور ندامت کرو اور مجھ سے آکر نشان راہ سمجھو ورنہ تمہارے لئے ذلت ہی ذلت ہے۔ آپ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اور میں کچھ مزید نہیں لکھنا چاہتا تھا۔

23 جنوری 1995ء کو میں نے ایک تصویر میں آپ اور جنرل مجید ملک کو پژمردگی کی حالت میں دیکھا، تو مجھے ترس آ گیا اور 24 جنوری کو ایک لمبا چوڑا خط لکھ دیا جس میں کچھ پس منظر بھی بیان کیا اور لکھا کہ میرے ساتھ رابطہ کر کے اپنے لئے نشان راہ بھی تلاش کریں ورنہ ناکامی ہی ناکامی سے دوچار ہو گے۔ اس خط کی کاپی مجید ملک اور راجہ ظفر الحق کو بھی دی۔ راجہ ظفر الحق نے رابطہ بھی کیا۔ میں ان کے پاس کچھ مواد بھی چھوڑ آیا۔ لیکن آپ لوگ سیاسی جنگ لڑ رہے ہیں۔ تو آپ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے اور آپ نے دیکھ لیا کہ پنجاب میں آپ کو کتنی ناکامی ہوئی ہے۔ یہ نصراللہ، جتوئی، مزاری وغیرہ فصلی بٹیرے آپ کے کام نہیں آئیں گے۔ یہ لوٹے، یہ وٹو، یہ نکئی یہ قتیانے سب بے اصول ہیں۔ آپ کی مسلم لیگ میں کافی اچھے لوگ ہیں

جو آج تک نہیں بک سکے ۔ عوام آپ کے ساتھ ہیں ۔ اسلام آنے والا ہے ۔ آپ بھی اس عشق بلاخیز کے قافلہ سخت جان میں شامل ہو جائیں اور اس کافرانہ سیاسی نظام سے توبہ کریں ۔

لندن اور واشنگٹن کے چکر نہ لگائیں ۔ الطاف گوہر اور اس جیسے " دانشوروں " سے دامن بچائیں ۔ میں اس خط کی کاپی مجید نظامی کو بھی برائے اشاعت بھیج رہا ہوں ۔

(امیر افضل خان)

محترم میجر صاحب ۔

آپ کا خط بذریعہ نوائے وقت پڑھنے کو ملا ۔ شکریہ ، براہ کرم مجھے اسلامی نظام کا خاکہ بھجوادیں اور بہتر ہوگا کہ مجید نظامی صاحب کے ذریعے ہی بھجوائیں تاکہ میرے علاوہ نوائے وقت کے قارئین بھی اس سے استفادہ کرسکیں ۔

امید ہے آپ مایوس نہیں کریں گے ۔

(نواز شریف)

## وضاحت

(مورخہ 5 نومبر 95)

ادارتی صفحات پر قائد حزب اختلاف میاں محمد نواز شریف کے نام میجر (ر) امیر افضل خان (حضور پاکؐ کا سپاہی) کا ایک خط شائع ہوا ہے جو ان کے ذاتی نقطہ نظر پر مبنی ہے ۔ میجر صاحب ہمیں بھی ایسے خطوط لکھتے رہتے ہیں اور مختلف لوگوں کو لکھے گئے خطوط کی نقول بھی بالالتزام ہمیں بھجواتے ہیں ، تاہم مذکورہ خط کی اشاعت سے جناب الطاف گوہر کی تنقیص مقصود نہیں تھی ۔ الطاف گوہر ہمارے فاضل و محترم کالم نگار ہیں ۔ میجر (ر) امیر افضل خان کے اس خط کے جواب میں ان کا نقطہ نظر شائع کرکے ہمیں خوشی ہوگی ۔ (ادارہ)

یہ ہے وہ خط جس کو اس کتاب کی اشاعت کا اللہ تعالیٰ نے سبب بنایا ۔ اور یہ ذکر پیش لفظ میں ہوچکا ہے ۔ کہ اب میری عمر مجھے ایسی تصنیفات کی اشاعت کے معاملات میں پڑنے کی اجازت نہیں دیتی تھی ۔ 13 اکتوبر 94ء کو الطاف گوہر کا خط پڑھ کر میں نے قلم پکڑلی اور یہ



خط لکھ دیا ۔ اول ضرورت جو سامنے آئی وہ یہ تھی کہ الطاف گوہر اپنے گریباں میں جھانکے کہ وہ کون ہوتا ہے کہ لوگوں کو مشورے دے ۔

2 ۔ دوم میں جنرل آصف نواز کو بھی ننگا کرنا چاہتا تھا ۔ اور مجھے موقع مل گیا ۔ سوم میں نواز شریف کو جو کچھ لکھتا رہا تھا وہ پیش بینیاں چونکہ صحیح ثابت ہوئی تھیں تو مجھے ایک موقع مل گیا کہ وہ سارے ذکر کردوں ۔ چہارم میں واضح کرنا چاہتا تھا کہ بے نظیر کی حکومت ایک باطل قوت کی پیداوار ہے اور اصلی مقصد یہ تھا کہ قوم کو باور کراؤں کہ موجودہ سارے نظام جو ہم نے اپنائے ہوئے ہیں یہ کافرانہ یا باطل نظام ہیں ۔ اور اسلام کے اپنے الگ نظام ہیں ۔

3 ۔ مجھے امید نہ تھی کہ ، مجید نظامی یہ خط شائع کرے گا ۔ اور 29 / 28 اکتوبر کو میں نے راجہ ظفر الحق اور مجید نظامی کو کاپی دیتے ہوئے نواز شریف کو خط لکھ دیا تھا کہ اسلام کے نفاذ میں بڑی رکاوٹ مجید نظامی خود ہے اور وہ اور الطاف گوہر ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے ہیں ۔ وہ اگر مخالف کیمپوں میں رہے ہیں تو یہ بھی ان کے " آقاؤں " کی ضرورت تھی ۔ کہ دونوں ان " آقاؤں " کے مقاصد کو آگے بڑھاتے رہیں ۔ اور پیش لفظ میں وضاحت ہو چکی ہے ۔ لیکن زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ نوائے وقت کے بانی حمید نظامی کو قوم کے سامنے " شہید جمہوریت اور ایک " پیر پیغمبر " کے طور پر پیش کیا جارہا ہے ۔ اور قوم کا ایمان خراب کیا جارہا ہے کہ سستی شہرت حاصل کرنے والے اس کو خراج تحسین پیش کرکے کاغذات سیاہ کرتے رہتے ہیں ۔

4 ۔ بہرحال بات یہ ہے کہ جو کچھ میں نے الطاف گوہر کے بارے لکھا اور شائع بھی ہوگیا ۔ اس کے بعد اس کی " دانشوری " سے قوم کو چھٹکارا ملنا چاہیئے تھا ۔ لیکن یہی ہمارا المیہ ہے کہ منافق ، بے دین ، بے کردار اور ابن الوقت لوگوں نے دانشوری کا لبادہ اوڑھ لیا ہے ۔ اور قوم کو شیطنیت کی طرف مائل کررہے ہیں ۔ اور نوائے وقت جیسے اسلام پسندے ان لوگوں کو ہمارا راہنما بنانا چاہتے ہیں ۔

5 ۔ مجھے زیادہ شکایت بھی ان " اسلام پسندوں " کے خلاف ہے کہ حکیم سعید جیسا آدمی شام ہمدرد میں احمد فراز کو دعوت دیتا ہے ۔ کہ وہ وہاں کفر بکھیرے ۔ مجید نظامی نے میرا خط کیوں شائع کردیا ۔ کہ معمولی کانٹ چھانٹ کی ۔ شاید وہ کسی گہری چال کے چکر میں تھا ۔ لیکن اللہ

تعالیٰ نے مجھے یہ سعادت نصیب کر دی کہ قوم کے سامنے اسلامی نظام حکومت پیش کر دوں۔ قارئین تمام معاملات کی تہہ میں جائیں۔

6 ۔ یہ خط پڑھیں کہ میں نے کوئی لگی لپٹی نہ رکھی۔ اب مجید نظامی کو اسلامی نظام کی اشاعت میں ذرا بھر دلچسپی ہوتی۔ تو آپ لوگ کتاب کا پہلا باب پڑھیں۔ جو میں نے مجید نظامی کو بھیجا۔ یا ضمیمہ الف پڑھیں کہ میں نے دینی جماعتوں کو کھلا خط بھیجا۔ مجید نظامی نے اس کے بعد نہ مضمون شائع کئے۔ نہ میرے چار پانچ خطوں کا جواب دیا۔ میں نے اپنی کتاب جہاد کشمیر میں "چھپے ہاتھوں" سے کچھ پردے اتارے ہیں۔ اور ثبوت پیش کئے ہیں کہ نوائے وقت کو کوئی "چھپے ہاتھ" چلا رہے ہیں۔

7 ۔ نواز شریف کی خاموشی سے ظاہر ہے کہ مسلم لیگ والے بھی اللہ کے ساتھ فراڈ کر رہے ہیں۔ جنرل مجید ملک کو میں بہت پہلے لکھ چکا ہوں کہ جونیجو لیگ اور ان کے درمیان اول تو اتحاد ہو گا نہیں۔ اگر ہو گیا تو اس کا فائدہ نہ ہو گا۔ یہ بے وقت کی راگنی ہو گی۔ اور "ہتھ پرانے کھوسڑے بے سنتا ہوری آئے" والی بات یاد رکھنا۔

8 ۔ ہم قوم کے رہنماؤں کو بدنام نہ کریں۔ ہم ساری قوم ہی نکمی ہیں۔ تو ایک رہنما بھی نظر نہیں آرہا جو قوم کی کشتی کو سنبھالا دے۔ مجید نظامی کے منہ سے اللہ تعالیٰ نے صحیح بات اگلوا دی کہ سارے لوگ بھنبیں ہیں۔ اور مجید نظامی سمیت تمام دانشور، علماء اور لیڈر بڑی بھنبیں ہیں۔ گو معاملات ہمیشہ اللہ کے سپرد ہیں۔ لیکن اس کی رحمت ہے کہ اس نے مجھے سعادت عطا فرما دی کہ میں نے معاملات اس کے سپرد کر دیئے ہیں۔

9 ۔ رب نبی محمدؐ! تو مقلب القلوب ہے۔ کچھ اپنے پیاروں کو چن لے جو ہمیں صراط مستقیم پر لگائیں اور ہماری قوم کو نوائے وقت کے شر سے بچا۔

وما علینا الا البلاغ



ضمیمہ "س"

# "سین" سوالوں کے جوابات؟

اس پہلو کو آخری باب میں زیر بحث لانے کی بجائے۔ کتاب کے ان آخری صفحات پر زیر بحث لانے کی وجہ یہ ہے۔ کہ قارئین میری جدوجہد اور کتابوں کے بیانات سے بہتر طور پر آگاہ ہو کر جوابات خود ڈھونڈیں۔ جن میں چند کا ذکر ضروری ہے۔

ا۔ ان کافرانہ نظاموں کے ذریعہ سے دین اسلام کبھی نافذ نہیں ہو سکتا۔ ترکی اور الجیریا کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔

ب۔ ترکی میں پہلی جنگ عظیم میں گیلی پولی کے "ڈرامہ" سے کمال ترکی کو ہیرو بنا کر سلطنت عثمانیہ کے ٹوٹے پھوٹے اسلامی نظام کو بھی ختم کر کے وہاں ہمیں ایک بے دین نظام کے راستے پر ڈال کر ہمیں مسلمان کی بجائے ترک، عرب، ایرانی وغیرہ بنا کر قومیتوں میں تقسیم کرنا تھا۔ جس کو مزید پھیلایا جا سکتا تھا جیسے ہمارے ملک میں ہم پہلے چار "قومیتوں" اور اب پانچ قومیتوں میں بٹ رہے ہیں۔ قوم سوچ لے کہ غیروں کی یہ ضرورت ہے کہ ہم بے دین نظاموں کے پیروکار رہیں۔ کمال ترکی نے جو کیا۔ اس کی موت کے ساٹھ سال بعد بھی کسی کو ہمت نہیں پڑی کہ کمال کی کافرانہ باتوں کو ختم کرے۔ یہی کچھ ہمارے ساتھ کرنا مقصود ہے۔

پ۔ جگہ جگہ غلام کذاب اور سرسید کی طرح "ماڈرن اسلام" کے پیروکار کب سے پیدا کئے جا رہے ہیں۔ اور ہر خطے میں ایسے لوگ پیدا کئے گئے ہیں۔ جو بہت بڑی لمبی لسٹ ہے۔ اور ان کو جو دو مقصود دیئے گئے ہیں وہ علامہ اقبالؒ ہمیں بتا گئے ہیں۔

ا۔ وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا۔ روح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو۔

۲۔ تعلیم اس کو چاہیئے ترک جہاد کی۔ دنیا کو جس کے پنجہ خونی سے ہو خطر

ت۔ اس سازش کو پروان چڑھانے کے لئے کئی ادارے اور لوگ کئی "لبادے" اوڑھے ہوتے ہیں۔ اہل مغرب کو گالیاں بھی نکالتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو بڑے مخلص مسلمان کے طور پر بھی

پیش کرتے ہیں ۔ اور دائیں بازو والوں کے "گاڈفادر" بھی بنے ہوتے ہیں ۔ اور اس سازش کی "کڑیوں" میں نوائے وقت اور نظامی برادران کا بہت اونچا "مقام" ہے ۔ پاکستان کے الفاظ کا بانی چودھری رحمت علی اور علامہ عبدالماجد دریا آبادی جو ایک دفعہ مرتد ہو گیا تھا ۔ وہ بھی اس سازش کی "کڑی" ہو سکتے ہیں ۔ کہ حمید نظامی کے ساتھ ان کی گاڑھی "چھنتی" تھی ۔ اور ان نظامی برادران کے والد کی خواجہ حسن "نظامی" جو ماڈرن پیر مشہور تھے سے گاڑھی چھنتی تھی ۔ چودھری رحمت علی لاہوری قادیانی تھا ۔ اور لنگڑا لولا پاکستان کے لئے ، انگریزوں کا "ایجنٹ" کہا جاتا ہے ایسے شواہد سے ولی خان کہتا ہے کہ پاکستان انگریزوں نے بنوایا لیکن وہ اپنے گریبان میں نہیں جھانکتا کہ کانگرس بھی انگریزوں کی جماعت تھی ۔ اور وہ ہم پر ہندوؤں کو مسلط کرنا چاہتی تھی ۔

ٹ ۔ اس سازش کے سرغنوں میں پروفیسر آرنلڈ نے اہم کام انجام دیا تھا ۔ اور اس سازش کی کڑیوں کے علاوہ اس سازش کے "اثرات" تو کئی علماء یا ادیبوں پر واضح ہیں ۔ جن میں الطاف حسین حالی ، محمد حسین آزاد ، علامہ شبلی ، سید سلیمان ندوی اور مودودی صاحب وغیرہ کو آسانی سے شامل کیا جا سکتا ہے ۔ یہ دانستہ ہے یا غیر دانستہ میں فتویٰ نہیں دے سکتا ۔ کہ ہمارے کئی مسلکوں کے سربراہوں پر بھی اس سازش کے اثرات ہیں خاص کر تبلیغی جماعت پر کہ یہ لوگ صرف ملکی زندگی کے اسلام کے پیروکار ہیں ۔ مدنی زندگی کو اس زمانے کی "ضرورت" کہہ کر اس سے کنارہ کش ہیں اور یہی غیروں یا پروفیسر آرنلڈ کی سازش کا مقصد ہے کہ اسلام بھی مذہب اور ہر آدمی کا ذاتی معاملہ ہے اور یہ دین نہیں ۔ بہرحال وہ تمام مسلک جو مقام مصطفیٰ کے سلسلہ میں عاجزی نہیں کرتے ۔ وہ سازش کی "کڑیاں" ہیں ۔ یا ان پر سازش کے "اثرات" ہیں ۔ ایک بات ضرور صحیح ہے ۔

ث ۔ بات ساری فلسفہ حیات اور زندگی کے مقاصد کی ہے ۔ غیر اس دنیا کی جنت ارضی بنانے پر تلے ہوئے ہیں ۔ اور ذاتی کردار یا اللہ کے احکام کی پابندی وغیرہ کو زندگی کی ضرورت نہیں سمجھا جاتا ۔ وہاں یزید بن معاویہ بھی حکمران بن سکتا ہے ۔ اور کربلا کو ایک "حادثہ" قرار دیا جاتا ہے کہ شاید یزید یہ کچھ نہ کرانا چاہتا تھا ۔ ابن زیاد یہ کچھ کر بیٹھا ۔ تو یزید اس کو زیادہ سرزنش نہ کر سکا اب ہمارے ملک کے کئی حاکموں کے بارے میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ وہ شراب پیتے تھے اور



ان کا کردار یزید کے کردار سے مشابہت رکھتا تھا ۔

ج ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اکثریت کو جاہل کہا ۔ اور یہ جہالت ابو جہل والی جہالت ہے کہ اکثریت اپنے آپ کو اللہ کے امر کے تابع نہ کرے گی ۔ تو اسلامی ذہن رکھنے والے انتخاب کبھی بھی نہیں جیت سکتے ۔ ہاں حادثاتی طور پر کسی اور پارٹی کی مدد سے کوئی صحیح دین کو سمجھنے والا برسر اقتدار آجائے اور سلطان صلاح الدینؒ کی طرح "وقت" کا فائدہ اٹھالے تو الگ بات ہے ۔

چ ۔ اللہ تعالیٰ نے جو اکثریت کو غلط راستے پر رکھا ۔ اور مواقع تقدیر اس طرح پیدا کیئے کہ شر والے زیادہ رکھے اور خیر والے تھوڑے ۔ اور خیر والے زیادہ ہوتے تو پھر کچھ لوگ بھیڑچال کے طور پر "شہیدوں" میں شامل ہو جاتے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس امتحان کو مدھانی کے ساتھ دودھ بلونے کے متشابہہ قرار دیا کہ ایک چکر ابھی ختم نہیں ہوتا تو دوسرا الٹے رخ شروع ہو جاتا ہے اور بے شک جہان دنیا کا امتحان بہت مشکل ہے ۔ ہر وقت عاجزی کی ضرورت ہے ۔

ح ۔ میں نے نواز شریف کو اسی وجہ سے اپنے خط میں صاف لکھ دیا تھا کہ ان باطل نظاموں میں کوئی برائے نام اسلام کا نام لیوا بھی کامیاب نہ ہو گا کہ جو زیادہ باطل کی طرف مائل ہوں گے وہی کامیاب ہوں گے اور ہمارے ملک میں پیپلز پارٹی کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا ان باطل نظاموں کے ذریعہ برسر اقتدار نہ آسکے گا ۔

خ ۔ اب اگلا سوال یہ ہے کہ کیا دین اسلام والے ان انتخابات میں حصہ لیں یا نہ لیں اور صرف پریشر گروپ کے طور پر کام کریں ۔ ہمارے ملک کی کسی پارٹی کو دین اسلام کی سوجھ بوجھ رکھنے والی پارٹی نہیں کہا جا سکتا ۔ مصر اور عرب ممالک کی اخوان المسلمون تنظیمیں ۔ الجیریا کے ایف آئی ایس پارٹی ۔ ترکی میں نجم الدین اربکان کی رفاہ پارٹی ۔ فلسطین اور افغانستان کے کچھ مجاہدین یا بوسنیا اور چیچنیا کے مجاہدین رسول عربیؐ کے اسلام کو بہتر طور پر سمجھتے ہیں اور ان میں سے کچھ پارٹیاں ان انتخابات میں حصہ لیتی ہیں اور یہ سب لوگ اسلامک ورلڈ آرڈر یا امت واحدہ کے تصور کو سمجھتے ہیں ۔ گو ہمارے ملک کی جماعت اسلامی بھی اس کی دعویدار ہے لیکن جب تک یہ لوگ مودودی کے عقائد سے چھٹکارا حاصل نہیں کر لیتے تو ان کی اپنے ملک میں کوئی وقعت نہیں ۔ باہر تو یہ لوگ ویسے ہی "پانچوں" سواروں میں شامل ہو رہے ہیں ۔ لیکن اگلے دن جو مجید

نظامی بکواس لکھ رہا تھا، کہ ترکی کے اربکان کی رفاہ پارٹی ۔ ہماری مسلم لیگ کی ہم خیال ہے ۔ یہ
قوم کو گمراہ کرنے والی بات ہے ۔ اربکان اسلام کا عظیم فرزند ہے ۔ مسلم لیگ کے لیڈر اسلام
کے ساتھ فراڈ کر رہے ہیں ۔

د ۔ بہرحال اس مشکل سوال کا جواب میرے خیال میں یہ ہے، کہ ہمارے ملک میں اگر دین
اسلام کے نام پر جو لوگ میری کتاب میں بیان شدہ اصولوں کے تحت فرقہ بندی اور فقہی گروہ
بندی سے بلند ہو کر نظام جہاد کو اپنا "سیاسی فلسفہ" سمجھیں اور اسے طرز زندگی کے طور پر اپنائیں
تو ترکی کی رفاہ پارٹی کی طرح انتخابات میں حصہ لیں اور اندر و باہر دونوں طرح سے پریشر قائم
رکھیں ۔ کہ ملک کے محلہ محلہ، گاؤں، گاؤں، دین اسلام والوں کی حکومت کے اندر اپنی "ایک
حکومت" قائم ہو جائے ۔ لیکن اس بات پر پردہ نہ رکھا جائے کہ ہم اللہ کی آمریت کو جاری کریں
گے ۔ اور رائے صرف طریق وکار کے سلسلہ میں لیں گے ۔ اعلان کیا جائے کہ اس کافرانہ نظام
میں شرکت ایک مجبوری ہے کہ ہم امن کے ساتھ تبدیلی لانا چاہتے ہیں ۔ اور اس پارٹی کو اپنے
آپ کو نظریہ جہاد کے تحت منظم کرنا چاہتے ہیں جس کی تفصیل پانچویں اور چھٹے ابواب میں آچکی
ہے ۔

ڈ ۔ اگلا سوال یہ ہو گا کہ اگر اس طرح کامیابی نہ ہو ۔ تو کیا دنیاوی کامیابی کی بات بھول جائیں ۔
دنیاوی طور پر تو امام حسینؓ کو وقتی کامیابی تو نہ ہوئی ۔ لیکن اب دنیا میں امام حسینؓ "زندہ" ہیں
اور یزید کا کوئی نام بھی نہیں لیتا ۔

ذ ۔ اور ہمیں تو سیف الملوک کے مصنف میاں محمد بخش کی یہ بات یاد رکھنا چاہیئے "مالی دا کم
پانی دنیا بھر بھر مشکاں پاوے ۔ مالک دا کم پھل پھل لانا ۔ لاوے یا نہ لاوے ۔"

ر ۔ انسان کی یہ بڑی خوش قسمتی ہو گی کہ وہ اللہ اور رسولؐ کے راستے پر کام کرے ۔ ور نتائج کے
سلسلہ میں دعا پر اکتفا کی جائے ۔ ضمیمہ "د" پر میں نے اپنی جدوجہد کا ذکر بھی کر دیا ۔ کہ میرے
ساتھ والوں نے بڑے دنیاوی فائدے اٹھا لئے ۔ اور جنرل بن گئے ۔ تو ان میں سے کچھ کو بھارت
کے سامنے ہتھیار ڈالنا پڑے اور کچھ محاذ سے نامراد واپس لوٹے ۔ مجھ سے بعد فوج میں آنے والے
ضیاء الحق صاحب نے بھی بڑی دنیاوی اونچائیاں حاصل کیں لیکن اب ان کے جبڑہ کا نام باقی رہ



گیا ہے اور جہاں وہ دفن ہیں اس کو جبڑہ چوک کہا جاتا ہے ۔ میرے بیٹوں کے نفری میں شمار
آصف نواز قسم کے لوگ بھی دنیاوی طور پر بھارتی جنرل کو بھی شالامار میں دعوت پر بلا رہا تھا ۔
لیکن اب اس کی بدبو سے تنگ آ کر اس کی قبر نے بھی اس کو باہر پھینک دیا ۔ کیا صراط مستقیم
پر چلنے کی دعا بہتر نہیں کہ آگے کوئی رکاوٹ نہیں ۔

ڑ ۔ اگر ہمارے ملک میں حق کے راستے پر چلنے والے ایک ہزار آدمی اکٹھے ہو جائیں ۔ تو باطل
طاقتیں ان کے سامنے سرنگوں ہو جائیں گی ۔ اور یہی کچھ میں نے نواز شریف کو خط میں کہا ۔

ز ۔ میرا یہ خط پڑھنے کے بعد ایک صاحب جو مجھے نہ جانتے تھے انہوں نے میرے ساتھ رابطہ باندھا
اور مجھے کہا کہ "جس آدمی کی تمہیں تلاش ہے وہ نواز شریف نہیں" ۔ میں نے جواب دیا کہ یہ تو مجھے
بھی معلوم ہے ۔ تو وہ کہنے لگا ۔ پھر یہ خط کیوں لکھا؟ عرض کی کہ قافلہ سخت جان کی آمد کے لئے
"جھاڑو" دے رہا ہوں ۔ باقی باتیں راز میں رہیں تو بہتر ہے ۔

س ۔ سین سوال کی حاجت نہیں ۔ میری تو رب نبی محمدؐ کو عرضداشت ہے کہ وہ مقلب القلوب
ہے ۔ ہمارے دلوں کو پھیر دے اور ہمیں غیرت مند مسلمان بنا دے کہ حضور پاکؐ کے جمال
سے ہمارا ماحول معطر ہو جائے کہ جمال کے چشمے جاری ہیں اور جلال سے جہاد کو طرز زندگی کے
طور پر اپنا لیں ۔ رب نبی محمدؐ! آچکی نہ چلانا ۔ جس عذاب کے ہم حق دار ہو گئے اس سے ہمیں بچا ۔
اور میری جھولی بھر دے ۔ مجھے اپنے دربار سے خالی ہاتھ تو واپس نہ کرنا ۔

از تیرے حبیب کا سپاہی

## دوسرے ایڈیشن کا خصوصی اضافہ

تازہ بہ تازہ ۔ عمران خان اور حمید گل مل کر یا الگ الگ تحریکوں سے قوم کو انصاف اور اسلامی
نظام دیں گے؟ ہماری جاہل قوم میرے بیان کردہ پس منظر یاد رکھے ۔ کہ جناح منظور تھا لیکن
مشرقی یا مولوی منظور نہ تھے کہ کہیں اسلام نہ آ جائے ۔ ایوب، یحیٰی، بھٹو اور ضیاء سب کو
اسلام کی ابھرتی طاقتوں کو روکنے کے لئے استعمال کیا گیا اور "نابالغ" عمران خان اور "سنجیدہ"
حمید گل کے ذریعہ ان ابھرتی اسلامی طاقتوں کو "اپنے" کنٹرول میں رکھنا مقصود ہے ۔

ضمیمہ "ص"

# خلاصہ اور خاص نکتے

اس کتاب میں جو کچھ لکھا گیا، اس میں سے کچھ باتوں کا خلاصہ یا اختصار دینا ضروری ہے کہ مصنف کون سی باتوں پر زیادہ زور دینا چاہتا ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی محبت حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں ہے۔

۲۔ جہاد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وفا کا دوسرا نام ہے۔

۳۔ ہر زمانے کے لئے اور تمام عالموں کے لئے رحمت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ تو ہمارا نعرہ یہ ہو "رہبر و رہنما مصطفیٰ، مصطفیٰ"

۴۔ قرآن پاک اپنی تفسیر آپ ہے۔ اس کو معنی میں بند نہیں کیا جاسکتا اور یہ فوجی زبان میں ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوںؑ کی تعلیم ایک ہے۔

۶۔ ہم یہاں امتحان کے لئے وارد ہوئے۔ اور نبیوںؑ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم کی آگاہی فرماتا رہا۔

۷۔ اللہ تعالیٰ الاول بھی اور آلاخر بھی ہے۔ اس کے لئے نہ فاصلے ہیں۔ نہ ماضی اور نہ مستقبل۔ اور وہ زمان و مکان پر حاوی ہے۔

۸۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو گھٹانے کا جو ذکر کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے، کہ دنیا محدود ہونا شروع ہو گئی ہے۔ یا ایک ہو رہی ہے۔ ہمارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ساری دنیا کے لئے امت واحدہ یا نیو ورلڈ آرڈر کا تصور دے گئے ہیں۔ اور پیغمبروں کی جغرافیائی خطوں تک محدود ہونے والی بات ختم ہو گئی ہے۔ اور رہبر و رہنما محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

۹۔ اللہ تعالیٰ نے بشری تقاضوں کے تحت اپنے حبیبؐ کی شان میں ارتقاء کیا۔ کہ فرمایا کہ



بعد کی حالت پہلی سے بہتر ہے" یعنی چالیس سالوں کی عمر میں شخصیت اور بشریت کی تکمیل ہوئی کہ اپنے نفس کو پہچان لیا۔ تو نبوت کا سلسلہ شروع ہوا، جس کے ارتقاء کو معراج کہتے ہیں کہ آپؐ زمان و مکان پر حاوی ہوگئے۔ اور پھر دین اسلام کے قافلہ حق کو صراط مستقیم پر رواں دواں کر دیا۔ اور جب زمانہ اپنی اصلی حالت پر آیا۔ تو آپؐ آنکھوں سے اوجھل ہوگئے۔

۱۰۔ جو لوگ یہ بات نہ سمجھ سکے وہی لوگ اندھے اور مردہ ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے تحت حضور پاکؐ کی نشاندہی کئے ہوئے صراط مستقیم پر نہیں چلتے۔ اور انقلابوں کے چکروں میں اوندھے منہ گر رہے ہیں۔

۱۱۔ اس لئے ہم اللہ تعالیٰ اور رسولوںؑ کو دین کے سلسلہ میں الگ الگ نہ کریں۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے۔

۱۲۔ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی جانب سے حضور پاکؐ پر درود و سلام بھیجنے میں حضور پاکؐ کی جاری زندگی کی جھلک موجود ہے۔ کہ ازل سے ابد تک قافلہ حق صراط مستقیم پر رواں دواں ہو کر آنؐ پر درود و سلام بھیجتے جا رہے ہیں۔

۱۳۔ زندگی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اس کے احکام کی پیروی کرنے کا نام ہے۔

۱۴۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک کی ہر سورۃ میں اپنے حبیبؐ کی شان بیان فرماتا ہے۔

۱۵۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیبؐ کو زمان و مکان پر حاوی کر کے جس طرح ماضی کی خبریں دیتا ہے اسی طرح مستقبل کی خبریں بھی دیتا ہے۔ اس لئے ہم لوگ علم غیب پر تبصرہ کے وقت اپنے بشری پیمانوں کو لگام دیں۔

۱۶۔ قرآن پاک کے احکام اور حضور پاکؐ کی سنتوں کے تحت ہمیں اپنے آپ کو اللہ کی فوج بنے رہنے پر لگے رہنا چاہیئے۔

۱۷۔ انسان کی وقعت یہ ہے کہ وہ چھوٹا اور ادنیٰ ہے۔ لیکن جب وہ دین اسلام کی پیروی شروع کر دیتا ہے تو وہ کائنات کا مرکز بن جاتا ہے۔

۱۸۔ جہاد مالوں اور جانوں سے ہوتا ہے۔ محض خطابت یا تحریر کے کام، کو جہاد کی ادنیٰ بسم

اللہ کہہ سکتے ہیں ۔ کہ امن کے زمانے میں جہاد کو طرز زندگی بنا کر جاری و ساری کرنا پڑتا ہے ۔ اور اس چیز کو ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاد اکبر کا نام دیا ۔ کہ اس طرح صحیح عمل کے بعد جہاد اصغر یا جنگ کی ضرورت ہی نہ پڑے ۔

۱۹۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کریں گے اور طاغوت کے ساتھ کفر کریں گے، انہیں اللہ تعالیٰ اندھیروں سے روشنی کی طرف لے آئے گا ۔ اور صرف انہی لوگوں کے پاس مومن کی فراست ہوگی ۔

۲۰۔ جو لوگ عاجزی کرتے ہیں انہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ مقام مصطفیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سمجھنے کی بھی توفیق دے دیتا ہے ۔

۲۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام نعمتیں اپنے حبیبؐ کو اس طرح عطا فرمائیں کہ ایک لفظ " کوثر " میں یہ سب کچھ بیان کر دیں ۔ اور آپ ہی قاسم یعنی تقسیم کرنے والے ہیں ۔ اس جہاں کی نعمتیں نیک اعمال اور صراط مستقیم پر چلنا ہے ۔

۲۲۔ اللہ تعالیٰ نے ہر خطے میں پیغمبر بھیجے ۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے تو ہم آگاہ ہیں لیکن زیادہ مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یونانی فلاسفر سقراط اور افلاطون وغیرہ بھی شاید پیغمبر ہوں کہ سب خیر کے علوم کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے ۔ بلکہ ہندوؤں اور ہمارے بیچ کئی قدریں مشترک ہیں ۔ لیکن ان کے برہمنوں نے ان پر پردہ ڈالا ہوا ہے ۔ ہمیں یونانیوں اور ہندوؤں کو بھی اپنے فلسفہ حیات سے آگاہ کرنا چاہئیے کہ کبھی وہ لوگ بھی اسی فلسفہ حیات کے پیروکار تھے ۔

۲۳۔ لیکن ہمارے کم علم اور تفرقہ باز " مولوی " ہمیں دنیا کی امامت کے لئے تیار نہیں کر سکتے ۔ ان کو " مولانا " کے خطاب سے دستبردار ہونا چاہئیے کہ یہ شرک ہے ۔ اور صحیح قسم کے دانشوروں کو رسول عربیؐ کا اسلام سمجھنے کی کوشش کرنا چاہئیے ۔

۲۴۔ مولویوں اور مذہبی دینی جماعتوں کے ذریعہ سے پاکستان میں اسلام نافذ نہیں ہو سکتا ۔ نہ یہ لوگ تحریک پاکستان کے وقت قوم کی رہنمائی کر سکے نہ آزادی کے بعد ۔ صحیح قسم کے دانشوروں کو آگے بڑھنا ہوگا ۔



۲۵۔ افسوس کہ ہم نے اسلام کی سیاسی ضرورتوں یا عسکری ضرورتوں کے تحت نہ کوئی تاریخ لکھی ، جو بامقصد ہوتی ۔ نہ اسلامی فلسفہ حیات کو اختصار کے ساتھ کہیں بیان کیا گیا ۔ نہ مومن کے مقاصد حیات کا جائزہ لیا گیا ۔ نہ اسلام پر سے وہ پردے ہٹانے کی کوشش کی جو اسلام پر سازشوں یا ہماری نالائقیوں کی وجہ سے پڑتے رہے ۔ اسلام نہ جدید ہے اور نہ قدیم ۔ یہ ہر زمانے کے لئے موزوں ہے صرف تجسس اور تحقیق کی ضرورت ہوتی ہے ۔ ہم نے نہ ماضی کی کوتاہیوں کو زمانہ حال کی زبان میں بیان کر کے اپنے لئے مستقبل کے لئے نشان راہ تلاش کیا ۔ نہ اسلام میں کسی مجدد کے تصور کو پرکھا ۔ کہ اگر یہ سلسلہ شروع ہو جائے تو ختم نہ ہوگا ۔

۲۶۔ نہ واقعات کی پیش بینی کی گئی کہ جس راہ پر ہم چل رہے ہیں اس کے نتائج کیا ہوں گے اور نتائج کے اثرات کیا ہوں گے ؟

۲۷۔ انگریز جاتے جاتے ہمیں کافرانہ سیاسی ، عسکری ، معاشی ، عدالتی ، دفتری اور تعلیمی نظاموں میں جکڑ گئے اور ایک کھیپ تیار کی جس کو وہ ہم پر مسلط کر گئے ۔ ہم ان نظاموں کے ساتھ ہی چمٹے ہوئے ہیں ۔ اور اس " کھیپ " سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں کر رہے ۔ اور اسی وجہ سے غیروں کی ڈگڈگی پر تگڑم ناچ نچائے جا رہے ہیں ۔

۲۸۔ ہمیں کسی سے کچھ بھی نہیں سیکھنا ۔ ہمارے پاس تمام بنیادی علوم ، فلسفے اور نظریات موجود ہیں ۔ اور ایمان کا ایک درجہ ہے کہ علوم انسان کے آگے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ یہی کچھ میں اپنی بیس کتابوں میں اختصار کے ساتھ بیان کر چکا ہوں ۔ اور اس کو تحقیق کی بسم اللہ کہنے کے بعد دانشوروں کو دعوت دے رہا ہوں کہ وہ لوگ آگے بڑھیں اور اپنی تحقیق اور تجسس میں مومن کی فراست پیدا کریں ۔

۲۹۔ اسلام اللہ کی آمریت ہے ۔ اور ہم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو جاری کرنے کے طریق و کار کے سلسلہ میں لوگوں سے مشورہ کر سکتے ہیں ۔ اس کو آپ جمہوریت کہتے ہیں تو آپ کی مرضی ۔ میرے لحاظ سے یہ شورائیت ہے کہ نام ہمارے اپنے ہونا

چاہئیں کہ ہم غیروں کے کافرانہ فلسفوں سے مرعوب نہ ہوں۔ بہر حال الفاظ کے استعمال میں بھی وحدت فکر ہونا چاہئے اور اسلام وحدت عمل کا دوسرا نام ہے۔ ہمارا ایک اللہ۔ ایک رہنما یا رسولؐ۔ اور ایک قرآن یعنی احکام کی کتاب ہے۔ ہم ایک امت یا الہ تعالیٰ کی فوج ہیں۔

# اختتام

الف۔ ہمارا سب سے بڑا مسئلہ ہمارے دانشور یا لکھاری یا صحافی یا اخباریں ہیں۔ جو قوم کو گمراہ کر رہی ہیں۔ اکبر بگٹی جیسا آدمی بھی کہہ چکا ہے کہ جس دن کوئی اخبار شائع نہ ہو۔ وہ دن قوم کی خوش قسمتی کا ہے۔ بے نظیر بھی کہہ چکی ہے کہ 365 دن اخباریں نہ شائع ہوں تو قوم کا کوئی نقصان نہ ہوگا۔ یہ عاجز اس کتاب میں ملک کی ایک "سنجیدہ ترین" اخبار کا چٹھا اپنے پیش لفظ میں اور ضمیمہ "ر" میں کھول چکا ہے۔ اب یہ اخبار پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قائد اعظمؒ کے بعد اگر کسی دوسرے آدمی کو پاکستان کا صحیح بانی کہا جاسکتا ہے تو وہ مجید نظامی کا بڑا بھائی حمید نظامی تھا اور تحریک پاکستان کا سارا سہرا حمید نظامی اور اخبار نوائے وقت کے سر باندھا جاتا ہے۔ اس کی برسیاں جگہ جگہ منائی جاتی ہیں۔ ملک کے "دانشور" اکٹھے ہوتے ہیں اور اس کو اتنا خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے کہ وہ کوئی "پیر پیغمبر" تھا۔ کہ ان بے چارے دانشوروں کا نام اور تصویر اخبار میں شائع ہو جاتی ہے۔ اور یہ ہے ہمارا قومی کردار۔ میں نے بھی ایک برسی پر پیغام بھیجا کہ بے چارہ حمید نظامی بہت معمولی آدمی تھا۔ اس کے لئے بخشش کی دعا مانگا کریں۔ لیکن میرا پیغام کسی نے نہ شائع کیا۔

ب۔ تحریک پاکستان میں مسلمان صحافیوں کی خدمت بڑی معمولی تھی۔ دراصل کانگرسی ہندو پریس نے جو پاکستان کی مخالفت کی اس کے رد عمل کے طور پر لوگ پاکستان کے حامی ہوگئے۔ پھر نوائے وقت سے باقی اخباریں ہزار درجہ بہتر تھیں۔ کلکتہ سے "عصر جدید" "مارننگ نیوز" اور "سٹار آف انڈیا" دہلی سے "ڈان"، "انجام" اور "جنگ" کی سر کولیشن اور خدمت لاہور کی



اخباروں سے زیادہ تھی۔ لاہور سے اخبار "احسان" کے ملک نور الہیٰ کے مقابلے میں حمید نظامی طفل مکتب تھا۔ اور اخبار "زمیندار" کے مولانا ظفر علی کے مقابلے میں نابالغ بچہ۔ پھر فروری 1947ء میں لاہور سے پاکستان ٹائمز نے بھی نکلنا شروع کر دیا۔ نوائے وقت کو پنجاب کے چند طالب علموں کے بغیر کوئی نہ پڑھتا تھا اس لئے نوائے وقت کا یہ "کلیم" بہت جھوٹا ہے۔

ج۔ آزادی کے بعد البتہ نوائے وقت نے ایک "مقام" حاصل کر لیا۔ کراچی سے "ڈان" تجارت پیشہ لوگوں کی اخبار بن گیا۔ مولانا ظفر علی بوڑھے ہو چکے تھے۔ ان کے لڑکے بغیر داڑھی کے "مولانا" اختر علی اخبار کی ساکھ نہ قائم رکھ سکے وغیرہ لمبی کہانیاں ہیں۔ کہ پاکستان ٹائمز اور امروز وغیرہ کو میاں افتخار الدین نے "سرخوں" اور ترقی پسندوں کا گڑھ بنالیا۔ تو نوائے وقت دائیں بازو والوں کا "گاڈ فادر" بن گیا۔ لیکن جیسا میں پیش لفظ میں لکھ چکا ہوں اور کتاب جہاد کشمیر میں "چھپے ہاتھوں" کا ذکر کر چکا ہوں۔ نوائے وقت کے "محافظین" کوئی معمولی شے نہیں۔ میرا خیال ہے کہ نوائے وقت انہی لوگوں کی "پیداوار" ہے۔ جنہوں نے غلام کذاب، سرسید، کمال ترکی، جمال عبد الناصر، یاسر عرفات کو "پیدا" کیا۔ ہر ایک کو استعمال کرنے کے طریقے مختلف ہیں۔ اور پروفیسر آرنلڈ کی ایک گہری سازش اس سلسلے میں کئی بڑے اور کئی چھوٹے "گھوڑے" یا "گھوڑیاں" پیدا کرتی رہتی ہے۔ کچھ لوگ اس سازش کی "کڑیاں" ہوتے ہیں۔ اور کچھ پر اثرات ہوتے ہیں۔ لیکن یہ جاری سازش اس طریقے سے چلائی جاتی ہے کہ اس کے عملی نتائج کے میں نے جو نوٹ تیار کئے ہیں اس سلسلہ میں کئی کتابیں شائع کی جاسکتی ہیں۔

د۔ یہاں ایک مثال کافی ہے۔ کہ کس طرح سلطنت عثمانیہ کا زوال لایا گیا۔ ترکوں اور عربوں کو الگ الگ کیا گیا۔ فلسطین کو یہودیوں کا ملک بنادیا گیا۔ عربوں میں بعث پارٹی پیدا کی۔ جمال نصر گیا تو انوار السعادت آیا وہ گیا حسنی مبارک آیا صدام بھی ان کا آدمی ہے۔ اور یاسر عرفات بھی۔ لیکن حیرانگی کی بات یہ ہے کہ سلطنت عثمانیہ کے کھنڈرات پر جو ترکوں کا ایک باپ (کمال ترکی) پیدا کیا۔ اور وہ اسلام کے عظیم فرزندوں کو بے دین بنا گیا اور یہ سازش اس زور و شور سے جاری ہے۔ کہ اس لادینیت کے رکھوالے بھی لگاتار پیدا کئے جا رہے ہیں۔ یہی کچھ قائد اعظم کو ہمارا باپ بنا کر ہمارے ساتھ کرنا مقصود ہے اور جگہ جگہ لادینیت کے رکھوالے

پیدا کئے جارہے ہیں اور اخبار نوائے وقت کا نام ان رکھوالوں کے چوٹی والوں میں ہے۔ اور ہم
ساری قوم دانستہ یا نادانستہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔ ملک کی انگریزی
اخباریں قوم کی کوئی خدمت نہیں کررہی۔ کیونکہ وہ لوگ جو ڈفلی بجارہے ہیں اس کو قوم کے
مزاج یا مقاصد سے کوئی واسطہ نہیں۔ اردو اخباریں خدمت کرنے کے قابل نہیں۔ کہ ان میں
کام کرنے والے یا ان کو چلانے والے علمی اور عملی دونوں صورتوں میں بڑے نچلے معیار کے
لوگ ہیں۔ اب یہ مجید نظامی، نواز شریف کی "آڑ" لے کر مجھے اسلامی نظام پر مضمون لکھنے کو کہتا
ہے۔ کہ اس کو خیال تھا کہ میں آئیں بائیں شائیں ماروں گا اور وہ مجھے نکو بنائے گا۔ اب میں
مضمون بھیجتا ہوں تو اس کو سانپ سونگھ جاتا ہے۔ اور نواز شریف یا مشاہد حسین یا ظفر الحق
کسی کے کان پر جوں بھی نہیں رینگتی کہ بھائی اس عمر میں یہ مضمون لکھنے والے کی کچھ دلجوئی تو
کردیں۔ اور روز قیامت اللہ کو کیا جواب دیں گے۔

س۔ لیکن مجھے کیا پرواہ ہے میں سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے کرتا ہوں۔ اور میں خوش ہوں کہ اللہ
تعالیٰ نے مجھے ایک اور سعادت سے نوازدیا۔ اور میری جھولی تو اس ذات پاک کے سامنے پھیلی
ہے۔ رب نبی محمدؐ! مجھے اب لوگوں کے لئے مذاق نہ بناؤ اور میری جھولی بھردے۔ اور اہل
پاکستان کو مومن کی فراست عطا کردے۔ تو مقلب القلوب ہے ان کے دلوں کو پھیردے کہ
وہ اپنے اندر سے ان "چھپے ہاتھوں" کو پہچان لیں اور ان سب کو ان کے آقاؤں نے ایک مقصد
دیا ہے۔ کہ خبردار جہاں سے جاندار اسلام۔ یعنی جہاد کو طرز زندگی کے طور پر اپنالے کی کوئی
بات ہو۔ اس آدمی سے دور رہو۔ اسی وجہ سے "میرے چھوٹے" بھائی ضیاء الحق کو مجھ سے دور
رہنے کے "احکام" ملے۔ میرے بیٹوں کی طرح آصف نواز کو میرا دشمن بنادیا گیا۔ تو مجید نظامی
اور نواز شریف کو کون "اجازت" دیتا کہ وہ ان مضامین کی اشاعت کا کوئی بندوبست کرائیں۔

رب نبی محمدؐ! یہ عاجز تو پھر آپ کے دربار میں سربسجود ہوتا ہے۔ کہ اب ان باطل طاقتوں
کو پاش پاش کردے۔ اور اہل حق کے قافلہ کا بول بالا کردے۔

از تیرے حبیب پاکؐ کا سپاہی

تیرے حبیبؐ پر لاکھوں سلام بھیج کر کتاب کا اختتام ہوتا ہے۔



ضمیمہ "ض"

# متفرق بیانات اور دوسرے ایڈیشن کے اضافے

اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں ہے اور اس عاجز کو دوسرا ایڈیشن دو ماہ کے اندر اندر شائع
کرنے کی سعادت حاصل ہو گئی۔ کتابیں بہت کم فروخت ہوئیں اور مجھے اپنے خرچ کا آدھا حصہ
بھی وصول نہ ہوا۔ لیکن جب بریگیڈیر نثار احمد قریشی نے ایک ہزار روپے بھیج دیئے اور کچھ
رفیقوں نے پانچ پانچ یا دس دس کتابیں مجھ سے خرید کر دوستوں کو تحفتاً دیں، اور اتنے اچھے
تبصرے موصول ہوئے، تو ایسے لگا کہ ہاتف غیبی سے آواز آرہی ہے "کہ جو کتابیں تمہارے پاس
باقی ہیں۔ ان کو لوگوں میں پھیلاتا رہ کہیں سے ہدیہ مل گیا، تو اللہ کا شکر ادا کردینا۔ ورنہ اس
مردہ قوم میں کتنے لوگوں کو احساس زیاں ہے۔ اور پہلے بھی کتنے آدمیوں نے تمہیں کتابوں کے
پیسے نہیں دیئے اور نہ پڑھ کر کتابیں واپس کیں۔ لیکن تو شکر کر، کہ اللہ تعالیٰ نے سبب پیدا کر
دیا ہے کہ تو دوسرے ایڈیشن کا خرچ ادا کرسکتا ہے اور یہ کچھ کر کے انتظار کر، کہ اللہ تعالیٰ کوئی
صورت پیدا کردے گا"۔ (اور آگے جن عبدالمجید صاحب کا ذکر آرہا ہے۔ انہوں نے دوسرے
ایڈیشن سے پانچ ہزار روپے کی کتابیں خرید کر دوستوں کو تحفتاً دینے کی خبر بھی بھیج دی ہے)

2 ۔ بہرحال کتاب کے بارے میں لوگوں نے میری بہت دلجوئی بھی کی۔ وضاحتیں بھی طلب
کیں، سوالات بھی بہت پوچھے لیکن سب کچھ لکھنے سے کتاب کا حجم بڑھ جائے گا۔ میں نے تو
قارئین کو پہلے عرض کردی تھی کہ یہ کتاب تو اس وسیع مضمون کا "خاکہ" ہے اور ہمیں مل کر
ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ چنانچہ پہلا سوال پھر بھی سیاست پر تھا کہ سیاسی عمل کے بغیر یہ ملک
کیسے چلے گا؟ تو جواب یہ ہے کہ جیسے حضور پاکؐ کے وقت یا خلفاء راشدین کے زمانے میں
خلافت چلی تھی کہ سیاست کی اللہ تعالیٰ کی آمریت میں کوئی جگہ نہیں۔ کہ سیاست کے لحاظ سے
اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کے ساتھ غداری ہوسکتی ہے۔ جیسے آج کل ہورہی ہے اور ہم ننگے ناچ رہے
ہیں۔ سیاست کے تحت ملک توڑا جاسکتا ہے۔ جیسے ہم ملک کو دولخت کرچکے ہیں۔ بے وفائی،

غداری بددیانتی ہر چیز کی اجازت ہے۔ سیاست کرنی ہے تو اسلام کو خداحافظ کہو۔ خوب ننگے ناچو بھارت کے ساتھ اتحاد کر لو۔ یہ پاکستان کیوں بنایا تھا؟ بہرحال قوم سوچ لے اور اسی وجہ سے فلسفہ حیات پر ایک پورا باب لکھ دیا تھا کہ ہمارے پیدا ہونے کا مقصد کیا تھا وغیرہ۔

3 ۔ اور سوال ہوئے کہ اگر مودودی صاحب کے بارے میں سب کچھ لکھ دیا، کہ اس نے نظریہ جہاد کی ایسی تیسی کر دی۔ سید سلمان ندویؒ اور علامہ شبلیؒ کی کتابوں کی خامیوں کا ذکر ہو گیا۔ مودودی صاحب کی تفہیموں کے بارے لکھ دیا کہ ان کو کائنات کا تصور نہ تھا۔ اس لئے حالات کی تہہ تک نہ پہنچے۔ لیکن مفسرین نے جو "اسرائیلیت" والی باتوں کو اسلام کا حصہ بنا دیا۔ یا کتاب کے صفحات ۵۰ اور ۵۱ پر ناقص ترجموں کا ذکر ہے کہ مترجمین نے اللہ تعالیٰ کو بھی "بے خبر" بنا دیا اور حضور پاکؐ کو (نعوذ باللہ) "گنہ گار" لکھ گئے وغیرہ یہ کون لوگ ہیں؟ اور صحیح ترجمے کیا ہیں وغیرہ؟ اور کیا کہیں سے صحیح ترجمے مل سکتے ہیں؟ یا کہیں ان ترجموں کا موازنہ کیا ہوا مل سکتا ہے؟ اول تو میرے پاس سب سوالوں کے جوابات نہ تھے، کہ اس سلسلے میں اس عاجز نے کرنل شیخ عبدالرؤف کا ذکر کیا تھا اور "اسرائیلیت" کے بارے میں کافی کتابیں پڑھ چکا تھا اور میں نے گزارش کر دی تھی، کہ ایسی باتوں کو قومی معاملات کی وزارت کے ماہرین کو سلجھانا ہوگا۔ لیکن ہوا یہ، کہ کچھ لوگ میری مدد کو بھی پہنچ گئے۔ قرآن پاک کے صحیح ترجمے اور موازنے بھی مل گئے۔ اس لئے مجھے پوری کہانی وضاحت کے ساتھ بیان کرنا ہوگی۔

4 ۔ علاوہ ازیں یہ مترجمین قوم کے جانے ہوئے علما ہیں اور میرے پاس کوئی ایسا ثبوت نہیں، کہ یہ لکھوں کہ ان لوگوں نے دانستہ طور پر ایسے ترجمے کئے۔ یہ کم علمی بھی ہو سکتی ہے اور ایک تحریک چل رہی ہے کہ کچھ لوگ حضور پاکؐ کی شان کو بڑھا کر اتنا زیادہ کر دیتے ہیں کہ آپؐ کو اللہ کی ربوبیت میں شریک کر دیتے ہیں۔ اور یہ "بدعت" ہے وغیرہ۔ تو ان لوگوں نے جو ترجمے کئے تو حضور پاکؐ کے عاشقوں نے رد عمل کے طور پر ان مترجمین کے عقائد پر سخت حملے کئے اور فرقہ بندی اور بڑھی۔ تو میں اس جھگڑے میں نہ پڑنا چاہتا تھا، کہ میرے پاس پورا مواد نہ تھا، اور نہ میں نے تحقیق کی تھی۔ اب مواد زیادہ آ گیا ہے تو میں نے تحقیق بھی کر لی ہے اور پوری کہانی بیان کروں گا لیکن، اپنی رائے کو حرف آخر نہیں کہتا۔



5 ۔ سب سے پہلے میرے ایک دوست کرنل شیخ عبدالرؤف نے اس سلسلے میں تحقیق کی، کہ ۱۹۹۲ء میں انہیں معلوم ہوا کہ الفجر ٹرسٹ کراچی نے ہزاروں کی تعداد میں یہ ناقص ترجموں والے قرآن پاک فوج میں تقسیم کرائے ہیں۔ لیکن ان کی حیرانگی کی کوئی حد نہ رہی کہ ان قرآن پاک کے نسخوں پر وزارت مذہبی امور کی طرف سے ان ترجموں کے مستند اور مصدق ہونے کا سرٹیفکیٹ بھی لگا ہوا تھا، کہ یہ اردو زبان میں سب سے بہترین ترجمہ و تفسیر ہے۔ کرنل عبدالرؤف نے بڑی محنت سے اور ترجمے بھی اکٹھے کیے اور موازنہ کیا۔ اور معاملات کو نومبر ۱۹۹۲ء میں وزارت مذہبی امور میں لے گئے۔ لیکن بدقسمتی سے ضیاء الحق کے زمانے میں سکالروں کا ایک ایسا گروہ حکومت کے ہر ادارے میں داخل ہو گیا ہے۔ جو اپنے مسلک کے "اماموں" اور رہنماؤں کی ہر بات کو احادیث مبارکہ کے برابر سمجھتے ہیں اور میں نے اپنی کتاب کے پہلے باب کے دوسرے صفحے پر انہی لوگوں کی طرف اشارہ کیا تھا، تو وزارت مذہبی امور میں عبدالرحمن قریشی اور ڈاکٹر طفیل جیسے بہت آدمی بیٹھے ہیں۔ انہوں نے کرنل موصوف کی طرف اپنے ۱۲ جنوری ۱۹۹۳ء کو ایک مفصل خط کے ذریعے سارے معاملات کو گول مول کر دیا، کہ تفسیر عثمانی کے بارے میں کرنل عبدالرؤف کے اعتراضات کا تعلق "خالصتاً علمی نوعیت" کا ہے۔ جس کے بارے میں جید علماء ہی بہتر رائے دے سکتے ہیں۔ کرنل عبدالرؤف صاحب نے بہت شور کیا، کہ معاملہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریمؐ کی بے ادبی کا ہے۔ اگر وزارت اس تفسیر کے لئے بہترین ترجمہ مستند و مصدق ہونے کا سرٹیفکیٹ دے سکتی ہے تو اس کو منسوخ بھی کر سکتی ہے۔ لیکن کرنل صاحب کی بات نہ سنی گئی تو انہوں نے رفیقوں کے ساتھ مشورہ شروع کر دیا اور اس طرح معاملات مجھ تک پہنچے اور معلوم ہوا کہ فوج کے مذہبی ادارے میں بھی ایسے لوگ براجمان ہو گئے ہیں۔ خاص کر کرنل فیوض الرحمن کی قسم کے لوگ۔ یہ سب ضیاء الحق کی مہربانی ہے۔

6 ۔ آگے بہت لمبی کہانی ہے جس کی کچھ تفصیل بعد میں آتی ہے کہ میں تو ان ترجموں اور تفاسیر سے عرصہ سے نالاں تھا۔ خدا بھلا کرے میرے عربی کے استاد قاضی منظور الحق صاحب کا، کہ انہوں نے مجھے بچپن میں جو معنی پڑھائے، میں ان پر قائم تھا اور انہوں نے کچھ ترجموں کے

ناقص ہونے کی طرف بھی اشارہ کیا تھا۔ لیکن اس زمانے میں ترجے عام نہ تھے۔ بہرحال کرنل رؤف صاحب نے بہت بھاگ و دوڑ کی اور یہ بھی معلوم کرلیا کہ فوج میں یہ ترجے لیفٹیننٹ جنرل ملک غلام محمد کی وساطت یا ہدایات یا خواہشات پر یونٹوں میں بانٹے گئے۔ تو کرنل رؤف نے جنرل غلام محمد سے ملاقات کی بڑی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہوسکے۔ وہ فوج والوں کو آگاہ کرنا چاہتے تھے کہ وہ ان ناقص ترجموں سے بچیں کہ فوجی سپاہی اللہ اور رسولؐ کے ساتھ محبت کیوجہ سے اپنی جان اللہ کی نذر کرتا ہے اور اس کو ان بے ادبی والوں باتوں سے دور رکھا جائے اور ہمارے زمانے میں ایسی فرقہ بندی والے لوگ فوج میں نہ تھے۔

7 ۔ چنانچہ ۱۰ اگست ۱۹۹۵ء کو انہوں نے ایک خط کے ذریعہ سے تمام پس منظر کو بیان کرتے ہوئے اس المیہ کے سلسلہ میں جنرل غلام محمد کو تفصیلی خط لکھ دیا۔ جس کی کاپی جنرل وحید سمیت تمام کور کمانڈروں، پرنسپل سٹاف افسروں بلکہ صدر فاروق احمد لغاری اور وزیر اعظم وغیرہ کو بھی بھیج دی اور گزارش کی کہ اس غلطی کا قلع قمع کیا جائے۔ کرنل عبدالرؤف نے اس خط کی کاپی مجھے بھی دی اور متعدد کاپیاں اب بھی بانٹتے پھرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے ۱۹ اگست ۱۹۹۵ء کو جنرل غلام محمد، جو میرے قبیلہ سے ہیں اور عزیز ہیں کو ایک بڑا سخت خط لکھا جس کی کاپی جنرل وحید اور کور کمانڈروں کو دی اور لکھا کہ یہ بڑا افسوسناک المیہ ہے اور جنرل غلام محمد کو بتایا کہ میں اس کو پہلے بھی تنبیہ کرچکا تھا کہ اس کے گرد بے ادب لوگ اکٹھے ہوگئے ہیں وغیرہ۔ اس خط کا کوئی جواب نہ آنے کی وجہ سے میں نے ۱۹ ستمبر، ۲۹ ستمبر، ۱۹ اکتوبر اور ۱۹ نومبر کو فوج کے رہنماؤں کو تفصیلی خطوط لکھے کہ فوجی لیڈر ایسی سب غلطیوں کا نوٹس لیں جس کا سرسری ذکر میرے کتاب کے صفحہ نمبر ۸ اور ۹ پر ہے اور متعدد خطوط جو جنرل آصف نواز کو اسلام سے غداری یا کتاب جہاد کشمیر کے سلسلہ میں لکھے ان سب کو ملا کر اب ایک کتاب شائع کرنے کا ارادہ ہے کہ ۱۹ دسمبر کو میں نے معاملات رب نبی محمدؐ کے سپرد کردیئے۔ جس کا ذکر کتاب کے صفحہ ۲۶۷ پر موجود ہے کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے فوج کی سربراہی اللہ کے ایک نیک بندے کو سونپ دی اور جنرل وحید جیسے "بے اثر" آدمی سے فوج کو چھٹکارا ملا۔

8 ۔ عزیزم غلام محمد نے میرے کسی خط کا جواب نہ دیا اور ریٹائرڈ ہونے سے چار دن پہلے لیپا



پوتی کے طور پر کرنل عبدالرؤف کو ایک مہمل جواب دیا کہ یہ ترجے فوج کے مذہبی ادارے نے بھی منظور کیئے تھے۔ اب بد قسمتی سے جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے فوج میں بھی ایسے بے ادب لوگ داخل ہوگئے ہیں اور اسی وجہ سے فوجیوں نے جنرل غلام محمد کا نام "مولوی" رکھ لیا تھا کہ ایسے لوگ جہاد کے تقاضوں کو بھی نہیں سمجھتے اور جنرل غلام محمد نے ایک کرنل فیوض الرحمن سے مل کر اپنے مسلک کا فوج میں بہت زیادہ لٹریچر پھیلایا اور میں یہ سب کچھ فوجی لیڈر شپ کو لکھ چکا ہوں کہ فوج کو فرقہ بندی سے بچایا جائے۔ چنانچہ انہی باتوں کے مدنظر رکھتے ہوں میں نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۵۰ اور ۵۱ پر لکھا تھا کہ وزارت قومی امور کو یہ معاملہ سلجھانا ہوگا۔ یہ کچھ پڑھ کر ایک انجینئر عبدالمجید صاحب جن کا کتاب کے صفحہ ۲۴۳ پر ذکر ہے کہ مجھ سے کتابیں لے کر "تحفتاً" دوستوں میں تقسیم کرتے ہیں انہوں نے مجھے تحفتاً ایک قرآن پاک تفسیر رفاعی کے ترجمہ والا بھیج دیا۔ جس نے اکثر معاملات کو حل کردیا ہے۔ بلکہ میں جو کچھ اپنی کتاب "حضور پاکؐ کے جلال و جمال" میں ایسی کئی اور غلطیوں کے سلسلہ میں لکھ چکا تھا۔ تو اس تفسیر نے میری ان تحقیقوں پر بھی سچائی کی مہر ثبت کردی ہے۔

9 ۔ قرآن پاک کے اس نسخہ نے جو ہمارے گھر کے معصوموں پر اثرات کیئے یا میرے دوست جو ڈیمانڈیں دے رہے ہیں کہ ہمیں ایک نئے ایڈیشن کی انتظار کرنا پڑ رہی ہے۔ یہ بہت لمبے مضمون ہیں کہ جو چند کاپیاں مجھے موصول ہوئی ہیں ان میں سے کوئی کاپی میں اپنے مطالعہ کیلئے بھی ریزرو نہیں کرسکا اور ابھی سرسری مطالعہ کرتا ہوں جس نے مجھے ششدر کردیا ہے۔ پہلی وحی کے بارے میں جو کچھ اس عاجز نے کئی مفسرین اور مورخین سے اختلاف کرکے اپنی کتاب "حضور پاکؐ کے جلال و جمال" کے صفحہ ۱۴۹ اور ۱۵۰ پر لکھا۔ سید رفاعی نے اس پر سچائی کی مہر ثبت کردی، کہ کیا اللہ تعالیٰ اپنے حبیبؐ کو جو کام سونپ رہا تھا، اس کیلئے اللہ کا حبیبؐ اوروں کے پاس جاکر مشورہ کیسے کرے گا؟ تو ابن اسحٰق کی اس تحقیق پر بھی سچائی کی مہر ثبت ہوگئی کہ اللہ کے رسولؐ ورقہ بن نوفل کے پاس نہ گئے تھے۔ بلکہ جناب خدیجۃ الکبریٰؓ اپنی تسلی کیلئے اپنے رشتہ دار کے پاس گئی تھیں۔ اسی طرح جو میں نے اس کتاب کے صفحہ ۱۵ پر جنگ احد کی طرف سرسری اشارہ کیا اور بڑی کتابوں میں پورا ذکر کیا کہ ہمارے مورخین، مفسرین اور محدثین میں

سے کئی لوگوں نے اس کو (نعوذ باللہ) مسلمانوں کی شکست بنا دیا حالانکہ یہ ابو سفیان کی شکست تھی اور میرا یہ تجزیہ پڑھ کر پیر کرم شاہ صاحب نے لکھا کہ ان کے پہلے تصور درہم برہم ہو گئے۔ تو رفاعی صاحب نے بھی یہی تفسیر لکھی اور یہی کچھ جنگ حنین میں لاگو ہے کہ میری تحقیق اور ان کی تحقیق میں مطابقت ہے۔ بلکہ اب میں اپنی کتاب حضور پاکؐ کے جلال و جمال میں اپنی ایک غلطی کو بھی تسلیم کروں گا، کہ کتاب کے صفحہ ۴۹ پر میں نے جناب مجاہد کی اس تفسیر کو تسلیم کیا کہ جناب حواؑ کو حضرت ادمؑ کی چھوٹی پسلی سے پیدا کیا گیا۔ جناب رفاعی لکھتے ہیں " کہ الفاظ یہ ہیں کہ جناب حوا بھی اسی مادہ سے پیدا ہوئیں جس مادہ سے حضرت آدمؑ پیدا ہوئے۔ جو رب حضرت آدمؑ کو مادہ سے پیدا کر سکتے ہیں وہ ان کی بیوی کو ان کی بیٹی کے طور پر ان کے بدن سے کیسے پیدا کرتے؟ جہاں تک ترجمے اور ساتھ تفسیر کی بات ہے تو میں اس تفصیل میں تو پوری طرح نہ جا سکا۔ اور اس سلسلہ میں پورا تبصرہ نہیں کر سکتا۔ ترجمہ البتہ بہت با ادب ہے اور ناشرین نے تقریباً پچاس آیات مبارکہ کے تقریباً چار پانچ اور صاحبان کے ترجمے موازنہ کے طور پر دیباچہ میں لکھے اور آخر میں رفاعی صاحب کا ترجمہ لکھا، کہ قارئین بھی موازنہ کر لیں کہ جہاں اوروں نے اللہ تعالیٰ کو " بے خبر " بنا دیا رفاعی صاحب کہتے ہیں کہ اللہ تعالی تو یہ کہہ رہا تھا کہ اس نے ابھی ان لوگوں کو امتحان میں نہیں ڈالا۔ اور جہاں اوروں نے (نعوذ باللہ) حضور پاکؐ کو بھی گنہ گار بنا دیا رفاعی صاحب کہتے ہیں کہ الفاظ کے صحیح معنی یہ ہیں " کہ آپ گناہ کر ہی نہیں سکتے اور عربی لفظ کا جو استعمال ہوا۔ اس کے معنی غلطی بھی ہے اور ہم لکھ چکے ہیں کہ سعودی حکومت کے ترجموں میں بھی لفظ fault لکھا ہے نہ کہ گناہ جیسا کہ ہمارے مترجم صاحبان لکھتے ہیں اور رفاعی صاحب تو تمام انبیا کو معصوم ثابت کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں سورۃ نمبر ۸۰ کے الفاظ " عبس و تولیٰ " کو جو ترجمہ شاہ رفیع الدین سمیت ان زیر بحث کئی مترجمین نے کیا۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ابن ام مکتومؓ کو دیکھ کر حضور پاکؐ نے تیوری چڑھائی اور منہ موڑا (نعوذ باللہ) رفاعی صاحب کہتے ہیں۔ یہاں لفظ ہ ہے جس کے معنی آس ہیں۔ یعنی جو کافر حضور پاکؐ کے پاس بیٹھا تھا۔ اس نے تیوری چڑھائی وغیرہ۔ عظیم خلق والےؐ کیسے تیوری چڑھا سکتے تھے۔ لیکن نعوذ باللہ ہمارے یہ سارے مترجمین حضور پاکؐ کی بے ادبی کر جاتے ہیں۔ علاوہ



ازیں یہ سارے مترجمین جہاد کے معنی اکثر جدوجہد اور کوشش ہی لکھتے ہیں۔ رفاعی صاحب نے ہر جگہ جہاد کے صحیح معنی جہاد ہی لکھے۔

10 ۔ رفاعی صاحب پیدائشی عرب ہیں اور آزادی سے پہلے دہلی آباد ہو گئے تھے اور وہاں ہی اردو سیکھی۔ پاکستان بننے کے بعد لاہور آ گئے اور وہیں یہ ترجمے کئے اور یہ قرآن پاک رفاعی منزل نمبر ۳۸ اردو بازار لاہور کے دینی کتب خانہ والوں سے مل سکتا ہے۔ میں اس سلسلہ میں صرف اتنا کچھ جانتا ہوں اور ابھی میں نے سارے قرآن پاک کے ترجمے پر نظر ڈالنی ہے۔ جس سلسلہ میں یہ عاجز ان کے ساتھ کوئی اختلاف نہ کر سکے گا۔ البتہ حاشیہ میں جو تفاسیر ہیں ان میں کچھ چھوٹی باتیں ابھی سے نظر آ گئیں کہ نفس اور روح کو اپنے خانوں میں وضاحت سے نہیں بانٹا گیا اور ایک جگہ ذوالحجہ دو ہجری کے غزوہ سویق اور شوال تین ہجری کے جنگ احد کے واقعات کو ایک دوسرے میں ملا دیا گیا ہے۔ بہر حال یہ بہت چھوٹی باتیں ہیں۔ نظریاتی اور اعتقادی سلسلہ میں اس ترجمہ کی مدد سے ہم ناقص ترجموں کو ٹھیک کر سکتے ہیں اور اللہ تعالی نے اس مشکل مسئلہ کا حل سامنے کر دیا۔ الحمد للہ ایک وحدت فکر کی بنیاد اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دی۔

11 ۔ اب ناقص ترجمہ کرنے والے صاحبان کا نام میں نے اس ڈر سے پہلے نہ لکھا تھا کہ وہ بڑی ہستیاں ہیں اور میرے بھی سر کے تاج ہیں۔ لیکن معصوم نہیں ہو سکتے۔ اول محمود الحسن صاحبؒ ہیں جو اسیر مالٹا کے خطاب سے مشہور ہیں۔ میں ان کو سازش کی کڑیوں میں کبھی نہ شامل کروں گا۔ البتہ ان پر سازش کے اثرات ضرور ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس کی ایک اور وجہ بھی ہے کہ یہ سارے ترجمے شاہ ولی اللہؒ کے فارسی کے ترجمے سے مطابقت رکھتے ہیں اور اسی وجہ سے شاہ ولی اللہؒ پر اعتراض ہوئے تھے کہ وہ ادب ملحوظ نہیں رکھتے تھے کہ ہر زبان کی طرز ایک جیسی نہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی کچھ اور تحریروں پر بھی اس عاجز کی کچھ ریزرویشن ہیں۔ جن کے اثرات شاہ اسماعیل شہیدؒ پر اور کھل کر ہوئے۔ لیکن میں ایک اور " پنڈورا باکس " نہیں کھولنا چاہتا اور میں وحدت فکر کا دعویدار ہوں۔ چھوٹے موٹے اختلافات دور ہو سکتے ہیں۔ شبیر احمد عثمانی اور شاہ رفیع الدینؒ نے بھی محمود الحسنؒ کے ترجموں کے ساتھ مطابقت رکھی۔ لیکن اشرف علی تھانویؒ نے لفظ " گنہ گار " نہ استعمال کیا۔ البتہ رحمت اللعالمین کے معاملہ میں وہ بھی اپنے استادوں کی

طرح حضور پاکؐ کو صرف لوگوں کیلئے رحمت ترجمہ کر گئے اور عالموں والی رحمت کی بات تک نہ پہنچے۔ لیکن سنتے ہیں وفات سے پہلے اس بات پر افسوس کیا، کہ مقامات میں عروج آچکا تھا جس کا ذکر میری کتاب حضور پاکؐ کے جلال و جمال کے صفحہ ۴۸۹ اور ۴۹۰ پر ہے۔ ان کے شاگرد اور مرید عبدالماجد دریا آبادی جو ایک دفعہ مرتد بھی ہو گئے تھے اور اس کتاب کے صفحہ ۲۹۶ پر انکا ذکر ہو چکا ہے البتہ انہوں نے وہی ترجمہ کیا جو محمودالحسن صاحبؒ نے کیا۔ کانگریسی مولوی آزاد کے ترجمے اور تفسیر میں بہت زیادہ بے ادبی ہے اور ڈپٹی نذیر احمد نے تو بعض جگہوں پر مفہوم بھی تبدیل کر دیا۔ دیوبندیوں میں فتح محمد جالندھری بین بین ہیں اور کچھ ادب ملحوظ کرنے کی ادھوری کوشش ضرور کی اور مودودی صاحب بھی الفاظ کے سلسلے میں کچھ ادب ملحوظ رکھتے ہیں۔ البتہ مفہوم میں اپنے عقائد کا پرچار کر کے حضور پاکؐ کے مقام میں کمی کرتے رہتے ہیں۔ اور کرنل ایوب سمیت ناقص ترجموں والوں کی لسٹ بہت لمبی ہے۔

12 ۔ الفجر ٹرسٹ اور مذہبی امور والوں نے جس تفسیر عثمانی کا ذکر کیا ہے۔ یہ محمود الحسن صاحبؒ کے ترجمہ کے ساتھ شبیر احمد عثمانی کے حاشیہ پر فٹ نوٹ ہیں۔ ان کو پڑھ کر تو رونا آتا ہے۔ میں شبیر احمد عثمانی کو ذاتی طور پر جانتا ہوں جن کا ۱۹۴۹ء میں انتقال ہوا۔ اور پاکستان کے بانی علما میں شامل کئے جاتے ہیں اور لیاقت علی کے ساتھ قرارداد مقاصد کے بانیوں میں بھی شمار کئے جاتے ہیں۔ میں کتاب کے پہلے باب میں ثابت کر چکا ہوں کہ یہ ایک مہمل دستاویز ہے اور اسلام کے ساتھ بہت بڑا فراڈ ہے۔ بہر حال شبیر احمد عثمانی ایک عام درجہ کے عالم تھے۔ جو مکھی پر مکھی مار سکتے تھے اور حسین احمد مدنی سے جھگڑے کی وجہ سے مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ تحقیقات یا بنیادی پہلوؤں کی چھان بین ان کے لئے مشکل میدان تھا۔ انہوں نے قرآن پاک کے حاشیوں میں تفسیر کے طور پر جو وضاحتیں لکھی ہیں ان میں سے کچھ وضاحتیں ان کی "کم علمی" کے ثبوت میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ دراصل بڑا المیہ یہ ہے کہ اپنی سوچ کے مطابق دیوبندی صاحبان نے "بدعتوں" کو دور کرنے کیلئے ترجموں میں جو بریکٹوں میں اضافہ کیئے۔ ان کے سلسلہ میں رد عمل ہوا اور بریلوی گروہ سامنے آیا اور انہوں نے دیوبندی ترجموں کو "بے ادبی" پر محمول کیا اور بریلوی صاحبان نے زیادہ ادب ملحوظ رکھنے کیلئے ترجموں میں جو اضافے کئے یا جو



تفسیریں لکھیں، گو ان میں شرک کی کوئی بات نہیں لیکن ان پر دیوبندی حضرات نے اعتراض کیا اور انکی "سفارشات یا خواہشات" کے مطابق سعودی عرب والوں نے جناب احمد رضا خان بریلوی صاحبؒ کی تفسیر کے سعودی عرب میں لے جانے پر پابندی لگا دی ہے۔ کہ دیوبندیوں کے سعودی عرب کی موجودہ حکومت سے تعلقات اچھے ہیں اور حسین احمد مدنی کے زمانے سے ایسا ہے کہ انہوں نے تو کانگرسی ہندوؤں خاص کر جواہر لعل نہرو کو سعودی عرب میں مسلمانوں کے راہنما کے طور پر پیش کیا اور پاکستان کے خلاف جتنی زہر اگلی یا دیوبند سے آج کل بھی پاکستان کے خلاف مسلمان ممالک یا جہاں بھی موقع ملے جتنا زہر یہ دیوبند کے علماء اگل رہے ہیں وہ ایک کتاب کا مضمون ہے۔ حسین احمد مدنی تو مسلم قومیت کا بھی قائل نہ تھا کہ کہتا تھا قومیں اوطان یعنی جغرافیائی نیشنلزم سے بنتی ہیں۔ ہم جو فرقہ بندی ختم کرنے کی رٹ لگاتے رہتے ہیں، تو ہمیں ان تلخ حقیقتوں کے سلسلہ میں آگاہ ہونا چاہیئے اور ان تفرقات کو ختم کر کے رسول عربیؐ کے اسلام کو تلاش کرنا ہو گا۔ ضیاالحق تو کہتا تھا، کہ اپنے اپنے مسلک پر قائم رہو اور دوسرے کے مسلک پر بات ہی نہ کرو۔ یعنی فرقہ بندی کو جاری رکھو۔ یہ افسوسناک رویہ ہے ہمیں اس میدان میں یک جہتی کی کوشش کرنا ہو گی اور میرے اس اعلان کو اکثر لوگوں نے پسند کیا، جب میں کہتا ہوں میں صرف مسلمان ہوں۔ یہاں ایک وضاحت کی سخت ضرورت ہے ، کہ علماء دیوبند کے مطابق ان کے بزرگ مرنے کے بعد زندہ مرید یا عقیدت مند کی دور سے پکار سن کر مدد کیلئے پہنچ جاتے ہیں اور ان کی تحریروں سے یہ سب ثابت کیا جا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ جناب حسن محمود صاحبؒ کے مطابق جناب قاسم نانوتویؒ وفات کے بعد مدد کو پہنچ گئے۔ لیکن اگر کوئی اور یہ کچھ حضور پاکؐ کی طرف منسوب کرے یا آپؐ کو حاضر ناظر مانے تو یہ دیوبندی صاحبان اس کو "بدعتی بریلوی" کہتے ہیں۔ اب قارئین فیصلہ کریں کہ تفرقہ کہاں ہے؟ بات بڑی سیدھی ہے جو "واردات" یا "مکاشفات" عام نہ ہوں یا عام فہم نہ ہوں۔ ان پر پردہ رکھا جائے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ دو کہ غائب سے کوئی اشارہ یا آواز تھی۔ لیکن اس کو بھی پرکھنا پڑتا ہے۔ کہ ایسا اشارہ شیطان کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے۔

13 ۔ میرے پاس حکومت کے ڈھانچے کے بارے میں بھی سوالات آئے، اور قاضی حسین احمد

نے سوڈان کی مثال بھی دی۔ یہ سب سر آنکھوں پر لیکن یہ باتیں بنیادی نہیں۔ بلکہ طریق کار
ہیں جس سلسلہ میں مشورہ کیا جاسکتا ہے۔ بنیادی بات فلسفہ حیات کی ہے اور عقائد ہیں۔ پہلے
اس سلسلہ میں فکری وحدت کی ضرورت ہے۔ کہ ہمیں رسول عربیؐ کے اسلام کو تلاش کرنا ہوگا۔
میری کتاب نے یہ عقدہ کہاں تک کھولا۔ اس سلسلہ میں اسلام کے ایک فرزند جنرل سید رفاقت
کی تحریر پیش کی جاتی ہے۔

## جنرل سید رفاقت کا تبصرہ

14 - میرے سامنے اس وقت جناب امیر افضل خاں کی تازہ تصنیف "اسلامی نظام حکومت"
کی ایک کاپی ہے۔ میں موصوف کے مشن، ان کی شخصیت، ان سے میرے روابط کی تاریخ ان کا
بحیثیت ایک محقق، مجاہد اور مصنف مقام اور ان کے طرز تحریر کے متعلق اپنے خیالات و
جذبات کا پہلے بھی اظہار کر چکا ہوں اور وہ جگہ جگہ شائع بھی ہو چکے ہیں۔ لہذا انہیں اب دہرانا
غیر ضروری سمجھتا ہوں۔ پھر بھی اس کتاب کے مطالعہ کے بعد میرے ذہن میں اٹھنے والے
خیالات اور میرے دل پر گزرنے والے جذبات کا ذکر کرنا اپنے لئے سعادت سمجھتا ہوں۔

15 - موصوف کے پاس مشاہدات تجربہ، تحقیق اور مطالعہ کا بے پناہ خزینہ موجود تو تھا ہی
جسے وہ مضامین اور خطوط کی صورت میں متعلقہ اشخاص یا قارئین تک پیہم پہنچاتے رہے لیکن
جب وہ پچھلے چند سالوں میں باقاعدہ تصنیف کی طرف متوجہ ہوئے، تو گویا ایک بند تھا جو ٹوٹ
پڑا۔ اور اب تو انکے قلم کی رفتار، خیالات کے بہاؤ اور جذبات کی اٹھان کو دیکھ کر قاری پر ایک
ہیبت کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ امیر افضل اب ایک طوفان کی صورت اور قوت اختیار
کرتا جارہا ہے جو باطل کی ساری کرشمہ سازی کو خس وخاشاک کی طرح بہا کے لے جائے گا۔
اس خس وخاشاک میں وہ شخصیات بھی شامل ہیں جن کا اعتقاد ضعیف اور ایمان متزلزل ہے۔
اس عہد جہالت کی اصطلاحات، تلمیحات اور نظریات بھی شامل ہیں جنہیں یہ طوفانِ حق بحیرہ
لعرب میں ڈبونے کا عزم رکھتا ہے۔



16 - میجر امیر افضل خاں صاحب نے ایک نیا طرز تحریر اور اسلوب بیان ایجاد کیا ہے جسے ہوا
کے الٹے رخ اڑتے ہوئے شاہین کی پرواز سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ بظاہر وہ ایک پر عظمت
بلندی سے ان واقعات، حادثات اور شخصیات کے ٹکراؤ یا تعاون سے بنتی اور بہتی تاریخ کا نظارہ کر
رہے ہوتے ہیں، لیکن ان کی عقابی نگاہ ہر وقت اور ہر مقام پر اس شکار کی تلاش میں بھی رہتی
ہے جو چوہے، بچھو یا سانپ کی طرح اسلام کے بنیادی اعتقادات کو کترنے یا ڈسنے سے کبھی گریز
نہیں کرتی۔ اس قسم کے چوہے، بچھو، یا سانپ (بشمول مار آستین کے) جہاں ذرا بھی حرکت
کریں وہ امیر افضل کی عقابی نگاہ سے چھپ نہیں سکتے۔ یہ شاہین ایک ہی لپک اور جھپٹ میں
ان مردود حشرات کو اٹھالیتا ہے۔ اور دلائل کے پنجوں میں مسل کر پھینک دیتا ہے اور چند لمحوں
کی اس ہیبت ناک مگر پر شکوہ diversion (تبدیلی) کے بعد پہلی بلندی سے معمول کے پرواز
میں لگ جاتا ہے۔ ان کا یہ انداز بیان قارئین کیلئے ایک خصوص جاذبیت رکھتا ہے۔ میں نے
خود جب بھی انکی کوئی تحریر پڑھی تو نہ صرف اپنے شعور کو ان کی تحقیق سے محظوظ ہوتے پایا،
بلکہ اپنے اعتقادات کو بھی ایک تطہیر کے عمل سے گزرتے دیکھا۔

17 - زیر نظر کتاب میں مصنف اسلامی نظام حکومت کی درست شکل پیش کرتے ہیں۔ کتاب
کا بنیادی مقصد اور مرکزی نکتہ تو اسلامی نظام حکومت کا جامع خاکہ پیش کرنا اور اسے ایک
مسلمان کے تصور حیات و ممات کے تناظر میں دیکھنا ہے۔ لیکن مصنف کو جائز طور پر شدت
سے احساس ہے کہ اس سوال کا جواب دینا ہوگا کہ نظام حکومت کیوں اور کس کے لئے ہے اور
اس سے بھی بڑھ کر یہ بات طے کرنا ہوگی کہ خود انسان ہے کیا اور اسکی زیست کیوں اور کس
کے لئے ہے۔ لہذا یہ کتاب نظام حکومت کے خاکہ سے بڑھ کر ان بنیادی اور ضروری سوالات
کے جواب پیش کرتی ہے۔

امیر افضل خاں اب ایک تحریک کی صورت اختیار کر چکے ہیں لیکن وہ کوئی نیا فلسفہ
پیش نہیں کر رہے ہیں وہ تو صرف رسول عربیؐ کے اسلام کے کلی اور بلا شرط نفاذ کے داعی ہیں اور
ہر وہ شخصیت، یا فلسفہ یا ادارہ، یا اصطلاح یا روایت جو قرآن حکیم کے واضح احکام سے متصادم ہو
یا رسول عربیؐ کی اطاعت سے راہ فرار اختیار کرے، ان کے خلاف وہ پیہم حالت جنگ میں ہیں

اور یہی ایک سچے مسلمان کا مقصد حیات ہے۔

سید رفاقت، راولپنڈی ۔ ۳۱ مارچ ۱۹۹۶ء

## مصنف کے تاثرات

18 ۔ کتاب جہاد کشمیر کے سلسلہ میں جنرل سید رفاقت کے تبصرے کے بعد گزارش ہوچکی ہے کہ اس تدبر، علم اور مومن کی فراست کے حامل صاحبان ہمارے ملک میں انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں یعنی دو چار ہیں ۔ اب اس لئے نہیں، کہ انہوں نے مجھے خراج تحسین پیش کیا ہے۔ لیکن میں صاحب نظر قارئین سے گزارش کروں گا، کہ ہمارے ملک میں نظر دوڑائیں کہ میری کتابوں میں بیان شدہ اتنے وسیع اور گہرے مضامین کو جنرل موصوف کی طرح پرکھ کر کوئی صاحب اس طرح میرے مقاصد کے سمندروں کو چند الفاظ کی مدد سے کوزے میں بند کرسکتا ہے؟ کیا انہوں نے میری تحریک اور مقاصد کے کسی پہلو کو نظرانداز کیا ہے؟ ہماری بد قسمتی کہ ہم ایسے اسلام کے عظیم فرزندوں کے تدبر اور مومن کی فراست سے فائدہ نہیں اٹھا رہے ۔ بے شک ہمارے سانجھے جد امجد جناب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بھی ہم پر نگاہ ہے ۔ لیکن جنرل صاحب فرزند رسولؐ بھی ہیں اور اپنے عظیم نانا کی طرف سے بھی کوئی اشارہ ضرور ہوگا۔ کہ "سپاہی" کی حوصلہ افزائی ہو رہی ہے ۔ اب ایک اور فرزند رسول کا تبصرہ پڑھیں۔

## سید شبیر حسین کا تبصرہ

19 ۔ آپ کی تازہ ترین تصنیف "اسلامی نظام حکومت ۔ یعنی رسول عربیؐ کے اسلام کا نفاذ" اس سچے اور کامل اسلام کا صحیح نقشہ پیش کرتی ہے، جس پر چل کر عرب کے بادیہ نشین چشم زدن میں تمام دنیا کی قیادت کو حاصل کرسکے ۔ خدا آپ کو جزاء خیر دے کہ آپ نے اس اندھیرے میں ایک اور دیا جلا کر مسلمان قوم کیلئے صراط مستقیم کی نشاندہی کر دی ہے ۔ اب یہ مسلمان پر



ہے کہ من حیث القوم، اپنا رخ بدل کر زمین کی بادشاہت حاصل کرنے کیلئے میدان عمل میں کود پڑتا ہے یا بے عملی اور بے آبروئی کی زندگی پر ہی گزر اوقات کرنا پسند کرکے، اپنے آپ کو موت کی گود میں دھکیل دیتا ہے۔ کتاب کا نام ہی دردمند مسلمان کو چونکا دیتا ہے ۔ اور وہ فوراً کتاب کی ورق گردانی کرکے یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ حضور پاکؐ کا اسلام دراصل ہے کیا؟ سب سے بڑا کام جو آپ نے کیا ہے، وہ یہ ہے کہ انتہائی مختصر الفاظ میں، اس سارے تصور کو پیش کر دیا ہے جس کیلئے کئی کتابیں درکار ہیں ۔ اور اب اس کتاب کی موجودگی میں کوئی مسلمان کم فرصتی کا بہانہ بنا کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ سچے اسلام کو کیسے اور کہاں سے تلاش کرے۔

20 ۔ برادر عزیز! جس جرأت اور استقلال سے آپ "مولوی" کے غلط مذہب اور مغرب زدہ دانشوروں کے گمراہ کن استدلال کی دھجیاں اڑا رہے ہیں، وہ آپ کو ایک بلند اور منفرد مقام دینے کیلئے کافی ہے ۔ آپ نے موجودہ دور کے مسلمان کو پہلی دفعہ یہ اطلاع دی ہے کہ حضور پاکؐ پر پہلی صدی ہجری میں لکھی گئی چالیس کتابیں صرف مغازی کہلاتی تھیں ۔ اور ان میں زیادہ تر مواد حضور پاکؐ کے فوجی فلسفہ پر ہوتا تھا ۔ اور یہ کہ سیرت وغیرہ کے الفاظ "مولوی صاحبان" نے مشکل اور جان دینے والے اسلام سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے، بعد میں اختراع کیے ۔ اسی طرح آپ نے "سامراج" "رجمنٹ" "انقلاب" اور "بربریت" کے الفاظ کے اصل مفہوم بتا کر قارئین کو ششدر کر دیا ہے ۔ کہ حضور پاکؐ کا یہ سپاہی صرف تلوار چلانا ہی نہیں جانتا، بلکہ وہ صاحب علم اور محقق کی حیثیت میں بڑے سے بڑے عالم کے سامنے کھڑا ہو سکتا ہے ۔ اور یقیناً یہ سب آپ کو قرآن حکیم پر گہری نگاہ ڈالنے سے حاصل ہوا ۔ (حضور پاکؐ کے قدموں کی خاک کو چومنے کیوجہ سے ۔ مصنف)

21 ۔ ویسے تو آپ کی ہر بات پر تبصرہ نئے سے نئے انکشافات کا حامل ہے مگر نظریہ جہاد اور جہاد کے تقاضوں کے زیر عنوان جو کچھ آپ نے کہہ دیا ہے، وہ حرف آخر کی حیثیت اختیار کر گیا ہے ۔ یہی فلسفہ تھا جس کو بروئے کار لانے کیلئے علامہ مشرقیؒ نے خاکسار تحریک کا اجرا کیا تھا ۔ گو ہم خاکسار تحریک کو اس منزل تک نہ پہنچا سکے، جو ہمارے قائد نے ہمارے سامنے رکھی تھی، مگر اس کے باوجود جذبہ جہاد اور اس کا صحیح تصور کئی ذہنوں میں آج بھی اسی شکل میں موجود ہے ۔ اور کیا

عجب، آپ جیسے چند لوگ اکٹھے ہو کر قوم کو غلبے سے ہمکنار کر دیں (شبیر حسین کی مہربانی۔ لیکن
میری عمر اب مجھے عملی کام کی اجازت نہیں دیتی۔ اور نہ میں کیسی لیڈری کا خواہاں ہوں۔
مصنف) ۔ اس سلسلہ میں آپ کا تحریر کردہ " اصول مصابرت " ہماری قوم کی ہر خرابی کا
تیر بہدف علاج ہے۔ زندگی کے اس تلاطم میں نعرے کی کوئی حیثیت نہیں اور ایک سچے
مسلمان کی حیثیت سے یہ اعلان، کہ جنگ کی تیاری اور تربیت میں ہر سطح پر بڑے کتابی اور
عملی امتحان ہوتے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں اکثر بڑی صبر آزما گھڑیوں کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے
علاوہ ازیں جنگ کے دوران ہر سطح پر امتحان اور انتظار کے پرچے بڑے سخت ہوتے ہیں۔ صاف
بتاتا کہ آپ نے ہر جنگ میں حصہ لیتے وقت یا اپنے ہر عمل کو قرآن حکیم کی روشنی میں پرکھا۔ اگر
مسلمان قوم صرف اسی ایک اصول پر کاربند ہو جائے تو آج اس کا بیڑا پار ہو سکتا ہے۔ ہم خود
نے کرکٹ کے میدان میں دیکھ لیا کہ قوم کی قیادت سب کو دھوکا دینے کیلئے صرف یہ نعرہ لگواتی
رہی کہ " ہم ہیں پاکستانی۔ ہم جیتیں گے، ہم جیتیں گے " اور ہندو کی ایک ہی ضرب سے ہماری
ٹیم زمیں بوس ہو گئی۔

22 ۔ آپ کا یہ تصور کہ انسان آزاد پیدا نہیں ہوا، بلکہ قانون فطرت کا پابند کر کے اس زمین
پر بھیجا گیا ہے، بھی اسی ذہنی جرأت کا نتیجہ ہے، جس کا اظہار آپ کی اکثر تحریروں میں ہوتا ہے۔
اس کائنات کو بنانے والے نے سورۃ انعام میں ان الفاظ کو دہرایا ہے " ھو القاہر فوق
عبادہ " (وہی ہے غالب اوپر بندوں اپنے کے) اور آٹھویں رکوع کی پہلی آیت میں مزید اضافہ
ہے۔ " ویرسل علیکم حفظۃ " کہ بھیجا ہے اوپر تمہارے نگہبان۔ اس لئے انسان کا یہ کہنا
کہ میں جو چاہوں کروں غلط ہے۔

23 ۔ میجر صاحب! آپ کی تمام verdicts سے متفق یعنی فیصلوں اور فکروں کے ساتھ
متفق ہونے کے باوجود۔ میں آپ کے طرز استدلال کے ساتھ متفق نہیں۔ خدائے برتر نے اپنے
آخری پیغمبرؐ تک کو ہدایت کی کہ وہ ان گمراہ لوگوں کو جبراً سیدھے راستے پر نہیں لا سکتے۔ ان کو
قرآن پاک کے ذریعہ سے آہستہ آہستہ سمجھاؤ۔ علاوہ ازیں کئی چیزیں جو میں جانتا ہوں۔ شاید آپ
نہ جانتے ہوں مثال کے طور پر آپ کو مجید نظامی سے اس لئے ناراضگی ہے کہ وہ آپ کے مضامین



نوائے وقت میں شائع نہیں کرتے۔ نوائے وقت واحد اخبار ہے جو قوم کی کچھ نہ کچھ رکھوالی کرتا
ہے۔ اسی طرح آپ کے حمید نظامی مرحوم پر اعتراضات درست نہیں۔ میں خاکسار ہونے کے
ناطے سے ان کے سیاسی فلسفہ سے اختلاف رکھتا ہوں۔ مگر دیانتداری سے یہ کہنے کی جسارت
کروں گا، کہ پاکستان میں غیر اسلامی فکر یعنی کمیونزم کے راستے میں صرف نظامی مرحوم ہی کھڑے
ہوئے تھے۔ اگر وہ نہ ہوتے اور خدا ان کو اتنی جرأت اور دانش سے نہ نوازدیتا تو شاید ہم کسی اور
کے " حوالے " ہو جاتے۔ میرا مطلب، یہ ہے کہ ڈنڈے کی بجائے محبت اور پیار سے شاید آپ
نوائے وقت والوں سے بہتر کام لے سکتے ہیں۔

24 ۔ اسی طرح جو آپ نے لکھا کہ اگر ۱۹۶۴ء کے انتخابات میں ایوب خان ہار جاتا تو ملک انہی
دنوں میں ٹوٹ جاتا۔ یہ اغلباً درست ہے۔ بلکہ میرے لحاظ سے اگر سکندر مرزا رہتا اور ایوب
خان پورے معاملات اپنے ہاتھ میں نہ لیتا، تو ملک ۱۹۵۸ ہی میں دولخت ہو جاتا۔

25 ۔ آپ نے ضیاء الحق کو اپنا چھوٹا بھائی کہہ کر اسے " منافق " اور کیا کیا القاب دیئے ہیں۔ میرا
اندازہ ہے کہ اگر ضیاء الحق نہ آتا تو اس ملک سے شرافت، نماز، روزہ سب کا جنازہ اٹھ جاتا۔ اس
نے افغانستان کے سلسلہ میں بہت بڑا کام کیا۔ لیکن جونیجو نے آکر سب کیا کرایا تباہ کر دیا۔

26 ۔ برادر عزیزم! پاکستان کے منزل پر نہ پہنچنے کے بارے ہم ہر آنے والے کو مجرم گرانتے
ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ جس قسم کا پاکستان ہمیں نصیب ہوا، اس کا دفاع اور اس کا اسلام پر
کاربند ہونا کس قدر مشکل تھا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم قوم کے اندر زندہ رہنے کی
خواہش کو اجاگر کرتے جائیں۔ کیونکہ دن بدن ہماری منزل دور ہو رہی ہے۔ میرا یہ یقین ہے
کہ قائد اعظم کا پاکستان صرف علامہ مشرقیؒ کے پروگرام پر کاربند ہونے سے طاقتور ہو سکتا تھا۔
لیکن آج تک دانشور اس بات یا ضرورت کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں۔ حتیٰ کہ آپ بھی مشرقیؒ
کے بالمقابل اپنی کتاب میں ایک بے عمل مگر لطف انگیز الفاظ والے شاعر کا ہی ذکر کرتے ہیں۔
میں یہ نہیں کہتا کہ مشرقیؒ کو اسی طرح اٹھا لیا جائے جیسے اقبالؒ اور جناحؒ کو اٹھایا جا رہا ہے۔ میرا
مقصد صاف ہے کہ کم از کم اس کے پیغام کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ تاکہ قوم قرآن پاک
کے اصلی راستوں کو معلوم کر پائے۔ میں ان کی آخری کتاب کی آخری صفحات کی فوٹو کاپیاں

آپ کو بھیج رہا ہوں۔ تاکہ آپ علامہ مشرقیؒ کو بھی اپنے ساتھ " حضور پاکؐ کا سپاہی" گرادنتے رہیں۔

سید شبیر حسین ۲۸ مارچ ۱۹۹۶ اسلام آباد

## مصنف کے تاثرات

27 ۔ سید شبیر حسین میرے بزرگ ہیں۔ ویسے تو میں نے اپنے ماتحتوں، بزرگوں رفیقوں اور ہم سفروں سے بھی بہت کچھ سیکھا۔ لیکن شبیر حسین میرے معلموں میں بہت اونچا مقام رکھتے ہیں۔ اور ان کو اختلاف بھی میرے استدلال سے ہیں جو بڑی معمولی بات ہے۔ لیکن جو نکتے انہوں نے اٹھائے ہیں ان مضامین کی چھان پھٹک کیلئے مکمل بحث ایک دو ابواب میں بھی ختم نہیں ہوتی۔ لیکن اختصار میری مجبوری ہے۔

28 ۔ میرے تمام نظریات قرآن پاک اور قرآن پاک کے اصولوں کے تابع سنت کے اسلام کے معطر باغ کی روشنی میں پرکھے جائیں۔ کہ میری کوئی ذاتی رائے نہیں۔ ہر واقعہ کو میں شواہد سے تمثیلی طور پر اپنے لئے اسلامی نظریات اخذ کرنے کیلئے نشان راہ کے طور پر پیش کرتا ہوں کہ اس واقعہ کے نتائج کیا تھے اور اثرات کیا ہو رہے ہیں۔ اور اپنی ان deductions یعنی موخذات یا نتائج کو حرف آخر ہرگز نہیں کہتا۔ میری کوئی تصحیح کرے یا تنقید کرے تو میں زیادہ خوش ہوتا ہوں کہ سچ بولنا تو آسان ہوتا ہے۔ سچ سننا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ اور میں اپنے لئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے سچ سننے کی توفیق دے۔ اپنی غلطی میں ہر وقت صحیح کرنے کو تیار ہوں اور ندامت اور توبہ سارا دن مجھ پر چھائے رہتے ہیں۔ میں اپنے کئی بودے خیالات اور اعمال سے توبہ کر چکا ہوں۔ اور حضور پاکؐ کا فرمان بھی ہے کہ جو کل والے مقام پر رہا وہ گھاٹے میں رہا۔ روزانہ سوچ میں عروج ہونا چاہیئے۔

29 ۔ اس تناظر میں سوچا جائے کہ نوائے وقت کو میں نے اب بھی مقابلتاً ملک کا سنجیدہ ترین اخبار کہا ہے۔ اور ۱۹۷۹ء تک میں ان لوگوں کا سخت مداح تھا۔ ۱۹۸۵ء میں دوبارہ اپنی غلط



فہمیوں کے ازالہ کی کوشش کی۔ اور اب نومبر 1995ء کا واقعہ قوم کے سامنے ہے، جو اس کتاب کی اشاعت کا سبب بنا۔ میرے مضمون کے شائع ہونے یا نہ ہونے والی بات بہت معمولی ہے۔ میرے پاس خط و کتابت کی کاپیاں موجود ہیں کہ میں نے مجید نظامی کو راہ راست پر لانے کیلئے کیا کچھ نہ کیا۔ اور یہاں تک گیا، کہ توبہ و ندامت کرکے بارش کا پہلا قطرہ بنو۔ اور دونوں جہاں سنوار لو وغیرہ۔ حمید نظامی مرحوم سے تو ایسی نوبت بھی نہ آئی۔ اور اس پر کوئی اعتراض نہ کیا بلکہ سازش کی کڑیوں کے تانے بانے ملانے میں اس کا ذکر بھی کر دیا۔ کہ میرا یہ شک نتائج سے ثابت ہے کہ نظامی برادران رسول عربیؐ کے اسلام یعنی نظریہ جہاد پر کچھ لکھنے کیلئے تیار نہیں۔ اور قوم کو بھول بھلیوں میں رکھنا چاہتے ہیں۔ یا حمید نظامی کو اب "پیر پیغمبر" کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ آخر اس کی کیا خدمات ہیں؟ کہ ملک میں کافرانہ نظام کا پیروکار تھا۔

30 ۔ شبیر حسین بھی صرف وہاں تک گئے کہ ان لوگوں نے کمیونزم کو روکا اور یہ لوگ قوم کی کچھ نہ کچھ رکھوالی کرتے ہیں۔ تو اگر غلام کذاب اور سرسید آج زندہ ہوتے تو وہ بھی یہ کچھ کر رہے ہوتے اور ان کے پیروکار بھی ایسا کر رہے ہیں اور یہ "سرسید" کا اسلام ہے۔ میں تو "اماموں کے اسلام" اور "پیروں کے اسلام" کے بھی خلاف ہوں۔ اور سید شبیر حسین نے خود تسلیم کیا کہ میں تو رہبر و رہنما مصطفیٰؐ کا نعرہ لگا رہا ہوں۔ نوائے وقت قوم کی کوئی خدمت نہیں کر رہا۔ بلکہ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر قوم کو گمراہ کر رہا ہے۔ جنرل سید رفاقت نے جو "مار آستین" کو اصطلاع استعمال کی ہے۔ میرے لحاظ سے نوائے وقت ان میں شامل ہے۔ اور یہ سب کچھ میں کسی کورٹ یا ٹربیونل کے سامنے ثابت کر سکتا ہوں۔ اور اپنی پہلی کتابوں میں اس سلسلہ میں بہت ثبوت پیش کر چکا ہوں۔ مجید نظامی ندامت کرنے پر بالکل تیار نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کو کہیں "چھپے ہاتھوں" سے ہدایت ملتی ہے۔

31 ۔ ایوب خان کو مجھے بہت ہی نزدیک سے دیکھنے کا موقع ملا۔ اور میں سید شبیر حسین کو اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہوں کہ اگر ایوب نہ آتا تو شاید ملک ۱۹۵۸ء ہی میں دولخت ہو جاتا لیکن ایوب کے جانے کے دو سال بعد ایسے ہوا۔ تو ظاہر ہے کہ ایوب کی حکومت بڑی "وقتی" تھی۔ میں نے ایوب خان اور اس کے بیٹے اختر کو بہت کچھ سمجھایا کہ وہ دنیا کی تاریخ کا دھارا تبدیل کر سکتے

ہیں ۔ لیکن مجھ چھوٹے سے آدمی کی بات کون سنے ۔

32 ۔ یہی چیز ضیاء الحق کو لاگو ہے ۔ اور یہ اس سے بھی لمبی کہانی ہے ۔ وہ بھی "وقتی" ثابت ہوا ۔ کہ اس کے جانے کے بعد وہی لوگ واپس آگئے ۔ جن سے مشکل سے چھٹکارا حاصل ہوا تھا افغانستان کے معاملہ کو ضیاء الحق اور چھپے قادیانی اختر عبدالرحمن نے امریکہ کی مرضی کے مطابق چلایا ۔ اور فاتح افغانستان کے طور پر کتابیں لکھی جارہی ہیں ۔ بنیادی بات یہ ہے کہ ہم خود کافرانہ نظام پر چلتے ہیں ۔ ہم افغانستان میں کس طرح صحیح قسم کی اسلامی اور مجاہدانہ قسم کی حکومت براجمان کراسکتے ہیں ۔ جونیجو کا قصور ضرور ہے ۔ لیکن زیادہ قصوروار ضیاالحق ہے ۔ میں نے اسے کیا کچھ نہ لکھا ۔ یہ کئی کتابوں میں بھی نہیں سما سکتا ۔ اس نے گیارہ سال اسلام کے ساتھ فراڈ کیا ۔

33 ۔ علامہ مشرقیؒ والا سوال البتہ مشکل ہے ۔ تحریک پاکستان کے زمانے میں یہ عاجز مسلم لیگیوں کو فرشتہ سمجھتا تھا ۔ علامہ مشرقیؒ کو میں ناپسند تو نہ کرتا تھا ، لیکن میں خود ماڈرن اسلام کے چکر میں تھا ۔ ۱۹۶۵ء تک جہاد کو صرف جذبہ سمجھتا رہا ۔ اور جمہوریت اور یہ مغربی سیاسی نظام میرے بھی "ایمان" کا حصہ تھے ۔ وقت بڑے تذبذب میں گزارا ۔ مایوسیاں کشمیر کے جہاد کے وقت سے شروع ہوگئیں ۔ لیکن میری سوچ میں تضاد تھا ۔ ۱۹۵۸ء میں ان یونٹوں کے سوسالے مناتا رہا جنہوں نے ۱۸۵۷ء میں دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی ۔ بہرحال یہ لمبی کہانیاں ہیں ۔ میں نے علامہ مشرقیؒ کی باتوں کا زیادہ مطالعہ ، اس وقت شروع کیا جب ان کو ڈاکٹر خان صاحب کے قتل میں جھوٹے طور پر ملوث کیا گیا ۔

34 ۔ اب میں سید شبیر حسین کے اس استدلال کو صحیح سمجھتا ہوں کہ جس قسم کا پاکستان ہمیں نصیب ہوا ۔ اس کو اسلام پر کاربند رہنا مشکل تھا ۔ اور قائداعظمؒ کا پاکستان صرف علامہ مشرقیؒ کے پروگرام پر کاربند ہونے سے طاقتور ہوسکتا تھا ۔ لیکن اس کلیہ کا وقت گزر چکا ہے کہ میں نے تو بنیادی چیز اور رسول عربیؐ کے اسلام کا اعلان کر دیا ہے ۔ میں پاکستان کے "بانیوں" میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا کہ جماعت اسلامی والے اور خاص کر میاں طفیل مودودی صاحب کو بھی پاکستان کے "بانیوں" کے زمرے میں ڈالتے ہیں کہ مودودی صاحب نے مسلم قومیت کا



پرچار کیا تھا لیکن ان کو یہ یاد نہیں رہتا کہ پاکستان کی مخالفت بھی کی تھی ۔ میں تو سرسید کو بھی پاکستان کے "بانیوں" سے خارج کرتا ہوں اور نظامی برادران کو بھی اور یہ سہرا صرف جناحؒ اور اقبالؒ تک "محدود" رکھنا چاہتا ہوں ۔ اور کہتا ہوں کہ خدارا ان کو بھی حضور پاکؐ کی نبوت میں "شرکت" نہ کرائیں ۔ بے چارے جناحؒ نے تو کوئی فلسفہ دیا نہیں وہ ایک دیانتدار وکیل تھا اور مومن کی فراست کا حامل تھا ، کہ جب تک اس کے سانس آتے رہے ، بھارت ، حیدرآباد پر حملہ نہ کرسکا ۔ اقبالؒ کی شاعری سے اس کے عشق رسولؐ اور جذبہ جہاد سے بہت متاثر ہوں اور اس لئے اس کی الہامی شاعری سے اپنے بیانات کو تقویت دیتا ہوں ۔ لیکن اس کی نثر اور زبانی خیالات دوسرے رخ میں جاتے ہیں ۔ یعنی وہ آزادیِ فکر کا حامی ہے اور شاعری میں کہتا ہے کہ ہو فکر خام تو آزادیِ افکار انسان کو حیوان بنادیتا ہے ۔ یعنی نثر اور نظم میں بڑا تضاد ہے اور اس کا بیٹا جاوید اقبال تو میرے لئے ایک بے کردار آدمی ہے ۔ اس کی "بکواسات" کو تو میں سنتا بھی نہیں ۔ اگر علامہ اقبالؒ کوئی ماڈرن اسلام چاہتا تھا تو ایسا میں نہیں چاہتا ۔ کہ ہم رہنمائی حضور پاکؐ سے لیتے ہیں ۔

35 ۔ علامہ مشرقیؒ نے جہاد ، اطاعت امیر اور رجمنٹیشن وغیرہ کے فلسفوں کو صحیح طور پر پیش کیا ۔ لیکن جب میں خود یہی کچھ قرآن پاک اور سنت سے اخذ کرکے پیش کرلیتا ہوں ۔ تو ہر جگہ علامہ مشرقیؒ کی باتوں سے تقویت لوں ۔ یا قطب شہیدؒ یا جمال الدین افغانیؒ کی باتوں سے یا محمود غزنویؒ کی باتوں سے یا خلفاء راشدین کے زمانے کی جنگوں سے ۔ میرے سامنے وسیع میدان موجود ہے اور میں زیادہ زور خلفائے راشدین کے زمانے پر دیتا ہوں ۔ میرا دوسرا مضمون "مقام مصطفیٰ" ہے ۔ اس سلسلہ میں یہ عاجز قرآن پاک سے مدد لیتا ہے اور میرے پاس عاجزی ہی عاجزی ہے اور علامہ اقبالؒ کے شعروں سے اپنی نثر کو تقویت دیتا ہوں ۔ علامہ مشرقیؒ اس سلسلہ میں عقل اور مثالوں سے مدد لیتے ہیں جو بڑے اونچے تجزیئے ہیں ۔ لیکن میں مشہور انصار صحابی جناب خزیمہؓ بن ثابت کا پیروکار ہوں جن کو دو شہادتوں والے پیارے نام سے جانا جاتا ہے کہ عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کا بیان صحیح ہے" حضور پاکؐ نے پوچھا "تم تو موقع پر نہیں تھے ۔ عرض کی ۔ "یارسول اللہ آپؐ جو فرماتے ہیں کہ

ایسا ہے"۔ تو میرے آقاؐ مسکرا دیئے اور نام دو شہادتوں والا پڑ گیا۔ چنانچہ میں تو سمعنا و اطعنا
ہوں۔ حضور پاکؐ نے جو فرما دیا۔ میری عقل وہاں ختم ہو گئی کہ مشیت ایزدی سے میرا نام
"حضور پاکؐ کا سپاہی" بن گیا۔ سپاہی اس سلسلہ میں دلائل سے کام نہیں لے سکتا۔ میں عاجز
ہوں اور میں نے تو نعرہ مستانہ لگا دیا کہ سب بزرگ میرے سر کے تاج ہیں لیکن ہر زمانے کیلئے
رہبر و راہنما مصطفیؐ ہیں اور میں رسول عربیؐ کے اسلام کا جھنڈا لے کر میدان میں نکلا ہوں۔
علامہ مشرقیؒ جیسے کروڑوں لوگ حضور پاکؐ کے غلام ہیں یا سپاہی ہیں اور یہ قافلہ رواں دواں
ہے۔ زندگی جاری ہے۔ جو آنکھوں سے اوجھل ہیں ان سے دعا کی گزارش کرتا ہوں۔ جو ظاہر ہیں
ان کو عشق بلاخیز کے قافلہ سخت جان میں شمولیت کی دعوت دیتا ہوں۔

## جنرل تجمل حسین کا تبصرہ

36 ۔ میجر جنرل ملک تجمل حسین، اسلام کے غیر تمند فرزند ہیں۔ جن کا ذکر تفصیل کے ساتھ
میں اپنی کتاب پنڈورا باکس کے دوسرے ایڈیشن کے صفحہ ۱۱۵ اور ۱۱۶ پر کر چکا ہوں۔ ستمبر ۶۵ کی
جنگ ہم نے لاہور محاذ کے واگہ سیکٹر میں اکٹھی لڑی۔ مشرقی پاکستان میں ۱۹۷۱ میں انہوں نے
ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا کہ وہ لڑ کر مرنے کے حق میں تھے۔ اور لڑتے ہوئے جنگی قیدی بن
گئے اور دو سال بھارت کی قید میں رہے۔ پاکستان میں وہ آٹھ سال جیل میں رہے کہ انہوں نے
ضیاء الحق کو کہا" کہ وہ اسلام کے ساتھ فراڈ کر رہا ہے" انہوں نے اس کتاب کے سلسلہ میں ایک
لمبے چوڑے خط میں وہ تمام اہم باتیں دہرا دی ہیں۔ جن پر میں نے اپنی کتاب میں زیادہ زور دیا
ہے۔ لیکن یہاں صرف چند فقرے لکھے جاتے ہیں۔

37 ۔ " آپ نے جس انداز میں اختصار کے ساتھ اپنی کتاب میں تاریخ اسلام کے چیدہ چیدہ
اقتباسات، اسلامی فلسفہ حیات اور جہاد فی سبیل اللہ کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے
وہ نہایت ہی قابل ستائش اور منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ اسلام سادھوؤں کا مذہب نہیں۔ یہ
غازیوں اور شہیدوں کا دین ہے۔ اسلام بھوک ہڑتالوں، احتجاجوں اور چلے کاٹنے میں یقین نہیں
رکھتا۔ اسلام کی سربلندی گالف اور کرکٹ جیسے کھیلوں کے فروغ یا میلہ مویشیاں کی شان و



شوکت میں نہیں، ظالم طاقتوں کے خلاف سینہ سپر ہو کر مظلوم انسانوں کو ظلم ستم سے نجات
دلوانے میں ہے اور اللہ کے دین کے غلبہ کیلئے ہر سو آگے بڑھتے جانے میں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ
آپ کی کتاب صرف دینی سیاسی جماعتوں کیلئے نہیں، بلکہ زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے
والے افراد خاص کر افواج پاکستان کے لئے نہایت موثر ثابت ہو گی۔"

## محمد بشیر محمود کا تبصرہ

38 ۔ جن محمد بشیر محمود کا کتاب کے صفحہ ۲۶، ۳۱ اور اکثر صفحات پر ملک کے ایک عظیم
سائنسدان کے طور پر ذکر ہو چکا ہے۔ وہ لکھتے ہیں "آپ کی کتاب "اسلامی نظام حکومت" اس قدر
دلچسپ اور فکر سے بھرپور تھی، کہ میں نے دو نشست میں ساری کتاب پڑھ ڈالی۔ آپ نے نظام
حکومت سے پہلے افراد کو لیا ہے کہ وہ اپنے مقاصد حیات کو پہچانیں اور پھر قرآن پاک میں بیان
شدہ فلسفہ حیات کی وضاحت کی ہے۔ یہ نہایت مناسب اور مدلل پہلو ہے، کہ جو بھی نظام
حکومت ہو، اس کو افراد چلاتے ہیں۔ اگر فرد اسلامی مقصد حیات کی شدبد نہ رکھتا ہو، تو وہ
اسلامی نظام حکومت کیسے چلائے گا؟ میری دانست میں سنت نبویؐ بھی یہی ہے، کہ آپ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے پہلے افراد کو اسلامی مقاصد حیات کی تعلیم دی اور پھر ان افراد نے اسلامی نظام
حکومت کو قائم کیا۔

پاکستان میں اسلامی نظام حکومت کیوں قائم نہیں ہو سکا؟ آپ کی کتاب اس اہم سوال
کا مفصل تجزیہ ہے اور یہ سب کچھ لکھنے پر مبارک، کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حوصلہ اور قلم عطا کئے
کہ آپ نے "جھوٹ" جو ہماری تاریخ کا حصہ بن چکا ہے اس کو ننگا کیا اور ایسا کرنا ضروری تھا۔
انگریزی محاورہ " TO CALLL A SPADE, A SPADE " آپ کی کتاب کا روح
ہے۔ ہمارے ملک میں جتنا جھوٹ لکھا یا بولا گیا یا لکھا اور بولا جا رہا ہے، تو اکثریت کی روح اس
جھوٹ کی عادی ہو چکی ہے اور سچ و جھوٹ کی تمیز ناممکن ہو گئی ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے، کہ آپ
کا پیغام یا انکشافات لوگوں کے ذہن، یا قلب یا شعور یا آنکھوں اور کانوں تک پہنچ ہی نہ سکیں۔
گو حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی صاحب پاکستان کی پچاس سالوں کی تاریخ میں ادھورے خوابوں

اجڑے دیاروں، لٹی ہوئی عزتوں اور بجھی ہوئی تمناؤں کا تجزیہ کرنا چاہیں۔ تو یہ کتاب اس کے لئے تازیانہ سے کم نہیں۔

39 ۔ آپ کی کتاب وطن عزیز کی ناکامیوں کے سلسلہ میں بھرپور تجسس تحقیق اور فکر کا سامان مہیا کرتی ہے۔ کاش! قائد اعظم کے بعد آنے والے ان کے عشر عشیر بھی سچے، کھرے اور کھردرے ہوتے، تو یہ عظیم ملک جس کی آبیاری کیلئے لاکھوں شہیدوں نے خون دیا اور اس کی عزت اور آبرو کیلئے لاکھوں بیواؤں نے اپنی اوڑھنیاں پیش کیں۔ وہ اپنے قیام کے مقاصد سے اتنا دور نہ ہوتا اور اس قدر دلفریبی اور مایوسی نہ ہوتی۔

40 ۔ چند دن پہلے کی بات ہے کہ میں نے اپنے ایک دوست کے سامنے ذکر کیا، کہ میرا ارادہ ہے کہ میں "پاکستان ۲۰۵۰ میں" کے موضوع پر ایک کتاب لکھوں تو وہ ہنس پڑا" کہ یہ تو بڑا آسان کام ہے۔ صرف کتاب کا عنوان لکھ چھوڑو۔ اور باقی سارے صفحات خالی چھوڑ دو" ہائے مایوسی! آپ کی کتاب کم از کم یہ تو بتاتی ہے کہ ہم کس پر نوحہ گری کریں۔ قصور نہ امریکہ کا ہے نہ روس یا بھارت یا اسرائیل کا۔ اگر رونا ہے تو ہم اپنی بے حسی پر روئیں۔ اور یہ ہے قیمت ان آنسوؤں کی۔ کاش! اب تو ہم سچ سوچنا یا بولنا یا لکھنا شروع کر دیں۔ پاکستان کی بقا سچ میں ہے اور یہی اس کے قیام کا پس منظر تھا، کہ ہم ہندو ذہنیت کے مکروفریب، دھوکہ اور جھوٹ سے تنگ تھے اور وطن عزیز میں سچ وحق کی حکومت قائم کرکے، دنیا کے سامنے اسلام کے طرز زندگی کی ٹھنڈی چھاؤں کا مظاہرہ کرنا چاہتے تھے۔ اب ہم اوروں کو جہنم کی آگ سے کیسے بچائیں، کہ ہم خود جہنم کا ایندھن بن رہے ہیں۔ اگر ہم نے اس ملک کو بچانا ہے اور اس کے قیام کے مقاصد کو پورا کرنا ہے تو ہمیں کئی "امیر افضلوں" کی ضرورت ہے، جو جھوٹ کے پردوں کو چیر پھاڑ دیں اور اس وطن کے اسلامی حسن اور جمال کو دنیا بھر کے سامنے آشکارا کر دیں اور اس بقعہ نور کے اوپر سے باطل و مکروفریب، جھوٹ اور منافقت کی جمی ہوئی کالی تہوں کو اپنے ناخنوں سے کھرچ کر رکھ دیں اور پھر آواز دیں! "اے لوگو! جو کچھ جھوٹ کی بنا پر کمایا ہے، تغمایا ہے یا پایا ہے سب کو اپنے تن من دھن سے ایسے الگ پھینک دیں جیسے سانپ پھنک یا کنج کو اپنے جسم سے الگ کر دیتا ہے۔



41 ۔ میں امیر افضل کو مبارک دیتا ہوں کہ وہ اس ظلمت میں روشنی کا دیا جلا رہے ہیں۔ لیکن، انہیں خبردار بھی کرتا ہوں کہ باطل کی آندھیاں ان چراغوں کو بجھانے کے درپے ہیں۔ اس لئے صرف چراغ جلا کر خاموش ہو جانے سے کام نہ چلے گا۔ ان چراغوں کے سامنے سینہ سپر ہو کر اس روشنی کی حفاظت کی ضرورت ہے، کہ یہ چراغ جلتے رہیں۔ لیکن یہ کام ایک امیر افضل کا نہیں۔ سچے اور کھرے لوگوں کی ایک جماعت ہونا چاہیئے۔ امیر افضل تو یہ کام نہیں کر سکتا۔ کیا ان کے قاری اس طرف توجہ دیں گے؟ کہ وہ اس کام کو سرانجام دینے کیلئے سچ کا بول بالا کریں، اور سچوں کی حمایت کریں اور باطل خواہ کسی بھی بہروپ میں کیوں نہ ہو، امیر افضل کی طرح ضرور بر ضرور اس کو ننگا کرکے اس کے بدشکل گھناونے جسم کو لوگوں کے سامنے لائیں تاکہ ہمیں ایسے جھوٹ سے نفرت ہو جائے۔

42 ۔ ہو سکتا ہے کہ میجر امیر افضل کی تحریروں کے ذریعہ سے بعض اوقات گندم کے ساتھ گھن بھی پس گیا ہو۔ لیکن جس آدمی نے اپنی جوانی اور بڑھاپا سب کچھ مسلمانانِ پاکستان اور امت محمدیؐ کی عزت کیلئے نثار کر دیا ہو۔ جو اپنے آپ کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سپاہی لکھتا ہے۔ اس کے غصہ اور محنت کو ہم کسی مصلحت کا قیدی نہیں بنا سکتے۔ اس لئے کتاب پڑھتے وقت جہاں مجھے ان کے طرز بیان سے اختلاف نظر آیا، یا میری سوچ کے اختلاف پر ان کی چوٹ شدید تھی۔ یا ان خود نے جس جگہ صبر کے دامن کو اپنے ہاتھ سے چھوڑ دیا، تو مجھے کوئی اچنبھا نہ ہوا۔ اس قدر چھلنی دل سے اگر خون بہتا ہے تو قصور اس دل کا نہیں بلکہ ان تیر پھینکنے والوں اور تیروں کا ہے۔ جو ساٹھ سال سے پے درپے وہ اپنے سینہ پر کھا رہا ہے۔ کاش! امیر افضل کے دل سے بہتا ہوا یہ لہو اس عذاب سے ہمیں بچا لے جو یلغاریں مارتا ہماری طرف بڑھتا آرہا ہے۔"

(بشیر محمود صاحب نے میری چند معمولی سی غلطیاں بیان کر کے میرے دفاع میں ایک پہاڑ کو کھڑا کر دیا ہے۔ نہیں! مجھے اپنی طرز بیانات کی ایسی غلطیوں کو دور کرنا چاہیئے۔ اور زیادہ صبر سے کام لینا چاہیئے۔ عذاب الہیٰ کے ڈر سے میں ہر وقت کانپتا رہتا ہوں۔ کاش ہم لوگ اجتماعی طور پر ندامت کر لیں مصنف)

## جنرل امیر حمزہ کا تبصرہ

43 ۔ میجر جنرل امیر حمزہ سے میرے روابط ۱۹۴۶ء میں شروع ہوئے جب ہم پرانے گروپ سولہویں پنجاب میں سیالکوٹ میں ہوتے تھے ۔اور میری کتاب "حضور پاکؐ کے جلال و جمال" پر ان کا تبصرہ کتاب کے صفحات ۲۴۱ اور ۲۴۲ پر موجود ہے ۔اب وہ لکھتے ہیں" : ۔آپ نے آپ کے حق میں میری مدح سرائی کو ناپسند فرمایا ۔اب خوگر حمد سے کچھ گلہ بھی سن لیں ۔آپ کی قلم ننگی تلوار ہے جو آگے پیچھے دائیں بائیں چاروں طرف چلتی نظر آتی ہے ۔دوست دشمن کی کوئی تمیز نہیں کرتی ۔

44 ۔ آپ نے زیر نظر کتاب میں اپنی تصنیفات کا ذکر جگہ جگہ فرمایا ۔جس سے خود حمد سرائی (SELF PRAISE) کا تاثر ملتا ہے ۔گو آپ کے جملہ جذبات حقیقت پر مبنی ہیں ۔لیکن ان پر ہر قسم کے رد عمل ہو سکتے ہیں ۔اصلاح کا مجرب نسخہ ہمیشہ نرم گوئی اور دوسروں کی کوتاہیوں سے اغماض (وقتی طور پر ہی کیوں نہ ہو) ضروری ہے ۔اللہ رب العزت نے اپنے سخت گیر پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون جیسے ظالم اور متکبر بادشاہ سے حق بات کرتے ہوئے قولو الھم قولا لیینا کا شیوہ اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی ہے ۔اس زریں اصول کی پابندی کا فقدان آپ کی تحریروں میں اکثر ملتا ہے ۔آپ جہاں بھی حقائق بیان کرتے ہیں وہاں دوچار کی پگڑیاں ضرور اتاری ہیں"

## مصنف کے تاثرات

45 ۔ میں معصوم نہیں اور اپنی غلطیوں پر نادم ہوتا رہتا ہوں ۔ایک اور صاحب نے اپنا نام لکھے بغیر جنرل امیر حمزہ کی نسبت زیادہ نرم الفاظ لکھ کر میری رہنمائی فرمائی ہے ۔میں ایسے سب صاحبان کا شکر گزار ہوں ۔البتہ دوست ،اور دشمن کے سلسلہ میں میرا اصول حب اللہ اور بغض للہ ہے اور دونوں کیلئے میں الگ الگ معیار اپنا کر منافقت سے بچنا چاہتا ہوں ۔کتابوں کے حوالے مجبوری سے دیئے ہیں ،کہ میں تو یہ کتاب لکھنا بھی نہیں چاہتا تھا کہ اس وسیع مضمون کو لوگ قرآن پاک اور سنت نبوی کے تحت میری تحقیقوں کے تناظر میں پرکھیں اور میں تو اپنی کم



علمی اور کم مائیگی کی وجہ سے تحقیق کے سلسلہ میں بارش کا پہلا قطرہ ،مجبوراً بنا ،کہ کوئی اور اس سلسلہ میں آگے نہیں آرہا تھا اور ہم ساری قوم مومن کی فراست سے عاری ہوگئے ہیں یعنی "بھینسیں" بن گئے ہیں ۔جنرل امیر حمزہ کا کتاب جہاد کشمیر پر تبصرہ بہت دیر کے بعد پہنچا ۔اور جنرل صاحب کہتے ہیں "کہ وہ کتاب کو پوری طرح تو نہ پڑھ سکے ۔لیکن جتنا پڑھا تو یہ کتاب ایمان اور جذبہ جہاد کے عملی پہلو کو واشگاف الفاظ میں ظاہر کرتی ہے ۔اس میں جو مختلف معرکوں کی تفصیلات دی گئی ہیں وہ قابل ستائش ہیں اور آپ کی تحقیق کو داد دینا پڑتی ہے ۔لیکن ہم لوگ غیروں کی جنگیں پڑھنے کے عادی ہوگئے ہیں" ۔

## ڈاکٹر محمود الرحمن فیصل کے تاثرات

46 ۔ نوجوان ڈاکٹر فیصل ورلڈ اسلامک موومنٹ کے صدر ہیں ۔شرعی عدالت سے سود کے لین دین کے سلسلہ میں یہی صاحب درخواست گزار تھے کہ یہ غیر اسلامی عمل ہے اور اس مقدمہ کی پیروی کی اور یہ مقدمہ جیت گئے ۔سیاسی پارٹیوں کے غیر اسلامی ہونے اور قادیانیوں کے سلسلہ میں بھی یہ صاحب شرعی عدالت اور سپریم کورٹ میں ہمارے ساتھ مل کر ایک ستون کے طور پر کام کر رہے ہیں ۔یہ صاحب لکھتے ہیں : ۔" یہ کتاب اسلامی نظام حکومت کے نفاذ کے بارے دلچسپی رکھنے والوں کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے ۔اس کتاب میں جس طرح سیاسی و مذہبی رہنماؤں اور بیورو کریسی کے برزجمہروں کے تاخیری حربوں اور معاذرانہ رویوں کو بے نقاب کیا گیا ہے ۔اس سے قوم کی آنکھیں کھل جانا چاہییں ۔اسلام کے ساتھ فراڈ کرنے والوں کی نشاندہی کرنے کے علاوہ ان حالات اور "مقامات" کی بھی نوحہ گری کی گئی ہے ،جہاں غلبہ اسلام کا قافلہ بار ہا لٹتا رہا ۔لیکن بحیثیت قوم ہم نے عبرت نہ حاصل کی ۔مصنف نے اسلامی فلسفہ حیات کی تشریح کرتے ہوئے تخلیق کائنات تک کی منازل پر اظہار خیال اور موت و حیات سے لے کر عزیمت اور شہادت تک کی منازل پر اظہار رائے کیا ہے ۔زمان و مکان کی گھتیاں سلجھانے کی کوشش کرتے ہوئے میجر امیر افضل نے اس بات کی اہمیت کو محسوس کیا ہے کہ دور حاضر میں قرآنی اصولوں کی لازوال روشنی میں فلسفہ اور علم کلام کے جامد نظریات پر نظر ثانی

کرتے ہوئے کورانہ تقلید اور جمود کو خیر باد کہا جائے اور اجتہاد اور تجدید نو کی مشعلیں روشن کی جائیں۔

ان کی دیگر کتب سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کی زندگی عسکری زندگی ہوتی ہے۔ نماز، روزہ، حج اور زکوۃ اسے جہاد کی تربیت دیتے ہیں۔ اسلام کے ابتدائی دور میں سیرت کی کتب کو مغازی کا نام دیا جاتا تھا۔ کیونکہ ان کتب میں زیادہ تر غزوات کی نقشہ کشی بھی کی جاتی تھی۔ مصنف کہتے ہیں کہ مغربی جمہوریت کی بجائے ہمیں اللہ کی حاکمیت اور صائب الرائے دانشوروں کی شورائیت کے قیام کیلئے جدوجہد کرنا چاہیئے۔ وہ اس راہ کے مراحل میں شخصیت پرستی اور جھوٹی انا کو پرکاہ کی حیثیت نہیں دیتے۔ ان کے بعض قارئین کا خیال ہے کہ وہ کسی کو معاف نہیں کرتے اور سب کا کچا چٹھا کھول کر بیان کر دیا ہے، لیکن ان قارئین کو ساتھ یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ حقیقت نگاری، مقصد کی سچائی اور نیت کی پاکیزگی نے مصنف کو بے خوف بنادیا ہے اور انہوں نے معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے یا مصلحت آمیزی کی راہ پانے کی بجائے، منافقت اور باطل نظریات پر مبنی نظام کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے اور راستے میں حائل ہونے والی شخصیات کے بت پاش پاش کر دیئے ہیں۔ ان کی آواز ایک دکھے ہوئے دل کی صدا ہے وہ اعلاء کلمتہ اللہ سے کم کسی بات پر مصالحت کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ علامہ مشرقی نے کہا تھا۔

راہے، کہ، بہ، منزل، ندرساند کفراست ‌ ‌ ‌ ‌ اسلام کہ غالب نہ کناند کفر است

(یعنی ایسا راستہ جو منزل تک نہ پہنچائے، اور ایسا اسلام جو غلبہ نہ دلائے کفر ہے) اسی لئے مصنف نے علماء کرام پر زور دیا ہے کہ وہ مسجد کی امامت کے ساتھ ساتھ دنیا کی قیادت سنبھالنے پر آمادہ ہوں ورنہ مولانا کہلانے کے مستحق نہیں ہوں گے۔ مصنف کہتا ہے کہ اسلام فرقہ بندی کی اجازت نہیں دیتا اور ہمیں اعلان کرنا چاہیئے کہ ہم صرف مسلمان ہیں۔ امیر افضل نے تمام مکاتب فکر کو اتحادِ فکر عمل کی دعوت دیتے ہوئے انہیں ایک ایسے محاذ کی طرف بلایا ہے جہاں حق و باطل کا آخری معرکہ جاری ہے۔ بقول شاعر:۔

پرچم کفر بلند ہو تیری نگاہ میں ‌ ‌ ‌ ‌ یا تو لا الہ نہ کہ یا اسے تار تار کر



(امید واثق ہے میرے محترم جنرل امیر حمزہ یہ کچھ پڑھنے کے بعد اپنی کچھ ریزرویشنز پر نظر ثانی کریں گے۔ عزیزم ممتاز اقبال کو گزارش آگے آتی ہے۔ وہ بھی جنرل امیر حمزہ کے ہم خیال ہیں۔ مصنف)

## بریگیڈیئر بشیر احمد کا تبصرہ

47 - بریگیڈیئر بشیر احمد میرے ہمسایہ اور ۱۹۴۲ء سے دوست ہیں، جب ہم دونوں کچنر کالج نوگانگ میں کیڈٹ ہوتے تھے۔ آپ کو پاکستان ملٹری اکیڈیمی کاکول کے پہلے ایجوٹینٹ بننے کا شرف حاصل ہے اور میرے بڑے بھائی ملک فیروز خان کے ساتھ گائیڈ رسالہ میں نوکری کی جہاں جنرل ضیاالحق ان کے جونیئر تھے۔ آپ ہماری فوج کے ایک سچ بولنے والے مایہ ناز فرزند مانے جاتے ہیں۔ انہوں نے مجھے یہ کچھ لکھا:۔

48 - " مولا کریم اپنے حبیبؐ کے صدقے اس کتاب لکھنے کے عظیم کارنامہ سرانجام دینے کے سلسلہ میں آپ کو اپنی نعمتوں سے نوازے۔ یہ ایک بہت اچھی اور پیاری کتاب ہے۔ اس کتاب میں آپ نے اپنے مطالعہ اور تحقیق کی مدد سے قرآن پاک اور سنت نبویؐ کے حوالے سے ایک آسان اور سادے الفاظ میں اسلامی نظام حکومت کا خاکہ پیش کیا ہے۔ کتاب میں متعدد ایسے مسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔ کہ جو گہری غور و فکر مانگتے ہیں۔ میری نظر میں سب سے اہم پہلو وہ ہیں جہاں اسلامی فلسفہ حیات، جہاد، اور قوت کے استعمال کو موجودہ تقاضوں کے تناظر کے مطابق بیان کیا گیا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے، کہ ہمارا عسکری نظام اور تربیت کا طریقہ انگریزوں کی روایات پر مبنی ہے۔ اور یہ طریقہ ہمارے مزاج، اسلامی اصولوں، اور روایات کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا، اور وقت آگیا ہے کہ ہمیں اپنی تنظیم اور تربیت کے طریقوں کو مناسب طور پر تبدیل کرنا ہوگا۔ اس سلسلہ میں ماضی کی غلطیوں کی تلافی بھی ضروری ہے اور یہ کتاب سیاسی اور عسکری قیادت کیلئے بامقصد اور مفید رہنمائی فراہم کرتی ہے۔"

## بریگیڈیئر فضلِ رحیم کا تبصرہ

49 - بریگیڈیئر فضلِ رحیم جن کا تعلق صوبہ سرحد سے ہے۔ آپ ایک گوشہ نشین دانشور

ہیں۔ ۱۹۵۱ء میں مشرقی پاکستان میں ہماری پہلی ملاقات میں ان کی باطن کی گہرائیوں اور وسعتوں نے مجھے ایسا مرعوب کیا، کہ کسی ایک یونٹ اور ایک جگہ نوکری میں اکٹھا نہ رہنے کے باوجود، میں ساری عمر اس عظیم انسان کے پاس جہاں بھی موقع ملا، حاضر ہوا۔ اور ان کو بہت جھنجوڑا کہ خدارا اپنی صلاحیتوں سے اس قوم کی رہنمائی کریں۔ لیکن شرافت کا یہ پتلا قومی حالات کو دیکھ کر آنسو تو بہاتا رہتا ہے۔ لیکن اس گندگی میں " کودنے " کیلئے تیار نہیں ہے۔ حیف ہے اس قوم پر کہ وہ ایسے لوگوں کے تدبر سے فائدہ نہیں اٹھارہی۔ حکومت کو ایک ادارہ بنانا چاہیئے۔ جہاں ایسے لوگ مل بیٹھیں اور قومی معاملات پر غور کریں۔ لیکن یہ عاجز ایسے لوگوں کے پاس بھی پہنچ جاتا ہے۔ کتاب ملنے کے بعد انہوں نے مجھے ایک مختصر خط میں لکھا۔ " میں آپ کا تہہ دل سے مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے اس قابل سمجھا کہ اپنی نئی تصنیف اتنی جلدی میرے مطالعہ کیلئے بھیج دی۔ سرسری طور پر کتاب دیکھی، تو کتاب کا مرکزی خیال ہی لاجواب پایا کہ تخلیق کائنات کا مقصود انسان اور انسان کا مقصود معرفت الہیٰ ہے۔ بس اتنا عرض کردوں کہ اس پس منظر میں چند افراد سے شکوہ یا آرزوئے دلجوئی کی گنجائش نہیں رہتی "

50 ۔ اب ان چند الفاظ کی وضاحت کیلئے کئی مضامین کی ضرورت ہے کہ یہ صاحب، کتاب دیکھتے ہی کتاب کو روح تک پہنچ گئے اور میں نے جو لوگوں کی " ایسی تیسی " کی، وہ اس شریف النفس کے مزاج کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو مجھ سے بامقصد کتاب لکھوا دی۔ اب اس کی میں، لوگوں سے مدح سرائی کیوں کراؤں۔ یہ بڑے اونچے پایہ کے خیالات ہیں لیکن میرے مجبور کرنے پر۔ انہوں نے جو پورا تبصرہ بھیجا وہ درج ذیل ہے۔ " آپ کی تحریر سے صدق و وفا کے جو چشمے پھوٹتے ہیں، ان سے نئی نسل کی موزوں آبیاری کی بڑی امید پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو خلوص اور جذبہ عطا کیا ہے۔ وہ فی زمانہ بالکل نایاب ہے۔ اسلامی اقدار کی احیاء کے لئے آپ کی سعی قابل تحسین ہے۔ آپ کی زبان، زبانِ خلق، آپ کا خلوص خلوصِ مومن اور آپ کا وجدان، اہل ایمان کی بصیرت کی عکاسی کرتا ہے۔



51 ۔ میری ناچیز رائے میں عصر حاضر کی پریشانیاں، افراد کی خود پسندی اور اقوام کی خود پرستی کا نتیجہ ہیں اور اسلام چونکہ خدا پرستی کی تعلیم دیتا ہے۔ اس لئے بندہ پرست نظام اس سے خائف ہے۔ یہ بے بنیاد خوف، اسلام کی اصلی روح سے ناواقفیت کے باعث ہے۔ اسلامی قوانین، قدرت کی پابندی کے تعلیم دیتے ہیں۔ اگر اسلامی تعلیم اور اسلامی تربیت، درسگاہوں، دفتروں، گھروں اور گلی کوچوں میں عام ہو جائے، تو مغرب گزیدہ افراد اور اقوام کا خوفِ باطل خود بخود اثر پذیر ہوگا۔ اور ہر معاشرہ اس سے سودمند ہوگا۔ افراد اپنی تعلیم و تربیت سے عاجز ہیں۔ ان میں وہ شعور ہی نہیں پیدا ہوتا، جو ان کو نیک اور بد کی تمیز سکھا سکے۔ قرآن کریم کی ابتدائی آیات، اس بات کا اعلان کرتی ہیں، کہ یہ کتاب ہدایت ہے، ان لوگوں کیلئے جو بدی سے بچنا چاہتے ہیں۔

اگر کوئی خاندان اس پر فخر کرتا ہے کہ انگریز کی حاشیہ برداری سے اسے ہزاروں ایکڑ اراضی اور وہ تعلیمی سہولتیں میسر ہوئیں، جن کی وجہ سے آج ان کی دنیا اہل ایمان کی آخرت کی طرح درخشاں ہے۔ تو اس خاندان کے افراد سے آرزوِ دینداری کا ثمر بار ہونا، قانون قدرت کے خلاف ہے۔ وہ تو صرف اپنی خواہشات اور اپنے مفادات سے وفا داری کے قائل ہیں۔ آپ کی تحریر میں بڑا اثر ہے اور جس طرح آپ نے حضور پاکؐ کے جلال و جمال پر بے مثال تحقیق کی ہے۔ اسی طرح اسلام کے مطابق تعلیمی ضروریات پر اگر آپ اپنے وسیع اور عمیق مطالعے کے بنا پر عوام کیلئے کچھ لکھ سکیں، تو ملک اور قوم کی بہتری ہوگی۔ راہ گم کردہ خواص سے سرگرانی، اس پر آشوب دور میں طالبان حق کیلئے مناسب رہنمائی سے قاصر ہے۔

52 ۔ میں ایک گوشہ نشین دعا گو ہوں۔ اس سے زیادہ کیا عرض کروں۔ آپ خود قوموں کے عروج و زوال کے ادوار، سے شناسا اور دور حاضر کی عمومی بے راہ روی سے کما حقہ واقف ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے یہدی بہ کثیرا و یضل بہ کثیرا عوام کی اکثریت ہر دور میں حق و باطل میں تفریق کرنے کے قابل نہیں ہوتی اور اہل ایمان بقول علامہ اقبالؒ " جان شیریں سے ان کی تربیت کرتے ہیں۔ " اللہ تعالی آپ کی کوشش کامیاب کرے اور آپ کے درجات بلند فرماوے۔

(قارئین ان صاحب کی مومن کی فراست میں غوطہ لگائیں۔ کہ وہ اس حقیقت سے آگاہ
ہیں کہ قوم کی یہ حالت غلط تعلیم وتربیت کی وجہ سے ہے۔ اور ترجیحاتی طور پر پہلی ضرورت اس
مسئلہ پر توجہ کی ہے۔ تعلیم کا ذکر اس عاجز نے کتاب کے صفحہ 46 پر کیا ہے بھلا کونسی تعلیم؟
اسلامی فلسفہ حیات کے اصول کے تابع تعلیم۔ چونکہ ان صاحب کی مومن کی فراست وہاں تک
پہنچ گئی کہ جس طرح حضور پاکؐ کے جلال وجمال کی تحقیق کے وقت اس عاجز پر مسلمانوں کا
فلسفہ حیات وارد ہو گیا۔ قارئین دعا کریں کہ اس عاجز یا کسی اور خوش قسمت انسان پر اسلامی
طرز تعلیم بھی وارد ہو جائے۔ مصنف)

## بریگیڈیئر محمد حیات کی باتیں

53 ۔ صوبہ سرحد سے متعدد اور مہربانوں کے علاوہ، میرے ایک اور مہربان بریگیڈیئر محمد
حیات صاحب، بھی ہیں۔ جن کے ساتھ ۱۹۵۱ء سے تعلقات ہیں۔ میری کتاب جہاد کشمیر میں ان کا
ذکر خیر ہے کہ رضاکار فوجی افسروں میں یہ صاحب، سب سے نوعمر تھے، ۱۹۶۵ء کی جنگ میں
کمانڈو سے وابستہ تھے۔ ۱۹۷۱ء کی جنگ میں جیسور کھلنا (مشرقی پاکستان) میں بریگیڈ کمانڈر تھے۔
میں نے ۱۹۷۱ء کے جولائی کے مہینہ میں ان سے وہاں ملاقات کی اور حالات اتنے خراب تھے کہ ان
کی شخصیت کی وجہ سے گزارہ ہو رہا تھا۔ اب اصلی جنگ وہاں کیسے لڑی جاتی؟ لیکن آپ نے از خود
ہتھیار نہ ڈالے، کہ آپ سچے اور کھرے سپاہی ہیں اور جو لوگ اس غلط فہمی میں ہیں کہ ایسے
سپاہی بالکل "سادہ" ہوتے ہیں۔ ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ایسے لوگ سخن شناس اور حرف
شناس ہونے کے علاوہ اپنی گفتگو یعنی علم الکلام کے بھی ماہر ہوتے ہیں۔ بریگیڈیئر حیات نے جو
مجھ سے کتابیں خرید کر دوستوں کو تحفتہ "دیں۔ یا جو تبصرے کئے اس سے جو مجھے حوصلہ افزائی
ہوئی اس کو کوئی قلم بیان نہیں کر سکتی۔ ان کا تبصرہ فوجی اسباق اور بیانات سے پر تھا، اور میری
کتاب کے جس فقرے سے وہ بہت محظوظ ہوئے۔ وہ جنرل یحییٰ کے سایہ جنرل حمید کا گورے
بیل کی طرح ڈین کپ سے شراب کے گھونٹ بھرنے پر تھا کہ میں نے لکھا کہ مجھے اپنے نانکوں کا
گورا بیل یاد آ گیا۔ تو بریگیڈیئر حیات کو بھی لپنے گاؤں کا ایک گورا بیل یاد آ گیا۔ قارئین ان



"گولڈ میڈلسٹ" اور "ہیل آف پیپلز" نے ہمیں تباہ کر دیا۔ ہمیں بریگیڈیئر حیات جیسے سچے
افسروں کی ضرورت ہے، کہ ایک مجلس میں بحث ہو رہی تھی کہ مرزا غلام قادیانی پیغمبر تو نہیں
ہو سکتا۔ لیکن شاید "مجدد" ہو۔ تو بریگیڈیئر حیات نے کہا" چھوڑو یار جو آدمی ٹٹی میں گر کر مر گیا
ہو۔ اس کا خیال آئے تو سارا ماحول بدبو سے بھر جاتا ہے۔ اور پھر ناک پر رومال رکھ کر مجلس سے
اٹھ کھڑے ہوئے یہ کتاب ان کو دیر سے پہنچی اور لکھا کہ یہ کتاب وقت کی ضرورت ہے پورا
تبصرہ پھر کبھی بھیجوں گا۔

## کرنل محبوب الٰہی کا تبصرہ

54 ۔ کرنل محبوب الٰہی، عاشق رسولؐ اور اسلام کے عظیم فرزند ہیں۔ ان کے ساتھ میری
ملاقات ۱۹۴۸ء میں ہوئی، جب ہم دونوں پیرا بریگیڈ میں نوکری کر رہے تھے۔ اور ہمارے دل ایسے
جڑے، کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسی حالت میں رکھے۔ ستمبر ۱۹۷۰ء میں جب میں نے جنرل یحییٰ کو کھری
کھری سنائیں، تو لوگ مجھ سے بات کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔ لیکن محبوب الٰہی نے آکر مبارک
دی۔ آپ کا تعلق ضلع منڈی بہاوالدین کے ایک زمیندار اور علمی گھرانے سے ہے۔
آپ کا ذکر کتاب کے صفحہ ۲۵۵ اور متعدد صفحات پر ہے کہ آپ انگریزی اخباروں میں
بڑے اونچے پایہ کے بامقصد مضمون لکھتے رہتے ہیں۔ آپ اردو کی کتابیں تو بہت پڑھتے ہیں۔
لیکن بڑی کوشش کے باوجود جب تبصرہ اردو میں نہ لکھ سکے کہ نفس مضمون کو صحیح طور پر اردو
میں بیان نہ کر سکیں گے، تو مجھے تبصرہ انگریزی میں بھیج دیا کہ میں اس کو اردو میں ڈھال لوں۔
لیکن میں نے اگر اس تبصرہ کو اردو میں ڈھال دیا تو تاثر کی روح کو شاید بیان نہ کر سکوں۔ اس
لئے چلو اس تبصرہ کو انگریزی ہی میں رہنے دیتے ہیں۔

My comments on your 'labour of love'arei

On sight you are be-witched by the title of the book : it has a sudden penetrating, but pleasant impact on the reader. The author, Major Amir Afzal Khan (Retd), popularly known as 'Hazoor Pak Ka Sipahi'

among his colleagues, is a writer of distinction and repute, with twenty objective and multi - dimensional books to his credit. A deligent research scholar, he is out-spoken, pragmatic, firm on his convictions but radical and harsh in his criticism of bigots and hypocrites.

His love for the Holy Prophet (PBUH) is proverbial; in fact it tanta-mounts to fanaticism and that is his strength. He is a fast reader and writer with phenomenal memory for facts, These are some of his sterling assets as an author.

The book - the author's labour of love - is certainly by far one of the most valuable additions to our knowledge. It will be an understatement to say that here is an opportunity to quench thirst at this fountain, which in reality is an ocean of knowledge turbulent, deep, but crystal clear. You start wading through the initial pages of the book then suddenly you are lifted up higher by enormous waves after waves to comprehend the vast expanse panorama. And there is no end: the author carries you with him, shattering old myths and sweeping away lingering doubts, leaving you with clear understanding.

This book is not only a guide to readers with limited basic essential knowledge of Islam, but also a beacon of knowledge to religious scholars and intellectuals.

## جنرل عبدالغنی ممتاز خاں کا تبصرہ

55 ۔ کرنل محبوب الہیٰ کی وساطت سے انہی دنوں اسلام کے عظیم فرزند میجر جنرل عبدالغنی ممتاز خان کے ساتھ ملاقات کیا ہوئی، کہ معلوم ہوا کہ مدت سے ایک دوسرے کی تلاش میں تھے۔ ان کا عشق رسولؐ، مومن کی فراست، سچائی، تدبر اور خلوص دیکھ کر یقین ہو گیا کہ اللہ



تعالیٰ نے جو ہمیں عذاب سے بچایا ہوا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے مخلص لوگ ہمارے بیچ موجود ہیں۔ جنرل ممتاز کے ہاتھوں میں رعشہ آگیا ہے اور لکھ نہیں سکتے۔ اس لئے زبانی مختصر تبصرے پر اکتفا کی ہے۔ "مجھے آپ کی کتاب کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ جن صاحبان کو قرآن پاک سمجھ کر یا متراجم کے ذریعہ پڑھنے کی سعادت نصیب نہیں ہوئی۔ یہ مختصر کتاب پڑھنے کے بعد ان کی کچھ تشنگی انشاء اللہ ضرور دور ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ آپ کو مزید قوت = استطاعت اور توفیق عطا فرمائے کہ آپ قوم کی ایسی خدمات سرانجام دیتے رہیں۔

## ونگ کمانڈر محمد یوسف قریشی کے تاثرات

56 ۔ ونگ کمانڈر محمد یوسف ہمارے ہمسایہ بنتے بنتے رہ گئے۔ اتفاقاً کرنل عبدالرؤف صاحب کے گھر ملاقات ہو گئی اور انہوں نے کتاب پڑھ کر یہ تبصرہ بھیجا

"آپ نے کتاب بڑی عرق ریزی سے لکھی ہے اور میرے جیسے ناچیز کیلئے اور امت مسلمہ کے لئے اس میں بہت اسباق ہیں۔ البتہ ایک چیز جو مجھے آپ کی شان شایان نہیں لگی۔ وہ کتاب میں مختلف جگہوں پر آپ کی مختلف حضرات کے بارے میں شدید برہمی ہے۔ میں اس بارے میں زیادہ نہ کہوں گا، کیونکہ اس کتاب میں جنرل سید رفاقت صاحب اپنے تبصرے میں بہت کچھ کہہ گئے ہیں۔ مجھے یہ احساس ہے کہ جو آدمی ڈسا ہوا ہوتا ہے درد کو وہی محسوس کرتا ہے، لہذا میری ناقص رائے ہے کہ اگر برہمی کا اظہار کرنا ہی ہے، تو آپ کتاب کے پیش لفظ میں کر لیں۔ ویسے اس کی بھی کوئی خاص ضرورت نہیں کہ حضور پاکؐ فرما گئے ہیں کہ ظالم اور مظلوم دونوں کے حق میں دعائے خیر کرو۔ اگر آپ کتاب میں سے اپنے دل کی بھڑاس نکال دیں تو مجھے امید ہے کہ اسے حکام بھی شوق سے پڑھیں گے اور دینی و دوسری جماعتوں کے رہنما بھی۔ اور جیسا کہ اس کتاب سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے وہ بھی اور امت مسلمہ بھی سیکھے گی اور پھر قافلہ انشاء اللہ صراط مستقیم پر رواں دواں ہو جائے گا۔"

(یوسف قریشی صاحب ٹھیک کہتے ہیں مصلحتاً مجھے برہمی سے گریز کرنا چاہیئے تھا۔ چلو میں نے جو

اچھی باتیں لکھی ہیں۔شاید کوئی اور صاحب ان کو بہتر طرز بیانی اور طریقہ کار سے پیش کر سکے گا۔
یوسف قریشی صاحب نے مہربانی سے متعدد پروف ریڈنگ کی غلطیوں کی نشاندہی بھی کی ہے۔
جن کو اس ایڈیشن میں ٹھیک کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔انہوں نے املا کی غلطیوں اور الفاظ
کے استعمال کے طریق کار کے سلسلہ میں صحیح طور پر متعدد سفارشات کی ہیں۔جن میں سے کچھ پر
عمل ہو سکا۔مصنف)

## کموڈور طارق مجید اور میجر سلطان اکبر کے تبصرے

57 ۔ بحری فوج کے مایہ ناز فرزند اور ملک کے مشہور دانشور کموڈور طارق مجید کو کتاب دیرے سے ملی۔وہ لکھتے ہیں کہ میں آپ کی تحریروں سے واقف ہوں اور آپ کے خیالات، طرز تحریر اور جرات کا مداح ہوں۔یہ کتاب نہایت مفید معلوم ہوتی ہے کہ اس کا لفظ لفظ غور و فکر سے پڑھنے کی دعوت دے رہا ہے۔اپنا پورا تبصرہ بعد میں بھیجوں گا" میرے ایک دوست عاشق رسولؐ میجر سلطان اکبر نیازی نے بھی بڑا مختصر تبصرہ بھیجا:۔

"دودھ دا پیالا دی۔سپاہیا تیڈی شالا خیر ہووے تیڈا عشق رسولؐ نرالا دی"

## کرنل محمد یحییٰ آفندی کا تبصرہ

58 ۔ کوئٹہ بلوچستان کے رہنے والے میرے ایک عزیز دوست کرنل محمد یحییٰ آفندی ہیں جو پاکستان آرمی جرنل (انگریزی) وغیرہ میں بہت اونچے پایہ کے بامقصد مضمون لکھتے ہیں۔ انگریزی سکولوں میں تعلیم حاصل کی اس لئے اردو مشکل سے پڑھ تو لیتے ہیں۔ لیکن لکھنے سے "ڈرتے" ہیں۔ان کا تبصرہ بھی انگریزی میں دیا جاتا ہے:۔

I am most grateful for your book, also I am deeply ashamed for this late response, for which I can give a number of cogent but weak excuses. However, I must congratulate you for your dedication and your strong convictions. Faith has moved mountains but the granite wall of apathy, ignorance and materialistic



values, which seems to grow thicker by the day, enclosing our society will probably resist the solo efforts of lonely warriors like yourself. I am afraid we are moving towards a cataclysm or may be a cataclysm is moving towards us. In any way there is not much we can do at any level. This granite wall has to shatter one day so that we see reality again. It is not a problem afflicting Pakistan alone, it is a global issue, Faith and materialism is locked in a conflict with no light at the end of dark tunnel in which humanity has lost itself.

## عزیزم ملک محمد ممتاز اقبال کا تبصرہ

59 ۔ ملک محمد ممتاز اقبال جو ان دنوں سہہ افواج کے ہفتہ وار اخبار "ہلال" کے ایڈیٹر ہیں۔ اب آخر میں کتاب پر ان کا تبصرہ آتا ہے۔

60 ۔ آپ کی تازہ کتاب "اسلامی نظام حکومت یعنی رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسلام کے نفاذ" نظر نواز ہوئی۔کرم فرمائی کا شکریہ۔میں آپ کی تصنیفات کے متعلق اپنے محسوسات ساتھ ساتھ گوش گزار کرتا رہتا ہوں۔

61 ۔ آپ نے تازہ کتاب پر تاثرات قلم بند کرنے کا حکم دیا ہے۔کسی بھی قسم کی بناوٹ یا شاعری سے قطع نظر میں خود کو کتابوں پر تاثرات لکھنے کا اہل نہیں پاتا۔تاہم آپ کے پر محبت اور شفقت آمیز اصرار کے پیش نظر تازہ کتاب کے حوالے سے آپ کی خدمت میں ایک گزارش اور ریکارڈ درست کرنے کے لئے ایک وضاحت کرنے پر ہی اکتفا کروں گا۔

62 ۔ پہلے گزارش۔اور وہ یہ کہ جنرل آصف نواز مرحوم وہاں جا چکے ہیں، جہاں ہم سب کو جانا ہے۔پس منظر اور وجہ جو بھی ہے، اس کتاب اور آپ کی پہلی کتاب / کتابچہ میں ان کا ذکر کا اسلوب بالخصوص ان کی قبر کشائی کا بار بار حوالہ صرف ان کے اعزہ و اقارب، دوست احباب، پاک فوج کے حاضر خدمت و ریٹائرڈ افسروں و جوانوں اور عام قارئین ہی نہیں، آپ کے بے شمار خیر خواہوں کی طبیعت پر بھی گراں گزرتا ہے۔

63 ۔ جناب مجید نظامی، جناب الطاف حسن قریشی اور دیگر اہل قلم کے حوالے سے بھی یہی بات کہنا چاہتا ہوں۔ شخصی خامیاں کس میں نہیں ہیں اور پھر اہل قلم و دانش سے تو نقطہ نظر کا اختلاف ہوتا ہی ہے۔ مگر آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں کہ ہر دو مذکورہ اصحاب دل کی بات زبان پر لاتے ہیں اور اس حقیقت سے آگاہ ہو کر کہ صاف گوئی اور بدتہذیبی کو بال سے بھی باریک لائن جدا کرتی ہے۔ ان کے تذکرے کے انداز پر بھی نظر ثانی فرمائیے۔ میں اپنے مختصر سے صحافتی تجربے کی روشنی میں عرض کرتا ہوں کہ کسی تحریر میں جگہ جگہ ہر ایک پر تنقید اور طنز کے تیر برستے نظر آئیں، تو جہاں تحریر کی سنجیدگی پر حرف آتا ہے وہاں تحریر کا اثر بھی کم ہوتا چلا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ معاف فرمائے یہ تاثر ابھرنے لگتا ہے کہ لکھنے والا خود کو خطاؤں، غلطیوں سے پاک اور باقی سب کو مجرم قرار دے رہا ہے۔

64 ۔ اور اب ایک وضاحت۔ تازہ کتاب کے صفحہ ۲۷۴ پر لکھا گیا ہے کہ "افواج پاکستان کے ہفت روزہ ہلال کا سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمبر میں نے جاری کیا جو بیس برس تک دھوم دھام سے شائع ہوتا رہا، لیکن ۱۹۹۲ء میں میجر جنرل جہانگیر نصراللہ اس کی اشاعت کو بند کر گیا اور کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی" ۔ آپ کے ایک پمفلٹ سے بھی یہی تاثر ملتا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ جب میں نے ڈی جی آئی ایس پی آر میجر جنرل جہانگیر نصراللہ سے ہلال کے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمبر کے متعلق تبادلہ خیال کیا، تو انہوں نے میرے کہے بغیر میری موجودگی میں ایک آفس آرڈر جاری کر دیا کہ "ہلال کے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمبر کیلئے بہترین کاغذ اور سرورق کے لئے انتہائی عمدہ آرٹ کارڈ خریدا جائے۔ سرورق نذرانہ عقیدت کا شاہکار ہو۔ دیدہ زیب طباعت کے سلسلے میں سینٹرل آرمی پریس سے رابطہ کیا جائے۔ میری ضرورت ہو تو لازماً مجھے بتایا جائے۔" سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمبر کا مسودہ تیار ہوا، تو ایک انتہائی محترم اور صاف دل و پاک باز دوست نے خواہش ظاہر کی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے لئے وہ بھی کچھ حصہ ڈالنا چاہتے ہیں اور وہ یوں کہ پورا سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمبر کمپیوٹر پر کمپوز کرا کر پروف ریڈنگ کر کے ہمیں دیں گے۔ پورا مسودہ بغیر فوٹو کاپی اپنے پاس رکھے ان



کے حوالے کر دیا گیا۔ انہوں نے یہ مسودہ ایک خبر رساں ایجنسی کے مالک کو دیا جہاں کمپیوٹر کمپوزنگ کی سہولت موجود تھی۔ وہ کمپوزنگ میں دیر کرتے گئے۔ مسودہ واپس کر دینے کی مسلسل درخواستیں کی گئیں تو ایک روز انہوں نے کہلوایا کہ دفتر کی سفیدی اور روغن کے دوران کاغذات کی اتھل پتھل میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمبر کا پورا مسودہ گم ہو گیا ہے، یوں یہ نمبر شائع نہ ہو سکا۔ اسی دوران جنرل جہانگیر نصراللہ جی ایچ کیو میں ٹرانسفر ہو گئے۔ پورا مسودہ کیوں گم ہوا؟ سنیئے!

65 ۔ میں بڑی ندامت کے ساتھ اندر کی بات بتا رہا ہوں۔ اس سے پہلے (۱۹۹۱ء) کے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمبر پر بد قسمتی سے چند اخبارات میں میرے کہے بغیر توصیفی تبصرے شائع ہو گئے تو یہ تبصرے پڑھ کر میں خوش ہوا۔ یہ کمزور اور گنہ گار انسان۔ بس یہیں سے پکڑ ہو گئی۔ پورا مسودہ گم ہو گیا اور میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے بے مثل انعام ربی سے محروم ہو گیا۔ درست یا صحیح، میرا عقیدہ یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدیہ عقیدت پیش کر کے جگہ جگہ اس کا تذکرہ کرانا اور سر پر اعزاز کا کلغی سجانا اللہ تعالیٰ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناپسند ہے۔ ماضی قریب میں اسی سہو (یا بے احتیاطی) کی وجہ سے ہی روحانی دنیا کی چند بلند پرواز شخصیات کی سلیٹ صاف ہو گئی اور ہاں! مزید ستم یہ کہ میری کم نظری کا کیا دھرا (سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمبر کا شائع نہ ہونا) جنرل میجر جہانگیر نصراللہ اور پاکستان آرمی کے کھاتے میں ڈال دیا گیا۔ میرا گمان ہے کہ آپ نے یہ جان بوجھ کر نہیں لکھا۔ دعا کیجئیے اللہ تعالیٰ میری دانستہ نادانستہ کوتاہی، گستاخی کو معاف فرمائے اور اپنی حفاظت میں رکھے۔ آمین اس سے اگلے سال ہلال کا نعت النبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمبر ترتیب دیا گیا۔ یہاں یہ نہ بتانا سخت ناانصافی ہو گی کہ جب اس وقت کے ڈی جی آئی ایس پی آر میجر جنرل خالد بشیر نے نعت نمبر کا مسودہ دیکھا تو اپنی کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مسودہ کو بوسہ دیا اور بھیگی آنکھوں سے کہا: یہ نمبر شایان شان ہونا چاہیئے۔ وسائل کی پرواہ نہ کیجیئے میرے لائق جو ہو بتائیے۔" اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ عنایت اور میرے رفقائے کار کی پر عقیدت

محنت کی بدولت یہ نمبر شائع ہو گیا۔

66 - میجر جنرل خالد بشیر کی ٹرانسفر کے بعد میجر جنرل سلیم اللہ ڈی جی آئی ایس پی آر اور بریگیڈیر محبوب قادر ڈائریکٹر آئی ایس پی آر کی حیثیت سے تعینات ہوئے۔ اتفاق کی بات دونوں نے الگ الگ پہلی ہی رسمی / غیر رسمی ملاقات میں پوچھا کہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمبر کب آئے گا؟ کیا پراگرس ہے؟ دونوں حضرات نے ہر قسم کی وسائل مہیا کرنے کی یقین دہانی کرائی۔ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں عنایت ہے کہ میرے رفقائے کار اسی عقیدت کے ساتھ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمبر کی تیاری میں مصروف ہیں۔ یہ عاجزانہ ہدیہ انشا. اللہ تعالیٰ جلد ہی رب العزت کی بارگاہ اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہ ہدایت پر چلائے اور نفس وشیطان کے بہکاوے سے بچائے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے رشحات قلم کو سربلندی اسلام، تحفظ ناموس رسالت، استحکام پاکستان او دفاع پاکستان کیلئے وقف فرمائے اور آپ کے جذبوں کو قبول و منظور فرمائے۔

(طالب دعا۔ ممتاز اقبال)

مصنف کے تاثرات

67 - " اللہ تعالیٰ مجھے دوسروں کے سچ کے سننے کی توفیق دے " اس اصول کے تحت یہ خط میرے سر آنکھوں پر پیچھے بر ہی سے گریز کے وعدہ کی وجہ سے آصف نواز کے بارے میں جو کچھ اب میرے پاس پہنچا ہے۔ وہ لکھ کر ایک اور " پنڈورا باکس " نہیں کھولنا چاہتا۔ اسلام سے دوری، بھارت کا ہمیں پروردہ بنانا گیا، کچھ اس کی زندگی میں ملک کے صدر اور اس کو لکھ چکا ہوں؟ تین پشتوں کی خاندانی دوستی، اس کے ساتھ بیٹوں والی محبت اور اس کے بھائی ناصر نواز کی بیٹوں کی طرح دیکھ بھال، لیکن اس نے مجھے ایسے زخم لگائے۔ جن سے اب بھی خون رس رہا ہے۔ مجید نظامی وغیرہ کے سلسلہ میں سید شبیر حسین کو جواب دے چکا ہوں۔

68 - سیرت نمبر کے بارے میں عزیزم محمد ممتاز اقبال نے " میں نے جاری کیا " کہ الفاظ جو



تکبر کا اظہار کرتے ہیں شاید بھول سے لکھ دیئے۔ میں اگر متکلم صیغہ استعمال کرتا تو ساتھ لفظ " سعادت " کا اضافہ کرتا۔ لیکن صفحہ ۴۷۲ پر غائب کا صیغہ استعمال کرنے کے بعد جن سعادتوں کا ذکر ہے۔ وہاں الفاظ " اس نے عظیم سیرت نمبر اجراء کیا " ہیں۔ عزیزم ممتاز اقبال نے حضور پاکؐ کے سلسلہ میں جس عاجزی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ان کو لاکھ لاکھ مبارکیں۔ اور جو سینئر افسر صاحبان سیرت نمبر میں اتنی دلچسپی لے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزا دے۔ البتہ جہانگیر نصر اللہ [illegible] نے صرف مجبوراً " لیپا پوتی " کی۔ ورنہ یہ المیہ نہ ہوتا

69 - علاوہ ازیں عزیزم موصوف کی سیرت نمبر کے بارے میں بیان شدہ سب وضاحتیں میرے سر آنکھوں پر۔ میں اور بھی بہت کچھ جانتا ہوں۔ بلکہ یہ بھی جانتا ہوں کہ اسلام کا لبادہ اوڑھنے والے ایک بریگیڈیر نے یہ بھی کہا کہ " سیرت نمبر کی کیا ضرورت ہے " لیکن میں بر ہی سے گریز کے وعدہ کی وجہ سے خاموش ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ کرے اب سیرت نمبر باقاعدگی سے شائع ہو جانا شروع ہو جائے۔

70 - سیرت نمبر کے اجراء پر ہمارے زمانے میں بھی اس سلسلہ میں اخباروں نے بڑے اچھے تبصرے کئے۔ اس لئے میں یہ بات تسلیم نہیں کر سکوں گا کہ سیرت نمبر پر اخباروں کے تبصروں یا اس سلسلہ میں تذکرہ کی وجہ سے مشیت ایزدی نے رکاوٹیں ڈالیں یا سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ تذکرے پسند نہ تھے۔ میرے آقاؐ پر لاکھوں سلام، ہر مجلس پر چھایا رہنا چاہیئے۔

71 - یہ عاجز ہر واقعہ یا بات کو اس کے نتائج اور نتائج کے اثرات سے پرکھتا ہے اور میرے لحاظ سے یہ رکاوٹیں آصف نواز اور جہانگیر نصر اللہ کے قدموں کی وجہ سے پڑیں اور اب بھی جو رکاوٹیں پڑ رہی ہیں ان کے " اثرات " کیوجہ سے پڑ رہی ہیں کہ ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے ایسی سعادتیں نہ دینی تھیں جب آصف نواز کے سلسلہ میں زہر کا شوشہ چل رہا تھا، تو میں نے اپنے خطوط اور کتاب میں لکھ دیا تھا کہ ایسا آدمی کبھی " مظلوم " نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ نے میری پیش بینی پوری کی۔ اور جہانگیر نصر اللہ اگر توبہ اور ندامت نہیں کرتا تو اس کا انجام میرا اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اس شخص کی ہر بات اور عمل سے میں نے منافقت ٹپکتی دیکھی ہے۔

72 ۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ میں نے فلاں غلط کہانی لکھی ہے یا فلاں پر غلط الزام لگایا ہے۔ میں اپنے اصول "حب للہ" اور "بغض للہ" پر قائم ہوں۔ میرے حق کو حق کہنے اور باطل کو باطل کہنے سے لوگ مجھ پر یہ الزام لگائیں کہ میں اپنے آپ کو غلطیوں سے پاک سمجھتا ہوں تو ان کی مرضی۔ لوگ تو مجھے پاگل بھی کہتے ہیں اور یہ سن کر میں خوش ہوتا ہوں کہ یہ جنون اللہ اور رسولؐ کیلئے ہے۔

73 ۔ کوئی صاحب میری تنقید کرکے مجھے صراط مستقیم پر لگائے تو میں ان صاحب کے گن گاتا ہوں۔ لیکن تنقید میں اپنا "ساڑ پھانکا" جاتا ہے۔ الطاف حسن قریشی کو لیں۔ صدیق سالک کی وفات پر نوائے وقت میں مضمون لکھا اور میرا نام لئے بغیر لکھا کہ کپتانی کے زمانے میں صدیق سالک ایک میجر سے بڑا تنگ تھا۔ کہ وہ سخت گیر تھا میں نے مشورہ دیا تھا۔ کہ اس میجر نے ستمبر ۶۵ کی لڑائی میں ساری پلٹن مروا دی تھی۔ وہ اشارہ کسی اخبار میں کر دو یہ میجر سیدھا ہو جائے گا۔ نوائے وقت نے تو یہ فقرہ شائع نہ کیا البتہ اردو ڈائجسٹ میں ایسا لکھا گیا۔ میں نے الطاف کو خط لکھا، کہ شرم کرو۔ ہماری اللہ اور رسولؐ کے راستے میں قربانی کو تو نہ سمجھ سکا اور میرا نام لے کر بات لکھو اور اس سلسلہ میں کھلی مجلس میں بحث کیلئے تیار ہو جاؤ۔

74 ۔ اب یہ الطاف صاحب مجھ سے، اس بات کا بدلہ لے رہے تھے جو میں ان کے منہ پر کہتا تھا کہ "مودودی صاحب کے اسلام" کی بجائے رسول عربیؐ کے اسلام کی بات کیا کرو اور میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اس کی تحریروں کے پیچھے "چھپے ہاتھ" بھی کارفرما رہتے ہیں۔ میں بات سب کے منہ پر کرتا ہوں۔ اور الطاف نے مجھ پر بٹالین کے مروا دینے کا جو الزام لگایا تھا، تو یہ نہ سوچا کہ سب سے اگلے مورچہ میں بیٹھ کر میں نے کوئی ایسا لباس پہنا ہوا تھا کہ گولیوں کا مجھ پر اثر نہ ہوتا تھا صدیق سالک اور نوائے وقت حقیقت سے آگاہ تھے، تو انہوں نے الطاف کی بات کو وقعت نہ دی تھی۔ اور قارئین صحیح صورت حال کیلئے ضمیمہ "د اور ط" سے استفادہ کریں۔ پچھلے دنوں ایک افطار پارٹی میں الطاف مجھ سے گلے ملنے کیلئے آگے بڑھا تو میں نے کہا جب تک توبہ اور ندامت نہیں کرتے اس کو اسلام علیکم کہنے کو بھی تیار نہیں۔"



75 ۔ ۱۹۸۵ء میں میرے "تاشقند کے اصلی راز" اور قادیانیوں کی سازشوں والے مضامین جب نوائے وقت میں شائع ہو رہے تھے تو ایک چھپے قادیانی شکیل احمد کو بھی بڑی تکلیف ہوئی اور میرا نام لئے بغیر نوائے وقت کو ایک مضمون میں کہا کہ ایک غیر معروف میجر صاحب سب لوگوں کی ایسی تیسی کر رہا ہے کوئی صاحب آگے بڑھ کر ان کی باتوں کو جھٹلائیں یا تصحیح کریں میں نے نوائے وقت کو لکھا کہ مجھے بڑی خوشی ہوگی کوئی ایسا کرے لیکن افسوس کہ ایسا کوئی نہیں کرتا۔

76 ۔ دراصل ان وضاحتوں کی بھی ضرورت نہ تھی۔ یہ اختصار ان صاحبان کیلئے ہے جن کو میری کتاب کی ساری وضاحتیں یاد نہ رہی ہوں۔ یہ عاجز تو قوم کو گزارش کرتا ہے کہ ہم ساری قوم مومن کی فراست سے عاری ہو چکے ہیں آؤ توبہ اور ندامت کرکے، حق و سچ کو تلاش کریں کہ اس ذلت کی زندگی سے چھٹکارا حاصل ہو جائے کونسا استحقاق؟ کونسی عزت؟ کونسی غیرت کونسی ہتک؟ ۔۔۔۔۔۔ او لوگو! گریبان میں منہ ڈالو! اور میں بھی اس قوم کا فرد ہوں۔ اور ان کوتاہیوں میں شامل ہوں۔

77 ۔ رب نبی محمدؐ تیری بڑی مہربانی کہ تو مجھے سعادت دے رہا ہے کہ میں قوم کو باور کرا رہا ہوں کہ ہم تیری اور تیرے حبیبؐ کی نافرمانی کر رہے ہیں۔ تو مقلب القلوب ہے۔ مہربانی فرما کر ہمیں صراط مستقیم پر لگا دے۔ سچ بولنا تو کچھ آسان ہے سچ سننا بڑا مشکل ہے اور ہمیں سچ بولنے اور سچ سننے کی توفیق عطا فرما۔ اور مہربانی سے ہمیں اس عذاب سے بچا جس کے ہم حقدار ہو چکے ہیں۔

78 ۔ میں کئی بار لکھ چکا ہوں کہ میں یہ کتاب نہ لکھنا چاہتا تھا اور مشیت ایزدی نے میرے لئے ایک مجبوری پیدا کر دی کہ مجھ جیسے "چھوٹے" آدمی کو اس عظیم وسعت سے بھرپور اور نہ ناپے جانے والی گہرائیوں والے مضمون پر قلم اٹھانا پڑی۔ علامہ اقبالؒ نے قوم کو جھنجوڑا لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ پچھلے پچاس سالوں میں علامہ مشرقی کو چھوڑ کر ایک آدمی بھی قوم کے سامنے نہ آیا۔ جو قوم کو سچ سناتا۔ لیکن وہ عالم تھے اور دلائل سے کام لیتے تھے۔ میرا علم میرے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی خاک کو چومنے سے مجھے یہ باور کراتا ہے

کہ مقام مصطفیٰؐ کے سلسلہ میں عاجزی اور عاجزی کرتے رہو اور تب ہی کتاب کے پہلے صفحہ پر
اپنے مقصود کے سلسلہ میں بھی یہ عاجز رب نبی محمدؐ کو جو گذارش کرتا ہے وہ اس خطہ کو حضور
پاکؐ کے جمال سے منور کرنے اور آپؐ کے جلال سے غیرت حاصل کر کے جہاد کو طرز زندگی
بنانے پر ہے میں کون ہوتا ہوں کہ قوم کی رہنمائی کیلئے کوئی اور فلسفہ پیش کروں۔ جن لوگوں
نے میری کتاب اور مقاصد کتاب کو سمجھ لیا ہے میں ان کا شکر گزار ہوں اور جنرل سید رفاقت
کے عظیم تدبر پر تبصرہ کر چکا ہوں۔ سید شبیر حسین کا یہ کہنا، کہ اتنے وسیع مضمون کو اس اختصار
سے بیان کرنا بھی مجھے خراج و تحسین کے طور پر نہ پرکھا جائے۔ ایک ایک صاحب نے جو نفس
مضمون پر بات کی ہے، قارئین ان تبصروں کی روح میں جائیں۔ بلکہ قارئین کتاب میں دوبارہ
غوطے لگائیں۔ اب جو کچھ کسی نے لکھ کر دیا۔ ان باتوں کا تو میں جواب دے چکا ہوں۔ لیکن کچھ
لوگ زبانی باتیں کرتے ہیں کہ لوگوں کی تنقید کی یا پس منظر کے بیان کی کیا ضرورت تھی۔
بس چند الفاظ میں صرف اسلامی نظام کا خاکہ پیش کر دیا جاتا۔

79 ۔ تو اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ اسلامی نظام کا خاکہ، تو میں نے ۱۹۷۰ء میں یحییٰ خان
کے سامنے زبانی بھی پیش کیا اور اس کو لکھ کر بھی دیا۔ ضیاء الحق کو لکھ کر دیا۔ لیکن یہ سب ردی
کی ٹوکریوں کی نظر ہو گیا، کہ یہ میجر کون ہوتا ہے قوم کی رہنمائی کرنے والا۔ اس لئے میں نے نہ
صرف پس منظر لکھا۔ بلکہ ملک کے "بڑوں" کے بارے میں تبصرہ کیا کہ وہ کتنے "پانی" میں ہیں
اور کون لوگ اسلام کے راستے میں رکاوٹیں ڈال رہے ہیں۔ تاکہ قارئین موازنہ کرلیں اور مجھے
جہاں موقع ملا میں اللہ اور رسولؐ کیلئے "تگڑم ناچ" ناچتا سامنے "میدان" میں کود گیا کہ "کنجری
بندیاں میری شان نہ گھٹدی مینوں نچ کے یار مناون دیہو" لوگو! خدا کے لئے سوچو کہ میں نہ
حکومت، نہ دولت، نہ شہرت کا متمنی ہوں۔ کیا جن لوگوں نے قوم سے غداریاں کی ہیں۔ ان کو
معاف کر دوں اور نوائے وقت اخبار کے شر سے قوم کو بچانے کی کوشش نہ کروں۔ اپنی ذلت
کے لئے کچھ تو سوچو

80 ۔ کراچی کا ہفت روزہ اخبار "تکبیر" اس وقت ملک کا واحد اخبار ہے۔ جس میں اسلامی



اقدار پر کچھ صحیح باتیں ہوتی ہیں۔ گو میری باتوں کو تو وہ بھی شائع نہیں کرتے کہ شاید ان کو
"ہضم" نہیں کر سکتے۔ یا مجھے "رقیب" بنانے کو تیار نہیں یا "نابالغ" سمجھتے ہیں (واللہ اعلم)۔ بہر
حال مارچ ۹۶ کے مہینہ میں ملک کے تقریباً درجن بھر "دانشوروں" سے انہوں نے موجود نظام
حکومت یا اس کی تبدیلی کے سلسلہ میں رائے لی اور اپنی آدھی اخبار یعنی گیارہ صفحے اس سلسلہ
میں "سیاہ" کئے۔ لیکن مقصد سے اتنے ہی دور رہے جتنے پہلے تھے، اور کوئی ایک سفارش بھی ایسی
نہ تھی جس میں نشان راہ ہو یا کوئی غور و فکر کا مسئلہ پیش کیا گیا ہو۔

81 ۔ اس عاجز نے اپنے ۲۹ مارچ ۹۶ کے خط میں اپنا اس سلسلہ کا تبصرہ اخبار "تکبیر" اور کچھ ان
رائے دینے والے مبصر و دانشوروں کو بھیجا۔ جن کے کچھ اقتباسات یہاں لکھنے ضروری ہیں۔

82 ۔ " پروفیسر غفور بے چارے کو قرارداد مقاصد میں ہی اسلام کا نظریہ حیات نظر آتا ہے۔
حالانکہ اس مہمل قرارداد میں، لوگوں کا اللہ کا شریک بنا دیا گیا ہے کہ حاکمیت یا اللہ تعالیٰ کی
ہوتی ہے یا لوگوں کی۔ دونوں کی نہیں ہو سکتی۔ وسیم سجاد تو کالا انگریز ہے وہ تو موجودہ نظام کا
خاندانی طور پر پجاری ہے۔ گوہر ایوب سے تو یہ سوال کرنا بھی فضول تھا کہ وہ میٹرک بھی پاس
ہے یا نہیں اور اسلام کے سلسلہ میں اس زمانے کی کتاب پکی روٹی کی شدبد بھی نہیں رکھتا۔
اعجاز الحق نے البتہ بڑی صحیح بات کی ہے کہ وہ "سیاستدان" کہلانا بھی پسند نہ کرے گا۔ وہ شاید
میری کتاب پڑھے تو اس کو شاید معاملات کچھ سمجھ آنے لگ جائیں۔ سمیع الحق کو عرصہ سے میں
یہ سمجھا رہا ہوں کہ آئیے رسول عربیؐ کے اسلام پر اللہ کی فوج بن جائیں۔ ابھی تک وہ "تذبذب"
میں ہے۔ میں نے اس کو کتاب بھیج دی ہے۔ شاید اس پر اللہ کی رحمت ہو جائے۔ تنزیل الرحمن
جب نظریاتی کونسل کے چیئرمین تھے تو اس زمانے میں بھی مل کر ان کو میں نے "سمجھانے" کی
کوشش کی اور جب شرعی عدالت کے چیف جسٹس تھے تو ان کے سامنے "پیش" بھی ہوا۔ اور
اس بے چارے کا "گوبر" یعنی باطل نظریات سے چھٹکارا نہیں ہو رہا۔ الطاف گوہر جیسے بے دین
سے یہ سوال کرنا بھی وقت کا ضیاع ہے۔ کافرانہ سوچ اس کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ ملک قاسم کو فوجی
نوکری اور انگریزوں کے خلاف بحریہ کی "بغاوت" نے رومن قانون کی طرف مائل کر دیا اور
حالات زمانہ اور ایوب کی "ضرورت" نے اس کو لیڈروں کے "کھاتے" میں ڈال دیا۔ وہ کیسے

کوئی کام کی بات کرتا۔ خالد اسحاق کا فرانہ رومن قانون کو اسلام کا "تڑکا" لگاتا رہتا ہے۔ وہ کوئی
بامقصد سفارش نہیں کرسکتا۔ اکرم ذکی کے پاس فہم و فراست ہے۔ لیکن اس کو اسلام
"پڑھانے" کی ضرورت ہے۔ مجیب کو جیم جالندھر اور زمانے کے "حوادث" نے وزارت
اطلاعات سے وابستہ کر دیا۔ وہ بے چارہ عامیانہ ذہن کا آدمی ہے۔ وہ کیا سفارش کرتا۔ بہین وٹو
چڑھتے سورج کی پرستش کرنے والا نواب کالا باغ کی "پیداوار" ہے۔ وہ کیا کہے گا۔ ظفر الحق اور
نادر پرویز ویسے بھی "بچے" ہیں اور نواز شریف جیسے "نابالغ" رہنما نے ان کی خصوصیات کو "جمود
دے دیا ہے۔

84 ۔ سید وصی مظہر ندوی سابق وفاقی وزیر نے کام کی بات کی کہ "سیکولرزم" "ڈیموکریسی"
اور "نیشنلزم" پر مبنی نظام کو تبدیل ہونا چاہیئے۔ میں بڑا خوش ہوا کہ یہ صاحب شاید اسلامی نظام
کی کچھ سوجھ بوجھ رکھتے ہیں اور ان کو مبارک کا خط بھی لکھا اور اپنی کتاب بھی بھیج دی۔ لیکن ان
کے ۵ اپریل ۹۶ کے خط نے مجھے حیران کر دیا۔ انہوں نے (نعوذ باللہ) مجھے "انقلابی" بھی بنا دیا اور
لکھا کہ بڑی کوشش کے باوجود وہ میری کتاب کے ساتھ "ذہنی مناسبت" نہ پیدا کر سکے۔ میں
نے ۱۰ اپریل کو ان کو جواب دے دیا کہ "ندوی اسلام" سے چھٹکارا حاصل کریں اور "گوبر" یعنی
باطل نظریات سے توبہ کریں تو تب ان کو رسول عربیؐ کے اسلام کے معطر باغ سے خوشبو آسکے
گی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنی سفارشات کا ایک کتابچہ مجھے بھیجا جہاں اپنی مرضی
کی ڈیموکریسی کا پرچار کیا جس کو میں نے کنٹرولڈ یا اسلامی ڈیموکریسی کا نام دیا اور ان کو لکھنا پڑا
کہ یہ تو ظفر انصاری اور تنزیل الرحمن کی دستوری سفارشات سے بھی بدتر ہے کہ انہوں نے بھی سور
پر تکبیر پڑھ کر اس کو حلال کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس خط کی کاپی اور ضمیمہ "ط" یعنی میرا
صدر محترم وغیرہ کو خط کی کاپی اور جنرل سید رفاقت کے پورے تبصرے کی کاپی "تکبیر" کو بھی
بھیجی کہ ان کو صحیح اسلامی نظام حکومت میں دلچسپی ہو تو رابطہ باندھیں اور لکھا کہ وصی مظہر
صاحب بھی اسلامی نظام سے نابلد ہیں۔ آگے ان کی مرضی۔

85 ۔ صوابی کے جامع کے محمد طیب صاحب کا تبصرہ بھی "تکبیر" میں تھا۔ لیکن وہ بھی آدھے
راستے تک پہنچے نظر آتے ہیں۔ تو ان کو بھی خط کی کاپی کے ساتھ اپنی کتاب تحفتاً بھیجی۔ لیکن ابھی



تک ان کا رد عمل نہیں پہنچا۔

86 ۔ لاہور میں ایک کرنل محمد ایوب نظریہ جہاد کو اجاگر کر کے اسلام کی بڑی خدمت کر
رہے ہیں اور نظام کی تبدیلی چاہتے ہیں۔ میں نے اپنی پہلی کتابیں اور یہ کتاب بھی ان کو تحفتاً
بھیجی۔ بڑی خط و کتابت ہوئی۔ لیکن افسوس بھی ہوا کہ آپ بھی موجود نظام کو کاٹ تراش کر
کنٹرولڈ یا اسلامی جمہوریت بنانا چاہتے ہیں۔ ساتھ یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہم علامہ مشرقیؒ کے "بت
کی پوجا بھی کریں۔ ان کو بہت کچھ لکھنا پڑا کہ میں تو وطن، قائد اعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کے "بتوں
کی پوجا سے لوگوں کو منع کر رہا ہوں۔ آیئے مل کر یہ نعرہ لگائیں "رہبر و رہنما مصطفیٰؐ مصطفیٰؐ"
لیکن یہ صاحب بھی علامہ مشرقی کی طرح اپنی تحریروں میں آداب ملحوظ کرنے کی طرف دھیان
نہیں دیتے اور الفاظ "حضرت" "یا" "یاؐ" کو "تکلفات" اور "اضافے" کہتے ہیں کہ ان کو عبارت کا
حصہ بنانا ضروری نہیں۔ انہوں نے قرآن پاک کا ترجمہ بھی کیا ہے اور باقی لوگوں کے ترجموں پر
اعتراض کرتے رہتے ہیں۔ ان کو بتانا پڑا کہ ان کا ترجمہ بھی نقائص سے پاک نہیں۔ اور ثبوت
پیش کیئے۔ لیکن وہ نہیں مانتے کہ مقام مصطفیٰؐ کے سلسلہ میں عاجزی کرنے کو تیار نہیں اور نر و
مادہ کھجوروں کے پھولوں کے سلسلہ میں حضور پاکؐ کے مشورہ والی حدیث کے تحت
حضور پاکؐ کے علم کو (نعوذ باللہ) صرف دین تک محدود کرتے ہیں۔ کہ حضور پاکؐ دنیاوی
علوم یا سائنس وغیرہ کی باتوں کو نہ جانتے تھے۔ یعنی نہ کرنل صاحب کو حضور پاکؐ کے رحمۃ
اللعالمین کے فلسفہ کی سوجھ بوجھ ہے۔ نہ معراج کے بعد زمان و مکان پر حاوی ہونے کی۔
دراصل ہمارے اکثر علماء ظاہر کا اس سلسلہ میں رویہ افسوسناک ہے خاص کر ایک دانشوروں کا
لبادہ اوڑھنے والے علامہ حامد عابدی ہیں۔ جن کو میں اسلام علیکم کہنا بھی جائز نہیں سمجھتا۔

87 ۔ کند کوٹ، ضلع جیکب آباد میں ایک پروفیسر عبدالخالق سہریانی صاحب اللہ کے نیک
بندے ہیں۔ ان کو یہ بات سمجھ آگئی ہے کہ ہمارا موجودہ نظام کافرانہ ہے اور اسلامی نظام کا خاکہ
کوئی صاحب پیش کریں۔ ان کو کتاب بھیج دی ہے اور ان کے رد عملوں کا انتظار ہے۔ انہوں
نے کئی اور اداروں کے ایڈریسز بھیجے جن میں ایک تحریک اسلامی انقلاب کراچی کے سید محمد

جمال الدین کاظمی ہیں اور کراچی ہی میں ایک اور سید محمد اقبال بھی انقلابی اسلام کے دعویدار ہیں۔ ان کے پمفلٹ پڑھے۔ یہ صاحبان بھی آدھے راستے پر ہیں۔ ان کو بھی کتابیں بھیج دیں۔ اور کہا کہ اسلام انقلاب نہیں۔ صراط مستقیم ہے۔ ان کے رد عملوں کا بھی انتظار ہے۔

88 ۔ لاہور میں ایک صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی تحریک احیائے امت کے دعویدار ہیں اور یہ صاحب کچھ بہتر کام کر رہے ہیں کہ جمہوریت سوشلزم فرقہ بندی وغیرہ کے بارے صحیح طور پر کہتے ہیں کہ سب غیر اسلامی عمل ہیں۔ لیکن فی الحال انقلاب آزادی، اور "ذہنی بغاوت" کو اسلام کا حصہ سمجھتے ہیں اور "سمعنا و اطعنا" یا صراط مستقیم کے مقامات تک نہیں پہنچ پائے۔ ان کو اپنے اشتہار اور کتاب پنڈورا باکس کافی پہلے بھیج دیئے تھے۔ لیکن انہوں نے رابطہ نہیں باندھا۔ تو اب اس کتاب کے اشتہار اور ضمیمہ "ط" والا میرا خط ان کو بھیجا ہے۔ جو آدمی اسلام کے صراط مستقیم والے فلسفہ کو نہیں سمجھتا اور انقلاب کے چکروں میں ہے۔ اس کی بسم اللہ ہی غلط ہے۔ وہ اسلام کو نہیں سمجھ سکتا اور اگر انہوں نے رابطہ کیا تو ان کو کتاب ضرور بھیجوں گا۔ کچھ لوگوں نے اکرم اعوان کی تحریک "اخوان المسلمون" اور "جہاد" کے بارے میں بتایا۔ کئی دفعہ کوشش کی لیکن مشیت ایزدی کوئی رکاوٹ ڈال دیتی ہے۔ لاہور میں ایک اور محقق صفدر حسن صدیقی ہیں۔ ان کو بھی کتاب بھیج چکا ہوں۔ اور صدر فاروق خان لغاری یا دینی جماعتوں کے سربراہوں کو کتاب بھی بھیج چکا ہوں اور ۹ اپریل ۱۹۹۶ کو یاددہانی کا خط بھی لکھ چکا ہوں جو ضمیمہ "ط" پر ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد اور طاہر القادری نے جو مایوس کیا۔ اس کا ذکر کتاب میں ہے تو ارادہ ہے کہ لوگوں کے یہ تاثرات ان کو بھیجوں گا کہ وہ انقلاب کی بجائے صراط مستقیم کی طرف آئیں۔ لیکن اکثر "دانشور" کتاب مفت لینے کے خواہاں تھے۔ کتاب لے کر چپ کر گئے ہیں رابطہ تک نہیں باندھا۔ ڈاکٹر فیصل اور عزیزم ممتاز اقبال اور کئی دوستوں کو کتابیں دی ہیں۔ کہ کوئی صاحب دل ملے یا جو "دانشوری" میں قدم رکھتا ہے ان کو کتابیں دیتے جاؤ۔ خود ہدیہ نہ مانگنا۔ کسی نے دے دیا تو ضرور لے لینا۔ تو ہدیہ دینے والوں کی تعداد بھی انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ لیکن حوصلہ افزائی کرنے والے بھی بے شمار ہیں۔ بابو محمد اشرف، کرنل شہباز، غلام



خیر البشر، عبدالقدوس ناصر، میجر محبوب، خالد متین، اور اختر عبدالرزاق وغیرہ ایک انبوہ کے دلجوئی والے پیغام پہنچے

98 ۔ یہ عاجز کس کس دروازے کو کھٹکھٹائے جنرل سید رفاقت جیسے عظیم مدبر اور متعدد اور صاحبان بھی جو اس عاجز نے تلاش کئے ہیں۔ ان کے تاثرات لکھ چکا ہوں اور اللہ کے بندے میری بڑی دلجوئی کر رہے ہیں۔ لیکن ہم جو پوری قوم مومن کی فراست سے عاری ہو چکے ہیں اور "بھینس" یا "بیل" بن گئے ہیں وہ بات بھی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑے "دانشور" سے سب "دانشوروں" کے سامنے یہ اعلان کرا دیا۔ میں اس باب کو اس وقت کے ہمارے ملک کے میرے لحاظ سے عظیم ترین مدبر اور مومن کی فراست والے سید زادے عالم کے مورخہ ۱۶ اپریل ۹۶ء کے خط سے ختم کرتا ہوں۔

" السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔ جس محبت اور سرعت کے ساتھ آپ اس ناچیز کے کلمات کو اپنی تصنیفات کی زینت بنالیتے ہیں۔ میں اس کا شکر گزار ہوتے ہوئے ہی اکثر و بیشتر سوچتا رہتا ہوں کہ کیا ان الفاظ میں وہ خوبیاں موجود ہیں، جن سے یہ اس مقام کا حقدار ٹھہریں جو آپ عنایت فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

90 ۔ آپ نے دس افراد کے نام کے متعلق پوچھا اور یاددہانی بھی فرمائی قحط الرجال کی حالت یہ ٹھہری کہ میں ایسے دس نام پیش کرنے سے قاصر ہوں جہاں آپ کو پریشانی اور مجھے ندامت نہ ہو" آپ میری تذبذب، سوچ اور ذہنی کیفیت اور کشمکش سے آگاہ ہیں۔

91 ۔ رب نبی محمدؐ! آپ نے ملک کے سربراہوں کہ ان کے منہ پر مجھ "چھوٹے" سے آدمی سے وہ کچھ کہلوایا کہ ان پر کپکپی طاری ہو گئی یا "بڑبڑانے" اور "تھتھانے" لگے۔ ظاہر ہے انہوں نے بڑائی کا لبادہ اوڑھا ہوا تھا۔ اور آپ نے ان کو ننگا کر دیا۔ یہی حال ملک کے علماء اور دانشوروں اور خاص کر صحافیوں کا ہے۔ کتاب پاس پہنچی ہے۔ سب کو سانپ سونگھ گیا ہے۔ رب نبی محمدؐ ہمیں مومن کی فراست عطا کر۔ کہ ہم سب کچھ تیرے نور سے دیکھیں۔

از تیرے حبیب پاک کا سپاہی

ضمیمہ "ط"

# اہم شخصیتوں کو کھلا خط

ملک کی اہم شخصیتوں جن کیلئے میں "اسلام علیکم" کا لفظ استعمال کر سکتا ہوں ۔ ان کو یاد دہانی بھی کرادی ۔ کیا قوم میں کوئی اور آدمی خاص کر اخبار نویس ان لوگوں کو جھنجھوڑنے کو تیار ہیں ؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم و نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

از جانب میجر امیر افضل خان ( ریٹائرڈ ) ۱۹ ۔ ذی شان کالونی ، قاب لائینز ۔ راولپنڈی ۔ فون : ۵۸۳۷۷۸

عزیزان و محترمان سردار فاروق احمد لغاری ، قاضی حسین احمد ، سمیع الحق ، حافظ حسین احمد ، محمد نواز شریف اور مجید نظامی صاحبان وغیرہ ۔ اسلام علیکم

آپ محدود صاحبان کو ایسا کھلا متحدہ خط لکھنے میں کئی ظاہری اور باطنی مقاصد ہیں جو میں "ظاہر" نہیں کر رہا سوائے ایک کے کہ کون خوش قسمت توبہ اور ندامت کرتا ہے ۔

۲ ۔ " اسلامی نظام حکومت یعنی رسول عربیؐ کے اسلام کا نفاذ " جیسی تاریخ ، نظریات ، پیغام اور دعوت سے بھرپور منفرد کتاب صدیوں میں ایک بار لکھی جاتی ہے جو میری انیس کتابوں اور ہزاروں مضامین کا اختصار بھی ہے ۔

۳ ۔ حوصلہ افزائی کے متعدد پیغامات اور یہ خط دوسرے ایڈیشن کی زینت بنیں گے جو جلد منظر پر آنے والا ہے ۔ حوصلہ افزائی والے خطوط کے چند اقتباسات مندرجہ ذیل ہیں : ۔ " جنرل سید رفاقت کے مطابق مصنف کی وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل میں پیغام یہ ہے کہ محمدؐ سے وفا کے بدلے ہمیں لوح و قلم بخشے جانے والے تھے لیکن اپنے داماں کو تنگ کر کے ہم نے اپنی منزل کو روٹی ، کپڑا اور مکان تک محدود کر دیا ۔ مصنف کی تحریریں اب البتہ ایک طوفان کی صورت اور قوت اختیار کر رہی ہیں جو باطل کی ساری کرشمہ سازی کو خس و خاشاک کی طرح بہا کے لے جائیں گی ۔ ضعیف الاعتقاد اور متزلزل ایمان والی شخصیات اور عہد جہالت کی بودی اصطلاحات



تلمیحات اور نظریات بھی اس خس و خاشاک کا حصہ بن جائیں گی ۔ ان کی تحقیقات نہ صرف میرے شعور کو محفوظ کرتی ہیں بلکہ میرے اعتقادات کی بھی تطہیر کرتی ہیں ۔ لہذا یہ کتاب نظام حکومت کے خاکہ سے بڑھ کر اس سوال کا جواب بھی دیتی ہے کہ انسان کیا ہے اور اس کی زیست کیوں اور کس لئے ہے ۔ سید شبیر حسین کے مطابق مصنف نے اس اندھیرے میں دیا جلا کر مسلمان قوم کے لئے صراط مستقیم کی نشاندہی کر دی ہے ۔ بریگیڈیر فضل رحیم کے مطابق کتاب کا مرکزی خیال ہی لاجواب ہے کہ تخلیق کائنات کا مقصود انسان اور انسان کا مقصود معرفت الہی ہے ۔ ممتاز اقبال کے مطابق ایک ایک اشارہ میں پوری تاریخ ہے اور ایک ایک فقرہ میں نظریات کے سمندروں کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے ۔ کرنل محبوب الہی کے مطابق کتاب کا نام ہی انسان کو نہ صرف چونکا دیتا ہے بلکہ انسان پر رقت طاری ہو جاتی ہے ۔

۴ ۔ جنرل یحییٰ خان وغیرہ سے بھی سینئر ۸۲ سالہ بریگیڈیر نثار احمد قریشی کی بصارت اب جواب دے رہی ہے ۔ لیکن قلب کی بصیرت اتنی تیز ہے کہ مجھے ایک ہزار روپے بھیجے کہ اس مالیت کی کتابیں میں غریبوں میں بانٹ دوں ۔ اور مذاقاً یہ بھی لکھا کہ وہ جسم پر خون لگا کر "شہیدوں" میں شامل ہو رہے ہیں اور ایسے تبصروں اور رد عملوں کا تانتا بندھا ہوا ہے ۔ صد افسوس ! کہ آپ جیسے ذمہ وار صاحبان خاموش ہیں ۔ میں آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ قرآن پاک کی سورۃ زلزال کے مطابق روز قیامت جب یہ زمین میرے تمام خطوط اور کتاب کو آپ کے سامنے کر دے گی تو عمل کا وقت گزر چکا ہو گا ۔

۵ ۔ محترم صدر فاروق لغاری صاحب ! میرا ۷ مارچ کا خط دوبارہ پڑھیں اگر آپ کے معتمد آپ کو اندھیرے میں رکھے ہوئے ہیں تو قصور وار کون ہے ؟ کتاب کا صفحہ ۴ اور بڑی بھینس ( مجید نظامی ) کا کھلی مجلس میں آپ سمیت سب دانشوروں کو بھینس کہنا اور اس سلسلہ میں مجھ پر ستمبر ۶۵ء کی جنگ کی " واردات " اور ۱۹۷۹ء کے وقت کی " پیش بینیاں " کیا کچھ باور نہیں کراتیں ۔ الحمد للہ آپ نے بے نظیر کا بندہ ہونے کی بجائے اللہ کا بندہ ہونے کا اعلان کر دیا ۔ شاید توبہ اور ندامت بھی کر لیں ۔ بہرحال مہربانی سے ہدیہ ادا کریں یا کتاب واپس کر دیں ۔

۶ ۔ محترم قاضی حسین احمد صاحب ! کتاب وصول ہونے کے شکریہ اور اسلام کے غلبہ کی دعا کی

"آؤ" لے کر مجھ سے "چھٹکارا" حاصل نہیں کر سکتے (آپ کے معتمد کو میرا ۳۱ مارچ کا خط دوبارہ پڑھیں) ۔ کتاب کا صفحہ ۴، ۴۰، ۴۱، ۴۹، ۱۰۹ تا ۱۱۱ اور ۲۲۸ تا ۲۳۳ پڑھیں ۔ اگر میں غلطی پر ہوں تو مجھے صحیح کریں ۔ اگر آپ غلطیاں کرتے رہتے ہیں تو توبہ وندامت کریں ۔

۷ ۔ محترم و عزیزم سمیع الحق صاحب! آپ کے ساتھ دوستی کی وجہ سے کتاب تحفتاً بھیجی ۔ جو کچھ قاضی حسین احمد کو لاگو ہے وہ آپ کو بھی لاگو ہے ۔ کتاب کا صفحہ ۵۰ اور ۵۱ بھی آپ کی توجہ مانگتا ہے ۔ کہ اس سلسلہ میں مجھے اور مواد مل گیا ہے ۔ جو کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں شامل کر رہا ہوں ۔ میں کئی سالوں سے آپ کو باور کرا رہا ہوں کہ "وقتی" رہبروں اور "اماموں" کے چکروں سے نکلیں ۔ رہبر و رہنما مصطفیٰ کا نعرہ لگا کر رسول عربیؐ کے اسلام پر مسلمانوں کو متحد کرنے کے لئے بارش کا پہلا قطرہ بنیں ۔

۸ ۔ محترم حافظ حسین احمد صاحب! آپ نے چونکہ ایک دفعہ رابطہ باندھا تو ڈاکٹر فیصل کے ذریعہ سے آپ کو کتاب پہنچائی ۔ جو کچھ قاضی صاحب اور سمیع الحق کو لاگو ہے وہ آپ کو بھی لاگو ہے ۔ بلکہ آپ کو گذارش کر چکا ہوں کہ فضل صاحب سے "پیچھا چھڑاؤ" کہ میں تو فضل صاحب یا نورانی صاحب جیسے لوگوں کو اپنے خط کی کاپی بھی دینے کو تیار نہیں ۔ آپ میری طرح کھلم کھلا حق کو حق کہیں اور باطل کو باطل کہ اسلام اس طرح پاش پاش نہ ہو جیسے اس کو پاش پاش کیا جا رہا ہے ۔

۹ ۔ عزیزان محمد نواز شریف و مجید نظامی! ۴ نومبر کی نوائے وقت میں آپ دونوں نے میری عمر کا خیال بھی نہ کرتے ہوئے مجھے اخبار میں نہ صرف اسلامی نظام حکومت پر مضامین لکھنے کی گذارش کی بلکہ یہاں تک گئے کہ میں آپ کو مایوس نہ کروں گا ۔ یہ کام میری کتابوں کی مدد سے آپ کے ادارے کر سکتے تھے ۔ میں نے اللہ کے واسطے یہ چیلنج قبول کیا ۔ آگے کیا ہوا ۔ اپنے گریبان میں منہ ڈالیں اور سوچیں کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے ۔ خرافات اور گمراہی آپ کے سر آنکھوں پر اور اللہ تعالیٰ کے نظام کے ساتھ یہ رویہ ؟ اب میں کس منہ سے کتاب آپ کو بھیجوں کبھی سوچا ہے کہ ان کافرانہ نظاموں نے قوم کو "مداری" دیئے اور "نابالغ" یعنی کچے بچے اور کچی بچیاں ہمارے رہنما بنے پھرتے ہیں ۔ اور ایسے "کچے لوگوں" کو ہماری مستقبل کی رہنمائی کے



لئے تیار کیا جا رہا ہے ۔ کتابیں مجھ سے خریدیں اور توبہ وندامت کریں اور مجید نظامی یہ خط اخبار میں شائع کرے ۔

۱۰ ۔ اسلام میں پوری طرح داخل ہونے کا حکم ہے ۔ سیکولر اور بے دین نظاموں کے "پجاریوں" کی نمازیں اور روزے یا حج و عمرے لاحاصل مشقتیں ہیں ۔ بلکہ ان کے مرنے کے بعد جنازہ اور قرآن خوانی کا تردد کیوں کیا جائے ۔ دینی جماعتوں والے ایسے اعلانوں سے ہچکچاتے ہیں ۔

۱۱ ۔ رب نبی محمدؐ! "کنجری بندیاں میری شان نہ گھٹدی مینوں نچ کے یار مناون دیہو" ۔ رب نبی محمدؐ! میں ان لوگوں کے سامنے "تگڑم ناچ" آپ اور آپ کے حبیبؐ کی خوشنودی کے لئے ناچ رہا ہوں ۔ ورنہ میں ان صاحبان کی "گہرائیوں" اور "وسعتوں" سے آگاہ ہوں ۔ میں نے تو ۱۹ دسمبر ۹۵ ۔ کو یہی معاملات آپ کے سپرد کر دیئے جو ہمیشہ آپ کے سپرد ہیں اور کتاب کے صفحہ ۲۹۷ پر آپ کے اس دن کے فیصلہ کا بھی ذکر ہے اور ۱۹ دسمبر کی میری عرضداشت کا ذکر کئی صفحات پر ہے پس میری جھولی بھر دے اور اسلام کی عظمت اور شوکت کے نظارے دکھا ۔ لیکن ان کوتاہ لوگوں کی وجہ سے ہم جس عذاب کے حقدار ہو چکے ہیں اس سے ہمیں بچا ۔

از جانب تیرے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا سپاہی

رب نبی محمدؐ! یہ خط بھیجے ہوئے اب ایک ماہ سے زیادہ عرصہ گذر گیا ہے اور وسط مئی میں اس کو اس کتاب کا حصہ بنایا جا رہا ہے ۔ اور اب تک میرے مخاطب صاحبان میں سے کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگی ۔ کیا فاروق لغاری کے گرد اتنے بے وفا اور بد دیانت لوگ بیٹھے ہیں ۔ تو یہ قصور بھی لغاری صاحب کا ہے ۔ اور خط پہنچنے کے بعد اس پر ذرا بھر اثر نہیں ہو رہا ۔ یا میری کتابیں ہی واپس کر دیتے یا چند روپے ہدیہ کے طور پر بھیج دیتے ۔ کیا یہ صاحب تیرے اور تیرے حبیبؐ کے نام پر بنائے گئے ملک کا حکمران ہونا چاہیئے ؟ قاضی حسین احمد اور جماعت اسلامی والے بھی کم از کم کتاب واپس کر دیتے یا ہدیہ بھیج دیتے ۔ سمیع الحق یا حسین احمد اور نہیں تو کتاب وصول کرنے کے بعد شکریہ کا خط لکھ دیتے ۔ مجید نظامی اور نواز شریف ۴ نومبر ۹۵ ۔ کو مجھے کہتے ہیں کہ میں ان کو مایوس نہ کروں گا لیکن اب ایک کتاب خرید کر پڑھنے کو تیار نہیں ۔ یعنی یہ سب لوگ اسلام کے ساتھ فراڈ کر رہے ہیں ۔ یعنی مکر کر رہے ہیں ۔ اور ان کو یہ نہیں معلوم و مکر اللہ، و اللہ خیر الماکرین "

از حضور پاک کا سپاہی

# غازیان ڈوگرئی کی تقریب

کتاب کے صفحہ ۲۲ پر اس عاجز نے ذکر کیا ہے کہ "ستمبر ۶۵ء کی جنگ نے سب کے پردے اتار دیئے" ۔ اور میری باقی کتابوں اور اس کتاب میں میرے عظیم ساتھیوں اور ماتحتوں کا جگہ جگہ ذکر ہے ۔ کہ وہ شہدا میرے پاس کیا کچھ چھوڑ گئے اور ان کی اعتقادی اور نظریاتی یادگار ہماری موجودہ پلٹن سولہ پنجاب ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی اشاعت سے پہلے ، مجھے دو دن اس عظیم پلٹن کی ایک تقریب میں گزارنے پڑے ۔ اگر پورے تاثرات لکھوں تو ایک کتاب کی ضرورت ہے البتہ مختصر کہانی کو اس کتاب کا حصہ بنانا ضروری ہے ۔ اور یہ کہانی افواج پاکستان کے ہفت روزہ اخبار "ہلال" کے شمارہ 46 گیارہ تا سترہ مئی ۱۹۹۶ء میں بھی شائع ہوئی ۔

## غازیان ڈوگرئی کے نئے کرنل کی تعیناتی کی تقریب

2 ۔ اپریل کے مہینے کے موسم بہار کے پھولوں ، کے حسن وجمال کے ساتھ ساتھ سیالکوٹ کی چھاؤنی جگہ جگہ ان جھنڈوں اور بینروں سے سجائی جانی شروع ہو گئی ، جو اس عظیم پلٹن کے لئے کرنل کی تعیناتی کی تقریب کے سلسلہ میں مہمانوں کے ٹھہرنے ، تقریب کی جگہوں ، اور بڑے کھانوں یا دوسرے اجتماعوں کے سلسلہ میں شمولیت کرنے والوں کی راہنمائی کیلئے یا مختلف مقامات کی خوبصورتی کیلئے جگہ جگہ لگائے جا رہے تھے ۔

3 ۔ تجسس کرنے والے صاحبان نے جب اس تقریب کے میزبانوں کے اندر سے جھانکا تو ان کو معلوم ہوا ۔ کہ یہ تو وہی پلٹن ہے جس کے سلسلہ میں مشہور کالم نگار عنایت اللہ کے مضامین "لاہور کی دہلیز" پر ۱۹۶۶ء سے نہ صرف ملک کی تمام اخباروں کی زینت بن رہے ہیں بلکہ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے پچیسویں سال ، ۱۹۹۰ء میں افواج پاکستان کا اخبار ہلال نہ صرف اس مضمون کو repeat کر چکا ہے بلکہ ساتھ میجر امیر افضل کے اس مضمون کو بھی Repeat کر چکا ہے کہ کس طرح ان شہیدوں اور غازیوں کے بچ یا ان کے ساتھیوں میں سے نو جانباز افسروں نے پاکستان کے دفاع کیلئے اللہ اور رسول ﷺ کیلئے اپنی جان بی آر بی کے آگے نثار کر دی اور یہ کچھ



اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ۔ البتہ دو اور افسران نے بھی یہی کچھ کیا ، لیکن ان کی عظیم قربانی کا کوئی چشم دید گواہ نہ مل سکا ۔

4 ۔ اس طرح کے مضامین نے نہ صرف یہ تاثر دور کر دیا ، کہ یہ بی آر بی نہ تھی جس نے لاہور کو بچایا ۔ بلکہ واہگہ محاذ پر بی آر بی کے آگے جو قربانی دی گئی ۔ وہ ہماری تاریخ کا درخشندہ باب ہے ۔ بے شک ۶ ستمبر سے ۹ ستمبر تک لاہور کو بچانے کیلئے عظیم قربانی کئی یونٹوں نے دی ۔ لیکن دس ستمبر سے بائیس ستمبر تک یہ عظیم قربانی پنجاب رجمنٹ کی ایک مشہور پلٹن کی دو کمپنیوں اور ہیڈ کوارٹر نے دی ۔ یہ پلٹن کسی زمانے میں چالیس پٹھان کے نام سے مشہور تھی اور آجکل یہ لوگ صرف غازیان ڈوگرئی کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں ۔ بھارت کے نیوز میڈیا نے جنگ ستمبر ۶۵ کے زمانے میں اس پلٹن کو پاکستان کے ایک کریک بٹالین کا نام دیا تھا ۔ لیکن ان کی یہ غلط فہمی تو صرف جنگ کے بعد کچھ آدھی دور ہو گئی ، کہ ان کے بریگیڈوں کے بریگیڈوں کا مقابلہ صرف دو کمپنیاں کر رہی تھیں ۔ جنہوں نے آخری دن سے پہلے بھارتیوں کو اپنے دفاعی پوزیشن کو ایک آنکھ دیکھنے کی اجازت نہ دی ، کہ اصلی پوزیشن سے بہت آگے نکل کر وہ دشمن کو دھوکے میں رکھے ہوئے تھے کہ ان کی حفاظت کیلئے نہ کوئی تار تھی نہ مائن فیلڈ ۔

5 ۔ بھارتی فوج کے آگے والے دستوں نے غلط بیانی کی ہوئی تھی اور اپنی قوم کو بتایا ہوا تھا کہ ان کا شالامار باغ پر قبضہ ہے ۔ لیکن یہ مجاہدین تو ان کو بی آر بی تک بھی پہنچنے کی اجازت نہ دے رہے تھے ۔ تو فائر بندی سے تین دن پہلے بھارتیوں نے ان کمپنیوں پر "خود کشی" والے حملے شروع کر دیئے تھے اور نتیجہ یہ نکلا کہ فائر بندی والے دن جب ان مجاہدین نے اپنے تقریباً سو کے قریب شہدا کو میدان جنگ سے عزت کے ساتھ اٹھا کر فوجی قبرستان کے شہید گنج میں دفن کیا ، تو بھارتی تقریباً اپنے سات سو مردوں کی ٹانگوں کے ساتھ رسیاں باندھ کر ان کو کھینچ کر لے جا کر ایک گڑھے میں جلاتے رہے ۔ لیکن پوری بات تب ظاہر ہوئی ، کہ جب ۲۱ اپریل ۱۹۶۹ء کو بھارتی لوک سبھا میں اس وقت سناٹا چھا گیا جب فرینک انتھونی نے اعلان کیا کہ واہگہ محاذ پر اس خود کشی والی جنگ میں بھارتی نقصان (Casualties) دس ہزار تھا ۔ ظاہر ہے کہ اس تعداد میں کم از کم دو اڑھائی ہزار افراد واصل جہنم ہوئے ہوں گے ۔

6 ۔ اس کے بعد ہی انہوں نے بھی ہماری اس عظیم قربانی سے قوم کو آگاہ کیا، کہ پہلے تو کسی سڑک کو بھی ان کے ناموں سے منسوب نہ ہونے دیا ۔ گو لاہور محاذ پر ان چند مجاہدوں نے سارے محاذ کے تمام بہادری کے تمغوں میں سے نصف سے زیادہ تمغے حاصل کئے تھے اور ان کا جانی نقصان بھی پورے محاذ کے جانی نقصان کے آدھے سے زیادہ تھا کہ آخر میں ان کو گھیرا پڑ گیا اور بارود ختم ہو گیا تو انہوں نے دشمن کا مقابلہ نعرہ تکبیر سے شروع کر دیا اور جب سب کچھ ہی ختم ہونے والا تھا تو میجر امیر افضل چند مجاہدین کو ساتھ لے کر دشمن کا گھیرا توڑ کر بی آر بی پر آکر بیٹھ کر فائر بندی تک دشمن کے دانت کھٹے کرتا رہا۔

7 ۔ ان مجاہدین کی اس تقریب میں لیفٹیننٹ جنرل محمد صفدر جو آجکل پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہیں، نے اعزازی کرنل کے عہدے سے سبک دوش ہونا تھا۔ اور تقریب میں آنے سے پہلے وہ ڈوگرئی کے میدان جنگ اور فوجی قبرستان میں اپنے ساتھی شہدا کو سلام پیش کر آئے تھے۔ نئے اعزازی کرنل نے جنگ کے تقریباً دو سال بعد غازیان ڈوگرئی کی کمانڈ سنبھالی تھی۔ یہ نئے صاحب کرنل حبیب الرحمن ۹ پنجاب اور ۱۹ پنجاب میں تو خدمات انجام دے چکے تھے اور بڑے ہر دلعزیز افسر مانے جاتے ہیں۔ لیکن اس کمانڈ نے ان کی دنیا ہی تبدیل کر دی۔ وہ نظریاتی جذبہ جس کا ڈوگرئی کے میدان جنگ اور لاہور محاذ کے دو اور مقامات پر بھی قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح مظاہرہ کیا گیا تھا، اور عظیم قربانی بھی دی تھی اس نے ان مجاہدین کو دلوں کو قرآن پاک میں بیان شدہ الفاظ کے مطابق ایسا جوڑ دیا ہے کہ اس پلٹن میں ہر مخلص انسان، تقویٰ کے ساتھ قران پاک کے الفاظ کے مطابق سیسہ پلائی دیوار کا حصہ بن جاتا ہے۔ حبیب الرحمن میں یہ سب کچھ ہے۔ عام طور پر پلٹنوں والے جرنیلوں یا بریگیڈیئروں اور خاص کر حاضر نوکری والوں کو یہ اعزازی عہدہ سونپتے ہیں۔ لیکن غازیان ڈوگرئی، حبیب الرحمن کے خلوص کی وجہ سے یہ اعزاز ایک ریٹائرڈ کرنل کو سونپ رہے تھے۔

8 ۔ جب تقریب شروع ہوئی تو پلٹن کے نوجوان کمانڈنگ افسر لیفٹیننٹ کرنل ارشد محمود ملک نے سامعین کو ششدر کر دیا، کہ اس کی ساری تقریر ادب کا ایک شہ پارہ بھی تھی۔ لیکن اختصار کی ضرورت کے تحت صرف چند فقرے لکھے جاتے ہیں۔ کہنے لگے "یہ پلٹن ہر چیز میں منفرد



ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ، جس کو انگریز غدر کا نام دیتے ہیں اور ہم اس کو جنگ آزادی کہتے ہیں اس وقت برصغیر میں بعد میں رہ جانے والی پلٹنوں میں یہ واحد پلٹن ہے جو مجاہدین آزادی کے ساتھ شامل ہو گئی اور انگریز حکومت نے ایک دفعہ پلٹن کو توڑ بھی دیا اور ۱۸۵۸ء میں دوبارہ کھڑا کیا۔ اس وقت سے لے کر ۱۹۴۷ء تک پلٹن کی کارکردگی، ایک تاریخ کا حصہ ضرور ہے لیکن اس میں ہمارے لئے کوئی فخر کی بات نہیں۔ دراصل ہماری تاریخ تو ۱۹۴۷ء سے شروع ہوتی ہے۔ جہاں پر اس پلٹن نے نظریاتی طور پر بھی اور عسکری صلاحیتوں، پیشہ ورانہ کارروائیوں اور کھیل کود، ہر جگہ نام پیدا کیا اور پھر ستمبر ۶۵ء میں اپنے خون سے ڈوگرئی کے میدان جنگ میں اپنی نظریاتی تاریخ رقم کی کہ ہم اللہ اور رسولؐ کے نام پر سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں۔ میجر مبارک شہید کیپٹن صغیر شہید، لیفٹیننٹ اختر شہید صوبیدار غلام رسول شہید اور سینکڑوں شہدا میں سے کس کس کا نام لیا جائے۔ وہ ہر وقت ہمارے ساتھ موجود رہتے ہیں۔ اور آج کے دن تو زیادہ زور شور سے وہ ہمارے بیچ موجود ہیں۔ (سامعین کی ہچکیاں بندھ گئیں اور سب پر رقت طاری ہو گئی اور سیالکوٹ چھاؤنی کی فضا نعرہ تکبیرہ کی صداؤں سے گونج اٹھی)

9 ۔ کچھ وقفے کے بعد کہنے لگے۔ تقریباً اڑھائی سو کی اس نفری میں شہدا سمیت دو سو سے اوپر مجاہدین نے ڈوگرئی کے میدان کو اپنے خون سے سینچا۔ لیکن جن باقی چالیس پچاس مجاہدین کے خون بہانے کا سرکاری کاغذات میں ذکر نہیں، یہ نہ سمجھنا کہ وہ زخمی نہ ہوئے تھے۔ ان کی وردی سے بھی گولیاں گزر گئیں، اور جھولوں، پٹھوؤں سے بھی اور فسٹ فیلڈ ڈریسنگ تو انہوں نے بھی اپنے زخموں پر باندھی ہوئی تھیں۔ "اے سرزمین لاہور! اور خاص کر باٹا پور سے آگے ڈوگرئی کی زمین تو ہمارے خون کی آمین ہے۔ (نعرہ تکبیر۔ اللہ اکبر کی صدائیں)

10 ۔ سامعین حیران تھے کہ اب اعزازی کرنل حبیب الرحمن کیلئے تو کوئی بات رہ ہی نہیں گئی۔ وہ کیا خطاب کریں گے۔ لیکن ان کا تقویٰ ساتھ تھا۔ کہنے لگے "لاہور محاذ پر اس پلٹن کی کوئی یادگار نہیں اور مجھے دکھ تھا کہ اتنے عظیم مجاہدین کا کوئی نشان نہیں۔ لیکن جب میں نے کمانڈ سنبھالی تو مجھ پر عیاں ہوا کہ یہ لوگ تو نظریاتی یادگاروں کو اپنے ساتھ اٹھائے پھرتے ہیں۔ یہ لوگ مادی یادگاروں کے محتاج نہیں۔ بے شک انگریزوں کی نوکری کے زمانے کی باتوں میں

ہمارے لئے کوئی فخر نہیں۔ لیکن اس پلٹن نے اس زمانے میں بھی اپنے سپاہیانہ اوصاف کا
یورپ کی اتحادی فوجوں کے سامنے فرانس اور فلینڈرز میں سکہ بٹھایا اور اپرس کے مقام پر ۱۹۱۶ء
میں ڈھول بجا کر ایسا سخت حملہ کیا، کہ ان کے سامنے جرمن افواج کا دفاع پاش پاش ہو گیا۔ وہ
اس جنگ کا درخشاں باب ہے اور اس یاد میں اٹک دریا کے پرانے پل کے پاس انگریز افسر اس
پلٹن کی جو ایک یادگار بنوا گئے ہیں وہ آج بھی قائم ہے۔ لیکن ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد اللہ
تعالیٰ نے وہ سڑک والا راستہ بھی ختم کر دیا کہ اب نظریاتی یادگاروں کا زمانہ آگیا تھا۔ اللہ کی
قدرت کہ ڈوگرئی کے میدان جنگ میں سب سے اگلے مورچے کے کمپنی کمانڈر میجر امیر افضل
کو اللہ تعالیٰ نے بچالیا۔ اور جہاں وہ نظریاتی اور عسکری پہلو پر اس قوم اور ملک کی فوج کیلئے اب
تک کلاسیوٹز کے ترجمے سمیت بیس کتابیں اور ہزاروں مضامین لکھ چکا ہے۔ وہاں ہر کتاب میں
جہاں وہ پوری قوم کو جھنجوڑ رہا ہے تو ڈوگرئی کے شہدا اور غازیوں کو جس طرح خراج تحسین
پیش کر رہا ہے اور جو کچھ اپنے خون جگر سے لکھ رہا ہے وہ ایک الگ باب ہے کہ اشاروں میں وہ
تسلیم کر رہا ہے کہ ڈوگرئی کے شہدا کے خون کی معطر فضاؤں کی مدد سے اللہ تعالیٰ نے اس کے
سینہ کو کھول دیا ہے اور کچھ مکاشفات پر وہ ابھی پردہ رکھے ہوئے ہے۔ (نعرہ تکبیر۔ اللہ اکبر)

11 ۔ جب کرنل کمانڈنٹ لیفٹیننٹ جنرل نصیر اختر کی باری آئی تو اس نے ایک ہی فقرے
میں دریا کو کوزے میں بند کر دیا۔ "کہ فوجی نوکری میں ۱۹ اپریل ان کی نوکری کا آخری دن ہے
اور اسی شام وہ اپنی عظیم پلٹن اور رن آف کچھ میں بھارتیوں کے دانت کھٹے کرنے والی قائد اعظم
گارڈ ۶ پنجاب میں جا کر وردی اتار دے گا کہ جہاد کشمیر کے عظیم سپوت کیپٹن ظفر اقبال اس پلٹن
میں کپتان تھے۔ اس کی کتنی خوش قسمتی ہے کہ اس کی نوکری کا آخری دن اسلام کے ان عظیم
مجاہدین کی پلٹن میں گزر رہا ہے جنہوں نے اللہ اور رسولؐ کے راستے میں اپنی جان کا نذرانہ پیش
کر کے ستمبر ۶۵ء میں لاہور کو بچالیا اور شام اپنی عظیم پلٹن میں"

12 ۔ اسلام کے چراغ ہماری افواج میں ہمیشہ سے جلتے رہے ہیں، تو تب ہی یہ ملک قائم
ہے۔ مشرقی پاکستان میں سیاست کی بھینٹ چڑھا کر ہمیں جو قربانی کا بکرا بنایا گیا۔ وہ بد قسمتی
ہے۔ بہر حال اب اسلام کی لہریں فوج میں کچھ زیادہ ہی زور پکڑ گئی ہیں اور خاص کر جنرل جہانگیر



کرامت کے اعلانات کہ ہم اللہ کے سپاہی ہیں اور ہلال اخبار جنوری۔ فروری کا اعلان کہ کوئی
آدمی افواج پاکستان کا اسلام سے رابطہ کاٹنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ دراصل بارش کے پہلے
قطرے ہیں۔ اپنی افواج نے اب زیادہ زور شور سے اپنے ماحول کو حضور پاکؐ کے جمال سے
منور کر دینا شروع کر دیا ہے اور حضور پاکؐ کے جلال سے جہاد کو طرز زندگی کے طور پر اور زیادہ
غیرت سے اپنا رہے ہیں۔ وہ نعرہ پاکستان کو نعرہ تکبیر، نعرہ رسالت اور نعرہ حیدری کے بعد ایک
ثانوی حیثیت دے رہے ہیں کہ اس خطہ میں اگر اسلام نہیں تو ہم کچھ بھی نہیں کہ غازی انور
پاشا کے اس اعلان کی ان کو سمجھ ہے کہ اسلام میں اللہ و رسولؐ کے نام پر سے لاکھوں سلطنت
عثمانیہ قربان کی جا سکتی ہیں کہ اسلام گیا تو ہماری عزت گئی کہ سلطان ٹیپوؒ نے کہا تھا کہ شیر کی
ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سال کی زندگی سے بہتر ہے اور بات ساری یہ ہے کہ روز قیامت
اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے کہ محمود غزنویؒ نے کہا تھا کہ روز قیامت بت فروش کی بجائے وہ
بت شکن کے نام سے پکارا جانا چاہتے ہیں۔ یہ تھے وہ نظارے جن کا اس تقریب میں عملی مظاہرہ
ہو رہا تھا۔

13 ۔ تقریب میں شرکت کرنے والوں میں سب سے زیادہ عمر والے ۸۲ سالہ اسلام کے عظیم
فرزند بریگیڈیئر نثار احمد قریشی تھے۔ جو جنرل یحییٰ خان وغیرہ سے بھی بہت سینئر تھے۔ اور پاکستان
بنتے ہی انہوں نے موجودہ نویں پنجاب کی کمانڈ سنبھالی اور ۱۹۴۹ء میں اس پلٹن کو بھی اپنی کمانڈ کا
شرف بخشا۔ آپ اس زمانے میں پاکستان کی بری فوج کے اسے اقلیتی گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔
جو اندھا دھند انگریزی روایات، اور طرز زندگی کی تقلید کے خلاف تھے۔ لیکن وہ زمانہ ان لوگوں کا
تھا جو "بھنگریز" بنے ہوئے تھے، تو ۱۹۵۵ء میں جب آپ کے جنرل بننے کی باری آئی، تو آپ کو
جنرل نہ بنایا گیا اور آپ نے فوج سے پنشن لے لی۔ لیکن اسلام کا جو چراغ آپ اور آپ جیسے
جلاتے رہے وہ اب سورج بن کر اپنی چمک دکھا رہا ہے۔ بے شک تقریب کے دولہا کرنل
حبیب الرحمن تھے۔ اور متعدد حاضر سروس اور ریٹائرڈ جنرل تقریب میں موجود تھے لیکن جو بڑائی
اور عزت بریگیڈیئر نثار احمد کو نصیب ہو رہی تھی، اس کو کوئی قلم نہیں لکھ سکتی۔ جدھر وہ نظر
پھیرتے تھے، آگے سے باوردی جنرل آدب کے ساتھ بچھ بچھ جاتے تھے۔ جو چند لمحے وہ تقریب میں
رہے یا جس طرح ان کو خوش آمدید کہا گیا یا جس طرح ان کو الوداع کیا گیا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا

کہ تقریب کے سب شرکا، اپنا سب کچھ ان پر نچھاور کر رہے ہیں۔

14 ۔ ان کی آمد سے پہلے اور بعد کی تقریبات میں یہ بڑائی، عہدہ میں بہت کم ۷۶ سالہ میجر امیر افضل کو عمر، اس کی اسلام سے وابستگی اور ڈوگرئی کے میدان جنگ کی کمانڈ کی وجہ سے نصیب ہوتی رہی۔ انگریز جو کمانڈ کی فرعونیت ہمارے پاس چھوڑ گئے تھے وہ اب ختم ہوتی نظر آرہی ہے۔ علاقہ کے ڈویژن کمانڈر میجر جنرل امتیاز شاہین اسلامی روایات کے مطابق بڑوں کی قدر اور اپنی کمانڈ کے معزز ترین فرد کے طور پر اپنی شخصیت کو چار چاند لگا رہے تھے، اس سے وہ کمانڈر کے طور پر نہیں بلکہ لیڈر کے طور پر جو اپنے ماتحتوں کے دلوں پر حکومت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ وہ اپنے لئے اسلامی اطاعت امیر کے خصوصیت کی صحیح طور پر حقدار ثابت ہو رہے تھے اور بریگیڈ کمانڈر آصف اختر تو غازیان ڈوگرئی کو اپنی پلٹن کہتے ہیں۔ وہ تو تقریب میں پلٹن کے ایک افسر کے طور پر میزبانی کا شرف حاصل کر رہے تھے۔ وہ تمام پنشنر مہمانوں پر نچھے جاتے تھے اور محمود و ایاز کے ایک صف میں ہونے کے اس نظارے پر کئی مضامین لکھے جاسکتے ہیں۔

15 ۔ مہمانوں میں جنرل محمد صفدر کا ذکر ہو چکا ہے انہوں نے کیپٹن کے طور پر ستمبر ۶۵ کی جنگ میں پلٹن کی ڈی کمپنی کی کمانڈ کی تھی۔ جنہوں نے بھارتیوں کو توتی پوسٹ سے بھگایا اور ان کی مدد کیلئے کیپٹن ظہور رانا جو اس محاذ پر سولین مجاہدین کے کمانڈر تھے وہ اب ریٹائرڈ کرنل کے طور پر تقریب میں شریک ہوئے۔ پلٹن کی سی کمپنی کے کمانڈر اس وقت کے میجر ظفر احمد کو ۱۹۷۱ء کی جنگ میں برکی محاذ پر اس پلٹن کی کمانڈ کا شرف حاصل ہوا۔ اب آپ کا بیٹا بھی پلٹن میں شامل ہے اور انہوں نے بھی تقریب میں شرکت کی۔ کرنل فرید ملک بھی موجود تھے جو ڈوگرئی کی جنگ میں صرف دو دن کی شرکت کے بعد زخمی ہو گئے تھے۔ لیکن زیادہ نگاہیں کرنل افتخار چوہدری کی طرف اٹھ رہی تھیں جنہوں نے ڈوگرئی محاذ پر گشتی دستوں کی کمانڈ کر کے دشمن کو اپنے دفاع سے دور رکھا اور سخت جنگ اور حملہ میں میجر امیر افضل کا سہارا بنے۔ جب فرید ملک کے زخمی ہو جانے کے بعد ان کو A کمپنی کی کمانڈ دوبارہ سنبھالنا پڑی۔ ۲۱ ستمبر ۶۵ء کی شام کو افتخار کو پیچھے بھیج دیا گیا تھا کہ اوپر والوں کو آگاہ کرے کہ ہماری آدھی سے زیادہ نفری ختم ہو چکی ہے لیکن اس کے بعد غازیان ڈوگرئی کو گھیرا پڑ گیا اور افتخار ہمیشہ افسوس کرتا رہتا ہے کہ وہ ۲۲،



ستمبر کی دھکا پیل اور ہاتھوں ہاتھ کی لڑائی میں شرکت نہ کر سکا۔ سرداروں اور جوانوں میں صوبیدار چنار گل (بعد میں کیپٹن) حوالدار بعد میں صوبیدار امیر خان، شکور وغیرہ متعدد صاحبان اس تقریب میں شریک تھے جنہوں نے اس ہاتھوں ہاتھ لڑائی میں حصہ لیا تھا اور سب نے مل کر ایک ایک شہید کے بارے میں باتیں کیں۔ کاش ان جذبات کو کوئی ریکارڈ کرنے والا ہوتا، کہ کرنل اسلم خٹک جنہوں نے پلٹن کی کمانڈ بھی کی ان کو دیکھ کر بار بار ان کے بھائی حوالدار شیرین خان شہید یاد آرہے تھے کہ بھائی کی شہادت کے بعد اسلم خٹک نے ان کی جگہ لے لی اور اسلم خٹک کی چال اور شخصیت میں بھائی کی چال کی بانکپن موجود ہے جو شیرین شہید نے میدان جنگ میں بھی قائم رکھی تھی۔

16 ۔ پلٹن کے ساتھ وابستہ متعدد اور افسران بھی تقریب میں شریک تھے جن میں پلٹن کا بہادر سپوت کرنل شیر سلیمان ڈار بھی تھا جو ستمبر ۶۵ میں کشمیر کے محاذ پر داد شجاعت دیتا رہا تھا۔ کرنل بشارت ملک، کرنل غلام احمد اور میجر خان افضل جیسے ہر دلعزیز افسران بھی تھے۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ کے فوراً بعد پلٹن میں شمولیت کرنے والا شیر افگن بھی تھا جو بریگیڈیئر کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوا اور اس کا ساتھی میجر خورشید بھی تھا۔ حاضر نوکری والوں میں سے میجر جنرل سکندر شامی اس تقریب کے محور تھے۔ آپ ستمبر ۶۵ کی جنگ کے شہید بریگیڈیر احسن رشید شامی، جن کا تعلق توپخانہ سے تھا ان کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ ۶۶-۱۹۶۵ء میں کیڈٹ تھے۔ اپنے پلٹون کمانڈر ناصر نواز جنجوعہ سے جب غازیان ڈوگرئی کی قربانیوں کے بارے میں آگاہ ہوئے تو ہمیشہ کیلئے اس پلٹن کے ہو گئے۔ ۱۹۷۱ء کی جنگ میں ایک پاؤں بھی اڑ گیا لیکن آپ کی زندگی اب غازیوں کے ساتھ وابستہ ہو گئی ہے۔ آپ اسلام کے عظیم فرزند ہیں اور ہمیں مرعوب کرنے والی انگریزوں کی غلط روایت کا ہماری فوج سے قلع قمع کرنے کے مشن پر ہیں۔ حاضر سروس والوں میں سے بریگیڈیر خادم ملک اور بریگیڈیئر ٹیپو سلطان تقریب کو کامیاب کرنے کیلئے روح رواں تھے۔ انہوں نے پلٹن کی جو مدد کی اس کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔

17 ۔ کرنل ارشد ان کے نوجوان افسران، صوبیدار میجر صاحب، سردار صاحبان اور پلٹن کے جوانوں نے اس تقریب سے پہلے جو تیاری کی یا تقریب کے درمیان جو کچھ کیا یا سیالکوٹ سٹیشن

کی دوسری یونٹوں نے جو اپنے ذرائع یا رہائش کی جنہیں پلٹن کو دیں یا جو کچھ اخوت اور خلوص، کا مظاہرہ دیکھنے والی آنکھوں کو اس تقریب میں نظر آیا وہ آنے والے روشن مستقبل کی ایک جھلک ہے کہ اخوۃ اسلامی سے ایسے جڑے ہوئے دلوں کی بنیان المرصوص، ایک چٹان ہے جس کے ساتھ ٹکرانے والا دشمن پاش پاش ہو جائے گا جنرل جہانگیر کرامت کو ایسی فوج کی کمانڈ مبارک ہو۔

## مصنف کے تاثرات

18 ۔ رب نبی محمدؐ۔ اس عاجز کو سیالکوٹ میں یہ نظارے دکھا کر کیا میری ڈھارس بندھوائی تھی؟ کہ ساری قوم اگر پیشہ ور افواج کی طرح اللہ کی فوج بن جائے۔ تو پورا ملک تکبیر مسلسل کی صدا سے گونج سکتا ہے۔ رب نبی محمدؐ۔ تیری بڑی مہربانی کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے یعنی پچھلے ستر برسوں سے تو یہ عاجز اسلام کی شان و شوکت کے دیکھنے کیلئے چیخ و پکار میں مصروف ہے۔ آپ کی مہربانی ہے کہ کبھی کوئی جھلک دکھلا دیتے ہو۔ اور میں تیرے سامنے جھولی پھیلائے پھرتا ہوں۔ اور تو ہی بتا دے کہ اور کس کے سامنے یہ جھولی پھیلاؤں؟ بے ادبی کا ڈر لگتا ہے۔ لیکن ایک دفعہ پھر سجدے میں گر کر گزارش کرتا ہوں کہ اپنے نام اور اپنے حبیبؐ کے نام کی لاج رکھ۔ غیر تو کہتے ہیں ہم تیرے ہیں۔ ہماری ذلت پر کچھ تو ترس کھا۔

۱۹۔ از تیرے حبیب پاکؐ کا سپاہی تیرے حبیب پر لاکھوں سلام بھیج کر دوسرے ایڈیشن کا خاتمہ کرتا ہے کہ اب توفیق دے کہ جن "دانشوروں" اور "علماء" نے مقام مصطفیٰؐ کو سمجھنے کے سلسلہ میں عاجزی نہیں کی اور بے لگام تحریروں سے "وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا اس کے قلب سے روح محمدؐ نکالنے کا دانستہ یا نادانستہ طور پر عمل کر بیٹھے ہیں" ۔ یہ عاجز قوم کے سامنے ان کا کچا چٹھا کھول دے گا اور بسم اللہ مودودی صاحب کی "تفہیم" سے ہو گی، جہاں قرآن پاک کی تفسیر کی آڑ میں وہ اپنے ایسے عقائد کا پرچار کرتا رہا کہ تیرے حبیبؐ کی شان کو وہ ٹھیس پہنچاتا رہا ہے اور اس کا ایک ثبوت کتاب کا صفحہ ۱۰۹ تا ۱۱۱ پر پیش کر چکا ہوں ۔ کہ وہ بے چارہ اور ہمارے ملک کے متعدد علماء ظاہر جو قوم کے رہنما نہ بن سکے وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں:۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

## یہ نہ کہنا کہ ہم بے خبر تھے؟

صحیح بخاری کے مطابق، مرنے کے بعد جو تین سوالات پوچھے جائیں گے۔ ان میں دوسرا سوال یہ ہوگا کہ تمہارا دین کیا ہے؟ جو لوگ دنیاوی زندگی میں دین میں پوری طرح داخل ہونے میں یقین نہیں رکھتے۔ اور بے دین یا سیکولر نظاموں کے چلانے میں حصہ دار ہیں۔ ان کا جواب ہوگا وہ بے دین ہیں۔ ایسے لوگوں کی نمازیں، روزے، زکوۃ اور حج وغیرہ لاحصل مشقتیں ہیں۔ ان کے مرنے کے بعد ان کے جنازہ یا قرآن خوانی کا تردد کیوں کیا جائے۔؟

ہائے افسوس! ہماری جاہل قوم احتجاجی ہڑتالوں میں اپنی "بے غیرتی" پر بھنگڑے ڈال کر پیشاب کی جھاگ بن کر خوش ہو جاتی ہے۔ سلام میں ایسی صورتوں پر ندامت کے آنسو بہا کر اللہ تعالیٰ سے عزت کی زندگی کی گزارش کر کے غیرت والی زندگی بسر کرنے کی تیاری کی جاتی ہے

# مصنف کی دیگر تصنیفات

1 - **جلال مصطفیٰ**: - دو ایڈیشن شائع ہو کر بک چکے ہیں - اب یہ کتاب - اضافوں کے ساتھ کتاب "حضور پاکؐ کے جلال و جمال" کا حصہ ہے -

2 سے 9 - **کلاسوٹز کا فلسفہ جنگ**: - مشہور جرمن جنگی ماہر کی آٹھ کتابوں کا ترجمہ کر کے تین جلدوں میں شائع کیا - ساتھ قرآن پاک احادیث مبارکہ، تاریخ اسلام اور علامہ اقبالؒ کے شعروں سے ثابت کیا کہ ہمارے پاس بہتر فلسفہ جنگ موجود ہے - تمام کتابیں فوج نے خرید لیں -

10 سے 13 - **خلفائے راشدین کی جنگی حکمت عملی اور تدبیرات کے جائزے**: - جن میں تقریباً تین سو سے اوپر جنگیں اور مہمات ہیں - یہ چار جلدوں میں ہیں - اول، فتوحات عراق و ایران، دوم - فتوحات فلسطین و شام، سوم - فتوحات مصر، افریقہ اور متفرق، چہارم وسط ایشیا سے بحیرہ اوقیانوس تک، اور بری فوج کی ہر بڑی یونٹ اور سٹیشن لائبریریوں میں موجود ہیں - تمام کتابیں فوج نے لے لیں ہیں - دوسرا ایڈیشن شائع کرنے کی ہمت نہیں یہ سب کتابیں موزوں نقشوں سے مزین ہیں -

14 - **تاشقند کے اصلی راز**: - اس کتاب میں 1985ء تک ہمارے سب عسکری اور سیاسی المیوں کے علاوہ قادیانیوں کی سازشوں کو بھی بے نقاب کیا گیا ہے اور مصنف نے صاف گوئی سے ملک کے سربراہوں یا دوسرے لوگوں کو جو کچھ برملا کہا - وہ بھی کتاب میں موجود ہے - قیمت -/35 روپے - مارکیٹ ریٹ -/150 روپے - پہلا ایڈیشن ختم ہونے والا ہے - دوسرے کی ہمت نہیں -

15 - **پنڈورا باکس**: - 1993ء تک ہماری 46 سالوں کی ذلت کی زندگی اور اللہ و رسولؐ سے غداری کا مختصر بیان ہے - قیمت -/20 - ملدکیٹ ریٹ -/60 روپے - دوسرا ایڈیشن ختم ہونے والا ہے - تیسرے کی تیاری ہے -

16 - **حضور پاکؐ کا جلال و جمال**: - مجلد کتاب ہدیہ -/180 روپے سادہ جلد -/150 روپے - مارکیٹ ریٹ -/400 روپے - تفصیل ضمیمہ "ب" پر دیکھیں - جنرل ڈار، پیر صاحب کرم شاہ، جنرل رفاقت اور متعدد صاحبان کے تبصرے مصنف سے مفت حاصل کر سکتے ہیں -

17 - جہاد کشمیر 48-1947 : - مجلد کتاب ہدیہ 180 روپے سادہ جلد 150 روپے مارکیٹ ریٹ - 400 روپے - تفصیل ضمیمہ "ج" پر دیکھیں - جنرل رفاقت اور سید شبیر حسین کے تبصرے مصنف سے مفت حاصل کر سکتے ہیں -

18 - **شان حبیبؐ**: - نگاہ رب العالمین - ترتیب سے حضور پاکؐ کے شان میں نازل شدہ تقریباً اڑھائی سو آیات مبارکہ کا ترجمہ اور تبصرہ ہدیہ 15 روپے

19 - **روز قیامت اور حیات بعد الموت**: محمد بشیر محمود کی انگریزی کتاب کا ترجمہ اضافوں کے ساتھ - جہاں سائنسی دریافتوں کو قرآن پاک کے انکشافات سے شیر و شکر کر کے، سائنس کی پرانی غلط فہمیوں اور موجودہ کیسوں کا بھی ذکر ہے - کتاب محمد بشیر محمود 60 بی ناظم الدین روڈ - اسلام آباد سے حاصل ہو سکتی ہے -